MUHAMMAD

His Life Based on the Earliest Sources

محمد رسول اللہ ﷺ

سیرت کی اوّلین کتب سے ماخوذ شاہکار سیرت النبی ﷺ

ابوبکر سراج الدین

MARTIN LINGS

Marfat.com

MUHAMMAD

His Life Based on the Earliest Sources

محمد رسول الله ﷺ

سیرت کی اوّلین کتب سے ماخوذ شاہکار سیرت النبی ﷺ

مصنف

ابوبکر سراج الدین

(مارٹن لنگز)

مترجم

کاظم جعفری

بُک کارنر

جہلم، پاکستان

Marfat.com

Muhammad Rasoolullah ﷺ
by: Martin Lings
Trans. Kazim Jafri
Jhelum: Book Corner.2015
520p
1. Biography - Seerat
ISBN: 978-969-9396-78-6

©

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قانونی مشیر: عبدالجبار بٹ (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

297-99.21
۱۲۳۵۸۸

اشاعت	:	ستمبر 2015ء
نام کتاب	:	محمد رسول اللہ ﷺ
مصنف	:	ابوبکر سراج الدین (مارٹن لنگز)
مترجم	:	کاظم جعفری
نظرثانی	:	سیّد سجاد حیدر
حروف خوانی	:	پروفیسر سیّد امیر کھوکھر / سیّد ذوالفقار حسین
سرورق	:	ابوامامہ

ناشر:
گگن شاہد، امر شاہد
بک کارنر
پرنٹرز، پبلشرز اینڈ بک سیلرز،
جہلم، پاکستان

Publisher:
Gagan Shahid & Amar Shahid
Book Corner
Printers, Publishers & Booksellers
Jhelum. Pakistan.
Phone # 0544-614977 / 0544-621953
Cell # 0323-5777931 / 0321-5440882
Email: info@bookcorner.com.pk

www.bookcorner.com.pk

Join Us On facebook

www.facebook.com/bookcornershowroom

Marfat.com

فہرست

*	عرض ناشر	امر شاہد	7
*	پیش لفظ	سید سجاد حیدر	9
*	عرضِ مترجم	کاظم جعفری	12
*	شیخ ابوبکر سراج الدین	سیّد حسین نصر	13
باب:۱	بیت اللہ		19
باب:۲	ایک نقصان		24
باب:۳	وادیٔ مکہ کے قریش		26
باب:۴	نقصان کی بازیابی		31
باب:۵	ایک بیٹے کو قربان کرنے کا عہد		34
باب:۶	ایک نبی کی ضرورت		37
باب:۷	عام الفیل		42
باب:۸	الصحرا		47
باب:۹	دو اموات		53
باب:۱۰	عیسائی راہب بحیرٰی		56
باب:۱۱	ایک معاہدۂ جانبازی		59
باب:۱۲	ازدواجی معاملات		62
باب:۱۳	گھرانہ		67
باب:۱۴	خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو		74

21-09-2014

Marfat.com

باب:۱۵	ابتدائے نزولِ وحی	77
باب:۱۶	عبادت۔صلوٰۃ	82
باب:۱۷	اپنے کنبے کو خبردار کرو	88
باب:۱۸	قریش کے اقدامات	92
باب:۱۹	اوس وخزرج	98
باب:۲۰	ابوجہل اور حمزہ	101
باب:۲۱	قریش کی پیش کش اور مطالبات	104
باب:۲۲	سردارانِ قریش	109
باب:۲۳	امید واستجاب	113
باب:۲۴	خاندان میں پھوٹ	117
باب:۲۵	وہ ساعت!	124
باب:۲۶	تین سوالات	127
باب:۲۷	ملک حبش	132
باب:۲۸	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	138
باب:۲۹	مقاطعہ اور خاتمہ	142
باب:۳۰	جنت اور ابدی زندگی	149
باب:۳۱	عام الحزن	153
باب:۳۲	تجلیٔ ذات	161
باب:۳۳	رنج والم کے بعد	166
باب:۳۴	اہلِ یثرب کا ردِعمل	170
باب:۳۵	مہاجرین	178
باب:۳۶	سازش	182
باب:۳۷	ہجرت	185
باب:۳۸	رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد	192

Marfat.com

باب:۳۹	ہم آہنگی و ناموافقت	195
باب:۴۰	رسول اللہ ﷺ کا نیا گھرانہ	206
باب:۴۱	جنگ کی دہلیز پر	211
باب:۴۲	عساکرِ اسلامی کا بدر کی جانب کُوچ	215
باب:۴۳	غزوۂ بدر	226
باب:۴۴	شکست خوردہ لشکر کی واپسی	237
باب:۴۵	جنگی قیدی	240
باب:۴۶	بنی قینقاع	247
باب:۴۷	اموات اور شادیاں	251
باب:۴۸	اصحاب الصُفّہ	257
باب:۴۹	متفرق جھڑپیں	261
باب:۵۰	جنگ کی تیاریاں	264
باب:۵۱	لشکرِ اسلام کا احد کی جانب کُوچ	271
باب:۵۲	جنگِ احد	275
باب:۵۳	انتقام	288
باب:۵۴	شہدائے اُحد کی تدفین	291
باب:۵۵	غزوۂ اُحد کے بعد	296
باب:۵۶	انتقام کے شکار	301
باب:۵۷	بنی نضیر	307
باب:۵۸	صلح اور جنگ	311
باب:۵۹	جنگِ خندق	325
باب:۶۰	مدینہ کا محاصرہ	332
باب:۶۱	بنی قُریظہ	345
باب:۶۲	محاصرے کے بعد	352

Marfat.com

باب: ۶۳	گروہِ منافقین	356
باب: ۶۴	اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار	360
باب: ۶۵	اتہام طرازی	364
باب: ۶۶	عُمرے کا عزم اور قریش کا مخمصہ	370
باب: ۶۷	فتح مبین	377
باب: ۶۸	صلح حدیبیہ کے بعد	384
باب: ۶۹	فتح خیبر	392
باب: ۷۰	سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟	403
باب: ۷۱	خیبر کے بعد	409
باب: ۷۲	عُمرہ اور اس کے نتائج	418
باب: ۷۳	سانحات اور امیدِ ولادت	427
باب: ۷۴	صلح نامہ کی خلاف ورزی	434
باب: ۷۵	فتح مکّہ	443
باب: ۷۶	غزوہ حنین اور محاصرۂ طائف	453
باب: ۷۷	تالیفِ قلب	459
باب: ۷۸	فتح حنین کے بعد	466
باب: ۷۹	غزوۂ تبوک	472
باب: ۸۰	تبوک سے واپسی کے بعد	477
باب: ۸۱	درجات	486
باب: ۸۲	مستقبل	491
باب: ۸۳	حجۃ الوداع	495
باب: ۸۴	ربّ سے ملاقات اور جنت کا انتخاب	502
باب: ۸۵	جانشینی اور تدفین	510
✳	کتاب نامہ	516

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے سیرت نگاروں کی فہرست کافی طویل ہے۔ ان میں عربی سکالرز بھی ہیں اور فارسی محقق بھی، افریقی لکھاری بھی ہیں اور ہندی شعرا بھی، اُردو ادبا بھی ہیں اور ترکی مؤرخین بھی، لاطینی و فرنچ اصحاب قلم و قرطاس بھی ہیں اور انگریزی سیرت نویس بھی۔ سیرت نگاری کے اس میدان میں نہ صرف مسلم سکالرز و محققین شامل ہیں بلکہ غیر مسلم ادبا و شعرا بھی اس سلسلے میں خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ" بھی سیرتِ طیبہ کے اس زریں سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی ہے بلکہ انگریزی میں لکھی گئی کتبِ سیرت میں ایک عمدہ اور محققانہ اضافہ ہے۔ اس کی تصنیف کا سہرا نو مسلم سکالر مارٹن لنگز (ابوبکر سراج الدین) کے سر ہے، جو کہ 1909ء میں انگلستان کے مشہور شہر برنچ میں پروٹسٹنٹ عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے آکسفرڈ یونیورسٹی سے انگریزی زبان و ادب میں گریجویشن کیا۔ اس کے بعد وہ لیتھونیا کی "وائی ٹاٹس میگنس یونیورسٹی" میں مڈل انگلش کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ لنگز انگریزی ادب کے مایہ ناز قاری، لکھاری اور شاعر تھے۔ شیکسپیئر پر ان کو عبور حاصل تھا، اسی وجہ سے انہیں یورپ میں ماہر شیکسپیئر کہا جاتا ہے۔ انہوں نے انگریزی ادب کے مطالعے کے دوران ہی اسلامی تصوف اور روحانیت پر مطالعہ شروع کر دیا، جس کے نتیجے میں وہ 1938ء میں پروفیسر شیخ عبدالواحد یحییٰ کے ہاتھ پر قبولِ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ 1939ء میں لنگز الازہر یونیورسٹی قاہرہ (مصر) چلے گئے۔ وہاں دس سالوں سے زیادہ عرصے تک انگریزی زبان و ادب کی تدریس کرتے رہے۔ 1952ء میں مصر سے انگلستان آ گئے۔ یہاں یونیورسٹی آف لندن

Marfat.com

سے انہوں نے عربی میں گریجویشن کیا اور بعد ازاں اسی یونیورسٹی سے تصوفِ اسلامی کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ 1971ء میں وہ برٹش میوزیم میں اورینٹل مخطوطات اور مطبوعہ کتب کے نگران بنے۔ علاوہ ازیں وہ کئی یونیورسٹیز میں لیکچر دینے کے ساتھ ساتھ دُنیا کے متعدد ممالک میں تبلیغ دین کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ان کی اسلام، قرآن اور صاحبِ قرآن پر درجنوں کتابوں میں سے ''محمد رسول اللہ ﷺ'' عالمگیر شہرت کی حامل ہے۔
یہ کتاب 1983ء میں پہلی بار انگریزی میں چھپی۔ 1983ء میں ہی سالانہ قومی سیرت کانفرنس پاکستان میں اس کتاب کو انگریزی میں لکھی گئی سیرتِ طیبہ ﷺ پر سب سے بہترین کتاب قرار دے کر صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ 1990ء میں الازہر یونیورسٹی نے بھی اس کتاب کو سیرت النبی ﷺ کی بہترین کتاب قرار دیا اور مصر کے صدر حسنی مبارک نے مارٹن لنگز کو صدارتی ایوارڈ پیش کیا۔ جبکہ دُنیا بھر کے متعدد اخبارات و رسائل نے اس کتاب پر خوبصورت تبصرے کیے:

"This work is widely recognized as the most readable account of the life of the Prophet to date".

(The Times, London)

"For those interested in Islam in one way or another, it is mesmerizing".

(Parabola, New York)

اس شاہکار کتاب کے اب تک اُردو، عربی، لاطینی، فرنچ، ڈچ، ہسپانوی، ترکی اور دنیا کی درجنوں دوسری زبانوں میں تراجم منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ یہ اس کا سلیس، رواں اور خوبصورت ترجمہ ہے۔ اس شہرہ آفاق کتاب کی اہمیت و افادیت، لنگز کی محبت و عشق اور سوز و گداز کے پیشِ نظر ادارہ ''بک کارنر جہلم'' اسے پاکستان سے اُردو میں چھاپتے ہوئے فرحت و مسرت محسوس کر رہا ہے اور انتہائی فخر کے ساتھ عالمِ اسلام کے اس عظیم ادیب و صوفی کے شاہکار کو قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔
اس کتاب کے مترجم کاظم جعفری، جبکہ اس پر نظرِ ثانی کرنے والے ہمارے مہربان دوست سیّد سجاد حیدر اور سہیل عمر کا تہہ دل سے ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کتاب کو عوام الناس میں قبولیت عطا فرمائے۔

امرشاہد
جہلم، پاکستان

Marfat.com

پیش لفظ

ایک عام ملاقات میں محترم دوست امیر صولت جعفری کی انگریزی لٹریچر میں خصوصی دلچسپی کے باعث انگریز مصنفین کے حوالے سے گفتگو کا سلسلہ مارٹن لنگز اور ان کی شہرہ عالم تصنیف ''محمد ﷺ'' تک پہنچا تو انہوں نے انکشاف کیا کہ ان کے والدِ محترم کاظم جعفری صاحب نے اس کتاب کا اُردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے۔ تفصیل جاننے پر معلوم ہوا کہ ترجمہ مکمل ہوئے تو کئی سال گزر چکے ہیں لیکن اشاعت کے لیے درکار ''سوجھ بوجھ'' سے بے نیازی کے باعث اس کی اشاعت کا امکان کم ہی ہے۔ ترجمے کو دیکھنے کی میری خواہش پر کاظم جعفری صاحب نے مسودہ دکھایا تو حیرت ہوئی کہ انہوں نے کس محنت اور دیدہ ریزی سے مسودے کو انتہائی خوبصورت مجلد کتاب کی صورت میں تیار کیا ہوا ہے۔

راقم کے طباعت، اشاعت اور صحافت کے ۲۵ سال سے زاید ''کینیڈین'' تجربے کا حاصل یہ ہے کہ کینیڈا میں اُردو قارئین کی محدود تعداد اور اس پر مستزاد اردو کے تفریحی مواد کی مفت فراہمی کے باعث اپنی جیب سے ذاتی کتاب کی اشاعت کا شوق تو پورا ہوسکتا ہے لیکن ایک ضخیم اُردو کتاب کی طباعت و اشاعت اور فروخت ناممکنات میں سے ہے۔ اس تجربے کے باوجود موضوع کی برکت اور کاظم جعفری صاحب کی محنت کا تاثر اتنا بھرپور تھا کہ ان سے مسودہ لے کر کمپوزنگ شروع کر دی۔ ابتدائی صفحات میں ہی احساس ہوا کہ رواں ترجمے کی بجائے لفظی ترجمہ عام قاری کے لیے پڑھنا مشکل ہوگا۔ اس بارے میں جعفری صاحب سے بات کی تو انہوں نے کمال مہربانی سے تمام تر معاملات کو میری صوابدید پر چھوڑ دیا۔

اس اجازت کے بعد ایک آدھ باب ہی ٹائپ ہوا تھا کہ کینیڈا اور امریکہ میں اُردو کے ''کاروباری'' اور ''تفریحی'' میڈیا کے مقابل ایک ''نظریاتی'' جریدے کی ضرورت کا خیال ماہنامہ آفاق کی صورت میں روبہ

Marfat.com

عمل ہو گیا۔ اسی طرح کسی سوچ و بچار میں پڑے بغیر ہی یہ بھی طے ہو گیا کہ آفاق کے باقاعدہ سلسلوں میں سرِ فہرست سلسلہ سیرتِ سید المرسلین محمد ﷺ کا ہو گا۔ یوں آفاق کی وساطت سے کاظم جعفری صاحب کی محنت سالہا سال تک مسودے اور پھر غیر یقینی مدت تک کمپیوٹر میں محفوظ رہنے کی بجائے ماہنامہ ''آفاق'' کے ذریعے ہزاروں قارئین تک پہنچنا شروع ہو گئی۔ اوّلین شماروں سے ہی آفاق کے لیے تعریفی کلمات میں سرِ فہرست یہ بابرکت سلسلہ ہی تھا۔ قسط وار سلسلہ آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ قارئین کی جانب سے مکمل کتاب کی فرمائش کا اصرار بھی بڑھتا گیا لیکن ''آفاق'' کی مستقل ذمہ داری اور کتاب کی اشاعت کے لیے درکار وسائل کی غیر موجودگی کے باعث قارئین کی فرمائش وعدۂ فردا پر ٹلتی رہی۔ بالآخر قسط وار سلسلہ خاتمے کے قریب پہنچا تو بعض ناگزیر حالات کے ساتھ ساتھ قارئین سے کیے گئے وعدے کو ''آفاق'' کی اشاعت پر ترجیح دینا پڑی۔

جہاں تک اس کارِ سعادت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں معاونت کا تعلق ہے تو اس بارے میں اقبال اکیڈمی پاکستان کے ڈائریکٹر جناب سہیل عمر خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔ پاکستان میں اصل تصنیف کے اشاعتی حقوق کے ساتھ ساتھ اردو ترجمے کے عالمی حقوق بھی سہیل عمر صاحب کے پاس ہیں۔ آفاق میں اس سلسلۂ مبارک کی اشاعت شروع ہوئی تو سہیل عمر صاحب نے اپنے اشاعتی حق کا ذکر کرنے کی بجائے مزید ترجمے کی دقت سے بچنے کے لیے مکمل اردو ترجمہ روانہ کرنے کی پیش کش کر دی۔ ان کے تعاون کا سلسلہ اشاعتی حق سے دستبرداری تک ہی محدود نہیں۔ سہیل عمر صاحب کے سراج الدین ابوبکر مرحوم سے ذاتی تعلق کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اس لیے ان سے صاحبِ تصنیف کی رحلت پر آفاق کے لیے تعزیتی مضمون کی درخواست کی گئی۔ انہوں نے ذاتی تحریر کی بجائے سید حسین نصر کے مضمون کو ترجیح دیتے ہوئے اس کا خاص ''آفاق'' کے لیے اردو میں ترجمہ روانہ کر دیا۔ سہیل عمر صاحب کا ترجمہ ہی مصنف کے تعارفی مضمون کی حیثیت سے اس کتاب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ حسنِ اتفاق سے جس طرح اصل کتاب کی تصنیف کی سعادت انگریزی زبان کے نادر روزگار مصنف کو حاصل ہوئی اسی طرح مصنف کے بارے میں بہ ظاہر تعزیتی لیکن اپنی اصل میں تعارفی مضمون بھی ایک ایسی ہستی کے قلم کا شاہکار ہے جو اپنی فکر و نظر اور علم و ہنر کے حوالے سے مغربی دنیا میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔

کینیڈا میں اس ترجمے کی اشاعت کے ساتھ ہی میرے اپنے جہلم میں ''پاکستان کے سب سے بڑے کتب خانے'' کے اعزاز کے حامل گگن شاہد اور امر شاہد برادران نے خصوصی طور پر رابطہ کر کے اس کو پاکستان سے شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن جناب سہیل عمر صاحب کے اردو ترجمے کے حقوق کے احترام میں یہ معاملہ ٹلتا رہا۔ گزشتہ ماہِ دسمبر میں جہلم آمد پر شاہد برادران نے ایک بار پھر اپنے روایتی محبت اور خلوص سے بھرپور

Marfat.com

انداز میں اس ترجمے کی اشاعت کا مسئلہ اٹھایا۔ اگلے چند دنوں میں سہیل عمر صاحب سے ملاقات کے دوران انہوں نے نہ صرف پاکستان سے اشاعت پر اپنی خوشی کا اظہار کیا بلکہ اس بارے میں تمام تر تعاون کی پیش کش بھی کر دی۔ یوں اس کتاب کو پاکستان کے معروف و معتبر اشاعتی ادارے ''بک کارنر'' کے ذریعے پاکستانی قارئین تک پہنچانا ممکن ہو گیا۔ میں ذاتی طور پر اقبال اکیڈمی پاکستان کے ڈائریکٹر جناب سہیل عمر اور شاہد برادران کا شکر گزار ہوں کہ ان کے پرخلوص تعاون کے بغیر کینیڈا سے شروع ہونے والی ایک انفرادی کوشش کو ''بک کارنر'' جیسے ادارے کے ذریعے ایک صدقۂ جاریہ کی صورت میں ڈھالنا ناممکن تھا۔

ایک اور شکریہ جو واجب کی حیثیت رکھتا ہے وہ جناب سیّد معین الدین احمد قادری کا ہے جن کا ہندوستان سے ''حیاتِ سرورِ کائنات ﷺ'' کے نام سے شائع ہونے والا اردو ترجمہ اتفاق سے ہاتھ آ گیا۔ اس ترجمے کی مدد سے اصل تصنیف اور جعفری صاحب کے ترجمے کے درمیان کئی مشکل مقامات طے کرنا آسان ہو گئے۔ اصل تصنیف اور ترجموں کے تقابل سے اس حقیقت پر مہرِ تصدیق بھی ثبت ہو گئی کہ بعض موضوعات اپنی تمام تر کشش کے باوجود کتنے نازک ہو سکتے ہیں۔ اس بارے میں قارئین سے یہ درخواست ایک فرض کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ دورانِ مطالعہ اس حقیقت کو نگاہ سے اوجھل نہ ہونے دیں کہ دیگر موضوعات کی طرح سیرت جیسے پاکیزہ موضوع کی ترتیب و تدوین اور تزئین کا انحصار بھی مصنف کی اپنی تحقیق اور ذاتی رجحان پر ہوتا ہے۔ اس لیے انگریزی زبان میں سیرتِ مبارکہ پر یہ کتاب تحقیق و تزئین کے لحاظ سے بے مثال ہونے کے باوجود نتائج کے اعتبار سے حرفِ آخر کا درجہ نہیں رکھتی۔

سید سجاد حیدر

ٹورانٹو، کینیڈا

Marfat.com

عرضِ مترجم

یہ کتاب اُردو ترجمہ ہے جناب مارٹن لنگز کی تصنیف "Muhammad; His Life Based on the Earliest Sources" کا جو انہوں نے انگریزی زبان میں تحریر کی ہے۔ انگریزی دان طبقے میں یہ کتاب کافی مقبول ہے۔ چنانچہ ستمبر ۹۶ء میں مجھے اس کتاب کے مطالعہ کا موقع ملا اور مجھے اس کتاب کا اندازِ تحریر بہت پسند آیا، کیوں کہ یہ عام طور سے ایک بڑی معلوماتی کتاب ہے۔ اندازِ بیان میں ایک ایسا تسلسل ہے کہ جغرافیائی اور تاریخی پس منظر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات ولادت سے شروع ہو کر اس طرح آگے بڑھتے گئے ہیں کہ وادیٔ مکہ کے قریش کا معاشرہ، ان کے بچوں کی پرورش کے طور طریقے اور قبیلوں اور ان کے ذیلی خاندانوں کے تحفظ کی ضمانتیں، آپس کی رقابتیں اور جنگ و جدال سب کافی کھل کر بیان کیے گئے ہیں۔ ترجمہ شروع کیے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ مجھے چار ماہ کے لیے پاکستان جانا پڑا۔ پھر مارچ ۹۷ء میں کینیڈا واپسی ہونے کے بعد ترجمہ کا کام جولائی ۹۸ء میں تکمیل کو پہنچا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس کی عطا کی ہوئی صلاحیت سے میں اٹھارہ ماہ کے عرصہ میں کتاب کا لفظ بہ لفظ ترجمہ مکمل کر سکا۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ ترجمے کا اسلوبِ بیان بالکل کتاب کے مطابق ہو۔ بہر حال ترجمہ پیشِ خدمت ہے اور امید ہے کہ پسند آئے گا۔

کاظم جعفری

ٹورانٹو، کینیڈا

تکمیلِ ترجمہ: ماہ ربیع الاول ۱۴۱۹ء ہجری

مطابق: ماہ جولائی ۱۹۹۸ء

Marfat.com

شیخ ابوبکر سراج الدین

(مارٹن لنگز)

تحریر: سیّد حسین نصر ترجمہ: سہیل عمر

شیخ ابوبکر سراج الدین (۱۹۰۹ء۔۲۰۰۵ء) کی وفات سے صرف روایت کا مکتب فکر ہی ایک عظیم ترجمان سے محروم نہیں ہوا، بحیثیت مجموعی دنیا سے روحانیت کی ایک مشعلِ راہ کم ہوگئی ہے۔ شیخ ابوبکر نے طویل عمر پائی اور عمر آخر ہوتے ہوتے ان کی کتابوں، لیکچروں اور سب سے بڑھ کر ان کی روحانی حیثیت اور رشد و ہدایت نے مشرق ومغرب میں کتنی ہی جگہ روشنی پھیلا دی۔

شیخ ابوبکر جوانی ہی میں زبان وادب کے لیے غیر معمولی جوہر قابل رکھتے تھے۔ آکسفرڈ میں تعلیم کے زمانے میں وہ سی ایس لیوس کے بہت قریب تھے۔ لیکن ان میں عالمگیر صداقت کی ایسی پیاس اور ماوراً الطبیعیات کے فہم کے لیے درکار ایسی ذہانت موجود تھی جو ان کو لیوس کے طاقتور اثرات سے نکال کر رینے گینوں (شیخ عبدالواحد یحییٰ) کی تصانیف میں پیش کردہ حکمت جاوداں کی خالص صورت تک لے گئی۔ رینے گینوں کی کتب سے ان کا تعارف ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ گینوں کے بارے میں لیوس کی رائے بہت منفی تھی جیسا کہ ان کے مجموعۂ خطوط سے صاف ظاہر ہے۔ ایک نوجوان کے لیے یہ بڑی ہمت کی بات تھی کہ وہ آکسفرڈ میں رہتے ہوئے لیوس جیسی بااثر شخصیت کے سحر سے نکل کر روایتی عقائد وتعلیمات کے آفاق بعید کی جانب آغازِ سفر کر سکے۔ ۱۹۸۰ء میں راقم الحروف اور شیخ ابوبکر آکسفرڈ میں کسی علمی تقریب میں اکٹھے مدعو کیے گئے۔ ایک روز آکسفرڈ میں ٹہلتے ہوئے وہ اپنے زمانہ تعلیم کی یادیں تازہ کرنے لگے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ ان کے قبول اسلام اور تصوف سے آشنائی پر لیوس کا کیا ردعمل تھا۔ اس نے تبصرہ کیا تھا ''حیف ہے، عیسائیت کا کیسا بڑا نقصان ہوگیا۔'' لیکن بات اس کے برعکس تھی۔ لنگز کے مسلمان ہونے سے عیسائیت کے عمیق ترین فراموش کردہ حقائق پھر سے لوگوں کے سامنے آئے اور ان کی کتابوں میں ان کی نظرانداز کی ہوئی باتوں کا دوبارہ ذکر آنے لگا۔ یوں ان کی طرف سے یہ عیسائیت کی بھی خدمت تھی۔

Marfat.com

روایت کے مکتب فکر کی تحریروں سے تعارف نے انہیں شیخ عیسیٰ نور الدین احمد العلوی (فرتھ جوف شواں) کے حلقے تک پہنچا دیا جہاں ۱۹۳۸ء میں ابراہیم عز الدین (ٹی ٹس برکہارٹ) کے توسط سے وہ مسلمان ہوئے اور راہِ طریقت پر قدم رکھا۔ دوسری جنگ عظیم کے کچھ عرصے بعد وہ عازمِ مصر ہوئے جہاں ان کی ملاقات شیخ عبدالواحد یحییٰ (رینے گینوں) سے ہوئی اور ان سے ایک ایسا قریبی تعلق استوار ہوگیا کہ گویا وہ ان کے خاندان کے فرد بن گئے۔ تاہم ان کی زندگی کے لیے اہم ترین چیز یہ تھی کہ وہ شیخ عیسیٰ نور الدین سے بیعت ہوئے اور عقیدت وارادت کا یہ تعلق شیخ عیسیٰ کی حیات میں اور ان کے بعد بھی قائم رہا۔

اس زمانے میں انہیں سدی ابوبکر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ انہیں صرف اسلام ہی سے محبت نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دین ان کے لیے پسند کیا تھا بلکہ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے عربی زبان پر بھی پورا عبور حاصل کر لیا اور روایتی اسلامی ثقافت میں رچ بس گئے۔ وہ بیک وقت پورے انگریز بھی تھے اور ایک عمیق تر سطح پر ''رجعتِ سوئے عرب می بایدت'' کی مثال بھی تھے۔ تاہم ان کا اصل ہدف یہ تھا کہ وہ نہ صرف اپنے نسلی پس منظر کی ظاہری اور خارجی ہیئت سے بالاتر ہوجائیں بلکہ ہر طرح کی ظواہر پرستی سے اوپر اٹھ کر اس حقیقت کے حضور رسائی حاصل کرسکیں جو صورت و ہیئت اور ظواہر اور خارج سب سے وراء اور پاک ہے۔ ان کا ارادہ تو یہی تھا کہ باقی عمر قاہرہ ہی میں قیام پذیر رہیں مگر ۱۹۵۲ء کے مصری انقلاب نے انہیں برطانیہ واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ انگلستان کے حسین دیہی علاقوں سے محبت اور اپنے خوبصورت باغ (جس میں ان کی تدفین ہوئی) کے باوجود وہ مصر کو ہمیشہ اپنا دوسرا گھر سمجھتے رہے۔ گذشتہ بیس سال سے میں اور شیخ ابوبکر ہر سال قاہرہ جاتے رہے ہیں اور میں نے ہمیشہ یہی محسوس کیا کہ وہ قاہرہ میں اس طرح خوش رہتے تھے جیسے اپنے گھر میں۔ ایک مرتبہ ہم قاہرہ کے مرکزی مقام رأس الحسین کی زیارت کے لیے جارہے تھے۔ نواسۂ رسول ﷺ کے مقبرے کی جالی کے قریب پہنچ کر وہ گویا ہوئے، ''میں جب بھی یہاں آتا ہوں، یوں لگتا ہے کہ میرا ٹھکانہ یہی ہے۔''

شیخ ابوبکر سراج الدین ساٹھ سال سے زیادہ مدت راہ طریقت پر گامزن رہے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ خدا کے لیے، یادِ خدا کے لیے وقف تھا اور اس راستے پر سفر کرنے کے لیے جو خدا تک لے جائے۔ ایک زمانے تک وہ باقاعدگی سے شیخ عیسیٰ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے سفر کرتے رہے۔ اس کے علاوہ عالم اسلام کے مختلف علاقوں، مراکش سے ملائیشیا تک، ان کی آمد و رفت رہی مگر سفر کا مرکز ہمیشہ مصر ہی رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کی شہرت اسلامی دنیا میں پھیلتی گئی، برطانیہ سے بھی زیادہ اور آج بھی ان کی یادوں کی مہک صرف مغرب ہی کے بعض حلقوں میں محسوس نہیں ہو رہی بلکہ متعدد اسلامی ممالک میں جہاں جہاں ان کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے وہ ان کے انہی اثرات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ آج جب وہ اس دنیا کو چھوڑ کر سوئے عقبیٰ روانہ ہو چکے ہم اس نکتے پر غور کرسکتے ہیں کہ ان کی کتابوں اور تحریروں کی روایت کے مکتب فکر میں کیا اہمیت ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اہم تر نکتہ بھی نظر میں رہنا چاہیے کہ اس میراث علمی کے علاوہ ان کی روحانی وراثت بھی ہے

Marfat.com

جو ان سے ارادت رکھنے والے بہت سے لوگوں، ان کے دوستوں بلکہ اجنبیوں تک کے قلب و دماغ میں انمٹ نقوش ثبت کیے ہوئے ہے۔ایک فارسی شاعر نے کہا تھا:

ہمارے بعد ہمارا مزار ان مٹی کی قبروں میں کیا ڈھونڈ تے ہو،

ہماری تربت عارفوں کے سینے میں تلاش کرو!

شیخ ابوبکر کو رینے گینوں کی کتابوں سے خصوصی شغف تو تھا ہی اور ان میں سے ایک کا انہوں نے فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ بھی کیا لیکن ان کا دل اصل میں شیخ عیسیٰ نور الدین کی تحریروں کا اسیر تھا۔وہ ان کے ارادت مند بھی تھے اور پیروکار بھی۔شیخ عیسیٰ کے ایک اور مرید ابراہیم عزالدین سے ان کا اگر موازنہ کیجیے تو نظر آتا ہے کہ شیخ ابوبکر کا میلانِ طبع شعر و ادب کی طرف زیادہ تھا اور سدی ابراہیم کی دلچسپی کونیاتی علوم سے تھی جبکہ دونوں کے قلم سے تصوف پر نہایت اہم کتب لکھی گئیں۔اس طرح شیخ عیسیٰ اور سدی ابراہیم دونوں شیخ ابوبکر کے مقابلے میں فلسفے کے مردمیدان بھی تھے جبکہ تینوں کو حکمت خالدہ کا سچا امین کہا جاسکتا ہے۔شیخ عیسیٰ کو تو ایک عمومی تعارف کے طور پر ''عظیم فلسفی'' کہا جاسکتا ہے لیکن شیخ ابوبکر کے بارے میں یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ وہ کبھی خود کو ''انگریز فلسفی'' کہلوانے پر آمادہ ہوتے۔

شیخ عیسیٰ اور سدی ابراہیم کی طرح شیخ ابوبکر بھی روایتی فنون لطیفہ سے بہت دلچسپی رکھتے تھے لیکن قدرے مختلف انداز میں۔شیخ عیسیٰ اور سدی ابراہیم دونوں بہت اچھے مصور تھے جبکہ شیخ ابوبکر انگریزی کے ایک بہت ہی قادر الکلام شاعر تھے۔ان دونوں کے برعکس شیخ ابوبکر کو ادب سے زیادہ شغف تھا جو شیکسپیئر پر ان کے بے مثال مطالعے سے عیاں ہے۔کہا جاسکتا ہے کہ شیخ ابوبکر میں جو ہنر مند نابغہ چھپا ہوا تھا وہ بیک وقت قرآن کی خطاطی اور انگریزی ادب کے درمیان سفر کرتا تھا جیسا کہ ان کی دو کتابوں ''قرآن مجید کی خطاطی اور تذہیب'' اور ''شیکسپیئر کا راز'' کے ناموں سے ظاہر ہے۔فنون لطیفہ کے ضمن میں یہ بھی یاد رہے کہ شیخ ابوبکر کی عارفانہ شاعری صرف ان کے مجموعے ''کلیات نظم'' (Collected Pomes) میں ہی شامل نہیں ہے۔اس کا کمال عربی صوفی شاعری کے اس مجموعۂ تراجم میں بھی دیکھا جاسکتا ہے جو ان کی وفات سے پہلے چھپنے والی آخری کتاب تھی یا پھر شیخ احمد العلوی کی ان نظموں کے انگریزی ترجمے میں جو ''بیسویں صدی کے ولی اللہ'' (A Sufi Saint of the 20th Century) کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل ہیں۔شیخ عیسیٰ ان معاملات میں بہت کڑا معیار رکھتے تھے لیکن ایک ملاقات میں ان کی زبان سے بھی میں نے یہ سنا کہ ''صوفی شاعری کے ترجمے کو ایسا ہونا چاہیے۔''

شیخ ابوبکر کی دیگر تصانیف کو دو قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے: ایک وہ کتابیں جو دین اور روایت کے عمومی موضوعات سے متعلق ہیں اور دوسری وہ تصانیف جو اسلام کے بارے میں ہیں۔پہلی قسم کی تحریروں میں ان کی نہایت فکر انگیز مگر جھنجوڑنے والی کتاب "Ancient Beleifs and Modern Superstitions" اور ان کی دوسری کتاب "Symbol and Archetype" کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو علامت کے روایتی مفاہیم کا

Marfat.com

ماہرانہ بیان ہے۔ یہی نوعیت ان کی کتاب "The Eleventh Hour" کی ہے جس کا موضوع آخر زمان اور اس کے آثار و علامات پر مبنی ہے اور ان کی آخری کتاب "A Return to the Spirit" جو ابھی منظر عام پر نہیں آئی۔ یہ سب کتابیں اور متنوع موضوعات پر بہت سے مقالات مکتب روایت کا نہایت قیمتی اثاثہ ہیں۔

دوسری قسم کی تحریروں میں ان کی اوّلین کتاب "Book of Certainty" شامل ہے جو کچھ آیات قرآنی اور احادیث کی صوفیانہ تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اپنے موضوع پر انگریزی میں کلاسیکی کتاب بن چکی ہے اور پچاس سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی مقبول ہے۔ سیرت مبارکہ پر ان کی کتاب "Muhammad" جیسی انگریزی میں دوسری کتاب موجود نہیں اور اکثر مسلمان اسے مغربی زبانوں میں سیرت کی بہترین کتاب سمجھتے ہیں۔ "A Sufi Saint of the 20th Century" بھی اپنی نوعیت کی شاہکار کتاب ہے اور "What is Sufism?" جو بہت بلیغ اور عالمانہ انداز میں تصوف کے عمیق ترین پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ "Mecca" ایک مختصر لیکن بہت پر اثر تحریر ہے۔ اس آخری تحریر کے علاوہ مذکورہ بالا تمام کتب مغربی دنیا میں قارئین کا ایک وسیع حلقہ رکھتی ہیں اور اسلامی دنیا میں کئی زبانوں میں ان کے تراجم ہو چکے ہیں۔

دوسری قسم کی ان تحریروں میں ان کے بہت سے اہم اور بلند پایہ مقالات بھی شامل کیے جاسکتے ہیں۔

اسلامی دنیا میں شیخ ابوبکر کو مغربی دنیا میں اسلام کا صحیح علمبردار سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات ان کی وفات پر چھپنے والی بہت سی تحریروں سے عیاں ہے۔ ان کی وساطت سے بہت سے مسلمان بھی اپنے دین کی طرف لوٹ آئے اور تصوف کی روحانی عظمت سے آگہی حاصل کی۔ ترکی میں ان کی متعدد کتب کا ترجمہ ہو چکا ہے اور ایک وسیع حلقۂ قارئین اس سے استفادہ کرتا ہے۔ ایران میں اہل علم کے لیے ان کا نام ایک روزمرہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کی بہت سی کتب کا فارسی ترجمہ قبول عام حاصل کر چکا ہے۔ پاکستان کی صورتِ حال بھی یہی ہے جہاں سہیل اکیڈمی نے ان کی تقریباً تمام کتابوں کے پاکستانی ایڈیشن چھاپ کر خاصے وسیع پیمانے پر ان کی اشاعت کی ہے۔ اس طرح ان کے اردو ترجمے کی ضرورت اس قدر نہیں رہی تاہم کئی کتابوں کے ترجمے اردو میں ہوئے ہیں۔ دوسرے ممالک میں بھی شیخ ابوبکر کے اثرات نظر آتے ہیں خاص طور پر ملائیشیا اور بوسنیا میں۔

شیخ ابوبکر ایک طویل عرصہ مصر میں مقیم رہے، بعد میں بھی آمد و رفت رکھی۔ اس کے علاوہ دیگر عرب ممالک جیسے اردن، سعودی عرب، مراکش و دیگر ممالک کے سفر کرتے رہے۔ اس سے ہمیں قدرتی طور پر یہ خیال گزرتا ہے کہ اسلامی دنیا کے عرب علاقوں میں شیخ ابوبکر سب سے زیادہ متعارف رہے ہوں گے۔ لیکن معاملہ اس سے مختلف ہے۔ مکتب روایت کے دیگر مصنّفین کی طرح شیخ ابوبکر کی تصانیف پر بھی عرب دنیا میں کم توجہ دی گئی ہے، جبکہ دوسرے بڑے اسلامی ممالک مثلاً ترکی، ایران، پاکستان میں ان کی کتب کی اشاعت کہیں زیادہ ہوئی ہے۔ چند کتب کے ترجمے البتہ عربی میں بھی ہو چکے ہیں۔ تاہم یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مصر میں وہ علماء الازہر اور بڑے صوفی مشائخ میں اچھی طرح جانے پہچانے جاتے تھے اور ان کے ہاں شیخ ابوبکر کو بہت عزت واحترام

Marfat.com

کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عالم عرب کے صوفی حلقوں میں بھی ان کا ایک مقام تھا، خاص طور پر المغرب (مراکش، تیونس، الجیریا، مصر وغیرہ) کے سلسلۂ شاذلیہ کے لوگوں میں۔

مغربی دنیا میں دو طرح کے لوگ ان کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ ایک وہ جو ایک عمومی انداز میں تلاش حق کرتے کرتے دین اور روایت تک پہنچتے ہیں اور دوسرے مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کی نئی نسل، جن کی اکثریت کے لیے شیخ ابوبکر مغربی مسلمان کا مثالی نمونہ تھے، مغرب میں رہنے والا ایک ایسا مسلمان جس میں وہ سب اوصاف اور محاسن اخلاق نظر آتے ہوں جو اسوۂ رسول ﷺ کی بنیاد پر اسلام اپنے پیروکاروں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ حمزہ یوسف شاید امریکی مسلمانوں میں سب سے معروف اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی اور سنی جانے والی شخصیت ہیں۔ حمزہ یوسف سترہ سال کی عمر میں شیخ ابوبکر کی تحریریں پڑھ کر اسلام کی طرف راغب ہوئے تھے اور شیخ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل ان سے ملنے بھی گئے تھے۔ شیخ ابوبکر کی ولی صفت شخصیت سے مل کر وہ بہت متاثر ہوئے ان کے خیال میں شیخ ابوبکر ایک مغربی مسلمان کا ''مثالی نمونہ'' تھے۔

مغربی دنیا میں ان کی کتابوں کے قارئین کا تعلق مختلف پس منظر اور طرح طرح کے طبقات سے ہے۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو ان کی کتابیں روایت کے مکتب فکر سے تعلق کی وجہ سے پڑھتے ہیں اور گینوں، شوان اور برکھارٹ کی تصانیف کے بعد قدرتی طور پر شیخ ابوبکر کی تحریریں پڑھنا چاہتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کی وہ کتب پڑھنا چاہتے ہیں جو اسلام اور تصوف کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ بہت سے مغربی لوگوں کو اسلام اور تصوف تک لانے میں شیخ ابوبکر کا ایک اہم کردار رہا ہے اور اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان کی تحریروں میں ایک واضح برکتِ محمدی ﷺ نظر آتی ہے۔ مغرب میں ان کی تحریروں کے قارئین میں تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو شاعری اور ادب سے شغف کی وجہ سے شیخ ابوبکر کی تحریروں کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں شیکسپیئر پر ان کی کتاب نے ایک بے مثال کردار ادا کیا ہے۔ برطانیہ میں بہت سے لوگ ان کو صرف اس کتاب کی وجہ سے جانتے ہیں کیونکہ اس کتاب کے مطالعے سے اکثر لوگوں ہی نہیں بلکہ خود اس کے ڈراموں میں کام کرنے والے بڑے اداکاروں پر شیکسپیئر کے ڈراموں کے گہرے اور اصلی معانی اور مفاہیم پہلی مرتبہ منکشف ہوئے۔

کیتھلن رین اور ان کے حلقے اور Temnos اکیڈمی سے ان کا طویل اور نتیجہ خیز تعلق ان کی دلچسپیوں کے اسی پہلو سے متعلق ہے۔ وہ اس اکیڈمی میں تقریباً آخر عمر تک لیکچر دیتے رہے۔ ان لیکچروں کو ہمیشہ بہت گرم جوشی سے قبول کیا جاتا تھا بلکہ یوں کہیے کہ لندن کے ثقافتی کیلنڈر میں یہ لیکچر ایک اہم سنگ میل شمار ہوتے تھے۔ بعض لیکچروں میں ولی عہد برطانیہ، پرنس آف ویلز بھی سامع کی حیثیت سے شریک ہوتے تھے اور شیخ ابوبکر کے بہت مداح تھے۔

میں نے ایک مرتبہ شیخ ابوبکر سے استفسار کیا کہ انہیں شیکسپیئر سے اس قدر دلچسپی کیوں ہے؟ ان کا جواب تھا کہ چونکہ انگریزی زبان اب عالمی زبان ہو چلی ہے لہٰذا وہ وقت آ گیا ہے کہ شیکسپیئر اور اس کی زبان کو

Marfat.com

اہمیت دی جائے کہ یہی انگریزی زبان کا نقطۂ کمال ہے اور اسی میں وہ الفاظ وتراکیب اور وسائل بیان ملتے ہیں جو عمیق ترین سطح پر دانش وحکمت کے ترجمان اور روایتی تعلیمات کے امین ہیں۔ اس صورت میں انگریزی زبان کا دُنیا میں پھیلاؤ دوسرے ملکوں کی ثقافت کو کمزور کرنے اور ان میں فکری افلاس پیدا کرنے کی بجائے کچھ بہتر چیزوں کا وسیلہ بھی بن سکے گا۔ خود شیخ ابوبکر نے بھی بلاشبہ شیکسپیئر کی انگریزی کو زندہ رکھنے کی کوشش کی، خاص طور پر اپنی شاعری میں انگریزی زبان و بیان کے وہ سب امکانات بروئے کار لاتے ہوئے جس کی اس زبان میں صلاحیت تھی۔

مغرب میں شیخ ابوبکر کا اثر صرف انگریزی دان علاقوں تک محدود نہیں ہے۔ ان کی تحریروں کی اکثریت کا فرانسیسی، اطالوی، جرمن، ہسپانوی اور دیگر یورپی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ مختلف یورپی ممالک میں بھی پوری طرح معروف ہیں، ان حلقوں میں بھی جو مکتب روایت کی تحریروں کے مطالعے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور یورپ کے مسلمانوں میں بھی۔ ادھر کے کچھ سالوں میں ان کی تحریروں نے یورپ کے عوام کے سامنے اسلام کا صحیح اور مفصل تعارف پیش کیا، وہ عوام جو اس موضوع کی طرف راغب ہو رہے تھے لیکن ان کے سامنے ایسی کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا جن کی بنیاد سطحی معلومات، بے خبری، بدظنی یا غلط بیانی پر رکھی گئی تھی۔

کم لوگ ایسے ہوں گے جنہیں اتنی طویل عمر نصیب ہوئی ہو اور عمر بھی کیسی، وہ عمر جو سراسر اللہ کے لیے وقف رہی، وہ عمر جو روحانیت سے بھرپور تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ کتابوں، مقالات اور لیکچروں کی صورت میں ایک گراں قدر ذخیرہ بھی دنیا کو دے گئے جس سے لوگ علمی، فکری اور روحانی طور پر فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ شیخ ابوبکر کی زندگی ایسی ہی باثروت اور آبرومند تھی۔ ان کا ہر لمحۂ زیست خدا کے لیے تھا، راہِ خدا کے لیے اور ان کے لیے جو راہِ سلوک پر سفر کرنا چاہتے تھے۔ وہ صحیح معنی میں ایسے شخص تھے جسے مولانا روم رحمۃ اللہ نے ''مردِ خدا'' کہا تھا۔ ان کی شخصیت میں ذہانت، تقویٰ اور علم و عشق ایک وحدت میں ڈھل گئے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے فصاحت و بلاغت سے بہرہ ور بھی کیا تھا، گفتگو کی ساحری بھی دی تھی اور قلم کے کرشماتی استعمال کا ہنر بھی عطا کیا تھا۔ وہ ہمارے لیے غیر معمولی روشنی سے معمور وہ شاہکار کتابیں چھوڑ گئے ہیں جو بیک وقت علم کے اعلیٰ معیار کی حامل بھی ہیں اور فکری گہرائی اور دیانت کا نمونہ بھی۔ ان تحریروں کی برکت جاری رہے گی، لیکن ان کا سب سے حسین کارنامہ اپنی تہذیب نفس کا کام تھا، وہ عمل جس میں حصول کمال کے لیے وہ اپنی طویل عمر کے ہر لمحے میں دل و جان سے مصروف رہے اور پھر ایک دن وہ اللہ کے حضور اپنی نقد جان اور نفس پاکیزہ پیش کر کے سرخرو ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے، ان سے راضی ہو اور ان پر اپنی رحمت نازل کرے! رحمة الله عليه رحمة واسعة۔

Marfat.com

باب نمبر:۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیت اللہ

انجیل کی پہلی کتاب "Book Of Genesis" ''سفرِ تکوین'' میں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بے اولاد تھے اور انہیں اولاد کی امید بھی نہیں تھی۔ ایک شب اللہ تعالیٰ نے انہیں طلب کیا اور جب وہ خیمہ سے باہر آئے تو ان سے کہا ''اب آسمان کی سمت نظر کرو اور ستاروں کو گنو کہ اگر تم ان کی تعداد شمار میں لا سکتے ہو؟'' اور جیسے ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو نظریں جما کر دیکھا تو اسی آواز کو کہتے سنا کہ '' تمہاری نسل بھی ایسی ہی (بے شمار) ہو گی۔'' (۱)

اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ سارہ چھہتر برس کی ہو گئی تھیں اور وہ خود چھیاسی سال کے تھے۔ ان کی زوجہ نے انہیں اپنی مصری خادمہ ہاجرہ علیہا السلام پیش کر دیں تا کہ وہ انہیں اپنی زوجیت میں لے لیں، لیکن مالکن اور خادمہ کے مابین تلخی ابھر آئی۔ ہاجرہ علیہا السلام کو سارہ علیہا السلام کے غصہ نے پریشان کر دیا۔ وہ ان سے دُور ہو گئیں اور اللہ کے حضور اپنی پریشانی بیان کر کے مدد کی ملتجی ہوئیں۔ اللہ نے یہ پیغام دے کر ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا۔ ''میں تمہاری اولاد کو انتہائی کثرت بخشوں گا کہ اس کے انبوہ کی تعداد گنتی سے بعید ہو گی۔ فرشتے نے ان سے یہ بھی کہا کہ ''دیکھو تم حاملہ ہو اور تم ایک فرزند کو جنم دو گی اور اس کو اسمٰعیل کے نام سے بلاؤ گی۔ کیونکہ مالک حقیقی نے تمہاری بپتا سن لی ہے۔'' (۲)

تب ہاجرہ علیہا السلام، ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام کے پاس واپس گئیں اور جو پیغام فرشتے نے انہیں دیا تھا وہ کہہ سنایا اور جب ولادت ہو گئی تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا نام اسمٰعیل علیہ السلام رکھا۔ اس نام کے معنی ہیں ''اللہ ضرور سنے گا۔''

Marfat.com

جب بیٹے کی عمر تیرہ سال کی ہوگئی تو ابراہیم علیہ السلام ایک سو برس کے ہو رہے تھے اور سارہ علیہا السلام کی عمر نوے برس ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر ابراہیم علیہ السلام سے کلام کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ سارہ علیہا السلام کے بطن سے بھی ایک فرزند تولد ہوگا جس کا نام اسحٰق رکھا جائے۔ اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ ان کا بڑا بیٹا کہیں اللہ کے حضور میں تقرب اور اس کا کرم نہ کھو بیٹھے، ابراہیم علیہ السلام نے دُعا مانگی "یا اللہ! کاش اسمٰعیل تیرے فضل سے حیات رہے۔" اللہ نے خوشخبری دی "جہاں تک اسمٰعیل کا معاملہ ہے میں نے تمہاری دُعا سنی۔ یاد رہے میں نے اس پر اپنی رحمت نازل کی ہے اور میں اسے ایک عظیم قوم بناؤں گا۔ مگر میں اپنا عہد اسحٰق سے باندھوں گا جسے سارہ تمہارے لیے اگلے سال جنم دے گی۔" (۳)

سارہ علیہا السلام نے اسحٰق علیہ السلام کو جنم دیا اور انہوں نے ہی دودھ بھی پلایا۔ جب ان کا دودھ چھڑایا گیا تو سارہ علیہا السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ہاجرہ علیہا السلام اور ان کا بیٹا اب اس گھر میں قیام نہیں کر سکیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام اس بات پر رنجیدہ ہوئے لیکن اللہ نے پھر انہیں مخاطب کیا اور فرمایا کہ وہ سارہ علیہا السلام کے مشورے پر عمل کریں اور کسی قسم کا رنج نہ کریں اور ایک مرتبہ پھر وعدہ کیا کہ اسمٰعیل علیہ السلام پر اس کی رحمت یقیناً شاملِ حال رہے گی۔

مشیتِ الٰہی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نہ صرف ایک بلکہ دو عظیم اقوام کے جدِ اعلیٰ ہوں۔ دو عظیم اقوام یعنی دو ہدایت یافتہ قوتیں مشیتِ الٰہی کی آلۂ کار ہوں گی۔ کیوں کہ اللہ کسی قسم کی لادینیت کی پشت پناہی کو قابلِ رحمت نہیں سمجھتا اور نہ اللہ کے نزدیک کوئی بڑائی، روحانی بڑائی سے بڑھ کر ہے۔ بدیں وجہ ابراہیم علیہ السلام دو روحانی دھاروں کا سرچشمہ بنے۔ وہ دھارے جن کو ایک ساتھ مل کر نہیں بہنا تھا۔ ان دونوں دھاروں کو اپنا راستہ اختیار کرنا تھا اور ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہ علیہا السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ کی رحمت اور اس کے فرشتوں کے سپرد اس یقین کے ساتھ کر دیا کہ ان کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔

دو روحانی دھارے، دو وادیاں، اللہ کے حضور دو دُنیائیں، دو علیحدہ علیحدہ دائرے، جن کے دو مراکز۔ کوئی بھی مقام انسانی خواہش سے مقدس نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ اس تقدس کا انتخاب عالمِ بالا میں طے کیا گیا ہو۔ دو مقدس مراکز جو ابراہیم علیہ السلام کے مدار میں تھے۔ ایک تو موجود ہی تھا اور دوسرا وہ جس کا علم ابھی کسی کو نہیں تھا اور یہ دوسرا مرکز ہی تھا کہ جس کی سمت ہاجرہ علیہا السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کی رہنمائی کی جا رہی تھی۔ ملک عرب کی ایک بے آب و گیاہ وادی میں۔ تقریباً چالیس روز اونٹ کے سفر کے برابر کنعان کے جنوب میں۔ اس وادی کا نام بکّہ تھا۔ یہ نام بعض لوگوں کے خیال کے مطابق وادی کی تنگی کی بنا پر تھا۔ پہاڑیوں نے اسے چہار جانب سے اپنی آغوش میں لیا ہوا تھا، سوائے تین درّوں کے۔ ایک شمال سے ایک جنوب اور ایک وہ جو مغرب کی جانب

Marfat.com

پچاس میل دُور اسے بحیرۂ احمر سے ملاتا تھا۔ قدیم صحائف سے معلوم نہیں ہوتا کہ ہاجرہ علیہا السلام اور ان کا بیٹا کس طرح بکّہ پہنچے۔ غالباً بعض مسافروں نے ان کا خیال رکھا ہو گا۔ کیونکہ یہ وادی اس اہم راستہ پر واقع تھی جس پر کاروان چلا کرتے تھے۔ کئی لوگ اسے ''شاہراہِ عطر ولوبان'' بھی کہتے تھے۔ کیونکہ عطریات اور لوبان اور دیگر سامانِ تجارت اسی راستہ سے جنوبی عرب سے بحرِ روم لے جایا جاتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جوں ہی قافلہ اس جگہ پہنچا تو ہاجرہ علیہا السلام کو غیب سے اس جگہ پر اترنے کا اشارہ ملا ہو گا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ ماں بیٹا پانی ختم ہونے پر پیاس سے بے حال ہو گئے۔ ان کی قوم میں رائج قدیم روایات کے مطابق، اسمٰعیل علیہ السلام نے جو ریت میں بے حال پڑے تھے وہیں سے اللہ کو پکارا۔ ہاجرہ علیہا السلام ایک چٹان پر کھڑی بلندی سے کسی ممکنہ مدد کی توقع میں مایوسی کے بعد گھبرا کر دوڑی دوسری بلند چوٹی پر پہنچیں۔ لیکن پہلے کی طرح یہاں سے بھی کوئی نظر نہ آیا۔ گھبرائی ہوئی سات مرتبہ مایوسی کے عالم میں ان دونوں بلندیوں پر بار بار آ کر دیکھتی رہیں۔ حتیٰ کہ جب ساتویں چکر کے اختتام پر مایوس ہو کر دُور ایک چٹان پر جا بیٹھیں تو فرشتے نے ان سے کلام کیا۔ سفرِ تکوین (Genesis) کے الفاظ میں:

> ''اور اللہ نے بچے کی پکار سنی اور اللہ کے فرشتے نے ہاجرہ علیہا السلام کو عالمِ بالا سے پکارا اور ان سے یوں گویا ہوا ''اے ہاجرہ! تمہیں کیا پریشانی ہے؟ گھبراؤ مت کیونکہ اللہ نے جہاں بچہ ہے وہاں سے اس کی آواز سن لی ہے۔ اٹھو اور بچے کو گود میں لے لو۔ کیوں کہ میرا فیصلہ ہے کہ اس کے صُلب سے ایک عظیم قوم پیدا کروں گا اور اللہ نے ہاجرہ کی آنکھیں کھولیں تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ جاری تھا۔'' ④

پانی ایک سوتے سے نکل رہا تھا جسے اللہ نے اس ریت سے جاری کر دیا تھا جہاں اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی ایڑیاں رگڑی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد جلد ہی وادی سے گزرنے والے کاروانوں نے اس کو قیام کی حیثیت دے دی۔ کیوں کہ پانی نہ صرف فراواں تھا بلکہ شیریں بھی بہت تھا۔ چشمے کا نام ''زم زم'' ہو گیا۔

جہاں تک ''سفرِ تکوین'' کا تعلق ہے یہ کتاب اسحٰق علیہ السلام اور ان کی ذرّیت سے متعلق ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی دوسری اولاد (اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد) سے نہیں ہے۔ اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق اس میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

> ''اور اللہ لڑکے کے ساتھ تھا، وہ صحرا میں پلا بڑھا اور تیر انداز ہو گیا۔'' ⑤

بس اس کے بعد اسمٰعیل علیہ السلام کا نام شاذ و نادر ہی آتا ہے۔ حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات ہوئی اور یہاں پھر ایک مرتبہ ان کا ذکر آتا ہے کہ دونوں بھائیوں اسحٰق علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے مل کر اپنے والد کو حبرون میں دفن کیا

Marfat.com

اور یہ کہ چند برسوں کے بعد اِیسو نے اپنی عم زادی، اسمٰعیل علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کی لیکن زبور میں اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کی بالواسطہ تعریف مذکور ہے جس کی ابتدا کچھ یوں ہے کہ:

''اے لشکروں کے مالک تیرے مسکن کس قدر دلنواز ہیں۔''

زبور میں ہی زم زم کے معجزہ کا ذکر ہے جو ان دونوں ماں بیٹے کے وادیٔ بکّہ میں موجودگی سے ظہور میں آیا۔

''خوش حال وہ انسان، جن کی قوت تیری ذات سے ہے کہ جن کے قلب اُن کے طور طریقوں پر کاربند رہے جو وادیٔ بکّہ سے گزر کر اسے چشمہ زار بنا گئے۔'' ⑥

جب ہاجرہ علیہا السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام اپنی منزل پر پہنچ گئے تو ابراہیم علیہ السلام کی عمر کے پچھتر سال اور باقی تھے اور وہاں اس مقدس مقام پر جہاں ہاجرہ علیہا السلام کی منزل کی بشارت دی گئی تھی اپنے فرزند سے ملنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ انہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس جگہ کی بشارت دی جو چشمۂ زم زم سے قریب تھی اور جس مقام پر انہوں نے اور اسمٰعیل علیہ السلام نے مل کر حرمِ کعبہ تعمیر کرنا تھا۔ ⑦

انہیں یہ بھی بتادیا گیا تھا کہ تعمیر کا انداز کیا ہوگا۔ مقدس حرم کا نام کعبہ، مکعب، اس جہت سے ہے کہ اس کی صورت مکعب ہے۔ خانۂ کعبہ کے چاروں رکن قطب نما کی چاروں سمتوں سے مطابقت رکھتے ہیں لیکن اس مقدس حرم کی سب سے مقدس چیز وہ ملکوتی پتھر ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک فرشتے نے اسے نزدیک ہی واقع ابوقبیس کی پہاڑیوں سے نکال کر ابراہیم علیہ السلام کو دیا۔ جہاں وہ آسمان سے زمین پر اترنے کے بعد سے جوں کا توں محفوظ پڑا تھا۔

''جنت الفردوس سے جب یہ نیچے اتارا گیا تھا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن بنی آدم کے گناہوں نے اس کو حجرِ اسود (سیاہ پتھر) بنا دیا۔'' ⑧

جب حرم کی تعمیر مکمل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے پھر کلام کیا اور حکم دیا کہ زیارت و حجِ بکّہ کی مذہبی رسومات کو رواج دیں۔ بکّہ کا نام آہستہ آہستہ تبدیل ہو کر مکّہ ہوگیا۔

''میرے گھر کا طواف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لیے اذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس دور دراز کے مقام سے پیدل اور اونٹوں پر، جنہیں مسافت نے لاغر کر دیا ہو، سوار ہو کر آئیں۔'' ⑨

اور جبکہ ہاجرہ علیہا السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو اس سعی کے بارے میں بتایا جو وہ مدد حاصل کرنے کے لیے بجا

۱۳۲۵۸۸

Marfat.com

لائی تھیں تو ہاجرہ علیہا السلام کی سعی حج کا جزو بن گئی۔ زائرین صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ ہاجرہ علیہا السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سعی کرتے ہیں۔ بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام جب غالباً کنعان گئے ہوں گے اور وہاں چہار جانب ہری بھری چراگاہیں، گیہوں اور مکئی کے کھیت دیکھے ہوں گے تو اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی:

"پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے قریب لا بسایا ہے۔ پروردگار! یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ لوگ یہاں نماز قائم کریں لہٰذا تو لوگوں کے دل کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے تا کہ یہ شکر گزار بنیں۔" ﴿۱۰﴾

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ بائبل ۵:۱۵ ۲۔ بائبل ۱۶:۱۱،۱۰ ۳۔ بائبل ۱۷:۲۰ ۴۔ بائبل ۲۱:۲۰-۱۷ ۵۔ بائبل ۲۱:۲۰-۱۷

۶۔ زبور ۸۴:۶-۵ ۷۔ قرآن ۲:۲۶ ۸۔ ترمذی: ۷،۹۰ ۹۔ قرآن ۲۲:۲۷-۲۶ ۱۰۔ قرآن ۱۴:۳۷

Marfat.com

باب:۲

ایک نقصان

جناب ابراہیم علیہ السلام کی دُعائیں باریاب ہوئیں۔ زائرین مکہ معظّمہ میں اللہ تعالیٰ کے پاک گھر پر حاضری دینے کے لیے بیش قیمت تحائف لے کر آتے۔ عرب اور عرب کے علاوہ دُور دراز ملکوں سے ان آنے والے زائرین کی تعداد مسلسل بڑھتی رہی۔ حج سال میں ایک مرتبہ ہوتا تھا لیکن خانۂ کعبہ کے طواف کے لیے عمرہ کسی وقت بھی بجالایا جاسکتا تھا۔ حج وعمرہ کی یہ مذہبی رسومات ان قواعد وضوابط کے مطابق جن کا نفاذ ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے کیا تھا، بڑے جوش اور عقیدت سے منائے جانے کا عمل جاری رہا۔ اسحٰق علیہ السلام کی اولاد بھی خانۂ کعبہ جس کی بنا اور تعمیر ان کے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی، کا احترام بحیثیت ایک عبادت گاہ کے کیا کرتی تھی۔ ان کے لیے ربِ عظیم کے دیگر مظلّات (عبادت گاہوں) کے ساتھ ساتھ کعبہ بھی ایک مظلّہ تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خدائے واحد کی عبادت کی پاکیزگی میں فتور پیدا ہوتا گیا۔ اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام کی تعداد میں اتنا اضافہ ہوا کہ ان کے لیے وادیٔ مکہ میں سمٹنا مشکل ہوگیا۔ جو لوگ وادی سے نکلے وہ اپنے ساتھ خانہ کعبہ کے اطراف وحدود سے پتھر اٹھا کر لے گئے اور ان پتھروں کو کعبہ کی علامات بنا کر اپنی مذہبی رسومات انجام دینے لگے۔ بعد ازاں اپنے اردگرد بسنے والے بت پرست قبائل کے عقائد سے متاثر ہو کر خانۂ کعبہ سے لائے گئے پتھروں کے ساتھ ساتھ بتوں کا بھی اضافہ کرلیا۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ ان زائرین کعبہ نے زیارت کو آتے ہوئے تبرکاً یہ بت اپنے ساتھ لاتے لاتے انہیں کعبہ اور اس کے اطراف میں نصب کر دیا۔ اس بت پرستی کے نتیجے میں یہودیوں نے عبادت گاہِ ابراہیم علیہ السلام (خانہ کعبہ) میں حاضری دینا بند کر دیا۔ (1)

بُت پرستوں کا عقیدہ تھا کہ ان کے اصنام وہ قوتیں ہیں جو انسانوں اور خدا کے مابین سفارش کرنے

Marfat.com

کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ نتیجتاً ان کا اللہ سے براہِ راست واسطہ کم سے کم ہوتا چلا گیا۔ ان بت پرستوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان بتوں کی دیوار کھڑی ہونے کے باعث عالمِ اخروی کی حقیقت بھی ان کی فکر سے دُور ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ اکثریت موت کے بعد حیات کے تصور کی بھی منکر ہوگئی۔ لیکن اس اکثریت کے درمیان ایسی اقلیت اس احساس کے ساتھ ہمیشہ موجود رہی کہ وہ حق وصداقت کی راہ سے بھٹک چکے ہیں۔ زم زم کے جھرنے تک ان کی رسائی ختم ہو چکی تھی۔ انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ زم زم کا چشمہ کہاں بہتا تھا۔ اس ساری خرابی کی جڑ قبیلہ جُرہم کے وہ لوگ تھے جو یمن سے آ کر مکہ پر قابض ہو گئے تھے۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نے انہیں اسمٰعیل علیہ السلام کی دوسری زوجہ، جو جُرہم کے قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں، کی وجہ سے کافی دیر برداشت کیے رکھا لیکن ان کی بدعنوانیوں اور بے انصافیوں کے انتہا پر پہنچنے کے باعث بالآخر ان کو وادیٔ مکہ سے نکال پھینکنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی بنی جرہم مکہ سے جاتے جاتے زم زم کو بند کر گئے۔ ان کا یہ عمل انتقامی بھی ہوسکتا ہے اور اس عمل کے پیچھے ان کی واپسی کی توقع بھی ہوسکتی ہے۔ انہوں نے حرمِ مقدس میں جمع شدہ خزینے کو زم زم میں دفن کر کے اوپر سے مٹی ڈال دی۔

ان کی جگہ بحیثیت امیرِ مکہ معظّمہ اب قبیلۂ خزاعہ نے لے لی تھی۔ یہ ایک عربی قبیلہ تھا جو اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام سے تھا اور مکہ کو چھوڑ کر یمن میں بس چکا تھا۔ ان خزاعیوں نے بھی اس چشمہ کو تلاش کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جو اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام کو معجزانہ طریقہ پر عطا کیا گیا تھا۔ ان کے زمانہ اور بعد کے لوگ دوسرے کنویں کھودتے رہے اور اللہ تعالیٰ کا عطیہ ایک بھولا بسرا افسانہ بن کر رہ گیا۔

اس طرح خزاعہ بھی جُرہم کے جرم میں نہ صرف برابر کے شریک ٹھہرے بلکہ خزاعہ کے ایک سردار نے ملکِ شام سے واپسی کے دوران موآبیوں سے ایک بڑا بت مانگ کر خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا اور ہبل نام کا یہ بت مکہ کا سب سے اہم بت قرار پایا۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن اسحٰق: ۱۵

Marfat.com

بابّ:۳

وادیٔ مکہ کے قریش

ذریتِ ابراہیم علیہ السلام میں سے ایک اور بڑا طاقتور قبیلہ قریش کا تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً چار سو سال بعد قریش کے ایک نامور فرد قُصَی نے بنوخزاعہ کے سردار کی بیٹی سے شادی کی۔ خزاعہ کے سردار حُلیل کی وفات کے بعد، اس کی جانشینی کے مسئلہ پر زبردست جنگ ہوئی اور ثالثی کے ذریعہ مکہ کی سرداری اور خانہ کعبہ کی تولیت حُلیل کے بیٹوں کی بجائے اس کے نامور قریشی داماد قُصَی کے ہاتھ آ گئی۔

اس سرداری کے بعد قُصَی نے اپنے قریبی قریشی اعزا و اقربا کو وادیٔ مکہ میں لا کر حرم کے آس پاس بسا دیا۔ اس کا بھائی زہرہ، چچا تیم اور ایک اور چچا کے بیٹے کے علاوہ چند دوسرے قریبی رشتہ داروں کے حرم کے آس پاس قیام کے باعث وادیٔ مکہ کے قریش کہلائے جبکہ اردگرد کی پہاڑیوں اور مضافات کے قریش کو ''مضافاتی قریش'' کہا جانے لگا۔ قُصَی ان سب کا بلا شرکتِ غیرے سردار تھا۔ یہ لوگ نادار حجاج اور زائرین کی کفالت کے لیے ہر سال نذرانہ ادا کیا کرتے تھے۔ قُصَی نے اپنے لیے ''ایوانِ مجلس'' کے نام سے ایک وسیع و عریض محل کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اپنے اعزا و اقربا کو بھی حرم کے اردگرد پکے مکانوں کی تعمیر کی اجازت دی اور یوں پہلی مرتبہ حرم کے اردگرد خیموں کی بجائے پکے مکانوں کی تعمیر بھی شروع ہوگئی۔

بہ ظاہر ہر چیز معمول اور ربط کے مطابق ہونے کے باوجود فساد کے بیج بوئے جانے کا انتظام خود قُصَی کے ایک فیصلہ نے اس وقت کر دیا جب اس نے پرانی روایت کے برعکس اپنی اولاد میں سے ممتاز و معزز عبدِمناف کی بجائے اپنے نااہل بیٹے عبدالدار کے لیے بسترِ مرگ پر یہ وصیت چھوڑی۔

''میرے بیٹے میں تجھے دوسرے بھائیوں کے ہم پلہ کردوں گا۔ گو کہ عام لوگ تیرے

Marfat.com

مقابلہ میں دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ خانہ کعبہ میں کوئی داخل نہ ہو سکے گا جب تک تو ان کے لیے قفل نہ کھولے گا اور قریش کے علمِ جنگ کے پھریرے کو سوائے تیرے کسی کو گرہ لگانے کی اجازت نہ ہو گی اور نہ مکہ میں حاجی زم زم سے پانی نکال کر پی سکے گا، تیری اجازت کے بغیر۔ کسی کو کھانے کو کچھ نہ مل سکے گا جب تک کہ تو اسے نہ دے گا اور نہ ہی قریش کسی مسئلہ پر فیصلہ کرنے پر قادر ہو سکیں گے سوائے اس کے کہ وہ فیصلہ تیرے گھر میں کیا گیا ہو۔'' (1)

اس طرح تمام تر حقوق اور قوتوں کے عطا کرنے کے بعد اس نے ''ایوانِ مجلس'' کی ملکیت عبدُ الدار کے نام کر دی۔ عبد مناف نے پسرانہ فرمانبرداری کے تحت اپنے والد کی خواہش کے احترام میں اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا۔ لیکن جب دوسری نسل آئی تو قریش اپنے دور کے سب سے نمایاں شخص عبدِ مناف کے بیٹے ہاشم کے گرد جمع ہو گئے اور مطالبہ کیا کہ خاندانِ عبد الدار سے تمام حقوق سلب کر کے بنی ہاشم کے سپرد کر دیئے جائیں۔ جن لوگوں نے ہاشم اور ان کے بھائیوں کی حمایت کی وہ زہرہ اور تیم کی اولاد سے تھے۔ مخزوم کی اولاد اور دیگر قریب و دور کے رشتہ داروں کی اولاد سے تعلق رکھنے والوں کا موقف تھا کہ خاندانِ عبد الدار ہی میں تمام حقوق برقرار رہیں۔

جذبات میں جوش کی انتہا یہ تھی کہ بنی عبد مناف کی عورتوں نے بڑے بیش قیمت اور اعلیٰ قسم کے عطریات کا بھرا ہوا پیالہ لا کر خانۂ کعبہ کی دیوار کے ساتھ رکھ دیا اور ہاشم، ان کے سب بھائی اور حمایتیوں نے اپنی انگلیاں اس پیالے میں ڈبو کر قسم کھائی اور عہد کیا کہ وہ ایک دوسرے کا ساتھ کسی بھی حالت میں نہ چھوڑیں گے۔ عہد کی توثیق کے لیے اپنے ہاتھوں پر لگے عطر کو خانۂ کعبہ کی دیواروں پر ملنے کے باعث اس گروہ کا نام ''المعطرہ'' مشہور ہو گیا۔ اسی طرح عبد الدار کے حمایتیوں نے اپنے اتحاد کی قسم کھائی اور ان کو ''منسلکہ'' کا نام دیا گیا۔

دنگے فساد اور تشدد کی نہ صرف حرمِ محترم بلکہ اس کے اطراف میں بھی سخت ممانعت کے باعث اندیشہ تھا کہ ان گروہوں کے حدودِ حرم سے باہر نکلتے ہی خونریزی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اس یقینی خدشہ کے پیشِ نظر ثالثی کے ذریعہ دونوں فریق جس سمجھوتہ پر راضی ہوئے اس کے مطابق طے پایا کہ عبدِ مناف کی اولاد کو نذرانہ عائد کرنے کا اختیار ہو گا اور زائرین کی کفالت ان کی ذمہ داری ہو گی جبکہ عبد الدار کی اولاد خانہ کعبہ کی کلید برداری کرتی رہے گی اور دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ مجلسِ شوریٰ کے اجلاس بھی حسبِ سابق ان کے ایوان میں منعقد ہوں گے۔

Marfat.com

ہاشم کے سب بھائیوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ وہ حجاج کی خدمت کی ذمہ داری سنبھالیں گے۔ جب حج کا زمانہ قریب ہوتا تو وہ مجلسِ شوریٰ میں کھڑے ہوکر اعلان کرتا کہ

''اے قریش کے لوگو! تم اللہ کے پڑوسی ہو۔ تمہارا تعلق اللہ کے گھر سے ہے۔ اللہ کے مہمان تمہارے پاس آنے والے ہیں جو بیت اللہ کے حاجی اور زائرین ہیں۔ وہ سب اللہ کے مہمان ہوں گے اور کسی دوسرے مہمان کا تمہاری سخاوت پر اتنا حق نہیں جتنا اللہ کے مہمانوں کا ہے۔ اگر میری اپنی متاع اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی کفیل ہوسکتی تو میں یہ بوجھ تم پر نہ ڈالتا۔'' (۴)

ہاشم کی بڑی عزت تھی۔ اپنے وطن میں بھی اور بیرونِ وطن بھی۔ یہ ہاشم ہی تھے جنہوں نے مکہ سے دو کاروانوں کے سفر کا آغاز کیا تھا۔ موسمِ سرما میں ملکِ یمن اور موسمِ گرما میں شمال مغربی عرب علاقوں اور اس سے آگے فلسطین وشام کی طرف جو بازنطینی حکومت کے زیرِ نگین تھے اور سلطنتِ روما کا مشرقی علاقہ کہلاتے تھے۔ یہ دونوں راستے قدیم ''شاہراہِ لوبان وعطریات'' پر واقع تھے۔ موسمِ گرما میں ان قافلوں کے قیام کی جگہ نخلستانِ یثرب تھا۔ ایک زمانہ میں اس نخلستان کی بیشتر آبادی یہود پر مشتمل تھی جو جنوبی عرب کے قبیلہ کے تسلط کے باوجود تمول کی زندگی گزار رہے تھے۔ یہود عربوں کی ثقافتی زندگی میں بھرپور حصہ لینے کے باوجود اپنے مذہب پر بھی بدستور عامل تھے۔ یثرب کے عرب قبائل اپنی نسبت ماں کے حوالے سے کرتے تھے اور وہ اپنی نسبت قائلہ نامی خاتون سے جوڑتے تھے جسے ''خاتونِ بزرگ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، لیکن اب انہوں نے اپنے کو دو شاخوں میں بانٹ لیا ہوا تھا۔ ایک قبیلہ اوس اور دوسرا خزرج کہلاتا تھا۔ یہ دونوں نام قائلہ کے دو بیٹوں کے نام پر تھے۔

مُسلمہ بنتِ عَمرو، خزرج کی بہت ہی بااثر خاتون تھیں۔ ان کا تعلق خاندانِ نجار سے تھا۔ ہاشم نے ان سے عقد کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ خاتون نے اپنے ذاتی معاملات میں کلیتاً خودمختاری کی شرط پر یہ درخواست قبول کی۔ ایک بنیادی شرط یہ بھی تھی کہ جب ان کے بطن سے بیٹا پیدا ہوتو وہ اس کو یثرب میں ہی تب تک اپنے پاس رکھیں گی جب تک وہ چودہ سال سے زیادہ کی عمر کا نہیں ہوجاتا۔ ہاشم کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا کیونکہ نہ صرف مکہ کے مقابلے میں یثرب کی آب وہوا بہت بہتر تھی بلکہ بیوی بچے کے یثرب میں قیام سے ہاشم کو ملکِ شام کے سالانہ سفر کو آتے جاتے ان کے ساتھ قیام کرنے کی سہولت بھی میسر ہوجاتی۔ شادی کے بعد ہاشم کی زندگی نے زیادہ دیر وفا نہ کی اور ایک سفر کے دوران وہ فلسطین میں غزہ کے مقام پر بخار میں مبتلا ہوکر وفات پا

Marfat.com

گئے۔

ہاشم کے دو سگے بھائی عبدالشمس اور مُطلب اور ایک سوتیلے بھائی نوفل تھے۔ عبدالشمس تجارتی معاملات میں مصروفیت کے باعث زیادہ تر ملکِ شام اور یمن میں رہتے تھے اور نوفل اپنی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے زیادہ تر عراق میں رہتے تھے۔ ان بھائیوں کی غیر موجودگی اور دیگر وجوہات کے باعث ہاشم کے چھوٹے بھائی مطلب نے حجاج کے سقایہ کے حقوق، نذرانہ کے معاملات اور حاجیوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بہ احسن سنبھالی ہوئی تھی، لیکن اب ان تمام ذمہ داریوں کے بوجھ سے بخوبی نمٹنے کے لیے وہ کسی جانشین کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔

مطلّب کے بڑے بھائی ہاشم کے اپنی زوجہ سَلمیٰ کے علاوہ دوسری ازواج سے بھی تین بیٹے تھے، لیکن ہاشم اور مطلّب کے بیٹوں میں سے جو کچھ سَلمیٰ کے بیٹے شیبہ کی صلاحیتوں کے بارے میں مشہور ہو رہا تھا اس کے پیشِ نظر مطلب نے یثرب جا کر شیبہ سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ شیبہ سے مل کر مطلّب نے شیبہ کی کم عمری کے باوجود ان کو ان تمام خوبیوں سے آراستہ پایا جو مکہ میں ان کے خاندان کی وراثت کو سنبھالنے کے لیے ضروری تھیں۔ انہوں نے سلمیٰ سے شیبہ کو مکہ لے جانے کی درخواست کی۔ سلمیٰ کے لیے بیٹے کی جدائی کا خیال ایک مشکل امر تھا۔ لیکن مطلّب نے انہیں قائل کیا کہ مکہ میں شیبہ کو جو عزت اور مقام حاصل ہو سکتا ہے وہ اس مقام سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے جو یثرب ایسی جگہ میں رہ کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پاسبانِ مقدس خانۂ کعبہ کی حیثیت، وہ کعبہ جو پورے عرب میں ایک عظیم مرکزِ زیارت تھا۔ قریشیوں کی عظمت و توقیر عرب کے کسی بھی قبیلہ کے مقابلے میں بلند تر تھی۔ اس امر کا قوی امکان تھا کہ ایک دن شیبہ اپنے باپ کی طرح قبیلۂ قریش کا سردار بنے گا۔ لیکن ان تمام اعزازات کے حصول کے لیے شیبہ کو اپنی ماں اور اپنے شہر کو چھوڑنا پڑے گا۔ سلمیٰ اپنے بیٹے کے روشن مستقبل کی امید پر بیٹے سے جدا ہونے پر راضی ہو گئیں اور کہا کہ اگر ان کو بیٹے سے ملنے کی سہولت میسر رہے تو وہ شیبہ کو مکہ بھیجنے کو تیار ہیں۔

مطلّب نے اپنے بھتیجے کو اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کیا۔ جیسے ہی وہ مکہ کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں چند لوگوں نے ایک اجنبی کو مطلّب کے ہمراہ دیکھ کر پوچھا ''عبدالمطلب'' یعنی مطلّب کا غلام؟ مطلّب نے جواب میں کہا کہ یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے۔ جس قہقہہ اور مسرت میں ڈوبے ہوئے یہ الفاظ کہے گئے تھے وہ اس آنے والے مستقبل کا آغاز تھا جو لوگوں کے منہ سے غلط فہمی کے باعث نکلنے والے لفظوں سے ہوا اور شیبہ نامی نوجوان کے لیے ''عبدالمطلب'' کا نام عمر بھر طنز و تحقیر کی بجائے محبت و عقیدت کی علامت بن گیا۔

Marfat.com

عبدالمطلب کو مکہ آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انہیں اپنے چچا نوفل سے اپنے والد کی جائیداد کے معاملہ میں برسرِ پیکار ہونا پڑا۔لیکن اپنے چچا کی سرپرستی اور یثرب کے دباؤ کی وجہ سے عبدالمطلب کو اپنا جائز حق مل گیا۔انہوں نے ان لوگوں کو بھی مایوس نہ کیا جو ان سے راہنمائی کی امید لگائے بیٹھے تھے۔جب کئی سال بعد مطّلب کا انتقال ہوا تو سب نے یک زبان ہو کر ان کو قریش کی اس وراثت کا حق دار جانا جو وہ حجاج کی خدمات اور دیگر معاملات میں سرانجام دیتے تھے۔عبدالمطلب نے ان ذمہ داریوں کو ایسے احسن طریقے سے نبھایا کہ لوگوں کے خیال میں وہ اس معاملے میں اپنے والد اور چچا کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ابن اسحٰق: ۸۳

۲۔ابن اسحٰق: ۸۷

نوٹ مصنف: اس تصنیف میں قوسین کے اندر تمام عبارت روایتی تصانیف سے ترجمہ شدہ ہے۔

Marfat.com

باب: ۴

نقصان کی بازیابی

خانہ کعبہ کی شمال مغربی دیوار سے ملحق ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جس کو نصف دائرہ کی صورت میں ایک نیچی دیوار گھیرے ہوئے ہے۔ اس دیوار کے دونوں سرے خانہ کعبہ کے شمالی رکن اور مغربی رکن سے تھوڑا دور فاصلہ چھوڑ کر ختم ہو جاتے ہیں تاکہ حاجیوں کے گزرنے کے لیے سہولت ہو۔ اسی جگہ کا نام حطیم ہے۔ لیکن عام طور سے بہت سے حاجی طواف کرنے میں حطیم کے باہر رہتے ہیں اس طرح وہ حطیم کو بھی اپنے چکر کا حصہ بنا لیتے ہیں۔ احاطہ کی اس اندرونی جگہ میں فرش کے پتھروں کے نیچے سیّدہ ہاجرہ علیہا السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کے دفن ہونے کی وجہ سے اس جگہ کو حجر اسمٰعیل علیہ السلام کہا جاتا ہے۔

عبدالمطلب کو خانہ کعبہ سے قریب رہنے کا اتنا شوق تھا کہ بعض اوقات وہ حطیم کے اندر اپنا بستر لگانے کا حکم دے دیتے۔ ایک شب جب وہ اسی مقام پر محوِ خواب تھے تو انہوں نے ایک پرچھائیں جیسے ہیولے کو یہ کہتے سنا ''شیریں شفاف کو کھود کر نکالو۔'' انہوں نے خواب میں ہی پوچھا ''شیریں شفاف کیا ہے؟'' جواباً وہ سایہ غائب ہو گیا۔ آنکھ کھلنے پر وہ ایسی مسرت اور روحانی سکون سے دوچار تھے کہ اگلی رات اس تجربے کی امید میں وہ پھر وہیں سوئے۔ آنے والا پھر آیا اور کہا کہ ''برکت کو کھود کر باہر نکالو۔'' انہوں نے پھر سوال کیا اور کوئی جواب نہ پایا۔ تیسری رات آئی تو ان سے کہا گیا کہ ''دفن شدہ خزانے کو کھود کر باہر نکالو۔'' عبدالمطلب نے پھر اپنا سوال دہرایا اور سایہ پھر غائب ہو گیا۔ چوتھی رات جو حکم ہوا وہ ان لفظوں میں تھا۔ ''زم زم کو کھود کر باہر نکالو۔'' انہوں نے جب زم زم کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہے تو بولنے والا گویا ہوا:

''اسے کھود کر نکالو، تمہیں پچھتاوا نہیں ہوگا۔

Marfat.com

کیونکہ یہ وراثت ہے تمہارے جدِ اعلیٰ کی طرف سے۔
یہ پھر کبھی خشک نہ ہو گا
اور نہ قاصر رہے گا انبوہِ حجاج کو سیراب کرنے سے۔''

تب بولنے والے نے ان سے کہا کہ وہ جگہ تلاش کرو جہاں خون ہو گا اور وہاں قربانی کے جانوروں کا فضلہ بھی پاؤ گے۔ وہاں چیونٹیوں کا بِل ہو گا اور ٹھونگے مارتے ہوئے سیاہ پہاڑی کوے بھی۔ آخر میں کہا گیا دُعا مانگو:

''صاف شفاف پورے زور سے بہتے ہوئے پانی کی
جو اللہ کے گھر آئے ہوئے حاجیوں کو سیراب کرے۔'' (1)

جب وقتِ فجر ہوا اور دن نکلنے لگا تو عبدالمطلب اٹھ کھڑے ہوئے اور مقامِ حجر سے خانہ کعبہ کے شمالی دروازے (جسے رکنِ عراقی کہا جاتا ہے) سے باہر آئے۔ وہاں سے وہ شمال مشرقی دیوار کے ساتھ چلے جس کے دوسرے سرے پر کعبہ کا دروازہ ہے۔ یہاں سے گزر کر وہ رُک گئے۔ اس مقام سے چند قدموں کے فاصلہ پر مشرقی کونے پر پہنچ کر انہوں نے متبرک حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور وہاں سے طواف شروع کر دیا۔ واپس رکنِ عراقی پہنچے، حجر سے گزر کر مغربی کونے (رکنِ شامی) اور پھر جنوبی سمت میں رکنِ یمانی پر پہنچے۔ اولادِ ابراہیم علیہ السلام، خواہ وہ اسمٰعیل علیہ السلام کی شاخ سے ہوں یا اسحٰق علیہ السلام کے شجرہ سے وہ اپنے اپنے مقدس حرم کا طواف اس انداز سے کرتے ہیں کہ وہ سورج کی چال کے مخالف ہوتا ہے۔ جیسے ہی عبدالمطلب رکنِ یمانی سے رکن حجرِ اسود کی جانب بڑھے تو بو قبیس کی پہاڑیوں کے اندھیرے ڈھلوان سے پرے دُور تک مشرقی پہاڑیاں ان کی نظروں کے سامنے تھیں اور وہ ابھرتے سورج کی زرد روشنی میں ان کے خدوخال صاف دیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے سات چکر لگائے۔ ہر گردش پر روشنی تیز ہوتی گئی۔ سنت طواف مکمل کر کے حجرِ اسود سے خانہ کعبہ کے دروازہ پر پہنچ کر انہوں نے قفل سے لٹکے ہوئے فولادی کنڈے پکڑے اور اپنی زبان سے وہ دُعا ادا کی جو انہیں خواب میں بتائی گئی تھی۔

پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز آئی اور ان کے عقب میں ایک پرندہ ریت پر اترا۔ پھر ایک دوسرا پرندہ اترا۔ اس عرصہ میں انہوں نے دُعا ختم کر لی تھی۔ وہ مڑے تو دیکھا کہ وہ دونوں کوے اپنی مخصوص چال چلتے ان دونوں مجسمہ آسا چٹانوں کی طرف رواں دواں ہیں جو اس جگہ سے تقریباً ایک سو گز دور ایک دوسرے کے بالمقابل ایستادہ تھیں۔ ان دونوں چٹانوں کو بتوں کا رتبہ دے دیا گیا تھا اور ان دونوں کی درمیانی جگہ پر قریش کے لوگ اپنے جانوروں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ پہاڑی کوؤں کی طرح عبدالمطلب کو بھی خوب اندازہ تھا کہ

Marfat.com

اس جگہ کی ریت میں ہمیشہ خون رہتا ہے۔ وہاں جانوروں کا فضلہ بھی تھا اور قدم بڑھا کر دیکھا تو چیونٹیوں کا بل بھی نظر آ گیا۔

عبدالمطلب گھر گئے اور وہاں سے دو کدالیں نکال لائے۔ ایک اپنے ہاتھ میں دوسری اپنے بیٹے حارث کے ہاتھ میں دے کر کھدائی شروع کر دی۔ ریت کی سطح پر کدالیں چلنے کی تھپ تھپ اور ایک عجیب نظارے نے ایک مجمع ان کے گرد جمع کر دیا۔ عبدالمطلب کے باعزت مقام کے باوجود بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ بتوں کے بیچوں بیچ مقامِ قربانی کی جگہ پر کھدائی کرنا بے حرمتی ہے۔ عبدالمطلب نے اس اعتراض کی پروا نہ کرتے ہوئے کھدائی جاری رکھی اور حارث سے بھی کہا کہ کھدائی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ یہ لمحات بڑے صبر آزما تھے اور عین ممکن تھا کہ بدمزگی پیدا ہو جاتی۔ ادھر دونوں ہاشمی اپنے عزم میں پختہ اور اور متحد تھے اور ادھر تماشائی اعتراض کے باوجود استعجاب کی حالت میں محوِ تماشا تھے۔ باپ بیٹے کی استقامت اور عزم نے اعتراض کرنے والوں کو خود ہی یہ دلیل مہیا کر دی کہ یہ دونوں بت، اساف اور نائلہ، دیگر بتوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے اور ویسے بھی بعض لوگوں کے نزدیک یہ دونوں قبیلہ جُرہم کے مرد اور عورت تھے جو خانہ کعبہ کی حدود میں بدکاری کی سزا میں پتھر بنا دیے گئے تھے۔

عبدالمطلب بغیر کسی مزاحمت کے کھدائی میں لگے رہے۔ کھدائی کا کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ رخصت ہونا شروع ہو گئے تھے کہ اچانک ان کا تیشہ اس پتھر کی تختی پر لگا جس سے زم زم کے چشمہ کو ڈھانپا گیا تھا۔ انہوں نے اللہ کے حضور شکر کا نعرہ بلند کیا۔ مجمع دوبارہ اکٹھا ہو گیا بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا اور جب وہ خزانہ جسے قبیلہ جُرہم نے دفن کیا تھا، نظر آیا تو ہر فرد اپنا اپنا حق بھی جتانے لگا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میں ہر شے پر قرعہ ڈالوں گا کہ آیا وہ حرمِ محترم میں رکھا جائے، ان کی اپنی ذات کو ملے یا قبیلہ میں بانٹ دیا جائے۔ یہ طریقہ کسی بھی تنازع کو حل کرنے کا مسلمہ طریقہ تھا۔ اس پر عمل کیا گیا تو خزانہ کا کچھ حصہ تو حرمِ کعبہ کے نام نکلا اور کچھ عبدالمطلب کے نام۔ عام قریشیوں کے حصہ میں کچھ بھی نہ آیا اور یہ امر بھی ہمیشہ کے لیے طے ہو گیا کہ زم زم خاندانِ بنی ہاشم کی تحویل میں رہے گا کیونکہ حجاج کو پانی پلانے کی ذمہ داری انہی کی تھی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

ابن اسحٰق: ۹۳

Marfat.com

باب: ۵

ایک بیٹے کو قربان کرنے کا عہد

قریش میں عبدالمطلب کی توقیر و ناموری ان کی فیاضی، دیانت اور دانشمندی کے باعث تھی۔ اپنی خوبروئی اور دیگر صفات کے باعث وہ کسی بھی مجمع میں نمایاں ہوتے تھے۔ ان کی دولت مندی بھی انہیں خوش نصیبی کے مقام پر فائز کیے ہوئے تھی اور ان سب امتیازات سے بڑھ کر زم زم کی بازیافت ان کے ہاتھوں ہوئی تھی اور وہ اس پر تہِ دل سے اللہ کے شکر گزار تھے۔ لیکن اب ان کی روح میں اس لمحے کی یاد نے ایک خلش پیدا کر دی تھی کہ جب ان سے کھدائی روک دینے کا کہا گیا تھا۔ وہ لمحہ ایسا تھا کہ جیسے ان کی ہر چیز داؤ پر لگ گئی ہو۔ اللہ کے فضل سے سب کچھ بخیر و عافیت انجام پا گیا تھا لیکن اس لمحے سے قبل انہوں نے اپنے آپ کو کبھی اتنا بے برگ و بار محسوس نہ کیا تھا۔ بے برگ و باران معنوں میں کہ ان کا صرف ایک بیٹا تھا۔ جبکہ ان کے مقابلے میں ان کے چچازاد بھائی عبدشمس کے سربراہ امیہ کے کئی بیٹے تھے۔ اسی طرح اگر کھدائی کرنے والے مخزوم کا سردار مغیرہ ہوتا تو اس کے بیٹوں نے اپنے باپ کے گرد ایک حصار بنا لیا ہوتا۔ لیکن ان کا اپنا حال یہ تھا کہ کئی بیویاں ہونے کے باوجود ان کی حمایت کے لیے تنہا ایک بیٹا ہی موجود تھا۔ وہ اس محرومی پر قریباً نیم راضی ہو چکے تھے لیکن ان کے دل میں یہ خیال اٹھتا تھا کہ جس نے اپنے فضل سے انہیں زم زم عطا کیا تھا وہ انہیں دیگر برکات سے بھی نواز سکتا ہے۔ حال ہی میں زم زم جیسے فضل سے جس طرح وہ نوازے گئے تھے اس سے حوصلہ پا انہوں نے اللہ سے دعا مانگی کہ انہیں ایک اور بیٹا عطا فرمائے۔ اپنی دُعا میں انہوں نے یہ عہد بھی کیا کہ اگر انہیں دس بیٹوں سے نوازا گیا اور وہ سب بلوغت کو پہنچے تو وہ ان میں سے ایک کو کعبے میں اللہ کے نام پر قربان کر دیں گے۔

اللہ نے ان کی دُعا سن لی۔ وقت گزرتا گیا اور ان کے نو بیٹے پیدا ہوئے۔ جب عبدالمطلب نے یہ عہد کیا تھا تو بہ ظاہر وہ ایک بعید تر امکان کے تحت تھا۔ لیکن اب وہ وقت بھی آیا کہ ان کے کم سن بیٹے عبداللہ کے سوا ان کے سب بیٹے بلوغت کو پہنچ چکے تھے اور ان کا عہد ان کے دماغ پر مسلط ہو گیا تھا۔ ایک باپ کی حیثیت

Marfat.com

سے انہیں سب بیٹوں پر فخر تھا لیکن ان پر یہ حقیقت بھی واضح طور پر عیاں تھی کہ وہ عبداللہ کے لیے اپنے دل میں خاص محبت رکھتے ہیں۔ غالباً اللہ کے نزدیک بھی یہ بیٹا ترجیحی حیثیت رکھتا تھا کہ اس نے عبداللہ کو ہی نمایاں حسن و جمال عطا کیا تھا اور ممکن ہے کہ قربانی کے لیے بھی وہ اسی کو منتخب کرے۔

بہرحال مقدر میں جو کچھ بھی ہو عبدالمطلب اپنے عہد کی پاس داری کرنے والے تھے اور اپنے عہد سے روگردانی کا خیال بھی ان کے ذہن میں کبھی نہ آیا۔ وہ مردِ عدل و انصاف تھے اور احساسِ ذمہ داری سے حد درجہ سرشار۔ اس لیے جب عبداللہ کو نوخیزی کی عمر میں شامل کرنا ممکن نہ رہا تو عبدالمطلب نے اپنے دس بیٹوں کو جمع کیا اور ان سے اپنے عہد کا ذکر کیا جو انہوں نے اللہ کے حضور کیا تھا اور ان کو دعوت دی کہ اس عہد کو پورا کرنے میں ان کی مدد کریں۔ عظیم باپ کی فرمانبردار اولاد نے بیک زبان پوچھا کہ اس عہد کی تکمیل کیا صورت ہوگی۔ عبدالمطلب نے ان سے کہا کہ ان میں سے ہر ایک کو ایک تیر پر اپنا نشان لگانا ہوگا۔ بیٹوں نے تیروں پر اپنے نشان لگائے اور باپ کی معیت میں حرمِ مقدس میں داخل ہوئے۔ عبدالمطلب نے اس مقصد کے لیے جس غیب دان کو پہلے ہی حرم میں بلایا ہوا تھا، اس کو تمام بیٹوں نے اپنے اپنے نشان زدہ تیر دکھائے۔ غیب دان نے تمام تیر اکٹھے کیے اور عبدالمطلب ''ہبل'' کے پہلو میں ایک بڑا خنجر لے کر کھڑے ہوئے اور اللہ کے حضور دستبد عا ہو گئے۔ قرعہ اندازی شروع ہوئی تو جو تیر نکلا وہ عبداللہ کے نام کا تھا۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور درِ کعبہ پر اس نیت سے آئے کہ وہاں سے نکل کر قربانی کی جگہ پر پہنچیں۔ ارادے کی پختگی کے ساتھ ساتھ دل کو یہ خوف بھی لاحق ہوا کہ درِ کعبہ کی جانب سے ہو کر نکلنے کا مقصد مزید غور و فکر کے لیے مہلت چاہنا نہ ہو۔ عبدالمطلب نے اللہ کے حضور اپنے عہد کی ادائیگی کے لیے گھر کی خواتین کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ ان کی ازواج میں اکثریت ان خواتین کی تھی جو وادی سے باہر بسے ہوئے خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ لیکن عبداللہ کی والدہ فاطمہ خاص الخاص قریشی تھیں۔ مقتدر خاندان مخزوم کی بیٹی اور اپنی ماں کی جانب سے عبد کے نسب سے تھیں جو قُصَی کے بیٹوں میں سے تھے۔ ان کا سارا گھرانا نزدیک تھا اس لیے جب چاہتیں اعانت کے لیے طلب کر لیتیں۔ دس بیٹوں میں سے تین بیٹے زبیر، ابوطالب اور عبداللہ ان کے بطن سے تھے۔ ان بیٹوں کے علاوہ پانچ بیٹیاں بھی انہی کے بطن سے تھیں اور اپنے تینوں بھائیوں پر جان چھڑکتی تھیں۔ جب تک قرعہ اندازی کا کام اختتام کو پہنچے لوگوں کی بڑی تعداد صحنِ حرم میں جمع ہو چکی تھی۔ جیسے ہی عبدالمطلب اور عبداللہ درِ کعبہ پر نمودار ہوئے ان کی چہروں پر موت کا رنگ دیکھ کر مخزومیوں میں چہ مگوئیوں کی آگ بھڑک اٹھی۔ ''یہ خنجر کس لیے ہے؟'' ایک آواز آئی۔ عبدالمطلب کے جواب سے پہلے ہی یہ آواز کئی آوازوں میں بدل گئی۔ سب کو عبدالمطلب کے عہد کا بھی علم تھا اور عبدالمطلب کی عہد پرستی کا بھی۔ عبدالمطلب

Marfat.com

اپنے عہد کو دہرانے لگے لیکن مخزوم کے سردار مغیرہ نے کلام کو درمیان میں سے کاٹتے ہوئے کہا ''تم اسے قربان کرنے کی بجائے اس کے عوض قربانی پیش کرو۔'' مغیرہ نے پیش کش کی کہ قربانی کا یہ فدیہ مخزوم برادری کے تمام تر بیٹوں کی ملکیت سے تجاوز ہی کیوں نہ کر جائے ہم یہ فدیہ ادا کر کے اسے چھڑا لیں گے۔ عبداللہ کے تمام بھائی بھی اس اثنا میں حرم سے باہر آ چکے تھے اور دوسروں کی مداخلت پر انہوں نے بھی اپنے والد سے بھائی کی جان بخشی کی التجا کی۔ اس لمحہ وہاں کوئی نفس ایسا نہ تھا جس نے جان بخشی کے عوض فدیہ دینے کی پرزور حمایت نہ کی ہو۔ عبدالمطلب بیٹے کی جان بخشی کے لیے جائز متبادل کو قبول کرنے پر تیار ہونے کے باوجود اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور تھے۔ اسی کشمکش میں یہ طے پایا کہ یثرب کی ایک زیرک خاتون سے اس معاملہ میں مشورہ کیا جائے اور پھر اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ عبداللہ اور ایک یا دو بیٹوں کو ساتھ لے کر عبدالمطلب اپنے وطنِ مولود کو روانہ ہوئے۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ وہ خاتون خیبر گئی ہوئی ہیں۔ خیبر رئیس اور متمول یہودیوں کی زرخیز بستی تھی جو یثرب سے قریباً سو میل دور واقع تھی۔ انہوں نے اپنا سفر جاری رکھا اور بالآخر مطلوبہ خاتون کو پا کر تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ خاتون نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے گھرانے کی ایک روح سے مشورہ کرے گی۔ اگلے دن عبدالمطلب اس خاتون کے پاس گئے تو خاتون نے پوچھا کہ تم لوگوں میں جان کا فدیہ کتنا دیا جاتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ دس اونٹ۔ ''اپنے ملک واپس جاؤ اور اپنا آدمی اور دس اونٹ ساتھ کھڑے کر کے ان کے درمیان قرعہ نکالو، اگر تیر تمہارے آدمی کے خلاف جائے تو اونٹوں کی تعداد میں اضافہ کرتے جاؤ اور قرعہ اندازی جاری رکھو۔ یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد میں اس حد تک اضافہ ہو جائے کہ تمہارا رب ان کو درجۂ قبولیت عطا فرمائے اور قرعہ کا تیر تمہارے آدمی کی بجائے اونٹوں کے خلاف جائے۔ پھر ان تمام اونٹوں کو قربان کر دو اور اپنے آدمی کو زندگی کا مژدہ دو۔''

عبدالمطلب فوراً واپس آئے اور آتے ہی خانہ کعبہ کے اندر ''ہبل'' کے پہلو میں کھڑے ہو کر اللہ کے حضور دُعا مانگی کہ وہ اپنے عہد کی تکمیل کے لیے جو عمل کرنے جا رہے ہیں اسے قبول فرمائے۔ قرعہ اندازی شروع ہوئی تو تیر عبداللہ کے خلاف گیا۔ دس اونٹوں کا اضافہ کیا گیا لیکن تیر پھر عبداللہ کے خلاف گیا۔ دس اونٹوں کا مزید اضافہ کیا گیا۔ قرعہ اندازی ہوتی رہی اور تیر عبداللہ کے خلاف نکلتے رہے یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد ایک سو تک پہنچ گئی۔ گیارہویں بار تیر عبداللہ کے حق میں اور اونٹوں کے خلاف نکلا۔ لیکن عبدالمطلب انتہائی دیانتدار اور بااصول انسان تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک اہم معاملے میں صرف ایک تیر کی شہادت کافی نہیں۔ انہوں نے دوسری اور پھر تیسری بار قرعہ اندازی پر اصرار کیا۔ ہر بار اونٹوں کا ہی نام نکلا تو انہیں اطمینان ہو گیا کہ اللہ نے ان کا کفارہ قبول فرما لیا ہے۔ عبدالمطلب اپنے امتحان میں سرخرو ہوئے اور سو اونٹوں کو قربان گاہ میں لے جا کر قربان کر دیا گیا۔

Marfat.com

بَاب:٦

ایک نبی کی ضرورت

حضرت عبدالمطلب کی عبادت کا مرکز ''ہبل'' کا بت نہیں تھا۔ انہوں نے اس وقت بھی ہُبل یا کسی اور بت سے مدد طلب نہیں تھی جب ابرہہ نے کعبہ پر چڑھائی کردی تھی۔ عبدالمطلب ہی کیا اس مصیبت کے وقت تو مکہ میں کسی نے بھی دیوی اور دیوتاؤں کو نہیں پکارا تھا۔ وہ ہمیشہ اللہ سے ہی دُعا کرتے تھے۔ لیکن موآبیوں کا عطا کردہ ہُبل نامی بت حرمِ کعبہ کے اندر نصب تھا اور قریش کے نزدیک مجسمِ برکات تھا۔ وہ اسے رحمت اور اس روحانی نعمت کا باعث سمجھتے تھے جس نے کعبہ کو سرشار کیا ہوا تھا۔ وہ حرمِ کعبہ جو دیگر معبدوں کے مقابل عظیم تر تھا۔ ملکِ عرب کے طول وعرض میں دیگر احرام بھی تھے لیکن خانہ کعبہ کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ ان میں سب سے اہم معبد حجاز میں تھا جو اپنے پجاریوں کے نزدیک ''اللہ کی بیٹیوں'' یعنی لات، عزیٰ اور منات کا مسکن تھا۔ اوائلِ عمری سے ہی یثرب کے دیگر عربوں کی طرح عبدالمطلب کو منات کی تعظیم کرنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ منات کا معبد بحرِ احمر کے ساحل پر نخلستان کے مغرب میں واقع تھا۔ قریشیوں کے نزدیک نخلہ کی وادی میں واقع ''عزیٰ'' کا بت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ نخلہ مکہ کے جنوب میں اونٹ پر ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اسی سمت ایک دن اور سفر کیا جائے تو زائر طائف پہنچ سکتا ہے۔ فصیل سے گھرا ہوا طائف کا انتہائی سرسبز وشاداب شہر سطح مرتفع پر آباد تھا۔ طائف کے مکین قبیلۂ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے جو عربوں کے عظیم قبیلے ہوازن کی شاخ تھی۔ ''لات'' کو ''خاتونِ طائف'' کہا جاتا تھا اور اس کا بت ایک بہت ہی شاندار معبد میں ایستادہ تھا۔ اس معبد کی پاسبانی کے حوالے سے اہالیانِ طائف اپنے آپ کو قریش کے ہم پلہ سمجھتے تھے لیکن سرسبز وشاداب گلستانِ حجاز کے یہ مکین اپنے دعوؤں کے باوجود اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ شمال میں واقع بے آب وگیاہ وادیٔ مکہ میں موجود حرم کے مقابلے میں ان کے معبد کی کوئی حیثیت نہیں۔ گلستانِ حجاز کے نام سے معروف طائف کے یہ مکین

Marfat.com

بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونے کے باوجود قریش کے لیے ملے جلے جذبات رکھتے تھے۔ دیگر تمام قبائل کے مقابلے میں قریش کو جو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور حرمِ کعبہ جس طرح تمام عرب کے لیے ایک مرکز ومحور بنا ہوا تھا اس نے نہ صرف ان کے دل میں کشادگی پیدا کی ہوئی تھی بلکہ یہ رواداری ان کی مجبوری بھی بن چکی تھی۔ حرم کی مقناطیسی حیثیت نے ان کو یہ احساسِ ذمہ داری عطا کیا ہوا تھا کہ وہ کوئی ایسا عمل نہ کریں جو ان کے شایانِ شان نہ ہو۔ اپنی اسی سمجھ بوجھ اور رواداری کے باعث وہ تمام زائرینِ کعبہ کو تمام تر سہولیات بہم پہنچانے میں اس حد تک چلے گئے تھے کہ ان کے مقامی بتوں کی تعظیم کو بھی اپنا فرض بنا لیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان بتوں کو ایک محترم حیثیت ملنے کے باوجود عبدالمطلب کا ایمان عظیم حقیقتِ کُل اللہ تعالیٰ پر ہی تھا اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ ان کا مذہب ان کے پیشرو اور ہم عصر قریش، خزاعہ، ہوازن اور دیگر عربی قبائل کے مقابلے میں دینِ ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ قریب تھا۔

عرب میں بعض لوگ ایسے بھی تھے اور یہ لوگ ہر دور میں پائے گئے، جو مسلکِ ابراہیم علیہ السلام پر کاربند رہے۔ صرف یہ لوگ تھے جو اس بات کا پوری طرح سے شعور رکھتے تھے کہ روایات سے قطع نظر بت پرستی بدعت تھی اور ایک ایسی برائی تھی جس سے بچ کر رہنے میں ہی نجات تھی۔ اگر تاریخ پر ذرا دور پیچھے نظر ڈال کر دیکھا جاتا تو معلوم کرنا دشوار نہیں تھا کہ ہبل کا بت، بنی اسرائیل کے خود ساختہ طلائی بت سے مختلف نہیں تھا۔ یہ پاکباز گروہِ حُنفا (1) بُت پرستی کی لعنت سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے اور مکہ میں ان کی موجودگی کو وہ نہ صرف دین کی بے حرمتی سمجھتے بلکہ ان لوگوں کو بھی نجس جانتے جو بت پرستی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اس بت پرستی کے مسئلہ پر ان لوگوں کا کسی سمجھوتے سے انکار اور اکثر اس کے خلاف اظہارِ خیال کرنے کے باعث مکہ کی سوسائٹی نے انہیں پیچھے دھکیل رکھا تھا۔ ان حُنفا کی توقیر محض برداشت کیے جانے کی حد تک تھی۔ حضرت عبدالمطلب چار حُنفا کو جانتے تھے۔ ان میں سے جو زیادہ قریب تھے ان کا نام ورقہ تھا۔ وہ ان کے دوسرے عم زاد نوفل (2) کے فرزند تھے۔ ان کا قبیلہ اسد تھا۔ ورقہ نے مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا اور اس علاقہ کے مسیحیوں کے عقیدہ کے مطابق نبی کی بعثت کا وقت آ چکا تھا۔ ممکن ہے کہ اس قسم کے عقیدہ کے ماننے والوں کا حلقہ محدود رہا ہو۔ لیکن اس کے باوجود اس عقیدہ کی حمایت میں دو معزز اور قابلِ قدر مشرقی کلیساؤں کے پادریوں، علمِ نجوم کے ماہر جوتشیوں اور کاہنوں نے بھی تائید کی۔

جہاں تک یہودیوں کا تعلق تھا تو ان کے لیے تو اس عقیدہ پر یقین ان کے ایمان کا حصہ تھا۔ کیوں کہ سلسلۂ انبیاؑ کا خاتمہ تو صرف آمدِ مسیح علیہ السلام کا منتظر تھا۔ اس لیے یہودی نبی کے معبوث ہونے پر یک زبان تھے۔

Marfat.com

ان کے ربیّ اور دیگر علمانے اس پیش گوئی کی تصدیق کر دی تھی کہ ایک نبی عنقریب آنے ہی والا ہے۔ وہ بہت سی علامات اور نشانیاں جو آمدِ نبی ﷺ سے متعلق پہلے سے بتا دی گئی تھیں وہ سب ظاہر ہو چکی تھیں۔ اپنے آپ کو اللہ کی منتخب نسل ہونے کی وجہ ان کو یہ بھی یقین تھا کہ آنے والا نبی ان میں سے ہوگا۔ عیسائی، جن میں ورقہ بھی شامل تھے انہیں یہودیوں کے اس دعویٰ سے اتفاق نہیں تھا۔ وہ کہتے تھے کہ کوئی وجہ نہیں کہ آنے والا نبی عربوں میں سے کیوں نہ ہو۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ ایک نبی کی ضرورت یہودیوں کے مقابلہ میں عربوں کو زیادہ تھی۔ یہودی کم از کم سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی تو کرتے تھے کہ ان کی عبادات کا مرکز خدائے واحد کی ذات تھی اور ان کے ہاں بت پرستی کی بدعت نہیں تھی۔

عربوں کو ایک نبی کے سوا بت پرستی کی لعنت سے کون چھڑوا سکتا تھا؟ خانہ کعبہ کے گرد ایک وسیع دائرے کی صورت میں اور اس سے کسی قدر فاصلہ پر ۳۶۰ بت تھے اور ان کے علاوہ تقریباً مکہ کے ہر گھر میں ذاتی بت رکھا ہوتا تھا۔ یہ چھوٹا یا بڑا بُت سارے گھر کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ خصوصاً جب کوئی سفر پر جانے کے لیے تیار ہوتا تو گھر سے رخصت ہونے سے قبل اس کا آخری کام یہ ہوتا تھا کہ وہ بُت کے سامنے جا کر اس پر ہاتھ پھیر کر خیر کی دُعا کرے۔ واپسی پر بھی یہی عمل دہرایا جاتا۔ یہ بُت پرستی مکہ تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ سارے عرب ہی یہ طور طریقے رائج تھے۔ ہاں یہ کہنا درست ہوگا کہ جنوبی عرب یعنی نجران اور یمن میں اور اسی طرح شمالی عرب کے علاقوں میں ملک شام کی سرحدوں کے قریب عربی عیسائیوں کی چند آبادیاں اپنی بنیادوں پر مضبوطی سے قائم تھیں۔ لیکن اللہ کی اس مشیت کہ جس نے بحرِ روم کے علاقہ اور یورپ کے وسیع و عریض خطوں کی تقریباً چھے سو سال کے عرصہ میں کایا پلٹ دی تھی اس نے عرب کے ملحدانہ معاشرے میں جس کا مرکز مکہ تھا عملاً کوئی اثر نہ ڈالا۔ حجاز کے عرب اور حجاز کے مشرق میں کھلے میدانوں میں بسنے والے نجد کے لوگ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پیغامِ انجیل سے قطعاً متاثر نہ ہوئے۔

یہ بھی نہ تھا کہ قریش اور دیگر بُت پرست قبائل عیسائیت سے عناد رکھتے ہوں۔ عیسائی خود بھی حرمِ ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے آیا کرتے تھے۔ دیگر زائرین کی طرح ان کی بھی پذیرائی ہوتی تھی۔ ایک عیسائی کو نہ صرف سیّدہ مریم علیہا السلام اور ان کے فرزند عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر خانہ کعبہ کی دیوار پر بنانے کی اجازت دی گئی بلکہ اس کے کام کو باقاعدہ سراہا گیا۔ یہ تصویر وہاں پر بنائی گئی دوسری تصاویر سے بہت مختلف لگتی تھی لیکن قریش کے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ان کے لیے سینکڑوں بتوں میں ایک اور تصویر کا اضافہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔

Marfat.com

اپنے قبیلہ کے اکثر لوگوں کے برعکس ورقہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انہوں نے آسمانی صحیفوں کا مطالعہ بھی کیا تھا اور علومِ دین سے بھی واقفیت تھی۔ اس لیے ان میں یہ اہلیت تھی کہ وہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے وعدوں میں سے ایک وعدہ میں وہ حقیقت دیکھ سکیں جس کو دیکھنے سے دیگر عیسائی محروم تھے۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مشہور وعدہ کے جو عام معنی مشہور تھے ان کی نسبت معجزہ ''پینٹی کوسٹ'' [۳] سے جوڑی جاتی تھی لیکن اس وعدہ کے بعض عناصر اس معجزہ سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ لازم تھا کہ ان کے روئے سخن کو کسی اور حوالے سے دیکھا جائے۔ کوئی ایسی بات جواب تک پوری نہیں ہوئی۔ اس وعدہ میں جو زبان استعمال ہوئی تھی وہ واضح نہیں تھی۔ ان الفاظ کے کیا معنی تھے ''وہ اپنی مرضی سے زبان سے کچھ نہیں کہا کریں گے۔ لیکن جو کچھ بھی وہ سنا کریں گے (یعنی بذریعہ وحی جو کچھ انہیں سنایا جائے گا) وہ پیغام وہ لوگوں تک پہنچا دیں گے۔''

ورقہ کی ایک بہن جس کا نام قتیلہ تھا اپنے بھائی سے بہت قریب تھی۔ ورقہ اکثر اپنی بہن سے اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا کرتے تھے۔ ان کے کہے ہوئے الفاظ نے بہن پر اس قدر گہرا اثر کیا ہوا تھا کہ متوقع نبی کا خیال ان کے ذہن پر چھایا رہتا۔ کیا اس کا امکان ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے درمیان ہی موجود ہو؟

اب جبکہ عبداللہ کی قربانی کے عوض اونٹوں کے فدیہ کا مسئلہ طے ہو گیا تو عبدالمطلب نے اپنے عطا کردہ بیٹے کے لیے ایک زوجہ کی تلاش کا عزم کیا۔ اس بارے میں کچھ سوچ بچار کے بعد آمنہ کو پسند کر لیا گیا۔ یہ وہب کی دختر تھیں جو قُصَی کے بھائی زہرہ کے پوتے تھے۔

وہب خاندانِ زہرہ کے سردار تھے اور چند سال قبل ان کی وفات ہو چکی تھی۔ آمنہ اب اپنے چچا کی سرپرستی میں تھیں۔ ان کے چچا کا نام وہیب تھا جو بھائی کے مرنے کے بعد ان کی جگہ سردار ہو گئے تھے۔ وہیب کی اپنی بھی ایک بیٹی تھی جس کا نام ہالہ تھا۔ یہ بچی بھی شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھی۔ جب عبدالمطلب نے اپنے فرزند عبداللہ کی شادی آمنہ سے طے کر لی تو خود اپنے لیے ہالہ کا رشتہ مانگا۔ وہب نے یہ رشتہ بھی منظور کر لیا اور بیک وقت دونوں شادیوں کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ مقررہ روز عبدالمطلب نے اپنے فرزند کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور وہ دونوں بنی زہرہ کی بستی کی سمت روانہ ہو گئے۔ راستہ میں بنی اسد کی بستی پڑتی تھی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ورقہ کی بہن قتیلہ اپنے مکان کے دروازہ پر کھڑی تھی۔ غالباً جان بوجھ کر کھڑی تھی تا کہ ان دیکھے جانے کے قابل چہروں کو دیکھ سکے جن کی شادی کی خبر مکہ بھر میں پھیل چکی تھی۔ عبدالمطلب کی عمر اب ستر برس سے تجاوز کر چکی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی عمر سے بہت کم لگتے تھے۔ ان کا جثہ، قد و قامت، ہر صورت سے حیرت انگیز طور پر جوانی سے بھرپور نظر آتا تھا۔ دونوں نوشاہوں کی اپنی منزل کی جانب خراماں خراماں چال، ان دونوں کا فطری

Marfat.com

حسن و جمال جس کو متبرک تقریب کے احساس نے مزید نکھار دیا تھا، واقعتاً قابلِ دید تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں قریب پہنچے، قتیلہ کی نظریں صرف جوان عبداللہ پر جمی تھیں۔ عبداللہ حسن و جمال میں اپنے وقت کے یوسف علیہ السلام تھے۔ ان کے خاندان کے معمر ترین بزرگوں اور عورتوں کی یادداشت میں بھی کوئی ایسا نہیں گزرا تھا جو حسن و جمال میں ان کا مثل کہا جا سکے۔ عبداللہ اپنی عمر کے چوبیسویں سال میں جوانی کی پوری بہار پر تھے لیکن قتیلہ کے دل پر جو گزری اور جس بات نے اس پر بہت زیادہ اثر کیا وہ نور کی وہ تابانی تھی جس نے عبداللہ کا چہرہ منور کیا ہوا تھا۔ قتیلہ کو ایسے لگا کہ یہ نور اس دنیا سے ماورا کسی اور دنیا کا نور تھا۔ اس کے ذہن پر معاً یہ سوال ابھرا، کیا ایسا ممکن ہے کہ عبداللہ ہی متوقع نبی ہو؟ یا یہ کہ وہ آنے والے نبی کا باپ ہو؟

ابھی وہ دونوں اس کے سامنے سے ہو کر گزرے ہی تھے کہ اچانک ایک جذباتی کیفیت سے بے قابو ہو کر اس کے منہ سے نکلا ''عبداللہ۔'' عبدالمطلب نے بیٹے کا ہاتھ جسے وہ تھامے ہوئے تھے چھوڑ دیا جیسے اشارتاً عبداللہ کو اپنی چچا زاد بہن سے بات کرنے کا کہہ رہے ہوں۔ عبداللہ مڑے اور پلٹ کر قتیلہ کے روبرو ہوئے۔ قتیلہ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ ''اپنے والد کے ساتھ'' بڑی سادگی سے جواب ملا۔ مختصر جواب کا مقصد لمبی بات سے اجتناب نہیں تھا کیونکہ قتیلہ کو یقیناً معلوم تھا کہ وہ شادی کے لیے جا رہے ہیں۔ ''مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو اور مجھے ابھی اپنی زوجیت میں لے لو۔ تمہیں اتنے ہی اونٹ مل جائیں گے جتنے تمہارے فدیہ میں قربان کیے گئے تھے۔'' عبداللہ نے جواب دیا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ہوں، کیسے ممکن ہے کہ ان کی مرضی کے خلاف کام کروں، ان سے علیحدہ کیسے ہو سکتا ہوں۔'' ۴

منصوبے کے مطابق دونوں کی شادیاں ہو گئیں اور دونوں جوڑوں کا قیام کچھ روز تک وہیب کے گھر میں رہا۔ اسی دوران عبداللہ کچھ سامان لینے اپنے گھر گئے۔ راستے میں پھر قتیلہ سے ملاقات ہوئی۔ قتیلہ کے انہماک لیکن خاموش زبان نے عبداللہ کو پوچھنے پر مجبور کیا کہ ''اس سے پہلے جو کچھ تم نے اپنی زبان سے کہا تھا آج وہ کیوں نہیں کہتیں؟'' قتیلہ نے جواب دیا ''وہ نور جو کل تمہارے چہرے پر تھا اب زائل ہو چکا ہے۔ آج تم میری وہ ضرورت پوری نہیں کر سکو گے جس کی مجھے تم سے آس تھی۔'' ۵

شادی کا سال ۵۶۹ء تھا۔ اس وقت سے اب تک اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے اور یہ سال کئی اور واقعات کی بنا پر یادگاری حیثیت کا حامل ہے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ حنفاء: حنیف یعنی یکسو کی جمع ۲۔ اس سے مراد ہاشم کے بھائی نوفل ہیں۔ ۳۔ یوحنا: ۱۶:۱۳ ۴۔ ابن اسحٰق: ۱۰۰ ۵۔ ابن اسحٰق: ۱۰۱

Marfat.com

باب: ۷

عام الفیل

یہ وہ زمانہ تھا جب یمن حکومتِ حبشہ کے تحت تھا اور ابرہہ نام کا ایک حبشی شاہِ حبش کے نائب کی حیثیت سے یمن کا حکمران تھا۔ اس نے مکہ کی مرکزی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے صنعاء کے شہر میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کیا۔ اس کلیسا کی تعمیر کے لیے اس نے ملکہ سبا کے متروکہ محلات سے سنگِ مرمر اکٹھا کیا اور کلیسا کی عمارت میں سونے اور چاندی کی صلیبیں نصب کرائیں۔ منبر کا چبوترہ ہاتھی دانت اور آبنوس سے مزین تھا۔ تعمیر مکمل ہونے کے بعد اس نے اپنے آقا نجاشی کے حضور تحریر بھیجی:

> ''اے شاہِ ذی وقار میں نے تیرے لیے ایک کلیسا تعمیر کیا ہے جو اس سے قبل کسی بادشاہ کے نصیب میں نہیں لکھا گیا۔ میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک عرب کے زائرین کا رخ مکہ سے ہٹا کر اس کلیسا کی طرف نہ موڑ دوں۔''

اس کی اس نیت اور ارادے کے عام ہونے سے حجاز اور نجد کے قبائل میں غضب وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ انتہا یہاں تک پہنچی کہ قبیلۂ کنانہ کا ایک فرد صنعاء پہنچا اور کلیسا میں گھس کر اسے ناپاک کرنے کے بعد بہ خیریت اپنے لوگوں میں واپس آ گیا۔

جب ابرہہ کو اس حرکت کا علم ہوا تو اس نے قسم کھائی کہ وہ خانہ کعبہ کو ڈھا کر اس حرکت کا بدلہ لے گا۔ ابرہہ نے اس مقصد کے لیے بڑی فوج تیار کر کے مکہ کی طرف کوچ کیا۔ اس لشکر کے ہراول دستے میں ایک لحیم شحیم ہاتھی تھا۔ صنعاء کے شمال میں چند عربی قبائل نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن حبشہ کی فوج نے ان کو تتر بتر کر کے ان کے سربراہ خثعم قبیلہ کے سردار نفیل کو گرفتار کر لیا۔ نفیل نے جان بخشی کے عوض لشکر کی راہنمائی

Marfat.com

کی پیش کش کی جو قبول کر لی گئی۔

جب ابرہہ کا لشکر طائف پہنچا تو ثقیف قبیلہ کے لوگوں نے اپنے لات کے مندر کے تحفظ کی خاطر حملہ آوروں سے تعاون کرتے ہوئے ایک اور راہبر ان کے ساتھ کر دیا۔ یہ شخص مکہ سے دو میل ادھر مغمّس نامی جگہ پر انتقال کر گیا۔ اس فعل سے نفرت کی وجہ سے لوگ آج تک اس کی قبر پر سنگ باری کرتے ہیں۔

ابرہہ نے مغمّس میں پڑاؤ کیا اور گھوڑ سواروں کا دستہ مکہ کے مضافات میں بھیجا۔ راستہ میں جو کچھ ان کے ہاتھ لگا اسے ہتھیا لیا اور اس مالِ غنیمت کو ابرہہ کے پاس روانہ کر دیا۔ اس مال میں دو سو اونٹ بھی شامل تھے جو عبدالمطلب کی ملکیت تھے۔ قریش اور آس پاس کے دیگر قبائل نے جنگی مشاورت میں طے کیا کہ ابرہہ کے لشکر کا مقابلہ عبث ہے۔ اسی دوران ابرہہ نے ایک قاصد کو مکہ بھیج کر سردارِ مکہ سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس دعوت کا مقصد مکہ والوں پر یہ واضح کرنا تھا کہ وہ ان سے جنگ یا خونریزی کی نیت سے نہیں آیا بلکہ صرف کعبہ کو ڈھانے آیا ہے۔ اگر مکہ والے خونریزی سے بچنا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ ان کا سردار حبشیوں کے پڑاؤ پر حاضر ہو جائے۔

جس زمانہ سے مراعات اور ذمہ داریاں خاندانِ عبدالدار اور عبدِ مناف میں تقسیم ہو گئی تھیں اس وقت سے قریش کا کوئی باقاعدہ سردار نہیں تھا۔ لیکن کسی باقاعدہ سردار کے نہ ہونے کے باوجود مکہ کے لوگوں کے نزدیک اس عہدے کا سزاوار ایک ہی شخص تھا۔ اس لیے جب ابرہہ کا قاصد مکہ میں داخل ہوا تو اسے عبدالمطلب کی رہائش گاہ کی طرف بھیج دیا گیا۔ عبدالمطلب اپنے بیٹے کے ہمراہ ابرہہ کے پڑاؤ پر پہنچے۔ ابرہہ ان کو دیکھ کر انتہائی متاثر ہوا اور ان کی پذیرائی کرتے ہوئے ان کے ساتھ ہی قالین پر بیٹھ گیا۔ اپنے ترجمان کے ذریعے عبدالمطلب سے دریافت کیا کہ وہ اپنا مطالبہ پیش کریں۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ تمہارے لشکریوں نے میرے دو سو اونٹ پکڑ لیے ہیں۔ میرا مطالبہ ہے کہ میرے اونٹوں کو واپس کیا جائے۔ یہ درخواست سن کر ابرہہ کو تعجب ہوا اور کہنے لگا کہ تمہاری شخصیت کو دیکھتے ہوئے ایسے مطالبے کو سن کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔ میں تو تمہارے دین و مذہب کے مرکز کو تباہ کرنے کی نیت سے آیا ہوں اور تم ہو کہ اس کی فکر کرنے کی بجائے اپنے اونٹوں کے لیے فکر مند ہو۔ عبدالمطلب نے جواباً کہا کہ جس طرح میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اسی طرح خانہ کعبہ کا بھی ایک مالک ہے جو اس کا تحفظ کرے گا۔ ابرہہ نے جواباً کہا کہ ''میرے مقابلے میں وہ اسے نہیں بچا سکے گا۔'' جواب ملا کہ ''وہ بھی دیکھا جائے گا لیکن میرے اونٹ مجھے واپس کر دو۔'' ابرہہ نے اونٹ واپس کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

عبدالمطلب مکہ واپس آئے اور قریش کو مشورہ دیا کہ شہر کے اوپر پہاڑیوں پر چلے جائیں۔ پھر گھر

Marfat.com

واپس آ کر چند افراد کو ساتھ لے کر حرمِ کعبہ میں داخل ہوئے۔ خاندان کے افراد اور دوسرے لوگ ان کے ساتھ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف مدد کی دعا مانگی۔ خود عبدالمطلب نے خانۂ کعبہ کے دروازے کے بیچ لوہے کے موٹے سے کڑے کو پکڑ کر اللہ سے التجا کی:

''تیرے بندے اپنے اپنے گھروں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یا اللہ یہ تیرا گھر ہے تو اس کی حفاظت فرما۔''

یہ دُعا کر کے عبدالمطلب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑی پر قریش کے باقی لوگوں سے جا ملے اور ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں سے نیچے کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔

دوسرے دن صبح ابرہہ نے شہر پر چڑھائی اس ارادے سے شروع کی کہ کعبہ کو مسمار کر کے واپس اپنے وطن صنعاء کی وہی راہ پکڑے جس راہ سے وہ آیا تھا۔ ہاتھی جس کو بڑی قیمتی جھالر سے مزین کیا گیا تھا اسے لشکر کے جلو میں لایا گیا۔ لشکر کی تیاری مکمل تھی۔ جب ہاتھی اپنی مقرر جگہ پر پہنچا تو اُنیس نامی مہاوت نے اس کا رخ اسی جانب کر دیا جس رخ پر فوج کھڑی تھی یعنی جانبِ مکہ۔ مقامی عرب راہبر نفیل جو مجبوراً راہبری کے فرائض انجام دے رہا تھا اور مہاوت سے وہ بول بھی سیکھ چکا تھا جو وہ ہاتھی کو تعمیلِ حکم کے لیے منہ سے نکالتا تھا۔ جس وقت لشکر کوچ کے لیے تیار تھا اور مہاوت کے منہ کا رخ حکم کے انتظار میں سردار کی جانب تھا۔ عین اس وقت نفیل نے ہاتھی کا کان پکڑا اور ہلکے لیکن محکم لہجے میں ہاتھی کو بیٹھ جانے کا کہا۔ یہ سنتے ہی ہاتھی نہایت آہستگی سے زمین پر بیٹھ گیا۔ ابرہہ اور اس کا پورا لشکر یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ انیس نے ہاتھی کو اٹھنے کا حکم دیا لیکن نفیل کے بول ایک ایسے حکم سے متفق ہو چکے تھے جو کسی بھی انسان کے بول کے مقابلے میں قوی تر تھے۔ ہاتھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ انہوں نے سب جتن کر لیے کہ کسی طرح اسے اپنے پیروں پر کھڑا کر دیں۔ اسے مارا پیٹا، سر پر لوہے کی ضربیں لگائیں، پیٹ میں لوہے کے کڑے گھسیڑے لیکن ان تمام حربوں سے بے نیاز ہاتھی ایسے زمین سے لگا رہا جیسے زمین کے سینے پر جاندار کی بجائے ایک چٹان ثبت ہو چکی ہو۔ تنگ آ کر ایک ترکیب نکالی گئی اور پورے لشکر کا رخ مکہ سے موڑ کر یمن کی جانب کر کے کچھ دور چلا گیا۔ ہاتھی فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور لشکر کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ہاتھی کے چلنے کی امید بندھی تو لشکر کا رخ واپس مکہ کی جانب موڑ دیا گیا۔ ہاتھی بھی مکہ کی جانب مڑا لیکن مڑتے ہی ٹھہرا اور زمین پر بیٹھ گیا۔

تمام تر نشانیوں میں سے یہ نشانی کھلی اور بیّن ترین تھی کہ ہاتھی مکہ کی جانب ایک قدم بڑھانے کو تیار نہیں۔ لیکن ابرہہ اپنے ذاتی گھمنڈ سے مغلوب تھا۔ اس کے نزدیک اپنے تعمیر کردہ کلیسا کو دوام دینے کے لیے

Marfat.com

حرمِ کعبہ کو مسمار کرنا ضروری ہو چکا تھا۔

دفعتاً ایسے لگا جیسے وقت ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ آسمان کے مغربی افق پر سیاہی چھا گئی اور ایک عجیب آواز سنائی دی۔ جیسے جیسے سیاہی کی بھیانک لہر سمندر کی طرف سے بڑھتی نظر آئی اس آواز میں بھی شدت پیدا ہوتی گئی۔ فضا میں ان کے سروں کے اوپر جہاں تک نظر جا سکتی تھی چڑیوں کے غول در غول تیر رہے تھے۔ زندہ بچ جانے والوں کے بیان کے مطابق چڑیوں کی اڑان ابابیلوں سے ملتی جلتی تھی۔ ہر چڑیا کے پاس تین کنکریاں تھیں جن کی جسامت خشک مٹر کے دانوں کے برابر تھی۔ یہ تین کنکریاں چڑیوں نے اپنے پنجوں اور چونچ میں دبائی ہوئی تھیں۔ چڑیوں کے پروں کے پرے لشکریوں پر حملہ کرتے ہوئے انہیں کنکریوں کا نشانہ بناتی رہیں۔ یہ کنکریاں اتنی سخت تھیں اور اس زناٹے سے پھینکی جا رہی تھیں کہ انسانی جسم تو ایک طرف فولادی زرہ بکتر تک کو چھید کر بھرتا بنا دیتیں۔ ہر کنکری اپنا اپنا نشانہ تاک کر ابرہہ کے لشکر کو واصلِ جہنم کرتی گئی۔ جیسے ہی یہ کنکری جسم پر لگتی تو جسم کا گوشت سڑنا گلنا شروع ہو جاتا۔ کچھ ہی لوگ ان کنکریوں کی زد میں آنے سے بچے جن میں انیس اور اس کا ہاتھی بھی تھا۔ ان بچ جانے والوں میں بعض حجاز میں ہی بس گئے اور بھیڑ بکریاں چرانے یا دیگر کام کاج کے ذریعے زندگی گزارتے رہے۔ لشکر کا وافر حصہ افراتفری میں واپس صنعاء کو بھاگا۔ بہت سوں کو موت نے راستہ ہی میں آن لیا اور باقی لشکری جن میں ابرہہ بھی شامل تھا تھوڑی ہی دیر زندہ رہ کر اجل کی نذر ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد عرب لوگ اہلِ قریش کو ''اللہ والے لوگ'' کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ عربوں میں قریش کی وقعت پہلے سے بھی بڑھ گئی کیوں کہ اللہ نے ان کی دعا سن لی تھی اور کعبہ کو تباہی سے بچا لیا تھا۔ ان کی توقیر کا باعث ایک اور واقعہ بھی ہے۔ یہ واقعہ پہلے واقعہ سے غیر متعلق سہی مگر اس کا وقوع بھی اسی سال عمل میں آیا یعنی عام الفیل میں۔

جب ابرہہ کے حملہ کا واقعہ پیش آیا تو عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ مکہ میں نہیں تھے۔ وہ ایک کاروان کے ساتھ برائے تجارت فلسطین اور شام گئے ہوئے تھے۔ وطن واپسی پر وہ یثرب میں اپنی دادی کے ہاں ٹھہر گئے تھے۔ جہاں ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ کاروان نے ان کے بغیر مکہ کو کوچ کیا۔ عبد المطلب کو اپنے بیٹے کی علالت کی خبر ملی تو انہوں نے حارث کو یثرب روانہ کیا کہ اگر عبد اللہ سفر کے قابل ہوں تو انہیں مکہ واپس لے آئیں۔ جب حارث یثرب میں اپنے عم زادگان کے مکان پر پہنچے تو ان لوگوں نے ان کے سلام و اکرام کا جواب جس ہمدردی اور غمگساری سے دیا اس سے حارث کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ ان کے بھائی عبد اللہ فوت ہو چکے ہیں۔

حارث کی واپسی پر مکہ میں بڑا غم و اندوہ تھا۔ آمنہ کو ایک تسلی تو تھی کہ ان کے مرحوم شوہر کی نشانی ان

Marfat.com

کے شکم میں تھی۔ جیسے جیسے پیدائش کا وقت قریب آتا گیا اسی قدر ان کا قلب سکون سے سرشار ہوتا گیا۔ انہیں یہ احساس ہو چکا تھا کہ ان کے جسم میں ایک نور موجود ہے۔ ایک روز ان کے اندر سے ایسی ضیا منکشف ہوئی کہ اس نور کی تابانی سے وہ شام میں بصریٰ کے محل دیکھ سکتی تھیں۔ انہوں نے ایک آواز سنی کہ ''تمہارے بطن میں ان لوگوں کا مالک و آقا ہے۔ اور جب اس کی ولادت ہو تو کہنا ''میں اس نوزائدہ کو ہر قسم کے شر، بدی و حسد سے خدائے واحد کی حفظ و امان میں دیتی ہوں اور اس بچہ کا نام 'محمد' رکھنا۔''

چند ہفتوں بعد بچہ کی ولادت ہوگئی۔ آمنہ اپنے چچا کے گھر میں تھیں۔ انہوں نے عبدالمطلب کو مطلع کر دیا اور درخواست کی کہ وہ اپنے پوتے کو دیکھنے کے لیے تشریف لائیں۔ عبدالمطلب نے بچے کو دونوں ہاتھوں میں لیا اور حرمِ کعبہ پہنچ کر خانہ کعبہ کا دروازہ کھول کر بچے کو خانہ کعبہ کے اندر لے گئے۔ اندر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اس ''عطیہ'' کے عطا کیے جانے پر حمد و شکر کا دوگانہ ادا کیا۔ شکرانے کے بعد واپسی پر سارے گھرانے کو بچے کی زیارت کراتے ہوئے بچہ ماں کے سپرد کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں خود ان کے ہاں آمنہ کی چچا زاد بہن ہالہ کے ہاں ولادت ہونے والی تھی۔ اس وقت ان کے سب سے چھوٹے بیٹے عباس کی عمر تین سال تھی۔ بچے کو گھر لاتے ہوئے عباس دروازے پر ملے تو عبدالمطلب نے بچہ دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ تمہارا بھائی ہے اس کو پیار کرو۔ عباس نے بچے کا منہ چوم لیا۔

Marfat.com

باب: ۸

الصحرا

تمام عرب کے شہروں میں بڑے گھرانوں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بیٹوں کو کم سنی میں ہی صحرا میں بھیج دیا کرتے تھے۔ وہاں انائیں ان کو دودھ پلانے کے علاوہ پرورش کی دیگر ذمہ داریاں بھی ادا کرتی تھیں۔ بچوں کو صحرا بھیجنے کا مقصد صرف وہاں کی کھلی اور تازہ ہوا میں سانس لینا ہی نہیں ہوتا تھا۔ صحرا میں انسانی روح کے لیے فیاضیوں کا وافر سامان ہوتا ہے۔ قریش نے تھوڑے ہی عرصہ پہلے سے سست اور کاہل بنا دینے والا شہری طرزِ حیات اپنایا تھا۔ قُصَی کے کہنے پر جب ان لوگوں نے حرم کے اطراف میں مکان بنا کر رہنا شروع کیا، اس سے قبل یہ لوگ کم و بیش خانہ بدوش زندگی کے عادی تھے۔ ان کے بزرگوں کا طریقۂ زندگی نہایت سادہ اور شریفانہ تھا۔ وہ خیمہ نشین ہوتے تھے اور آج یہاں کل وہاں منتقل ہوتے رہتے۔ شرافت اور حریت ایک دوسرے کا جزوِ لاینفک ہیں انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ خانہ بدوش آزاد ہوتے ہیں۔ صحرا میں رہتے ہوئے انسان کو خود آگاہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کا مالک ہے۔ اور اس خود آگاہی کا ہی فیض ہے کہ وہ اپنے اوپر ''وقت'' کے غلبہ کے احساس سے آزاد ہوتا ہے۔ خیمہ اکھاڑتے ہی وہ گزرے ہوئے دن کی دنیا کو خیر باد کہہ دیتا ہے اور آنے والا دن، اگر وہ آئے گا، اس کے ذہن کو ''کب'' اور ''کہاں'' جیسے نامعلوم حادثات سے آزاد رکھتا ہے۔

شہر میں رہنے والا ایک قیدی کی صورت ہوتا ہے۔ ایک ہی مقام کا پابند، گزشتہ کل، آج اور آنے والا کل، وقت کا ایک مخصوص ہدف، سستی، کاہلی، پھوہڑپن، بدسلیقگی، انسانوں سے ان کی چستی اور چوکسی کی تڑپ پر ڈاکہ ڈالنے کو تیار۔ عربوں کو شہر میں ان کو اپنی ہر شے گلتی اور سڑتی نظر آتی تھی۔ ان کی زبان کی فصاحت و بلاغت

Marfat.com

بھی جو انسانوں کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے وہ بھی شہری ماحول میں اپنا سحر کھو رہی تھی۔ عربوں میں چند ہی ایسے تھے جو خواندہ تھے لیکن حسنِ تقریر ایک ایسی صفت تھی جو تمام عربی والدین اپنے بچوں میں بدرجہ اتم دیکھنا چاہتے تھے۔ کسی شخص کی قدر و قیمت اس کی خوش بیانی سے لگائی جاتی تھی۔ اس خوش بیانی کی سرتاج شاعری تھی۔ خاندان میں ایک نامور شاعر ہونا پورے خاندان کے لیے باعثِ افتخار ہوتا۔ چوٹی کے شعرا ہمیشہ صحرا کے کسی نہ کسی قبیلے سے ہی ہوتے تھے۔ یہ صحرا کا ہی فیضان تھا کہ ان کی روزمرہ کی گفتار بھی شاعری کے ہم وزن ہوتی تھی۔

پس صحرا سے بندھن کی تجدید ہر نسل کے لیے ضروری سمجھی جاتی تھی۔ سینوں کے واسطے تازہ و فرحت بخش ہوا، بولنے کے لیے خالص عربی، رُوح کے لیے حریت و آزادی۔ قریش کے بچوں کے لیے صحرا میں آٹھ سال تک کا قیام عام بات تھی۔ جتنا لمبا قیام ہوگا اتنی ہی شخصیت پر چھاپ گہری ہوگی۔ چند قبائل بچوں کی انا گیری اور پرورش کے حوالے سے معروف تھے۔ ایسا ہی ایک قبیلہ بنی سعد بن بکر کا بھی تھا۔ یہ ہوازن قبیلہ کی شاخ تھی جو مکہ کے مضافاتی صحرا کے جنوب مشرقی علاقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ سیّدہ آمنہ کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی پرورش کی ذمہ داری اسی قبیلہ کی کسی خاتون کے سپرد کریں۔ یہ لوگ وقفہ وقفہ سے قریش کے پاس آیا کرتے تھے تاکہ نوزائیدہ بچوں کی دودھ پلائی کی خدمت کے لیے ساتھ لے جائیں۔ ان کی آمد آج کل میں متوقع تھی۔

اس موقع پر ابو ذویب کی دختر سیّدہ حلیمہ، اپنے شوہر حارث اور نوزائیدہ بیٹے کے ساتھ مکہ گئیں انہوں نے کئی سال بعد اپنے سفرِ مکہ کی تفصیل اس طرح بیان کی:

''وہ سال بھی خشک سالی کا تھا اور ہمارے پاس کچھ بھی پس انداز نہ تھا۔ میں اپنی راکھ رنگ گدھی پر سوار ہو کر چلی۔ ہمارے پاس ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جس سے ایک بوند دودھ بھی حاصل نہ ہوتا۔ رات گئے تک ہمارے بیٹے نے بھوک کی وجہ سے ہمیں سونے نہ دیا۔ میرے سینے میں اتنا بھی دودھ نہ اترتا تھا کہ اس کی بھوک مٹا سکتی۔ میری سواری کی گدھی اس قدر نحیف و لاغر تھی کہ میرے ہم سفروں کو میرے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے بار بار رک کر انتظار کرنا پڑتا تھا۔''

خاتون نے بیان کیا کہ

''کیسی ناامیدی کی کیفیت تھی جس میں وہ محوِ سفر تھے۔ بجز اس خواہش کے کہ اگر بارش ہو جائے تو اونٹ اور گدھی دونوں کے چرنے کا سامان ہو جاتا اور ان کے تھن دودھ سے

Marfat.com

بھر جاتے۔ اس حالت میں جب مکہ پہنچے تو ان بچوں کی تلاش شروع ہوئی جن کے والدین کو انا کی ضرورت تھی۔ آمنہ نے پہلے ایک انا کو اپنا بیٹا سنبھالنے کی پیش کش کی۔ وہ راضی نہیں ہوئی، پھر دوسری سے رجوع کیا، اس نے بھی انکار کیا۔ کئی ایک نے یتیم بچے کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کیا۔ حلیمہ کے بقول ''ہم لڑکے کے باپ سے نوازشات کے متمنی تھے۔ ہم نے سوچا کہ ایک یتیم بچہ، اس کی ماں یا اس کا بوڑھا دادا بھلا ہماری اعانت کیا کر سکے گا؟'' یہ بات نہیں تھی کہ یہ صحرا نشین اپنی خدمات کے عوض کسی رقم کے طلبگار ہوتے تھے۔ بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لینا ایک عورت کے لیے بڑی ہتک آمیز بات سمجھی جاتی تھی۔ اس خدمت کے عوض جس صلہ کے وہ خواستگار تھے وہ اپنے دامن میں امکانات کی وسیع دنیا لیے ہوتا۔ شہر کے باسیوں اور صحرا کے خانہ بدوشوں کے مابین اس قسم کی منفعت کا لین دین وہاں کے مزاج کے عین مطابق تھا کہ جہاں ایک محتاج تھا اور ایک غنی۔ خانہ بدوشوں کی زندگی کے معمولات قدیم اور سالہا سال قدیم، اللہ کے متعین کردہ طریقۂ حیات کے مطابق تھے۔ وہی طریقہ جس پر ہابیل نے اپنی زندگی گزاری تھی جبکہ قابیل نے گاؤں بسایا اور اس کی اولاد نے ملکیت اور اقتدار کی راہ اپنائی۔ بدوؤں کو یہ فوقیت حاصل تھی کہ بڑے گھرانوں میں سے کسی ایک سے اپنا دیرپا رشتہ استوار کر لیا کرتے تھے۔ رضاعی ماں کو ایک اور بیٹا مل جاتا جو اس کو ماں کا درجہ دیتا اور ساری عمر اپنے فرزندانہ فرائض بجا لانے پر نازاں ہوتا۔ اس رضاعی ماں کا سینہ وراثت کا بھی ایک سرچشمہ تھا اور اس دودھ سے جس کو وہ پی کر پروان چڑھتا اس کے ذریعے اس کے مزاج اور فطرت میں اپنی رضاعی ماں کی صفات منتقل ہو جاتیں۔ لیکن اس بچے سے جس کو دودھ پلا کر پروان چڑھایا جاتا تھا کسی قسم کی امیدیں اس وقت تک وابستہ نہ کی جا سکتی تھیں جب تک وہ کچھ کرنے کے قابل نہ ہو جاتا۔ اس لیے امید ہوتی تھی کہ بچے کا باپ اس خدمت کا کوئی نہ کوئی صلہ کسی نہ کسی صورت میں دیتا رہے گا۔

آمنہ کے بچے کا باپ انتقال کر چکا تھا اور دادا عمر کے اس حصے میں تھے جہاں ان کے زیادہ جئے جانے کی توقع نہیں تھی۔ ان کے مال و متاع کے وارث بھی ان کے بیٹے ہوتے نہ کہ یتیم پوتا۔ جہاں تک سیّدہ آمنہ کا تعلق تھا وہ بیچاری غریب تھیں اور بچے کا خود یہ معاملہ تھا کہ اس کا والد اتنی کم عمری میں فوت ہو گیا کہ

Marfat.com

دولت و ثروت اکٹھی ہی نہ کر سکا۔ جواں مرگ والد نے اپنے بیٹے کو وراثت میں پانچ اونٹ سے زیادہ نہ چھوڑے تھے۔ بھیڑوں بکریوں کا چھوٹا سا گلہ اور ایک کنیز۔ عبداللہ کا فرزند بڑے گھرانوں کا ہی ایک بچہ تھا لیکن یہ بچہ جس کے لیے ایک انا کی ضرورت تھی ان تمام شیر خواروں کے مقابلے میں غریب ترین تھا جو ان عورتوں کے سامنے پیش ہوا جو اس سال بچوں کی تلاش میں آئی تھیں۔

دوسری جانب اگرچہ رضاعی والدین سے امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ امیر و کبیر ہوں لیکن ان کا غریب ہونا بھی پسندیدہ امر نہیں تھا۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہ تھی کہ حلیمہ اور ان کا شوہر اپنے ان تمام ساتھیوں کے مقابلے میں، جن کے ہمراہ وہ مکہ آئے تھے، غریب ترین تھے۔ اس لیے جہاں کہیں بھی انتخاب کا مسئلہ آیا وہاں حلیمہ کی بجائے کسی اور عورت کا انتخاب کیا گیا۔ بہت دیر نہ گزری کہ بنی سعد کی ایک ایک عورت کو کسی نہ کسی بچے کی ذمہ داری مل گئی۔ اس لینے دینے میں اگر محروم رہ گئے تو بڑے گھرانوں کا غریب ترین بچہ اور تمام تر ساتھیوں میں غریب ترین انا۔

سیّدہ حلیمہ کہتی ہیں کہ

"جب ہم نے مکہ سے روانگی کا فیصلہ کر لیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی بچے کو لیے بغیر واپس جانا اچھا نہیں لگتا اس لیے میں اس یتیم بچے کو ہی لے آتی ہوں۔"

شوہر نے جواب دیا:

"جیسا چاہو کرو، کیا معلوم اللہ اسی کے ذریعے ہم پر رحمت نازل کر دے۔"

پس میں واپس گئی اور بچے کو لے آئی۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ مجھے اس کے سوا کوئی دوسرا بچہ مل نہیں سکا۔ میں اسے اپنی سواریوں کے باندھنے کی جگہ پر لے کر آئی۔ وہاں جوں ہی میں نے اپنی چھاتی اس بچے کے منہ میں دی تو میرا سینہ دودھ سے بھر گیا اور دودھ باہر بہنے لگا۔ بچے نے خوب پیٹ بھر کر پیا۔ اس کے رضاعی بھائی (یعنی میرے سگے بیٹے) نے بھی سیر ہو کر دودھ پیا۔ اس کے بعد دونوں سو گئے۔ میرا شوہر اپنی اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھا کہ اس کے دونوں تھن بھرے ہوئے تھے۔ اس نے اونٹنی کو دوہا اور اس کا دودھ خود بھی پیا اور مجھے بھی پلایا۔ ہم دونوں نے اتنا سیر ہو کر پیا کہ ہماری بھوک ختم ہو گئی۔ وہ رات ہم نے بڑے عیش سے گزاری۔ جب صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا:

"حلیمہ! واللہ! یہ بچہ جو تم نے لیا بہترین از خلائق ہے۔"

Marfat.com

میں نے جواب دیا:

''درحقیقت مجھے بھی یہی لگتا ہے۔''

ہم لوگ اپنے خیموں میں بنی سعد کے علاقہ میں واپس پہنچ گئے۔ مجھے کسی ایسی جگہ کا علم نہیں جو اللہ کی زمین پر اس سے زیادہ بنجر ہو۔ مگر جب ہم اس بچے کو اپنے ساتھ لے کر آئے تو ہر شام کو جب میرا گلہ گھر واپس آتا تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے۔ ہم ان کا دودھ دوھتے اور خوب پیتے۔ جب کہ دوسرے لوگوں کے جانوروں کے تھنوں سے ایک قطرہ نہ ٹپکتا۔ ہمارے پڑوسی اپنے گلے بانوں سے کہتے:

''وائے ہو تم پر! کیوں نہیں تم بھی ہمارے جانور ان جگہوں پر لے جاتے جہاں ان گلہ چرتا ہے۔''

اس کے باوجود ان کے گلے پھر بھی گھر بھوکے ہی لوٹتے اور دودھ بالکل نہ ہوتا جبکہ ہمارے جانور شکم سیر ہوتے تھے اور ان میں دودھ کی افراط ہوتی۔ اس افراطِ رزق میں اور اللہ کے فضل میں کبھی کوئی کمی واقع نہ ہوئی حتیٰ کہ بچے کی عمر دو سال سے تجاوز کر گئی اور میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا۔ (1)

بچہ ماشاء اللہ خوب بڑھ رہا تھا اور دوسرا کوئی بچہ افزائش میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اب جبکہ اس کی عمر دو سال کی ہوگئی تو وہ مضبوط ہاتھ پیر کا بچہ تھا۔ ہم اسے اس کی ماں کے پاس لے گئے۔ ہماری شدید تمنا تھی کہ وہ ہمارے پاس ہی رہے۔ اس کی موجودگی ہمارے لیے باعثِ رحمت تھی۔ میں نے اس کی ماں سے کہا میرے ننھے بچے کو میرے پاس ہی رہنے دو جب تک کہ اس میں خوب توانائی نہ آ جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مکہ میں آئے دن کے طاعون سے اس کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ ہم برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ بچے کو ایک بار پھر ہماری تحویل میں دینے پر رضامند ہوگئیں اور ہم بچے کو واپس اپنے گھر لے آئے۔

سیّدہ حلیمہ نے مزید بتایا کہ ''چند ماہ گھر واپسی کے بعد ایک روز جب وہ اور اس کا رضاعی بھائی کچھ بھیڑوں کے ساتھ ہمارے خیموں کے عقب میں تھے تو میرا بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا، وہ میرے قریشی بھائی کی بابت پتہ ہے کیا ہوا؟ دو سفید پوش مرد اسے لے گئے اور لٹا دیا اور اس کا سینہ چاک کر کے اندر سے اپنے ہاتھوں سے کچھ کرتے رہے، پس میں اور میرا شوہر فوراً وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بچہ تو کھڑا ہوا تھا لیکن چہرہ بہت زرد تھا۔ ہم نے بچے کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا ''میرے بیٹے تمہیں کیا تکلیف ہوئی؟ ٹھیک تو ہو ناں؟ بچے نے جواب دیا: ''دو آدمی جو سفید پوش تھے میرے پاس آئے اور مجھے زمین پر لٹا دیا۔ میرا سینہ کھولا اور پتہ نہیں کیا تلاش کر رہے تھے۔ مجھے کچھ علم نہیں۔'' (2)

Marfat.com

حلیمہ اور ان کا شوہر دونوں ادھر اُدھر دیکھتے رہے۔ مگر وہاں کسی انسان کا سان گمان نہ تھا۔ نہ کوئی خون اور نہ ہی کسی زخم کا نشان۔ کتنے ہی سوال کر ڈالے مگر دونوں بچے اپنے بیان پر قائم رہے اور کسی صورت سے کوئی لفظ بھی ادھر ادھر کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ اس کے باوجود ان کے رضاعی بچے کے سینے پر زخم کا نشان تو کجا کسی قسم کا دھبہ تک نہ تھا۔ ہاں پشت پر دونوں کندھوں کے بیچ ایک غیر معمولی شے ضرور نظر آئی۔ ایک چھوٹا سا بیضوی شکل کا سطح سے ذرا ابھرا ہوا بالکل واضح نشان۔ ایسا جیسے کوئی چھوٹے سے پیالے کو دبا کر بنا دے لیکن یہ نشان تو روزِ ولادت سے ہی موجود تھا۔

بعد کے سالوں میں آپ ﷺ نے اس واقعہ کی نوعیت پر بھرپور روشنی ڈالی:

''میرے پاس دو آدمی آئے۔ دونوں سفید پوش تھے۔ وہ ایک سنہری برتن لیے ہوئے تھے جس میں برف بھری ہوئی تھی۔ پھر ان دونوں نے مجھ پر قابو پا لیا۔ اور میرا سینہ چاک کر کے میرا دل باہر نکالا۔ دل کو بھی اسی طرح کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکال کر باہر پھینک دیا۔ پھر دل کو اور میرے سینے کو اس برف جیسی شے سے خوب دھو کر شفاف کیا۔''(۳)

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ

''شیطان آدم کے ہر بچہ کو اس لمحہ چھو لیتا ہے جب اس کی ماں اس کو جنتی ہے سوائے مریم اور ان کے فرزند کے۔''(۴)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن اسحٰق: ۱۰۵ ۲۔ ابن اسحٰق: ۱۰۵ ۳۔ ابن سعد: ۹۶ ۴۔ بخاری: ۵۴۶۰

Marfat.com

باب: ۹

دو اموات

حلیمہ اور حارث، دونوں کو یقین تھا کہ جو کچھ ان دونوں لڑکوں نے بیان کیا وہ سچ ہے۔ اس واقعہ نے انہیں پریشان کر دیا۔ حارث کو خوف نے آن گھیرا کہ کہیں ان کے رضاعی بیٹے پر کسی سحر یا بُرے سایہ کا اثر نہ ہو گیا ہو۔ حارث نے اپنی زوجہ سے کہا جتنی جلد ممکن ہو اس بچے کو ماں کے پاس پہنچا دینا چاہیے۔ حلیمہ ایک مرتبہ پھر بچے کو مکہ لے گئیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ اس واقعہ کا کوئی ذکر کیے بغیر وہ کسی بہانے بچے کو واپس کر دیں گی لیکن سیّدہ آمنہ کو کوئی بہانہ قائل نہ کر سکا تو انہیں سچی وجہ بتانی پڑی۔ سب کچھ سننے کے بعد آمنہ نے حلیمہ کے اندیشوں کو کوئی وقعت نہ دی بس یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ''میرے ننھے بچے کی عمر میں آگے چل کر بڑے عظیم واقعات پیش آئیں گے۔'' پھر انہوں نے حلیمہ کو وہ باتیں بتائیں جو دورانِ حمل پیش آئی تھیں۔ انہوں نے اس نور کا بھی ذکر کیا جو انہیں دورانِ حمل محسوس ہوتا رہا۔ حلیمہ کو تسلی دی گئی لیکن آمنہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بچے کو اپنے پاس ہی رکھیں گی۔ انہوں نے حلیمہ سے کہا کہ ''اسے تو میرے پاس ہی رہنے دو، تم کو اللہ خیریت سے اپنے گھر لے جائے۔''

بچہ مکہ میں تین سال تک بڑے عیش و آرام سے اپنی ماں کے ساتھ رہا۔ دادا، چچا اور پھوپھیوں کی محبتوں کا مرکز بن کر اپنے چچا زاد اور دیگر خاندانی بچوں کے جھرمٹ میں کھیل کود کر اچھا وقت گزارتا رہا۔ خاص کر حمزہ اور صفیہ سے بچے کو بہت لگاؤ تھا۔ یہ دونوں عبدالمطلب کی آخری شادی کا ثمر تھے۔ یہ شادی بھی اسی دن منعقد ہوئی تھی جس روز آپ ﷺ کے والدین کا عقد ہوا تھا۔ حمزہ تو آپ ﷺ کے ہم عمر تھے لیکن صفیہ کم عمر تھیں۔ حمزہ چچا اور صفیہ پھوپھی ہونے کے ساتھ ساتھ خالہ زاد بھی تھے کہ ان دونوں کی مائیں چچا زاد بہنیں تھیں۔ ان تینوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے ایک مستقل اور پائیدار رشتہ مضبوطی سے قائم ہو گیا۔

Marfat.com

جب آپ ﷺ چھے سال کے ہو گئے تو والدہ نے ارادہ کیا کہ وہ بچے کو اپنے اعزا و اقربا سے ملانے کے لیے یثرب لے جائیں۔ اس غرض سے وہ ایک ایسے کارواں سے وابستہ ہوئیں جو شمال کی سمت عازمِ سفر تھا۔ انہوں نے سواری کے لیے دو اونٹ لیے ایک پر آمنہ خود اور دوسرے پر آپ ﷺ اپنی حبشی کنیز برکہ کے ساتھ سوار ہوئے۔ بعد کے آنے والے سالوں میں آپ ﷺ ذکر کیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے کس طرح اپنے خزرجی اعزا کے گھر میں موجود حوض میں تیرنا سیکھا تھا۔ ان خزرجی اعزا کے ہاں انہوں نے کچھ دن قیام کیا تھا اور وہاں لڑکوں نے انہیں پتنگ اڑانا بھی سکھائی تھی لیکن جب ان کی والدہ نے واپسی کا سفر شروع کیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں علیل ہو گئیں اور انہیں مجبوراً سفر ترک کرنا پڑا۔ کارواں نے ان کے بغیر اپنا سفر جاری رکھا۔ چند روز کے بعد آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ مقام ابواء تھا جو یثرب سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔ اسی مقام پر انہیں دفنا یا گیا۔ بچے کی خادمہ برکہ اپنی حد تک اس یتیم بچے کو اپنی شفقت و محبت کے سائے میں واپس مکہ لے آئیں۔

مکہ میں دادا نے پوتے کی بھرپور ذمہ داری سنبھال لی۔ صاف عیاں تھا کہ عبدالمطلب کے دل میں جو خاص محبت عبداللہ کے لیے تھی اب وہ ان کے فرزند کے لیے مخصوص ہو گئی۔ عبدالمطلب کو خانہ کعبہ کے نزدیک رہنے سے بہت خوشی ہوتی تھی۔ ان کا یہ معمول اس زمانے سے تھا جب انہیں زم زم کھودنے کا حکم ملا تھا۔ ان کے گھر والے حجر کے خاص حصہ میں خانۂ محترم کے سایہ میں ان کے لیے تخت بچھا کر اس پر بستر لگا دیا کرتے تھے۔ اپنے والد کے احترام میں ان کا کوئی بیٹا حتیٰ کہ حمزہ بھی ان کے بستر پر بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا لیکن ان کے ننھے پوتے کے ذہن پر اس قسم کی احتیاط کا تردد نہ تھا۔ جب ان کے چچا ان سے اپنے والد کے بستر کی بجائے کہیں اور بیٹھنے کا کہتے تو عبدالمطلب کہتے ''میرے بیٹے کو بیٹھنے دو۔ اللہ گواہ ہے ایک عظیم مستقبل اس کا منتظر ہے۔'' وہ پوتے کو اپنے پہلو میں بٹھا کر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرتے رہتے اور کچھ بھی کرتے دیکھ کر محظوظ ہوتے۔ دادے اور پوتے کا روزانہ کا ساتھ ہوتا۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے خواہ خانہ کعبہ میں ہوں یا مکہ میں کسی بھی جگہ۔ حتیٰ کہ عبدالمطلب انہیں اپنے ساتھ مجلسِ شوریٰ میں بھی لے جاتے جہاں شہر کے برگزیدہ بزرگ جمع ہو کر مختلف معاملات پر بحث مباحثہ کرتے تھے۔ اسّی سالہ بزرگ کو اپنے سات سالہ پوتے سے زیرِ بحث مسائل و معاملات پر اس کی رائے دریافت کرنے میں بھی کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہوتی۔ ان کے ہم عمر سردار جب اس بچے کے بارے میں سوال کرتے تو عبدالمطلب کا یہی جواب ہوتا کہ ''میرے فرزند کی قسمت میں ایک عظیم مستقبل نظر آتا ہے۔''

اپنی والدہ کی وفات کے دو سال بعد یتیم بچے کے سر سے شفیق دادا کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ جب

Marfat.com

عبدالمطلب کا وقتِ آخر قریب ہوا تو انہوں نے اپنے لاڈلے پوتے کی پرورش کی ذمہ داری ابوطالب کے سپرد کر دی۔ ابو طالب آپ ﷺ کے والد کے سگے بھائی تھے۔ ابوطالب نے ان تمام تر التفات اور شفقتوں کا مرکز اپنے بھتیجے کو بنا لیا جو کبھی ان کے جد بزرگ ان پر نچھاور کرتے تھے۔ اس دن کے بعد سے وہ بھی ان کے بیٹوں کی طرح ان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کی زوجہ محترمہ فاطمہ (1) بھی اس بچے کے لیے وہ سب کچھ کرتیں جو ایک ماں کے بس میں ہوتا ہے۔ بعد کے سالوں میں آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنے بچوں کو تو بھوکا رکھنا گوارا کر لیتیں مگر مجھے کبھی بھوکا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ فاطمہ عبدالمطلب کے سوتیلے بھائی اسد کی صاحبزادی تھیں۔ اس طرح ابوطالب کی طرح وہ بھی ہاشم کی پوتی تھیں۔

Marfat.com

باب: ۱۰

عیسائی راہب بحیریٰ

عبدالمطلب کی زندگی کے آخری حصہ میں ان کی مالی حالت خراب ہوگئی تھی۔ وفات کے بعد جو کچھ انہوں نے اپنے بیٹوں کے لیے چھوڑا وہ بہت ہی قلیل تھا۔ ان کے بعض بیٹے خاص کر عبدالعزیٰ جسے عام طور پر ابولہب کہا جاتا تھا، نے اپنے طور پر دولت جمع کر لی تھی لیکن ابو طالب تنگ حال اور اس کے ساتھ ساتھ کثیر العیال بھی تھے۔ ان کے بھتیجے نے یہ ذمہ داری اپنے طور پر محسوس کر لی کہ انہیں کچھ کام کر کے آمدنی کا سہارا پیدا کرنا چاہیے تاکہ کم از کم وہ اپنی حد تک ان پر بار نہ بن سکیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے بھیڑ بکریوں کو چراگاہوں میں لے جا کر ان کی رکھوالی کی۔ اس دور میں وہ تنہا مکہ کے اوپری پہاڑوں یا ان ڈھلانوں پر دن گزارتے جو مکہ سے دور تھیں۔ کبھی کبھار ان کے چچا ان کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب آپ ﷺ کی عمر نو سال اور بعض راویوں کے مطابق بارہ سال تھی تو چچا بھتیجا سوداگروں کے ایک قافلے کے ساتھ شام کے سفر پر گئے۔ راستہ میں بُصریٰ کا ایک مقام آیا جہاں مکہ کے کارواں ہمیشہ قیام کیا کرتے۔ یہاں ایک خانقاہ میں نسل در نسل کوئی نہ کوئی عیسائی راہب رہا کرتا تھا۔ جب ایک فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا لے لیتا۔ جو کچھ بھی خانقاہ میں موجود ہوتا وہ اس نئے راہب کی ملکیت میں آ جاتا بشمول پرانی دستاویزات اور قدیم تحریری مخطوطات کے۔ ان قلمی نسخوں میں ایک ایسا ہی مخطوطہ تھا جس میں بشارت دی گئی تھی کہ عربوں پر ایک اللہ کا نبی مبعوث ہوگا۔ بحیریٰ راہب جو اس زمانہ میں خانقاہ میں رہتا تھا وہ اس مخطوطے کے مندرجات سے بخوبی واقف تھا۔ اس مخطوطے سے بحیریٰ راہب کو زیادہ دلچسپی اس لیے بھی تھی کہ ورقہ بن نوفل کی طرح اس کو بھی شدت سے احساس تھا کہ نبی کی بعثت اسی کی حیات میں ہوگی۔

Marfat.com

راہب نے اکثر مشاہدہ کیا تھا کہ مکہ کے کاروانوں کا پڑاؤ اس کی خانقاہ سے زیادہ دور نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب جو اس کاروان پر اس کی نظر پڑی تو اس کی نگاہ میں کچھ ایسی باتیں آئیں جن کا مشاہدہ پہلے نہیں ہوا تھا۔ راہب نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا بادل جو زیادہ بلند نہیں تھا آہستہ آہستہ ان کے سروں پر سایہ کرتا ہوا ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور وہ ہر وقت سورج اور ایک یا دو مسافروں کے سروں کے درمیان رہتا۔ بڑی ہی شدید توجہ اور دلچسپی کے ساتھ وہ یہ سب کچھ دیکھتا رہا حتیٰ کہ کاروان بالکل قریب آن پہنچا۔ لیکن ایک دم اس کی دلچسپی ایک اچنبھے میں بدل گئی۔ وہ بادل جو قافلے کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، جب قافلہ رکا تو بادل بھی رُک گیا۔ جس درخت کے نیچے ان دو مسافروں نے قیام کیا اس درخت کے اوپر بادل کے سائے نے انہیں دوہرے سائے کی راحت مہیا کر دی۔ بحیریٰ جانتا تھا کہ اس طرح کا عجیب واقعہ زندگی کی عام رفتار پر اثر انداز نہ ہونے کے باوجود بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ کہیں کسی روحانی ہستی کی موجودگی نہ ہو۔ فوری طور پر راہب کے ذہن میں متوقع نبی کا خیال آ گیا۔ کیا ممکن تھا کہ آخر کار اس کا ظہور ہو گیا ہے اور وہ اس قافلے کے مسافروں میں شامل ہو۔ اتفاقاً خانقاہ میں کچھ ہی دن پہلے کھانے پینے کا سامان ذخیرہ کیا گیا تھا۔ راہب نے کاروان والوں کو پیغام بھیجا:

"اے اہالیانِ قریش میں نے تمہارے کھانے کا اہتمام کیا ہے۔ میری تمنا ہے کہ تم میں سے ہر ایک، جوان، بوڑھا، غلام یا آزاد میرے ہاں کھانے کے لیے آئے۔"

سب کاروان والے راہب کی خانقاہ میں آئے۔ لیکن انہوں نے آپ ﷺ کو اونٹوں اور سامان کی نگہداشت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا۔ جیسے جیسے لوگ خانقاہ میں داخل ہوتے گئے بحیریٰ ان کے چہروں کا بغور مطالعہ کرتا گیا لیکن اس کے مشاہدے میں کوئی ایسی بات نہ آئی جو کتاب میں دی گئی تفصیل سے مطابقت رکھتی ہو۔ نہ ہی اسے ان میں سے کوئی ایسا شخص نظر آیا جسے دو عظیم معجزات کا اہل قرار دیا جا سکے۔ غالباً سب لوگ نہیں آئے تھے۔ راہب نے کہا "قریش کے لوگو! میں نے کہا تھا کہ اپنوں میں سے کسی کو پیچھے نہ چھوڑنا۔" انہوں نے جواب دیا "ایسا کوئی بھی نہیں جسے ہم نے پیچھے چھوڑا ہو سوائے ایک لڑکے کے جو ہم میں سب سے چھوٹا ہے۔" بحیریٰ نے کہا "اس کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہ کرو، اسے یہاں آنے کے لیے بلاؤ، ہمارے ساتھ طعام پر اس کا ہونا ضروری ہے۔" ابو طالب اور دوسرے ساتھیوں کو اس فروگذاشت پر ندامت کا احساس ہوا۔ ان میں ایک نے کہا کہ "درحقیقت ہم موردِ الزام ہیں کہ عبداللہ کے فرزند کو پیچھے چھوڑ آئے اور دعوت میں ساتھ نہ لائے۔" یہ کلمات کہہ کر وہ شخص واپس پاس گیا، آپ ﷺ کو گلے سے لگایا اور اپنے ساتھ لا کر سب کے ساتھ بٹھایا۔

Marfat.com

لڑکے کے چہرے پر صرف ایک نظر ڈالنا ہی کافی تھا۔ بحیریٰ کی سمجھ میں معجزات کی بات آ گئی۔ جب تک کھانے پینے کا دور چلتا رہا بحیریٰ کی نظریں لڑکے کے چہرے کا توجہ سے جائزہ لیتی رہیں۔ اس نے مطالعہ کیا کہ چہرے کے خدوخال اور لڑکے کا جسم کتاب میں دیئے گئے حلیہ کے بالکل مطابق تھے۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو راہب اٹھ کر اپنے سب سے کم عمر مہمان کے پاس جا بیٹھا اور ان کے طور و اطوار سے متعلق سوال کیے۔ آپ ﷺ نے بڑی کشادہ دلی اور وارفتگی سے تمام سوالوں کے جواب دیئے کہ راہب ایک معزز انسان تھا اور وہ جو سوال کر رہا تھا وہ بااخلاق اور فیض رساں تھے۔ آپ ﷺ نے اس وقت بھی کسی جھجک کا اظہار نہیں کیا جب راہب نے ان کی عبا کاندھے سے اتار کر پیٹھ دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بحیریٰ کو یقین تو ویسے بھی ہو چکا تھا لیکن اب تو یقینِ محکم کا مرحلہ تھا۔ دونوں کاندھوں کے بیچ وہ نشان موجود تھا جسے وہ دیکھنے کا متمنی تھا۔ یہ مہرِ نبوت تھی بالکل اسی طرح جس طرح کتاب میں تفصیل دی گئی تھی، عین اسی مقام پر۔ راہب ابوطالب کی طرف پلٹا اور پوچھا ''اس لڑکے سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟'' ابو طالب نے جواب دیا ''یہ میرا بیٹا ہے۔'' ''یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے'' راہب نے بات کاٹی ''یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کا باپ زندہ ہو۔'' ابو طالب بولے ''یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔'' راہب نے پوچھا ''پھر باپ کا کیا ہوا؟'' ابوطالب نے جواب دیا ''وہ تبھی انتقال کر گئے تھے جب بچہ رحمِ مادر میں تھا۔'' بحیریٰ نے کہا ''یہ بالکل سچ ہے۔ اپنے بھائی کے فرزند کو اپنے ملک واپس لے جاؤ اور یہودیوں سے بچا کر رکھو۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ اسے دیکھ پائیں گے اور جو مجھے علم ہے اگر وہ بھی جان جائیں تو اس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ تمہارے بھائی کے اس فرزند کے لیے قدرت نے اپنے خزانہ میں بڑی عظمتیں سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں۔''

Marfat.com

باب:۱۱

ایک معاہدۂ جانبازی

ابو طالب شام میں اپنے تجارتی کاروبار کو نبٹانے کے بعد اپنے بھتیجے کے ہمراہ مکہ واپس آگئے۔ مکہ پہنچ کر آپ ﷺ نے پہلے کی طرح تنہا پسند طرزِ زندگی کو جاری رکھا۔ لیکن ان کے چچا نے یہ ضروری جانا کہ وہ (محمد ﷺ)، عباس اور حمزہ اسلحۂ جنگ کی تربیت حاصل کریں۔ حمزہ کو قدرت نے قوی الجثہ اور بڑی قوت دی تھی۔ وہ ابھی سے ہی تلوار کے دھنی اور اعلیٰ پائے کے شہ زور تھے۔ آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا اور جہاں تک جسمانی قوت کا تعلق تھا وہ بھی میانہ ہی تھی۔ لیکن تیر اندازی میں نمایاں صلاحیت کے حامل تھے جو ان کے عظیم اسلاف ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کا ورثہ تھی۔ اس ضمن میں جو سب سے بڑا اور قوی سرمایہ تھا وہ ان کی تیز نگاہی تھی۔ آپ ﷺ کے لیے یہ مشہور تھا کہ وہ ثریا کے جھرمٹ میں کم از کم بارہ ستاروں کو دیکھ کر گن سکتے تھے۔

ان سالوں میں قریش کسی جنگ و جدل میں ملوث نہیں تھے۔ سوائے اس کے کہ اس لڑائی کی بنیاد پر ادھر اُدھر کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوتا جسے محترم مہینوں میں شروع کیے جانے کے باعث ''حرام لڑائی'' کہا جاتا تھا۔ قبیلہ کنانہ کے کسی اوباش نے قبیلۂ عامر کے ایک فرد کو دغابازی سے قتل کر دیا تھا۔ اس اوباش نے اقدامِ جرم کے بعد نا قابلِ تسخیر قلعۂ خیبر میں پناہ لے رکھی تھی۔ ان واقعات کے نتیجے میں وہی طرزِ عمل اختیار کیا گیا جو ایسے حالات کے تحت صحرا کے لوگوں کا شعار ہوتا ہے۔ یعنی غیرت کے تقاضے کے طور پر بدلا لینا۔ پس جس قبیلہ کا آدمی مارا گیا تھا انہوں نے کنانہ پر حملہ کر دیا۔ قاتل کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ قریش چونکہ کنانیوں کے اتحادی تھے۔ انہیں بھی مجبوراً ان کا ساتھ دینا پڑا۔ یہ جنگ تین سال تک گھسٹتی رہی جس میں اصل جنگ کا دورانیہ محض پانچ دن تھا۔ اس زمانے میں خاندانِ ہاشم کے سربراہ زبیر تھے۔ جو ابو طالب کی طرح آپ ﷺ کے والد کے سگے بھائی

Marfat.com

تھے۔ زبیر اور ابوطالب اپنے بھتیجے کو ساتھ لے کر اس تنازعہ کی ایک جھڑپ میں گئے لیکن انہیں احساس تھا کہ وہ (محمد ﷺ) لڑائی کے لیے بہت کم سن ہیں۔ پھر بھی ان سے اس طور مدد لی گئی کہ وہ ایسے تمام تیر جو دشمن کی طرف آئے اور بغیر نشانہ لگے وہاں گرے پڑے تھے ان کو اکٹھا کر کے اپنے چچاؤں کے حوالے کریں تاکہ انہیں دوبارہ استعمال میں لایا جا سکے لیکن بعد میں ایک ایسی ہی جنگ میں جب کہ قریش اور ان کے اتحادیوں کو بہت ہی بدترین مقابلہ کا سامنا تھا، آپ ﷺ کو اپنے فنِ تیراندازی میں مہارت کا موقع دیا گیا اور ان کی بہادری کی بہت ستائش کی گئی۔ (1)

صحرائی جنگوں سے پیدا شدہ بے اطمینانی نے عربوں کو اپنے جنگی طور واطوار کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ قریش کے بیشتر سربرآوردہ لوگ ملک شام کا سفر کر چکے تھے اور وہ دیکھ چکے تھے کہ وہاں سلطنتِ رُوم کی تحت عدل و انصاف نسبتاً بہتر تھا۔ اسی طرح ملکِ حبش میں بھی لڑائی کے بغیر انصاف کا حصول ممکن تھا لیکن عرب میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں تھا جس کی رو سے جرم کا ایک شکار، خواہ فرد ہو یا اس کا خاندان اپنے نقصان کی تلافی کا دعوے دار ہو سکے۔ پس یہ قدرتی امر تھا کہ محترم مہینوں میں جنگ سے اجتناب کے باوجود یہ جنگیں اور اسی قسم کے دیگر تنازعات کے ردِعمل میں بہت سے ایسے ذہن پیدا ہو گئے ہوں گے جنہوں نے ایسے طریقوں کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا ہوگا کہ جن پر عمل کر کے خون خرابے سے بچا جا سکتا ہو لیکن ایک موقع ایسا آیا کہ نتیجہ محض سوچ بچار اور باہمی گفتگو تک ہی محدود رہنے کی بجائے ان مراحل سے کہیں آگے بڑھ گیا۔ جہاں تک قریش کا تعلق تھا تو ان میں تو عام طور پر سب لوگ متفق تھے کہ عملی قدم اٹھایا جائے لیکن ان کے عدل و انصاف کی حِس کو جس کڑے امتحان سے گزر کر ایک عملی قدم اٹھانا پڑا اس کی بنیاد وہ رُسوا کن واقعہ تھا جو اس جنگ کے چند ہفتوں بعد پیش آیا۔

ہوا یوں کہ ملک یمن کی بندرگاہ زبید کا ایک سوداگر مکہ آیا اور اس نے چند بیش قیمت اشیا 'سہم' خاندان کے ایک معزز فرد کے ہاتھوں فروخت کیں۔ ان اشیا کو ملکیت میں لے کر سہمی خریدار مقرر شدہ قیمت کی ادائیگی سے پھر گیا۔ وہ سوداگر جس کی حق تلفی ہوئی تھی وہ مکہ میں اجنبی تھا۔ اس بات سے مجرم سہمی بھی واقف تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ شہر میں سوداگر کا نہ کوئی حلیف ہے اور نہ سرپرست جس سے وہ مدد حاصل کر کے اپنا دعویٰ منوا سکے۔ لیکن سوداگر بھی سہمی کی ہٹ دھرمی اور بے ایمانی سے مرعوب ہونے کی بجائے ابوقبیس کی پہاڑی پر چڑھ گیا اور تمام اہلِ قریش کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی فصیح تقریر میں للکار کر کہا کہ وہ ظلم کے خلاف انصاف مانگتا ہے۔ وہ تمام خاندان جن کا سہمیوں سے کوئی روایتی اتحاد نہیں تھا ان کی اکثریت نے فوری کارروائی کا وعدہ کیا۔

Marfat.com

قریش اس معاملے میں اتحاد پر تلے ہوئے تھے۔ انہیں کسی اور خاندان کی پروا بھی نہیں تھی۔ لیکن اس اتفاق اور اتحاد کے باوجود ان کے لاشعور میں اس نفاق کا بھی گہرا احساس تھا جس نے انہیں وراثتِ قُصَی پر آپس میں ''معطرین'' اور ''منسلکین'' کے نام سے دو گروہوں میں بانٹا ہوا تھا۔ سہم کا خاندان منسلکین میں سے تھا۔ دوسرے گروہ کے سربراہوں میں سے اس زمانے میں مکہ کا دولت مند اور رئیس عبداللہ بن جدعان تھا جو قبیلہ تیم کا سردار بھی تھا۔ اس نے عدل و انصاف کے علمبرداروں کو اپنے وسیع مکان کی پیش کش کرتے ہوئے مشورہ کرنے کے لیے مدعو کیا۔ گروہِ معطرین میں سے صرف خاندان عبدالشمس اور نوفل غائب تھے۔ ہاشم، مطلب، زہرہ، اسد اور تیم خاندانوں کی بھرپور نمائندگی تھی۔ ان میں عدی بھی آکر شامل ہو گئے جو منسلکین میں سے تھے۔ طویل اور مخلصانہ جذبے کی حامل بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ ضعیف، کمزور اور نادار لوگوں کے تحفظ کے لیے منظم ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ طے کرنے کے بعد وہ سب لوگ ایک جمعیت کی صورت میں خانہ کعبہ پہنچے اور وہاں پہنچ کر حجرِ اسود پر پانی انڈیل کر اس کو ایک برتن میں بھر لیا۔ اس برتن سے ہر ایک نے پانی پی کر اپنے داہنے ہاتھ سروں سے بلند کیے اور حلف اٹھایا کہ آئندہ جب کبھی مکہ میں کوئی ظلم ہوگا تو وہ سب متحد ہو کر مظلوم کا ساتھ دیں گے اور ظالم کے خلاف اس وقت تک نبرد آزما رہیں گے جب تک کہ انصاف نہ ہو جائے۔ مظلوم خواہ قریشی، غیر قریشی یا باہر سے آنے والا اجنبی ہی کیوں نہ ہو۔ اس فیصلہ کے بعد سہمی نے مجبور ہو کر سوداگر کو رقم ادا کر دی۔ اس کے خاندان والوں نے بھی معاہدہ میں شریک نہ ہونے کے باوجود اس کی حمایت میں کوئی قدم نہ اٹھایا۔

تیم کے سردار کے علاوہ بنو ہاشم کے سردار زبیر اس معاہدہ کے بانیوں میں سے تھے اور وہ اپنے ہمراہ اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو بھی لائے تھے جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی تھی۔ بعد میں کئی سال گزر جانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر موجود تھا جہاں اتنا بہترین معاہدہ طے ہوا تھا کہ اگر مجھے سرخ اونٹوں کا ایک پورا گلہ بھی اپنی موجودگی کے عوض پیش کیا جاتا تو میں اسے قبول نہ کرتا۔ اب جب کہ اسلام کا دور دورہ ہے اگر مجھے اس معاہدہ میں پھر مدعو کیا جائے تو بخوشی جاؤں گا۔'' (۲)

اس موقعے پر موجود ایک اور فرد جو وہاں موجود تھا وہ میزبان کا چچا زاد بھائی ابو قحافہ تیمی تھا جو اپنے بیٹے ابوبکر کو ہمراہ لایا تھا۔ ابوبکر آپ ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے، دونوں بعد میں قریبی دوست بن گئے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ ابن ہشام: ۱۹۹ ۲۔ ابن اسحٰق: ۱/۱۸۶

Marfat.com

باب: ۱۲

ازدواجی معاملات

آپ ﷺ کی عمر اب بیس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا انہیں کسی نہ کسی عزیز یا رشتہ دار کی جانب سے بیرونِ ملک تجارتی کاروانوں کے ساتھ سفر کرنے کی دعوت ملتی رہی لیکن ایک بار یہ دعوت ایسے تاجر کی جانب سے ملی جو خود سفر کرنے سے قاصر تھا۔ انہوں نے اس حیثیت میں تجارتی سفر کامیابی سے مکمل کیا تو اسی قسم کی دوسری ذمہ داریوں کا راستہ کھل گیا۔ اس طور کے روزگار نے ایک بہتر زندگی کا سامان فراہم کر دیا۔

آپ ﷺ کے چچا اور سرپرست ابوطالب اس زمانہ میں تین بیٹوں کے باپ تھے۔ سب سے بڑے طالب تو تقریباً اتنے ہی بڑے تھے جتنے خود آپ ﷺ، عقیل کی عمر تیرہ یا چودہ سال کی تھی اور جعفر چار برس کے لڑکے تھے۔ آپ ﷺ بچوں میں بہت خوش رہتے تھے اور ان سے خوب کھیلا کرتے تھے۔ جعفر سے وہ خاص طور پر بڑے مانوس ہو گئے۔ جعفر بڑا خوبصورت اور سمجھ دار بچہ تھا اور وہ اپنے چچازاد کی محبت کا جواب بڑی محبت سے دیتا تھا۔ یہ محبت دیرپا ثابت ہوئی۔

ابوطالب کی بیٹیاں بھی تھیں اور ان میں سے ایک تو شادی کے قابل تھی۔ اس کا نام فاختہ تھا لیکن بعد میں انہیں 'اُمِ ہانی' کہا گیا اور اسی نام سے ہمیشہ یاد بھی رکھا گیا۔ ابوطالب نے اپنی بیٹی کی شادی اپنی والدہ کے بھائی کے بیٹے، یعنی ان کے ماموں زاد بھائی ہبیرہ سے کرادی جو کہ نہ صرف مالدار آدمی تھا بلکہ ابوطالب کی طرح اسے بھی قدرت نے ذوقِ شاعری سے خوب نوازا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں مکہ میں مخزومیوں کا اقتدار جس طرح عروج پکڑ رہا تھا بنو ہاشم ان کے مقابلے میں ماند پڑتے جا رہے تھے۔ انہی وجوہات کی بنا پر اُمِ ہانی کا نکاح ہبیرہ سے کر دیا گیا۔

Marfat.com

مکہ کے متمول سوداگروں میں خاندانِ اسد میں سے ایک خاتون خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ وہ ورقہ بن نوفل، جو عیسائی تھے اور ان کی ہمشیرہ قتیلہ کی چچازاد بہن تھیں۔ ورقہ اور قتیلہ کی طرح وہ ہاشم کے بیٹوں کی دور کے رشتہ سے بہن لگتی تھیں۔ اس سے قبل ان کی دو بار شادی ہو چکی تھی۔ دوسرے شوہر کے انتقال کے بعد انہوں نے دیگر لوگوں کی خدمات حاصل کر کے اپنے تجارتی کاروبار کو جاری رکھا۔ اب آپ ﷺ کو مکہ میں الامین کہا جاتا تھا۔ یعنی قابلِ اعتماد، راست باز اور قابلِ بھروسہ۔ ان کی اس شہرت کی ابتدا ان تاجروں کے ذاتی تجربات سے ہوئی جنہوں نے انہیں وقتاً فوقتاً اپنا تجارتی سامان بغرضِ تجارت دیا تھا۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے بھی مختلف خاندانی ذرائع سے ان کے متعلق بہت اچھی باتیں سنی تھیں۔ ایک روز انہوں نے آپ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنا تجارتی سامان ان کے ہاتھ ملکِ شام بھیجنا چاہتی ہیں۔ اس کے عوض وہ ایسے کام کی بڑی سے بڑی اجرت کے مقابلے میں دگنی اجرت دینے کو تیار تھیں۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اس سفر کی خاطر میسرہ نامی لڑکے کی خدمات بھی پیش کیں۔ آپ ﷺ نے ان کی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے خادم لڑکے کو ساتھ لیا اور سامانِ تجارت لے کر شمال کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

جب وہ شام کے جنوب میں بُصریٰ کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے ایک درخت کے سایہ میں پڑاؤ کیا۔ یہ درخت اس خانقاہ سے زیادہ دور نہیں تھا جہاں ایک راہب نِسطورا رہتا تھا۔ چونکہ مسافروں کے قیام اور پڑاؤ کی جگہ عام طور سے تبدیل نہیں ہوا کرتی تھی اس لیے عین ممکنات سے تھا کہ یہ وہی درخت ہو جہاں پندرہ برس قبل انہوں نے بُصریٰ سے گزرتے ہوئے اپنے چچا کی معیت میں قیام کیا تھا۔ غالباً بحیریٰ وفات پا چکا تھا اور اس کی جگہ اب نِسطورا راہب آ گیا تھا۔ اصل کچھ بھی ہو لیکن ہم وہی نقل رہے ہیں جو میسرہ نے روایت کیا ہے۔ میسرہ کا بیان ہے کہ راہب اپنی خانقاہ سے باہر آیا اور اس سے دریافت کیا کہ ''وہ کون ہے جو درخت کے نیچے آرام کر رہا ہے؟'' میسرہ نے جواب دیا کہ ''وہ ایک قریشی ہے'' اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اضافہ کر دیا کہ ''یہ ان لوگوں میں سے ہے جو پاسدارانِ بیت الحرم ہیں۔'' نِسطورا راہب نے کہا ''اس درخت کے نیچے سوائے ایک نبی کے اور دوسرا کوئی نہیں۔'' (1)

جوں جوں وہ ملکِ شام کی جانب بڑھتے گئے ویسے ویسے نِسطورا کے الفاظ میسرہ کی روح میں اترتے گئے۔ ویسے ان الفاظ نے اسے بہت زیادہ متعجب نہیں کیا کیوں کہ سارے سفر میں اسے اس بات سے پوری آگاہی ہو چکی تھی کہ وہ ایک ایسی ہستی کی خدمت میں تھا جس کی مثال اس نے پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ اس حقیقت کی مزید تصدیق ایک اور بات سے بھی ہو گئی جو اس نے گھر لوٹتے وقت دیکھی۔ اس نے تجربہ کیا کہ

Marfat.com

آفتاب کی حدت آپ ﷺ پر بالکل اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ ایک دوپہر کو تو اس نے بالکل صاف طور دو فرشتوں کا ہیولہ دیکھا جو آپ ﷺ کو سورج کی تپش سے بچانے کے لیے ان کو اپنے سایہ میں لیے ہوئے تھے۔

مکہ پہنچنے پر خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے مکان پر اس سامان کو لے کر گئے جو آپ ﷺ نے شام کے بازاروں سے اس رقم سے خریدا تھا جو اپنے سامانِ تجارت کو بیچ کر حاصل ہوئی تھی۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سفر کا حال آپ ﷺ سے سنتی رہیں اور وہ انہیں تفصیل سے بتاتے رہے کہ کس طرح انہوں نے کاروبارِ تجارت انجام دیا۔ یہ سودے بہت نفع بخش ثابت ہوئے۔ شام سے خریدا گیا مال دگنی قیمت پر فروخت ہوسکتا تھا لیکن اس حالیہ نفع بخش تجارتی سفر سے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے خیالات کی رفعت کا مرکز تجارت کی بجائے اپنے روبرو موجود ہستی تھی۔

آپ ﷺ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی۔ درمیانی قد و قامت، چھریرا بدن، سر قدرے بڑا، شانے کشادہ اور باقی جسم انتہائی متناسب و متوازن تھا۔ سر اور ڈاڑھی کے بال سخت اور گھنے تھے۔ بالکل سیدھے نہیں ہلکے گھنگریالے۔ کاکلوں کی لمبائی شانوں سے اوپر لیکن کانوں کی لوؤں سے نیچی تھی۔ ریش کی لمبائی بھی اسی مناسبت سے تھی۔ کشادہ پیشانی سے شرافت اور اقبال عیاں تھے۔ اور بڑی بڑی آنکھوں کے بیضوی حلقے بہت واضح تھے۔ پلکیں غیر معمولی طور پر لمبی اور بھویں آنکھوں پر ہلکی سی خمیدہ کمان کی طرح چھائی ہوئی تو تھیں لیکن آپس میں ملی ہوئی نہ تھیں۔ شروع شروع میں حلیہ کی جو تفصیل عام طور سے پیش کی گئی ہیں ان میں آنکھوں کا رنگ سیاہ بتایا گیا تھا لیکن ان راویوں میں سے ایک دو نے آنکھوں کا رنگ بھورا بلکہ ہلکا بھورا بھی بتایا ہے۔ ناک عقابی اور دہانہ فراخ اور خوش انداز تھا جس سے ہمہ وقت خوش اندازی ٹپکتی تھی کیونکہ ریش تو تھی لیکن مونچھوں کے بال بالائی ہونٹ پر چھائے ہوئے نہیں تھے۔ جلد کا رنگ سفید تھا جسے تمازتِ آفتاب نے سرخی بہ مائل کر دیا تھا۔

ایک فطری مردانہ حسن کے علاوہ ان کے بشرہ پر ایک نور ہویدا تھا۔ اسی قسم کا نور جیسا کہ ان کے والد کے چہرے پر دیکھا گیا تھا لیکن بیٹے کے چہرے پر یہ نور پوری آب و تاب سے دمک رہا تھا۔ اس نور کی چمک خاص طور سے کشادہ پیشانی اور آنکھوں سے عیاں تھی۔ ایسی پرنور آنکھیں مرکزِ توجہ بن جاتی تھیں۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو احساس تھا کہ وہ اس وقت بھی حسین تھیں لیکن بہ لحاظ عمر آپ ﷺ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ کیا اس فرق کے ہوتے ہوئے بھی وہ ان سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے پر تیار ہوجائیں گے؟

جوں ہی آپ ﷺ رخصت ہوئے تو خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنی سہیلی نفیسہ کو مشورے کے لیے بلایا۔ نفیسہ نے آپ ﷺ سے رابطہ کی حامی بھرنے کے ساتھ ساتھ رشتہ طے ہونے کی صورت میں شادی کے تمام

Marfat.com

انتظامات میں بھی مدد کا وعدہ کیا۔ اب میسرہ اپنی مالکن کے پاس آیا اور انہیں دو فرشتوں کے مشاہدہ اور راہب کی کہی ہوئی بات سنائی۔ یہ سنتے ہی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) اپنے رشتہ کے بھائی ورقہ کے پاس گئیں اور میسرہ سے جو کچھ سنا تھا وہ انہیں بتایا۔ ورقہ نے کہا:

''اگر ان باتوں میں صداقت ہے تو محمد (ﷺ) ہمارے نبی ہوں گے۔ بہت عرصہ سے مجھے اس بات کا علم ہے کہ ایک نبی کی آمد آمد ہے۔ لگتا ہے کہ وہ وقت آ گیا ہے۔'' (۲)

اسی دوران نفیسہ آپ ﷺ کے پاس آئیں اور ان سے پوچھا کہ انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔ آپ ﷺ نے جواب میں کہا کہ ''شادی کے لیے مال ومتاع درکار ہے جو میرے پاس نہیں۔'' ''اگر یہ ذرائع مہیا کر دیئے جائیں؟'' نفیسہ بولی ''اور اگر آپ کو ایسے ازدواجی تعلق کی پیش کش کی جائے کہ جہاں حسن و دولت اور شرافت کی فراوانی ہو تو کیا آپ پھر بھی راضی نہ ہوں گے؟'' آپ ﷺ نے پوچھا ''کون ہے وہ؟'' نفیسہ نے جواب دیا: ''خدیجہ۔'' آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''وہ مجھ سے شادی پر کیسے تیار ہو جائیں گی؟'' نفیسہ کا جواب تھا ''یہ سب مجھ پر چھوڑ دیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں رضامند ہوں۔'' (۳)

نفیسہ اس خبر کو لے کر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچیں۔ آپ ﷺ کی رضامندی کی خبر پا کر خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے ان کو ملنے کا پیغام بھیجا۔ جب آپ ﷺ ان سے ملنے آئے تو انہوں نے کہا:

''میرے چچا کے فرزند، مجھ کو تم سے اپنی قرابت داری کی وجہ سے التفات ہے۔ تمہاری شخصیت ایسی میانہ رو ہے جو کسی کی وجہ سے، کسی کی خاطر ادھر ادھر نہیں جھکتی اور مجھے تم سے محبت تمہارے حسنِ کردار، صفتِ امانت اور تمہارے صادق القول ہونے کی وجہ سے ہے۔'' (۴)

پھر خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی جانب سے شادی کی پیش کش کے بعد دونوں کے درمیان طے پایا کہ آپ ﷺ اپنے چچا سے اور خدیجہ (رضی اللہ عنہا)، جن کے والد فوت ہو چکے تھے، اپنے چچا عمرو بن اسد سے بات کریں گی۔

ہاشمیوں نے اس موقع پر اپنی خاندانی نمائندگی کے لیے حمزہ رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ دوسروں کی نسبت کم عمر تھے لیکن کم عمر ہونے کے باوجود وہ خود بنی اسد کے ذریعہ ان سے بہت قربت رکھتے تھے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن صفیہ کی شادی حال ہی میں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے بھائی عوام سے ہو چکی تھی۔ پس حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے کو ساتھ لے کر عمرو کے پاس گئے اور ان سے اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کے لیے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے رشتہ کی خواہش

Marfat.com

ظاہر کی۔ رشتہ قبول ہوا اور ان کے مابین یہ طے پایا کہ آپ ﷺ مہر میں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو بیس اونٹنیاں دیں گے۔[1]

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ ابن سعد: ۸/۱۰۸

۲۔ ابن سعد: ۱/۱: ۸۳۔ اسلامی روایت کے مطابق Shiloh سے مراد محمد (ﷺ) کے علاوہ کوئی اور نہیں ہیں جنہیں ''بعد کے دنوں میں'' وہ روحانی اقتدار منتقل کر دیا جائے گا جو اس وقت یہودیوں کا خصوصی امتیاز رہا ہوگا۔ مسیح (علیہ السلام) یہوداہ کی شاخ کے آخری نبی تھے۔ یہ پیشین گوئی یعقوب (علیہ السلام) نے اپنی وفات سے پہلے کی تھی۔ یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا تم اکٹھے ہو جاؤ تا کہ میں تم کو وہ بات بتاؤں جو تمہیں آخری ایام میں پیش آئے گی۔ نہ اقتدار یہوداہ کے ہاتھ سے جائے گا نہ کوئی قانون عطا کرنے والا اس کے قدموں کے درمیان سے حتیٰ کہ Shiloh آ جائے اور لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ (کتاب پیدائش ۲۹:۱۰۱)

۳۔ ابن اسحٰق: ۱۲۱

۴۔ ابن سعد: ۱/۸۴

Marfat.com

باب: ۱۳

گھرانہ

شادی کے بعد آپ ﷺ نے اپنے چچا کا مکان چھوڑ دیا اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی ہم دم بھی تھیں اور آپ ﷺ کے فطری میلانات، رجحانات اور نصب العین کی ایک غیر معمولی حد تک شریک بھی۔ ان دونوں کی زندگی حیرت انگیز طور پر خوشگوار اور بڑی مسرتوں سے بھرپور تھی۔ گو کہ غم و اندوہ بھی ساتھ ساتھ تھے۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے چھ بچے ہوئے۔ دو فرزند اور چار بیٹیاں۔ ان کا سب سے بڑا بچہ قاسم تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو ابوالقاسم کی کنیت بھی ملی۔ یہ بیٹا دو سال سے کم عمر میں ہی انتقال کر گیا۔ دوسری اولاد لڑکی تھی جن کا نام زینب رضی اللہ عنہا انہوں نے خود رکھا۔ پھر اوپر تلے تین بیٹیاں تولد ہوئیں، رقیّہ، اُمِ کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ آخر میں ایک اور بیٹا، جو کچھ دن زندہ رہ کر فوت ہو گیا۔ جس کا نام ابراہیم تھا۔

شادی کے دن ہی آپ ﷺ نے اپنی وفادار اور عزیز کنیز، بَرَکہ جو انہیں باپ سے ورثہ میں ملی تھیں کو آزاد کر دیا اور اسی دن سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک ذاتی غلام کا تحفہ انہیں پیش کیا۔ زید رضی اللہ عنہ پندرہ سال کے نوجوان تھے۔ بَرَکہ کا عقد یثرب کے ایک آدمی سے کر دیا گیا جس سے ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے نام کی رعایت سے بَرَکہ کو اُمِ ایمن کہا جانے لگا۔ اب زید رضی اللہ عنہ کا قصہ یوں ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حزام کے فرزند حکیم نے عکاظ کے بڑے میلے سے حال ہی میں زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی نو عمر لڑکوں کو خریدا تھا۔ اسی دوران جب حکیم سے ملاقات کے لیے ان کی پھوپھی (سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا) ایک دن ان کے ہاں گئیں تو حکیم نے اپنے ان غلاموں کو پیش کر کے پھوپھی سے درخواست کی کہ ان میں سے اپنے واسطے کسی کو چن لیں۔

Marfat.com

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا زید رضی اللہ عنہ کو پسند کر کے انہیں اپنے ساتھ لے آئیں۔

زید رضی اللہ عنہ کو اپنے نسب پر فخر تھا۔ ان کے والد حارث کا تعلق اس شمالی علاقہ کے ایک عظیم قبیلے ''کلب'' سے تھا جس کی عملداری عراق اور شام کے درمیانی علاقوں پر محیط تھی۔ ان کی والدہ بھی اسی علاقہ کے پڑوسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ طائی نامی قبیلہ بھی ناموری میں کسی سے کم نہیں تھا۔ اسی قبیلہ کے سرداروں میں سے ایک سردار حاتم اپنی بے مثال شجاعت اور افسانوی سخاوت کے وصف حاتم طائی کے نام سے سارے عرب میں مشہور تھا۔ کئی برس قبل جب زید رضی اللہ عنہ کی والدہ اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے گھر والوں کو ملنے گئی تھیں تو اس گاؤں پر بنی قیس کے سواروں نے یلغار کر دی۔ ان حملہ آوروں نے زید رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور غلاموں کے بازار میں فروخت کر دیا۔ ان کے والد حارث نے ان کی تلاش میں بڑی گرد چھانی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا اور نہ ہی زید رضی اللہ عنہ کو اس تمام عرصہ قبیلہ کلب کا کوئی فرد نظر آیا جس کے ذریعے وہ اپنے والدین کو اپنی خبر بھیج سکتے۔

کعبہ تمام تر عرب سے زائرین کو کھینچ لاتا تھا۔ حج کے ایام میں جبکہ زید رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی غلامی میں آئے کئی ماہ گزر چکے تھے انہوں نے مکہ میں اپنے قبیلہ کے چند ایسے مرد و زن کو دیکھا جن کا تعلق خود ان کے اپنے خاندان سے بھی تھا۔ اگر وہ انہیں گزشتہ سال دیکھ پاتے تو ان کے جذبات کا عالم کچھ اور ہی ہوتا۔ زید رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے بڑے بے تاب تھے مگر اب جبکہ اپنے قبیلے کے لوگ نظر آئے تو حالات بدل چکے تھے۔ وہ جان بوجھ کر اپنے گھر والوں کو اپنے حال احوال سے بے خبر رکھنا نہیں چاہتے تھے لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ پیغام بھیجیں بھی تو کیا؟ مردِ صحرا ہونے کی حیثیت سے انہیں یہی مناسب نظر آیا کہ اپنا حال اشعار کی صورت میں اپنے والدین تک پہنچائیں۔ انہوں نے چند اشعار موزوں کیے جن سے ان کی ذہنی کیفیت کی عکاسی کے ساتھ ساتھ گھر والوں کی تسکینِ قلب کا سامان بھی تھا۔ پیغام کی تزئین کے بعد وہ قبیلہ کلب کے حاجیوں سے صاحب سلامت کے لیے گئے اور انہیں اپنا پورا حال بتانے کے بعد ان سے کہا:

''میرے گھر والوں کو میرے یہ اشعار سنا دینا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میری جدائی میں ان کا کیا عالم ہوگا:

''گو تم سے بہت دُور ہوں
تاہم میرے لوگوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا
مقدس بیت اللہ پر میری رہائش ان مقامات کے
درمیان ہے جنہیں اللہ نے تقدس بخشا ہے

Marfat.com

پس وہ تمام غم جو تم لوگوں نے جدائی میں سہے
انہیں جھٹک دو۔ اونٹوں کو میری تلاش میں نہ تھکاؤ
اور میری تلاش میں زمین کی گرد چھاننا بند کر دو
کیوں کہ بحمد اللہ میں ایسے اشرف ترین گھرانوں
سے وابستہ ہوں کہ جن کا نسب سب سے عظیم ہے۔''

جب حاجی اس خوشخبری کے ساتھ گھر واپس لوٹے تو حارث فوراً ہی اپنے بھائی کعب کو ساتھ لے کر مکہ روانہ ہو گئے۔ ان دونوں نے آپ ﷺ سے مل کر فدیہ کے عوض زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کرنے کی التجا کی۔ انہوں نے درخواست کی کہ فدیہ کی جو رقم بھی مانگی جائے وہ ادا کرنے کو تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں یہ اختیار زید کو دیتا ہوں۔ وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو بغیر فدیہ دیئے اپنے ساتھ لے جاؤ، وہ تمہارا ہے۔ لیکن اگر وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے تو میں ان انسانوں میں سے نہیں کہ ایسے انسان پر جو مجھے پسند کرتا ہو اس پر کسی دوسرے کو مسلط کر دوں۔'' تب انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ کیا وہ ان دونوں آدمیوں سے واقف ہیں۔ نوجوان زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔'' ''مجھ کو تو جانتا ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اور تو نے اپنے ساتھ میری مصاحبت بھی دیکھی ہے۔ پس تجھے اختیار ہے کہ میرے اور ان کے مابین کسی کو بھی چن لے۔'' لیکن زید رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی اپنی پسند کا فیصلہ کر چکے تھے وہ فوراً بولے ''میں کسی کو بھی آپ کے مقابلہ میں ترجیح نہیں دوں گا۔ آپ تو میرے حق میں میرے باپ بھی ہیں اور میری ماں بھی۔'' یہ سن کر باپ اور چچا غصے میں بولے ''وائے ہو تجھ پر اے زید! کیا تو آزادی پر غلامی کو اور باپ، چچا اور اپنے گھرانے کے مقابلے میں یہاں رہنے کو ترجیح دیتا ہے؟'' زید نے کہا ''ہاں یقیناً ایسی ہی بات ہے۔ کیوں کہ میں نے اس آدمی میں وہ اوصاف پائے ہیں کہ میں ان کے مقابلے میں کسی اور کا انتخاب نہیں کر سکتا۔'' آپ ﷺ نے مزید کلام منقطع کر دیا اور انہیں اپنے ساتھ خانہ کعبہ چلنے کا حکم دیا اور کعبہ پہنچ کر حجر کے اندر کھڑے ہو کر بہ آواز بلند کہا ''وہ تمام لوگ جو یہاں موجود ہیں گواہ رہیں کہ زید میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں۔'' (1)

باپ اور چچا اپنا مقصد حاصل کیے بغیر واپس لوٹ گئے لیکن جو داستان انہیں اپنے قبیلہ کو سنانی پڑی وہ کچھ ایسی دل شکن بھی نہ تھی۔ آپ ﷺ اور زید رضی اللہ عنہ کے درمیان گہری محبت باپ بیٹے کے رشتے کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ زید رضی اللہ عنہ آزاد ہو کر عزت کے مقام پر فائز ہو چکا تھا۔ خاندان والوں کو یہ بھی امید بندھ گئی کہ

Marfat.com

جہاں پاسدارانِ کعبہ سے نسبت کے طفیل زید رضی اللہ عنہ کے درجات بلند ہوں گے وہاں زید رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ان کے گھرانے کو بھی فائدہ حاصل ہوگا۔ یہ ساری صورتحال خاصی اطمینان بخش ہونے کے ساتھ ساتھ مستقبل میں مزید بہتری کے امکانات رکھتی تھی۔ اس لیے زید رضی اللہ عنہ کے گھرانے والے کسی رنج و خلش کے بغیر اپنی دنیا میں مصروف ہو گئے اور ادھر مکہ میں اس نئے ہاشمی کو زید بن محمد کے نام سے باعزت مقام بھی مل گیا۔

گھر میں آنے والے مہمانوں میں جس کا بہت تواتر سے آنا جانا رہتا تھا وہ صفیہ تھیں جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھابھی تھیں۔ صفیہ آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی پھوپھی ہونے کے باوجود عمر میں ان سے چھوٹی تھیں۔ اپنے ہمراہ وہ چھوٹے سے بیٹے زبیر کو لایا کرتی تھیں جس کا نام انہوں نے اپنے بھائی کے نام پر رکھا تھا۔ زبیر آپ ﷺ کی بیٹیوں سے شروع سے ہی گھل مل گیا تھا۔ صفیہ کے ساتھ ان کی وفادار خدمت گار سلمہ بھی آیا کرتی تھیں۔ سلمہ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تمام بچوں کی ولادت کے مواقع پر دایہ کے فرائض بھی انجام دیئے اور انہیں بچوں کی دیکھ بھال سے بے نیاز کر کے اپنے آپ کو اس گھر کا ہی فرد سمجھتی تھیں۔

جیسے جیسے سال گزرتے گئے تو موقع بہ موقع حلیمہ بھی آتی رہیں۔ حلیمہ آپ ﷺ کی رضاعی ماں تھیں اس لیے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان سے بہت فراخ دلی اور تواضع سے پیش آیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ جب ان کی آمد ایسے موقع پر ہوئی جب کہ ایک وسیع علاقہ خشک سالی کا شکار ہونے کے باعث حلیمہ کی بھیڑوں کا گلہ ضائع ہو کر بالکل ہی مختصر رہ گیا تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو چالیس بھیڑیں اور سواری کا اونٹ بھی نذر کیا۔ [۴] یہ اسی خشک سالی کا ذکر ہے جس کی وجہ سے حجاز میں قحط کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ قحط سالی ہی اس گھرانے میں ایک بڑی تبدیلی کا باعث بھی ثابت ہوئی۔

ہوا یوں کہ ابو طالب کی اولاد کی کثرت اور قحط کی سختی کے باعث ان کے گھرانے کی کفالت خاصی دشوار ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا کی اس حالت کے پیشِ نظر کچھ کرنے کے ارادے سے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ ان کے تمام چچاؤں میں سے امیر ترین ابولہب تھا لیکن وہ باقی ماندہ خاندان سے الگ تھلگ تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اپنی ماں کی اکلوتی اولاد ہونے کے باعث خاندان میں اس کا کوئی سگا بہن یا بھائی بھی نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے ابولہب کی دولت مندی کے باوجود عباس سے مدد طلب کرنے کو ترجیح دی۔ عباس ایک کامیاب تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے بچپن کے ساتھی تھے۔ اس کے علاوہ عباس کی زوجہ ام الفضل کو بھی آپ ﷺ سے بہت انس تھا اور وہ ان کی خاطر تواضع میں پیش پیش رہتی تھیں۔ پس آپ ﷺ پہلے ان کے پاس گئے اور تجویز پیش کی کہ ابو طالب کے حالات کے پیشِ نظر دونوں گھرانوں کو تب تک ابو طالب کے

Marfat.com

ایک ایک بیٹے کی پرورش کی ذمہ داری اٹھانی چاہیے جب تک کہ ان کے حالات ٹھیک نہیں ہو جاتے۔ عباس نے بڑی خوشی سے اس تجویز پر غور کیا۔ دونوں ابوطالب کی خدمت میں پہنچے اور اپنا مدعا بیان کیا۔ ابوطالب نے کہا کہ ''تم جو چاہو اس پر عمل کرو لیکن عقیل اور طالب کو میرے پاس چھوڑ دو۔'' جعفر کی عمر تقریباً پندرہ سال تھی اور ان کا شمار اب چھوٹوں میں نہیں رہا تھا۔ ابوطالب کے ایک اور بیٹے جو جعفر سے دس سال چھوٹے تھے ان کا نام علی تھا۔ تقریباً اسی زمانے میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھی ان کا آخری بچہ تولد ہوا تھا جن کا نام عبداللہ رکھا گیا لیکن وہ کم سنی میں ہی انتقال کر گئے۔ گویا عبداللہ کی جگہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے گھرانے کا فرد بنا دیا اور چار بیٹیوں کے درمیان ان کی پرورش بھائی کی طرح ہوئی۔ علی رضی اللہ عنہ اپنی چچا زاد بہنوں رقیہ اور اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے تقریباً ہم عمر، زینب رضی اللہ عنہا سے عمر میں تھوڑے چھوٹے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کسی قدر بڑے تھے۔ یہ پانچوں اور زید رضی اللہ عنہ کو شامل کر کے اس وقت آپ ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھرانے کی تصویر بنتی تھی۔ ان کے علاوہ اور بہت سے رشتہ دار تھے جن سے وہ بہت زیادہ مانوس تھے اور جنہوں نے اس تاریخی کارِ عظیم میں جس کی واقعہ نگاری یہاں کی جا رہی ہے اس میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

آپ ﷺ کے بزرگ ترین چچا حارث جن کی اب وفات ہو چکی تھی انہوں نے بہت سی اولاد چھوڑی تھی۔ ان پسماندگان میں ان کا ایک بیٹا ابوسفیان، جو آپ ﷺ کا چچا زاد بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بھائی بھی تھا کیونکہ حلیمہ نے ان کو بھی اپنا دودھ پلایا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ ابوسفیان ان میں سے تھا کہ جس کی خاندانی طور پر آپ ﷺ سے شکل و شباہت ملتی تھی۔ ان دونوں میں جو خصوصیات مشترک تھیں وہ ان کی خوش بیانی اور فصاحت تھی لیکن ابوسفیان کو قدرت کی جانب سے جو ذوقِ شاعری ملا تھا وہ غالباً اپنے چچا زبیر اور ابوطالب سے بھی بہتر تھا جبکہ آپ ﷺ نے کبھی بھی شاعری کی طرف کسی شوق کا اظہار نہیں کیا۔ ہاں عربی دانی اور خوش بیانی و فصاحت میں آپ ﷺ کا کوئی ہمسر نہ ہو سکا۔ ابوسفیان جو عمر میں کم و بیش تقریباً آپ ﷺ کے برابر تھا اس میں کچھ ایسی بات تھی کہ وہ ایک دوست اور ہمدم ہو سکتا تھا۔ خونی رشتہ کے اعتبار سے آپ ﷺ کے والد کی سگی بہنوں یعنی عبدالمطلب کی پانچ بیٹیوں کے بھی متعدد بچے تھے۔ ان تمام چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائیوں اور بہنوں میں پھوپھی امیمہ کے بچے سب سے بڑے تھے۔ امیمہ کے خاوند کا نام جحش تھا جو شمالی عرب کے قبیلہ بنی اسد [۳] سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا مکہ میں اپنا گھر تھا اور یہ ممکن تھا کہ ایک شخص کسی اور قبیلے سے تعلق رکھنے کے باوجود شادی کے بعد اپنے نئے رشتہ کے قبیلے میں رہائش پذیر ہو کر ان میں ہی رچ بس کر ایسا ضم ہو جائے کہ اس قبیلہ کی ذمہ داریوں اور مفادات میں برابر کا شریک ہو جائے۔

Marfat.com

خاندانِ عبدالشمس کی شاخ بنو امیہ ⁴ کے سردار حرب نے جحش کو اپنا حلیف بنا لیا تھا۔ اس حوالے گویا امیمہ کی شادی عبدالشمس کے خاندان میں ہی سمجھی جاتی تھی۔ ان کا سب سے بڑا لڑکا عبداللہ جس کا نام انہوں نے اپنے بھائی کے نام پر رکھا تھا وہ عمر میں آپ ﷺ سے بارہ سال چھوٹا تھا اور یہ دونوں ماموں اور پھوپھی زاد ایک دوسرے سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ امیمہ کی ایک بیٹی جو اپنے حسن میں نمایاں تھی وہ بھی اس رشتۂ محبت میں برابر کی شریک تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے بچپن کے شروع زمانہ سے ہی ان دونوں کے ساتھ وقت گزارا تھا اس لیے ان بہن بھائیوں سے محبت کی بنیادیں بھی خاصی گہری تھیں۔ محبت کے یہ سلسلے جن ناموں کو اپنی وسعت میں سمیٹے ہوئے ہیں ان میں ایک نمایاں نام ان کی پھوپھی برہ کے بیٹے ابوسلمہ کا بھی ہے۔

آپ ﷺ کو عام طور سے ''الامین'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی ذات خاندان کے لیے مرکزِ کشش ہونے کے ساتھ ساتھ خاندان سے باہر بھی ہر دلعزیز تھی۔ اس مقبولیت میں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ان کی شریک تھیں۔ ان دونوں کے وسیع تر دائرۂ محبت میں وتوقیر میں نہ صرف آپ ﷺ کے اعزا و اقربا اور احباب بلکہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ دار بھی شامل تھے۔ ان کی بہن ہالہ کا بیٹا ابوالعاص ان کو بہت عزیز تھا۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھتی تھیں۔ ہالہ نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ابوالعاص کے لیے جب کسی لڑکی کی تلاش کے لیے بات کی تو انہوں نے اپنے شوہر سے مشورہ کیا۔ زینب رضی اللہ عنہا کی عمر شادی کے قابل ہو چکی تھی اس لیے آپ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کا نام تجویز کیا۔ باہمی قبولیت کے بعد وقت آنے پر دونوں کی شادی ہو گئی۔

بنی ہاشم اور بنی مطلب بروئے سیاست ایک ہی خاندان ہونے کے باعث آپ ﷺ سے بہت توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے۔ نظر آ رہا تھا کہ آپ ﷺ کی ذات ان کے زوال پذیر اثر و رسوخ کو بحال کرنے کا سبب بنے گی۔ خاندانی مسائل سے ماورا قریش کے تمام سرداروں کے اندازے کے مطابق وہ اس نسل کے قابل اور اہل ترین فرد تھے کہ جوان کے بعد جزیرہ نما عرب میں ان کے قبیلہ کا وقار اور اس کی قوت کو برقرار رکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ''الامین'' کی مدح میں ہر شخص کی زبان رطب اللسان تھی اور غالباً یہی جذبۂ توقیر تھا کہ ابولہب نے اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے آپ ﷺ کی بیٹیوں رقیہ رضی اللہ عنہا اور امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے رشتہ کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے دونوں چچا زادوں کے بارے میں بہتر رائے کے باعث رشتہ قبول کر لیا اور منگنیاں ہو گئیں۔

یہی موقع تھا کہ اُمِ ایمن ایک مرتبہ پھر اس گھر کا ایک فرد بن گئیں۔ کتابوں میں اس بات کی تفصیل

Marfat.com

نہیں ملتی کہ اس گھر میں آنے کا سبب ان کے شوہر کی وفات تھی یا طلاق لیکن یہ طے ہے کہ وہ اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھ کر واپس آئی تھیں۔ جہاں تک آپ ﷺ کا تعلق ہے تو آپ ﷺ انہیں ماں کہہ کر پکارتے تھے اور ان کے متعلق فرماتے کہ "میرے اپنے گھر میں سے تو لے دے کر بس ایک یہ ہی باقی بچی ہیں۔" ۵

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن سعد: ۱/۳، ۲۲۸ ۲۔ ابن سعد: ۱/۱، ۷۱ ۳۔ یہ قریش کے قبیلہ اسد کی بجائے اسی نام کا ایک اور قبیلہ ہے
۴۔ اس قبیلے کی نسبت حرب کے باپ امیہ بن عبدالشمس سے ہے۔ ۵۔ ابن سعد: ۸، ۱۶۲

Marfat.com

باب: ۱۴

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو

ان واقعات سے پیشتر، جن کا تذکرہ پچھلے صفحات میں کیا گیا ہے، اسی زمانے کے آس پاس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس گھرانہ کے فرد بن گئے تھے اور آپ ﷺ کی عمر پینتیس سال ہو چکی تھی، قریش نے فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی نئے سرے سے تعمیر کی جائے۔ اس زمانہ میں خانہ کعبہ کی بلندی صرف انسانی قد کے برابر تھی اور اس کے اوپر چھت بھی نہیں تھی۔ چھت نہ ہونے سے دروازے پر قفل کے باوجود آسانی سے اندر گھسا جا سکتا تھا۔ حال ہی میں کعبہ کے خزانہ میں موجود چند چیزوں کی گمشدگی کا واقعہ بھی ہوا تھا۔ یہ خزانہ کعبہ کے اندر فرش کے نیچے تہہ خانے میں چھپا کر رکھا گیا تھا۔ چھت کے واسطے جتنی لکڑی درکار تھی وہ بھی اس طرح مہیا ہو گئی کہ ایک یونانی جہاز حادثاتی طور پر جدہ کی بندرگاہ پر چڑھ دوڑا جو جدہ میں مرمت کی سہولت نہ ہونے کے باعث ناکارہ ہو چکا تھا۔ اس جہاز کی لکڑی خرید لی گئی تاکہ اس سے کعبہ کی چھت کے لیے شہتیر اور کڑیاں بنائی جا سکیں۔ اس زمانہ میں اتفاق سے مکہ میں ایک بہت ماہر قبطی بڑھئی بھی موجود تھا۔ لیکن ان تمام انتظامات کے باوجود قریش کے دل میں کعبہ کی ہیبت اس طرح سے بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے سے ہچکچا رہے تھے۔ ان کا منصوبہ تھا کہ اس کی پرانی دیواروں کو جو کسی تعمیری مصالحے کی بجائے پتھروں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر چنی گئی تھیں انہیں منہدم کر کے نئے سرے سے پکی دیواریں چنی جائیں لیکن پرانی دیواروں کو گرانے کا حوصلہ کسی میں نہیں تھا۔ ان کی ہچکچاہٹ میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب انہوں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ کے فرش تلے سے روزانہ ایک بڑا سانپ نکل کر آتا اور کعبہ کی دیوار کے ساتھ دھوپ میں پڑا رہتا۔ کوئی اس کے قریب جانے کی کوشش کرتا تو یہ اپنا جبڑا کھول کر اس زور سے پھنکارتا کہ کسی کو اس کے قریب جانے کی ہمت نہ ہوتی لیکن ایک روز جب یہ سانپ دھوپ لے رہا تھا تو آسمان سے ایک عقاب اڑتا ہوا آیا اور اسے اپنے پنجوں میں لے کر کہیں

Marfat.com

فضا میں گم ہو گیا۔ اس واقعے نے قریش کی ہمت بندھائی اور آپس میں کہنے لگے کہ اب ہم لوگ درحقیقت پُرامید ہیں کہ اللہ ہماری نیت اور ارادوں سے خوش ہے۔ ہمارے پاس ایک کاریگر ہے کہ جس کا دل ہمارے ساتھ ہے، ضروری لکڑی بھی میسر ہے اور اب اللہ نے اپنے فضل سے اس سانپ سے بھی نجات دلا دی ہے۔

پہلا آدمی جس نے خانہ کعبہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے اوپر سے پتھر اٹھایا وہ آپ کی دادی فاطمہ کا بھائی، مخزومی ابو وہب تھا لیکن جوں ہی پتھر اٹھایا گیا تو وہ پتھر اس کے ہاتھ سے نکل کر اچھلا اور واپس اپنی جگہ پر پہنچ گیا۔ اس مشاہدے نے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا اور سب لوگ کعبہ سے دور ہٹ گئے۔ تب مخزوم کا سردار ولید بن مغیرہ اٹھا اور ایک کدال ہاتھ میں لے کر بولا ''میں تیرا انہدام شروع کرتا ہوں۔'' پھر کعبہ کی دیوار کے قریب پہنچ کر یوں گویا ہوا ''اے اللہ ہماری نیت نیک ہے۔ یا اللہ! ہماری نیت اور ارادے سوائے بہتری کے اور کچھ نہیں ہیں۔'' اس کے بعد اس نے حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے بیچ یعنی جنوب مشرقی دیوار کو گرا دیا۔ بقیہ لوگ یہ کہتے ہوئے پیچھے ہٹے رہے کہ ''ہمیں انتظار کرنا اور دیکھنا چاہیے'' کہ اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو پھر دیوار گرانا بند کر کے ویسا ہی کر دیں گے کہ جیسے پہلے تھی لیکن اگر اسے کوئی نقصان نہ پہنچا تو سمجھیں گے کہ اللہ ہمارے کام سے راضی ہے اور پھر ہم اسے مکمل طور پر گرا کر نئی تعمیر کریں گے۔ رات خیریت سے گزر گئی اور کوئی افسوسناک واقعہ نہ ہوا۔ ولید نے صبح نمودار ہوتے ہی کام شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے لوگ بھی شریک ہو گئے۔

جب تمام دیواریں گرائی جا چکیں اور کھدائی اس تہہ تک پہنچ گئی کہ وہ بنیادیں جن کی داغ بیل سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے ڈالی گئی تھی، انہیں ایسے رنگ کے بڑے بڑے گول پتھر نظر آئے کہ جیسے اونٹ کا کوہان ہوتا ہے۔ اس قسم کے پتھر ایک دوسرے کے ساتھ خانہ کعبہ کی پوری بنیاد پر جمے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے جب کدال ہاتھ میں لے کر اسے دو پتھروں کے بیچ پھنسا کر انہیں اکھاڑنے کی کوشش کی تو پہلے ہی جھٹکے کے ساتھ ایک ایسا ارتعاش پیدا ہوا کہ پورا مکہ لرزنے لگا۔ یہ زلزلہ گویا اس بات کی تنبیہ تھی کہ ان بنیادوں کو نہ چھیڑا جائے اور انہی کے اوپر نئی عمارت کی تعمیر کی جائے۔ حجرِ اسود کے کونے میں سریانی زبان میں لکھی ایک تحریر ملی۔ زبان سے ناواقفیت کے باعث اسے سنبھال کر رکھ لیا گیا اور ایک یہودی عالم نے اسے پڑھ کر جو بتایا وہ اس طرح تھا:

> ''میں اللہ ہوں۔ بکہ کا مالک۔ میں نے بکہ کو اس وقت خلق کیا جب ارض و سما آفتاب و ماہتاب کی تخلیق کی اور میں نے اس کے گرداگرد سات مقدس فرشتوں کو مقرر کیا۔ بکہ اس وقت تک قائم و دائم رہے گا جب تک کہ اس کی دو پہاڑیاں رہیں گی۔ اللہ کی رحمت ہے اس کے باشندوں پر دودھ اور پانی کے ساتھ۔''

Marfat.com

ایک اور تحریر مقامِ ابرہیم علیہ السلام کے نیچے سے دستیاب ہوئی۔ یہ خانہ کعبہ کے دروازہ کے مقابل ایک چھوٹا سا پتھر ہے جس پر معجزانہ طور پر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ پا ثبت ہیں۔ اس رُقعہ پر یہ عبارت رقم تھی:

''مکہ اللہ کا مقدس گھر ہے۔ اس کی کفالت کا انتظام تین اطراف سے ہے۔ اس کے باشندوں کو لازم ہے کہ اس کی بے حرمتی میں پہل کے مرتکب نہ ہوں۔''

اب قریش نے دیواروں سے حاصل شدہ پتھروں کے علاوہ مزید پتھروں کا انتظام بھی کیا تا کہ عمارت کو مزید بلند کیا جا سکے۔ قبیلہ در قبیلہ علیحدہ علیحدہ کام کرتے رہے حتیٰ کہ دیواروں کی بلندی اتنی ہوگئی کہ حجرِاسود اپنے کونے میں دوبارہ نصب کیا جا سکے۔ اس موقع پر آپس میں شدید نااتفاقی پیدا ہوگئی۔ اس کی وجہ اس اعزاز کی طلب تھی جو حجرِاسود کو اپنے مقام پر آویزاں کرنے سے حاصل ہوتا۔ ہر خاندان کی خواہش تھی کہ یہ اعزاز اسے حاصل ہو۔ چار پانچ روز تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور کام رکا رہا۔ اس نااتفاقی نے ایسے تنازعہ کی شکل اختیار کر لی کہ آپس میں لڑائی کی تیاری شروع ہوگئی اور اتحاد کے لیے گروہ بندی کی نوبت آن پہنچی۔ ان حالات میں ایک بزرگ (1) نے ایک حل تجویز کیا اور لوگوں سے کہا کہ ''اے قریش کے مردو! اپنے درمیان میں سے ایک ثالث ایسے شخص کو بناؤ جو مسجد (2) میں سب سے پہلے داخل ہو۔'' کعبہ کے چاروں اطراف جو احاطہ تھا اس کو مسجد کہا جاتا تھا۔ عربی میں مسجد، مقامِ سجدہ کو کہتے ہیں۔ بیت الحرم کی سمت سجدہ کرنے کی سنت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیّدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی۔ سب لوگوں نے مردِ بزرگ کی تجویز سے اتفاق کیا۔ اب جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے وہ آپ ﷺ تھے جو مکہ سے کچھ عرصہ غیر حاضر رہنے کے بعد اسی دن واپس ہوئے تھے۔ جوں ہی ان لوگوں کی نظر ان پر پڑی تو والہانہ طور پر اتفاق ہو گیا کہ ان کی ذات سے بہتر اس کام کے لیے کوئی اور موزوں نہیں ہے۔ ان کی آمد پر لوگوں نے ان کا استقبال بہ آواز بلند اور زیرِلب اطمینان کے ان الفاظ سے کیا۔ ''یہ الامین ہیں۔'' بعض نے کہا ''یہ محمد (ﷺ) ہیں۔'' جب انہوں نے مسئلہ کو توضیح کی اور ان کو ساری بات بتائی تو آپ ﷺ نے کہا ''ایک چادر (عبا) لاؤ۔'' چادر لائی گئی۔ انہوں نے اسے زمین پر پھیلایا۔ حجرِاسود کو اٹھا کر اس چادر پر رکھا اور سب قبیلوں کو دعوت دی کہ ''سب مل کر چادر اٹھائیں۔'' سب نے مل کر چادر کے کونے پکڑ کر حجرِاسود کو مطلوبہ بلندی تک بلند کیا۔ آپ ﷺ نے وہاں سے اپنے ہاتھوں سے حجرِاسود کو اٹھا کر کونے پر نصب کر دیا۔ یوں یہ تنازعہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا اور خانہ کعبہ کی عمارت بلند کر کے تکمیل تک پہنچا دی گئی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابو امیہ بن المغیرہ - ابن اسحٰق: ۲۳۲ ۲۔ ابن اسحٰق: ۱۲۵

Marfat.com

باب: ۱۵

ابتدائے نزولِ وحی

پہلی وحی

کعبہ کی تعمیرِ نو کے دوران حجرِ اسود نصب کرنے کے سلسلے میں جو واقعہ ہوا اس سے آپ ﷺ کے مقام اور مشن (دینِ الٰہی کی تبلیغ) کی نشانیاں پوری طرح لوگوں پر عیاں ہوگئیں۔ گو کہ اس سے بہت پہلے سے آپ ﷺ کو طاقتور باطنی قوی علامات کا تجربہ ہوتا رہا تھا۔ جب ان سے اس کیفیت کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان ''حقیقی تجلیات'' کا ذکر کیا جو انہیں بحالتِ نیند نظر آتی تھیں اور آپ ﷺ نے کہا کہ ''وہ ایسی ہوتی تھیں کہ جیسے صبح ہونے کا نور پھوٹتا ہے۔'' (۱) ان تجلیات کا آپ ﷺ پر فوری اثر یہ ہوا کہ لوگوں سے الگ تھلگ تنہائی پسند ہوگئے۔ ان روحانی مراقبوں کی خاطر آپ ﷺ مکہ کے مضافات سے ذرا دُور کوہِ حرا کے ایک غار میں وقت گزارنے لگے۔ آپ ﷺ کے اس رویہ میں کوئی ایسی بات انوکھی نہ تھی جو قریش کو عجیب لگتی۔ کیوں کہ اولادِ اسمٰعیل میں گوشہ نشینی کی روایت ہمیشہ سے چلی آ رہی تھی اور ان کی ہر نسل میں ایسے افراد ہوتے تھے جو وقتاً فوقتاً دنیا سے کنارہ کش ہو کر کسی گوشۂ تنہائی میں محوِ مراقبت ہو کر اپنے آپ کو دنیاوی آلودگیوں سے پاک کرنے کی سعی کرتے۔ اسی قدیم طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے آپ ﷺ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے کر گنتی کی چند مقدس راتوں کو یادِ الٰہی کے واسطے وقف کرنے کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر کے لوگوں میں واپس آ جاتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ پہاڑ سے اتر کر کھانے پینے کا سامان لے کر فوراً ہی واپس تشریف لے جاتے۔ ان چند سالوں میں اکثر ایسا ہوا کہ جب آپ ﷺ آبادی سے نکل کر اپنے گوشۂ تنہائی کے نزدیک پہنچ رہے ہوتے تو آپ ﷺ کو بالکل صاف آواز سنائی دیتی ''السلام علیکم یا رسول اللہ ﷺ!'' (۲) آپ ﷺ پیچھے مڑ کر آواز

Marfat.com

لگانے والے کی طرف دیکھتے مگر کوئی نظر نہ آتا۔ ایسا لگتا جیسے یہ الفاظ کسی شجر یا پتھر سے نکلے ہوں۔

رمضان کے مہینہ میں گوشہ نشین ہونے کا دستور عام تھا۔ ایک ایسی ہی شب میں جو ماہِ رمضان کے اختتام میں سے تھی اور آپ ﷺ کی عمر کا چالیسواں سال تھا۔ آپ ﷺ غارِ حرا میں بالکل یکا و تنہا تھے کہ آپ ﷺ کے پاس انسانی روپ میں ایک فرشتہ نمودار ہوا۔ فرشتہ نے کہا ''پڑھو!'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں پڑھ نہیں سکتا۔'' اس کے بعد جیسا کہ آپ ﷺ نے بعد میں خود بیان فرمایا کچھ اس طرح تھا کہ ''فرشتے نے مجھے گلے سے لگا کر اتنی زور سے بھینچا کہ میری برداشت سے باہر ہونے لگا۔ پھر اس نے مجھے اپنی گرفت سے آزاد کر کے پھر کہا ''پڑھو!'' میں نے کہا ''میں پڑھ نہیں سکتا'' اور پھر سے پہلے کی طرح بغل گیر ہو کر مجھے اس حد تک بھینچا کہ میری برداشت سے باہر ہونے لگا۔ اس کے بعد چھوڑ کر مجھ سے کہا کہ ''پڑھو!'' میں نے پھر وہی بات کہی یعنی یہ کہ ''مجھے پڑھنا نہیں آتا۔'' فرشتے نے تیسری مرتبہ پھر بغل گیر ہو کر بھینچنے کا عمل دہرایا اور کہا:

اِقرأ بِاسمِ ربِكَ الَّذی خَلَق پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے ربّ کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا

خَلَق الِانسانَ مِن عَلَق جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی

اِقرأ و ربُكَ الاکرمُ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے

الَّذی عَلَّمَ بِالقلم جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا

عَلَّمَ الانسانَ مالَم یَعلَم انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا (۳)

انہوں نے فرشتے کے ساتھ ساتھ یہ الفاظ اپنی زبان پر جاری کیے۔ اس کے بعد فرشتہ چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایسا معلوم ہوا جیسے وہ الفاظ ان کے قلب پر نقش ہو گئے۔'' (۴) لیکن آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا کسی جن کے اثر میں آ کر شعر کہنے یا آسیب زدہ ہو گئے ہوں۔ پس تیزی سے غار سے نکل آئے لیکن پہاڑ سے اترتے ہوئے نصف راستہ طے کیا ہوگا کہ اوپر سے آواز آئی جو آپ ﷺ نے بخوبی سنی۔ ''اے محمد ﷺ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔'' آپ ﷺ نے نگاہ اٹھائی تو وہی فرشتہ تھا جو غار میں آیا تھا لیکن اب فرشتہ کی شکل میں تھا اور پہچانا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نگاہ جمائے کھڑے رہے۔ پھر اپنا رخ پھیرا لیکن جس طرف نگاہ کرتے فرشتہ ہی نظر آتا جیسے وہ پورے افق پر چھایا ہوا ہو۔ خواہ نگاہ شمال، جنوب، مشرق یا مغرب کی جانب ہر جانب وہی موجود تھا۔ آخر کار فرشتہ واپس ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ ڈھلوان سے اتر کر اپنے گھر پہنچ گئے۔

گھر پہنچ کر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے کچھ اوڑھا دو۔'' (۵) آپ ﷺ کا

Marfat.com

دل ابھی تک لرز رہا تھا۔ سیّدہ خدیجہ ؓ نے آپ ﷺ کو بستر پر دراز کردیا۔ پریشان تو بہت ہوئیں لیکن کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ جلدی سے ایک لحاف لائیں اور آپ ﷺ پر ڈال دیا۔ کچھ توقف کے بعد جب ہیبت وجلال کی کیفیت ذرا کم ہوئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے سیّدہ خدیجہ ؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ سیّدہ خدیجہ ؓ نے اپنے تئیں تسلی دینے کی کوشش کی اور پھر اپنے رشتہ کے بھائی ورقہ بن نوفل کو سارا واقعہ سنانے چلی گئیں۔ وَرقہ کافی ضعیف اور عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ ان کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ واقعہ سن کر بولے ''روح القدس! روح القدس! قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں ورقہ کی جان ہے۔ محمد ﷺ کے پاس ناموسِ عظیم آیا ہے۔ (۶) جیسا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ یقیناً محمد ﷺ اپنے لوگوں پر رسول مبعوث ہوئے ہیں۔ یہ ان کو جتا دینا کہ بالکل یقین رکھیں۔'' سیّدہ خدیجہ ؓ گھر واپس آئیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ورقہ کے الفاظ دہرائے۔ رسول اللہ ﷺ اطمینان کے ساتھ غارِ حرا واپس چلے گئے تاکہ یادِ الٰہی میں ان ایام کی مدت پوری کر لیں جن ایام کو انہوں نے اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا۔

گوشۂ تنہائی میں عبادت کے بعد اپنے دستور کے مطابق سیدھے خانہ کعبہ پہنچے اور طواف فرمایا۔ وہاں آپ ﷺ کی نظر بزرگ وضعیف العمر، آنکھوں سے معذور وَرقہ پر پڑی جو دیگر لوگوں کے ساتھ مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ورقہ کو سلام کیا اور خیریت پوچھی۔ ورقہ نے ان سے کہا ''میرے بھائی کے بیٹے! مجھے سب کچھ بتاؤ جو تم نے دیکھا اور سنا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ مردِ بزرگ نے سننے کے بعد دوبارہ وہی کچھ کہا جو وہ سیّدہ خدیجہ ؓ سے کہہ چکے تھے لیکن اس بار انہوں نے اتنا اضافہ اور کر دیا ''تم کو لوگ جھوٹا کہیں گے اور بڑا بُرا سلوک کریں گے۔ تم کو برادری سے باہر نکال دیں گے اور تم پر جنگ وجدل مسلط کر دیں گے۔ اگر اللہ نے مجھے اتنی مہلت دی کہ میں اس وقت تک زندہ رہ گیا تو اللہ کے علم میں ہے کہ میں اس کی مرضی میں پوری مدد کروں گا۔'' (۷) پھر ورقہ نے جھک کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے آئے۔

سیّدہ خدیجہ ؓ اور ورقہ کی ہمت افزائی کے بعد آپ ﷺ کی طمانیت کے لیے بارگاہِ ایزدی سے بھی ایک وحی نازل ہوئی۔ اس نزولِ وحی کی کیا صورت تھی اس کا ذکر تو نہیں ملتا لیکن جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ نزولِ وحی کی کیا صورت ہوتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی دو صورتیں بیان فرمائیں۔ ''بعض اوقات تو ارتعاش ایسا ہوتا ہے جیسے گھنٹی بجنے کی گونج اور یہ مجھ پر بہت گراں گزرتا ہے۔ جب مجھے پیغام (وحی) کے نزول کی آگہی ہو جاتی ہے تو ارتعاش اور گونج کی کیفیت کم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرشتہ

Marfat.com

انسان کی صورت میں آ کر مجھ سے کلام کرتا ہے۔ وہ جو کچھ مجھ سے کہتا ہے میں اس سے آگاہ ہو جاتا ہوں۔ ⑧

اب جو دوسری مرتبہ نزول وحی ہوا تو اس کی ابتدا واحد حرف سے ہوئی۔ یہ اوّل ترین نظیر ہے ان حروفِ مقطعات کی جن سے متعدد سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ اس واحد حرف کے فوراً بعد اللہ نے وَالْقَلَم فرما کر قلم کی قسم کھائی جس کا ذکر سورۂ علق کی آیت میں پہلے ہی نازل کیا جا چکا تھا۔ قلم ایک ابتدائی اور وہ لازمی ذریعہ ہے جس سے اللہ نے انسان کو علم و دانش عطا کی۔ جب قلم کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ نے سب سے پہلے جو شے خلق کی وہ قلم تھا۔ اس نے لوح خلق کی اور قلم سے کہا ''تحریر کر!'' قلم بولا ''میں کیا تحریر کروں؟'' حکمِ الٰہی ہوا ''وہ علم جو مجھے اپنی مخلوق کا ہے اس کا ذکر روزِ حشر تک تحریر کر دے۔'' تب قلم نے وہ سب کچھ تحریر کر دیا جو مقدر ہو چکا تھا۔ ⑨ قلم کی قسم کے بعد ایک اور قسم بھی آتی ہے ''قسم اس کی جس سے وہ لکھتے ہیں۔'' اس میں سے جو وہ (یعنی ملائک) عرش میں کچھ کم تر قلموں سے اور کچھ کم تر الواح پر وہ قرآن ہے جو لوحِ محفوظ میں عرش پر ہے۔ جس کے متعلق بعد میں نازل ہونے والی وحی میں حوالہ دے کر کہا گیا ''ایک ذیشان قرآن ⑩ جو ایک مقدس لوح پر محفوظ ہے جس کی حرمت ہمیشہ قائم رکھی جائے گی اور جو ام الکتاب ہے۔'' ان دو قسموں کے بعد اللہ کی جانب سے یوں ضمانت دی گئی:

> ''ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔ تم اپنے پروردگار کے فضل سے مجنون نہیں ہو اور یقیناً تمہارے واسطے وہ اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا اور بے شک تمہارے اخلاق کا معیار عظیم ہے۔'' ⑪

پہلی وحی کے نزول کے بعد ایک وقفہ آ گیا۔ اس توقف کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے دل میں شبہات پیدا ہونے لگے کہ مبادا ایسا تو نہیں کہ پروردگار کی شان میں کسی غلطی کے مرتکب ہو گئے ہوں اور اس کوتاہی کے بعد اللہ ان سے ناراض ہو گیا ہو۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کی تالیفِ قلب کے طور پر کہتی رہیں کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ بالآخر سکوت ٹوٹا اور پھر حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ مزید ضمانت دیتے ہوئے پہلا حکم آیا جو ان کے مشن (تبلیغ دینِ الٰہی) سے براہِ راست متعلق تھا:

> ''قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے (اے رسول) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے۔ عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور ٹھکانا فراہم کیا اور تمہیں اپنی محبت میں گم پایا اور پھر

Marfat.com

اپنی طرف ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔ لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو اور اپنے ربّ کی نعمت کا چرچا کرو۔''(۱۲)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ بخاری:۱، ۳ ۲۔ ابن اسحٰق: ۱۵۱ ۳۔ قرآن: ۹۶، ۱۔۵ ۴۔ بخاری: ۱: ۳ ۰۔ ابن اسحٰق: ۱۵۳ ۵۔ بخاری: ۱، ۳

۶۔ ناموس (NOMOS) یونانی لفظ، صحیفہ یا قانونِ الٰہی۔ یہاں فرشتۂ وحی مراد ہے۔ ۷۔ ابن اسحٰق: ۴۔ ۱۵۳

۸۔ بخاری: ۱، ۳ ۹۔ ترمذی: ۴۴ ۱۰۔ یہی لفظ (قرآن) آیاتِ وحی کے مجموعے کا نام کہلایا

۱۱۔ قرآن: ۶۸، ۱۔۴ ۱۲۔ قرآن: ۹۳، ۱۱:۱

Marfat.com

باب: ۱۶

عبادت۔صلوٰۃ

سورۃ الضحیٰ (۹۳) کی آخری آیت کے دو الفاظ ''فَحَدِّثْ'' (پس باضابطہ اعلان کر دو) کی تعمیل کرتے ہوئے اب رسول اللہ ﷺ نے فرشتہ اور نزولِ وحی کے متعلق، اپنی زوجہ کے بعد، ان لوگوں کے سامنے ذکر کرنا شروع کر دیا جو ان سے بہت زیادہ قریب تر یا عزیز تر تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے ابھی تک اس کے سوا کوئی مطالبہ نہ کیا تھا کہ وہ لوگ اس پیغام کو اپنے تک ہی محدود رکھیں۔ لیکن یہ صورتِ حال زیادہ عرصہ قائم نہ رہی۔ ایک روز جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس مکہ کے مرتفع علاقہ پر ملنے آئے اور پہاڑی کے دامن پر جو گھاس اگی ہوئی تھی اس پر ٹھوکر ماری۔ وہاں سے فوراً ہی پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ تب جبرائیل علیہ السلام نے وضو کر کے رسول اللہ ﷺ کو صلوٰۃ سے قبل طاہر ہونے کا طریقہ بتایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق وضو کیا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے انہیں نماز (صلوٰۃ) کے ارکان، قیام، رکوع، سجود اور قیود کے انداز کئی بار کر کے ذہن نشین کرائے۔ الفاظ ''اللہ اکبر'' (اللہ سب سے بزرگ و برتر ہے) اور ختم نماز پر سلام کے آخری الفاظ ''السلام علیکم'' (سلامتی ہو تم پر)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کی پیروی کی۔ نماز کی تربیت دینے کے بعد فرشتہ چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ اپنے گھر آئے اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو وہ سب کچھ سکھایا جو آپ ﷺ نے سیکھا تھا۔ یوں دونوں نے باجماعت نماز ادا کرنا شروع کی۔

اب وضو کا طریق اور صلوٰۃ کی بنیاد پر دین کا قیام ظہور میں آ چکا تھا۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد جن کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی تھی وہ علی، زید اور قبیلہ تیم کے ابوبکر رضی اللہ عنہم تھے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت صرف دس سال کی تھی جبکہ زید رضی اللہ عنہ کا مکہ میں کوئی اثر نہیں تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک قابلِ احترام شخصیت تھے۔ لوگوں میں ان کے لیے عزت و توقیر بھی تھی۔ بے تکلف طور اطوار اور وسیع علم کے باعث وہ ایک محترم اور پسندیدہ شخصیت تھے۔

Marfat.com

بہت سے لوگ معاملات و مسائل کے بارے میں ان سے مشورہ کے لیے آتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقہ میں قابلِ اعتماد لوگوں کو رازدارانہ طریقے پر اسلام کی دعوت اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی تحریک دینا شروع کی۔ اکثر لوگوں نے ان کے ذریعے سے اسلام کی دعوت کو قبول کیا۔ اس دعوت کے نتیجے میں ابتدائی طور پر جن دو لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں ایک قبیلہ زہرہ کے عبد عمرو بن عوف جو رسول اللہ ﷺ کی والدہ کی جانب سے دُور کے رشتہ دار تھے اور دوسرے بنی حارث کے عبیدہ بن جراح تھے۔ (۱)

ان میں سے پہلے شخص کے حوالے سے ایک قابلِ ذکر نظیر بھی قائم ہوئی۔ وحی کے اندازِ بیان میں قابلِ توجہ اور نمایاں ترین اجزا اللہ کے دو نام تھے۔ ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم''، رحیم کا لفظ راحم کے مبالغہ کا صیغہ تھا۔ راحم کا لفظ بمعنی رحم کرنے والے یا کرامت سے بھرپور ''رحم کرنے والے'' مفہوم میں رائج تھا۔ اس سے کہیں زیادہ مبالغے کا صیغہ ''رحمٰن'' تھا لیکن خیال میں کوئی شے ایسی ابھر کر نہیں آتی تھی جس پر اس لفظ کا اطلاق کیا جا سکے۔ اس وجہ سے یہ لفظ متروک ہو چکا تھا۔ اللہ کی وحی نے اس کو بموجب بنیادی ضرورتِ اسلام کہ اس کی رفعتوں کا احاطہ ہو سکے اس لفظ کو دوبارہ زندگی عطا کی۔ اس لفظ کے معنی 'الرحیم' سے بھی کہیں ارفع و اعلیٰ (یعنی کُل کا کُل رحم کرنے والا) مفہوم یعنی رحم کی اصل اور جوہر کی وضاحت کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی لامتناہی نیکی اور محسنات کی جانب اور قرآن انہیں کھل کر معنوی اعتبار سے اللہ کے لیے مخصوص کرتا ہے۔ مناجات اللہ کے حضور کرو یا انتہائی مہربان (الرحمٰن) سے کرو۔ ان میں سے کوئی بھی نام لے کر کرو، سب اسی کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ (۲)

اسمائے حسنیٰ رسول اللہ ﷺ کو بہت عزیز تھے۔ ''عبد عمرو'' کے نام کا مطلب ''عمرو کا غلام'' یا ''عمرو کا بندہ'' کے ہم معنی تھے جس میں کفر رچا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے نومسلم کا نام بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ یعنی الرحمٰن کا بندہ۔ اس معاملے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہی تنہا نہیں تھے کہ جن کا نام آپ ﷺ نے تبدیل کیا ہو۔

شروع شروع میں جو لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہوئے ان کی دلچسپی کا باعث کسی ترغیب کی بجائے ان کا حسنِ نیت تھا اور اس کو کسی انسانی کوشش پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ مکہ کے لوگ ایک عرصہ سے جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خوابوں کی تعبیر بتانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک صبح کا ذکر ہے کہ خالد ان سے اچانک ملنے کے لیے آ گئے۔ خالد ایک شمسی خاندان کے بااثر سردار سعید بن العاص کے بیٹے تھے۔ اس نوجوان کے چہرہ سے اس وقت ایسے آثار ہویدا تھے جیسے وہ کسی خوفناک تجربہ کا شکار ہوا ہو۔ خالد نے آتے ہی جلدی جلدی بتانا

Marfat.com

شروع کیا کہ گذشتہ رات اس نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر تو اس کے شعور سے باہر ہے لیکن اس کی اہمیت میں اسے کوئی شک نہیں۔ کیا ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خواب کی تعبیر بتا سکیں؟ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے گڑھے کے کنارے کھڑا ہوا ہے جس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ یہ گڑھا اتنا بڑا تھا کہ اس کا دوسرا کنارہ نظروں سے اوجھل تھا۔ پھر اس کا باپ آیا اور اس نے اس کو گڑھے میں گرانے کی کوشش کی۔ گڑھے کے کنارے پر جاری اس کش مکش کے دوران جبکہ وہ خوف کے انتہائی لمحات سے دوچار تھا اس نے اپنی کمر کے گرد دو مضبوط ہاتھوں کو محسوس کیا جو اس کے باپ کی کوششوں کے مقابل اس کو کمر سے پکڑ کر سہارا دے رہے تھے۔ اس نے اپنی گردن گھما کر دیکھا تو اس کو بچانے والا ''الامین''، محمد بن عبداللہ تھے۔ عین اسی وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے ''شاد باد! اللہ تمہیں خوش رکھے'' یہ انسان جس نے تم کو بچالیا وہ اللہ کا رسول ہے۔ ان کی پیروی کرو۔ نہ صرف یہ کہ تمہیں ان کی پیروی کرنا ہی ہے اور ان کے توسط سے اسلام قبول کرنا ہے، یہ عمل تمہیں جہنم کی آگ سے بچالے گا۔'' خالد سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور اپنے خواب کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد دریافت کیا کہ ان کا کیا پیغام ہے اور یہ کہ اسے کیا کرنا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں تعلیم دی اور خالد نے اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے اس کو اپنے خاندان والوں سے چھپائے رکھا۔ (۳)

تقریباً یہی زمانہ ہوگا کہ عبدشمس خاندان کا ایک اور سوداگر شام سے وطن واپس آ رہا تھا کہ ایک رات ایک آواز نے اسے نیند سے بیدار کردیا۔ ایک زوردار آواز ریگستان میں گونج رہی تھی ''سونے والو! جاگ اٹھو کہ مکہ میں احمد کا ظہور ہو چکا ہے۔'' (۴) یہ سوداگر عثمان بن امیہ عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ اپنی ماں کے رشتہ سے عبدالمطلب کی ایک بیٹی امِ حکیم البیضا جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں، کے نواسے تھے۔ یہ آواز ان کے دل میں بیٹھ گئی۔ باوجود اس کے کہ وہ ''ظہور ہو گیا'' کا مفہوم سمجھنے سے عاری تھے اور نہ یہ جانتے تھے کہ افضل ترین 'احمد' (یعنی بزرگی میں سب سے اعلیٰ) سے مراد حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ لیکن مکہ پہنچنے سے قبل انہیں تیم خاندان کا ایک فرد طلحہ مل گیا۔ یہ رشتہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھائی لگتا تھا۔ طلحہ کا گزر بُصریٰ سے ہوا تھا۔ وہاں کے ایک راہب نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا بیت الامان کے لوگوں میں احمد (ﷺ) کا ظہور ہو گیا ہے؟ طلحہ نے پوچھا ''کون احمد؟'' راہب نے جواب دیا تھا ''عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کا فرزند۔ یہ اس کے ظہور کا مہینہ ہے اور وہ نبی آخر الزمان ختم الرسل ہے۔'' طلحہ نے عثمان کے سامنے راہب کے الفاظ دہرائے۔ عثمان نے طلحہ کے سامنے اپنا تجربہ بیان کیا۔ طلحہ نے تجویز پیش کی کہ واپس پہنچ کر اپنے رشتہ کے بھائی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے چلیں

Marfat.com

گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فی الحال اس ہستی کے قریب ترین دوستوں میں سے تھے جو ان کے ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔ یہ دونوں مکہ پہنچتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے سب کچھ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان دونوں کو فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے تاکہ وہ ان کے سامنے راہب کے کہے ہوئے الفاظ اور صحرا میں گونجنے والی آواز کو بیان کر سکیں۔ ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور ایمان لانے کا اقرار کیا۔

تبدیلی مذہب کے ان واقعات میں چوتھا واقعہ بنی زہرہ کے نوجوان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اپنے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ "یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب میں لڑکپن کی عمر میں تھا اور بلوغت کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ ان دنوں میں عقبہ بن ابی معیط کا ریوڑ چرا رہا تھا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس پینے کے لیے کوئی دودھ ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ یہ گلہ میرا نہیں ہے۔ میں اس کی نگرانی کر رہا ہوں اس لیے میں ان میں سے پینے کے لیے کچھ نہیں دے سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بھیڑ ہے جو ابھی حاملہ نہ ہوئی ہو۔ میں نے ہاں میں جواب دیا اور اس بھیڑ کو پکڑ کر ان کے پاس لے آیا۔ انہوں نے بھیڑ کو باندھ کر اس کے تھنوں کو ہاتھ لگا کر اللہ کے حضور دُعا مانگی۔ دُعا پڑھنے سے تھنوں میں دودھ بھر آیا اور وہ پھول گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پتھر اٹھا لائے جس کا ایک پہلو پیالے کی طرح خالی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پتھر کو پیالے کی طرح استعمال کرتے ہوئے اس میں دودھ دوہا اور ہم سب نے اس دودھ کو پیا۔ تب انہوں نے تھنوں سے مخاطب ہو کر کہا "خشک ہو جاؤ"، تھن خشک ہو گئے۔ (۵) چند دن کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ کچھ ہی عرصہ میں انہوں نے قرآن کی ستر (۷۰) سورتیں (۶) بھی زبانی یاد کر لیں۔ اس معاملے میں وہ غیر معمولی صلاحیت کے حامل تھے۔ جلد ہی ان کا شمار بہترین اور مستند قراء میں ہونے لگا۔

ایک وقفہ گزر گیا تھا اور عالمِ بالا سے طویل سکوت نے رسول اللہ ﷺ کو متفکر کر دیا۔ حالانکہ کلامِ الٰہی کے نزول کی کیفیت کی شدت سے بھی ان کا دل لرزتا تھا۔ اس کیفیت کی شدت کی تصدیق بعد میں نازل ہونے والی آیت کے ذریعے اس طرح سے ہوئی "اگر ہم اس قرآن کو ایک پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا جا رہا ہے۔" (۷) جس قلبی کیفیت سے متاثر ہو کر وہ پکار اٹھے تھے کہ "مجھے اوڑھا دو۔ مجھے اوڑھا دو" وہ اب بھی کبھی کبھار ان پر طاری ہو جاتی تھی۔ ایک شب کہ جب وہ اپنی عبا لپیٹ کر لیٹے ہوئے تھے کہ ان کی اس تنہائی میں ہی اللہ کا حکم نازل ہوا جو اپنے انداز میں پہلے سے شدید آہنگ

Marfat.com

اور تعمیل و تعجیل پر زور لیے ہوئے تھا۔ حکم دیا گیا کہ عوام الناس کو یومِ حساب سے خبردار کیا جائے: ''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے اٹھو اور خبردار کرو! اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے بچو۔۔۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ کافروں پر سخت دن ہوگا۔ آسان نہیں ہوگا۔'' (8) اس نزولِ وحی کے فوراً بعد ایک شب انہیں پھر بیدار کیا گیا اور مزید احکامات وحی کیے گئے۔ جن میں ان سے اور ان کے پیروکاروں سے عبادتوں میں زیادہ شدت پیدا کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور ان کے اس ادراک سے پورا اتفاق کیا گیا کہ جلد ہی بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ ان پر ڈالا جانے والا تھا ''اے چادر میں لپٹ کر سونے والے بیشتر رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو۔ مگر کم۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرلو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر عنقریب بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔'' (9) اسی سورۃ میں یہ حکم بھی موجود ہے ''تم اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔ وہی مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا تم اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔'' (10) ان کے علاوہ مزید آیات بھی نازل ہوئیں جن کا اندازِ تخاطب لطیف اور نرم تھا۔ ان سے رسول اللہ ﷺ کو اعتماد حاصل ہوا اور اس طمانیت میں مزید اضافہ ہوا جو پہلے ہی بخشی جا چکی تھی۔ ایک موقع پر جس طرح کہ معمول ہو چکا تھا کہ فرشتہ صرف ان کو نظر آرہا تھا۔ فرشتہ ان سے یوں گویا ہوا۔ ''خدیجہ کو اس کے پروردگار کی جانب سے سلامتی کی خوش خبری دے دو۔'' رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا ''اے خدیجہ! یہاں جبرائیل علیہ السلام موجود ہیں اور وہ تم کو تمہارے پرودگار کی جانب سے مژدۂ سلامتی دے رہے ہیں۔'' جب سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کلام کا حوصلہ ہوا اور الفاظ کا سہارا ملا تو انہوں نے جواباً عرض کیا ''اللہ ہی کُل سلامتی ہے اور سلامتی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور جبرائیل علیہ السلام پر میرا اسلام ہو۔'' (11)

نئے مذہب میں داخل ہونے والے سابقین نے ان احکامات کو جن کے مخاطب رسول اللہ ﷺ تھے اپنے اوپر لازم کرلیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرح وہ سب بھی رات رات بھر عبادتوں میں مصروف ہو کر جاگتے رہتے۔ جہاں تک معمول کی عبادت کا تعلق ہے وہ لوگ نہ صرف اس امر کے پابند ہو گئے تھے کہ وہ اس کے لیے وضو کرلیا کریں۔ بلکہ اس بات کا یقینی امر کرتے کہ ان کے پیراہن بھی نجاست اور غلاظت سے مبرا اور پاک ہوں۔ جو کچھ بھی قرآن بذریعہ وحی نازل ہو چکا تھا اس کلام کو انہوں نے حفظ کرلیا تھا تاکہ نماز ادا کرتے ہوئے اس کی تلاوت کرسکیں۔ نزولِ وحی اب کثرت سے ہونے لگا۔ جو بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہوتے نازل شدہ کلام فوراً ان تک پہنچا دیا جاتا تھا اور پھر سینہ بہ سینہ دوسروں تک پہنچا کر حفظ کیا جاتا اور تلاوت کی جاتی۔ ایک طویل اور تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی منشائے الٰہی کی تفصیل جس میں دنیوی مخلوقات و اشیا کی چندروزہ حیات اور

Marfat.com

موت کا ذکر اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر حیات پانے کا یقین۔ یومِ حساب، اس کے بعد جنت اور دوزخ کا ذکر تھا۔ لیکن ان سب پر حاوی ذکر بزرگی و جلال سبحانہ تعالیٰ، اس کی احدیتِ تامہ، حقانیت، علیم، حکیم، رحیم، رحمٰن و کریم و قدیر ہونے کا ذکر تھا اور اسی سلسلہ کی مزید وسعتیں توجہ دلاتی ہیں اللہ کی آیات (نشانیوں) کی جانب۔ اس کی معجزانہ تخلیق اور قدرت کی جانب اور ان کی اس ہم آہنگی کی جانب جو ان کے آپس میں مل جل کر کام کر کے اس واحد خالق کی احدیت کے لیے ایک بڑا خوش کن اور فصیح ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ یہ مخلوقات اور کارخانہ قدرت کے کاروبار کی ہم آہنگی بڑے کھلے انداز میں اپنے تنہا خالق کی وحدانیت کی تصدیق کرتی ہیں اور قرآن اسی ہم آہنگی کی جانب توجہ مبذول کرتا ہے جو انسان کے غور و خوض کے لیے ایک مرکزی نقطہ ہے۔

جس وقت دُشمن کفار نزدیک نہ ہوتے تو مومنین ایک دوسرے کو ان الفاظ سے خوش آمدید کہتے جو جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بتا کر سکھائے تھے کہ جنت الفردوس میں ایک دوسرے کو ''السلام علیکم'' کہہ کر ملتے ہیں۔ جس کے جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہا جاتا ہے۔ صیغہ جمع اس لیے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ انسان پر جو دو فرشتے منکر و نکیر متعین ہیں ان کو بھی شامل کیا جائے۔ نازل شدہ آیات جو برکت اور شکرانہ ادا کرنے کے لیے تھیں ان سے ان لوگوں کی روزمرہ زندگی اور مطمع نظر پر بڑا قابلِ ذکر اثر پڑا۔ قرآن کریم کے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ شکر ادا کیا جائے اور شکر ادا کرنے کا بہترین کلمہ ''الحمد للہ رب العالمین'' ہے۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا جائے۔ ہر سورۃ کی ابتدا اس آیت سے ہی ہوتی ہے۔[۱۲] (سوائے سورۃ توبہ کے جو اس وقت نازل نہیں ہوئی تھی) اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتے ہوئے وہ تلاوتِ کلام پاک اسی آیت سے شروع کرتے تھے اور اس آیت کا استعمال اتنا وسیع ہو گیا کہ رسم اور ارکانِ دین کی بجا آوری سے قبل بلکہ ہر دنیوی کام کو شروع کرنے سے قبل قرآن کی اس آیت کو برکت کے واسطے پڑھا جانے لگا۔ اس دین میں ملحدانہ فکر و عمل کی بالکل گنجائش نہیں تھی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ شجرۂ نسب آخری صفحات پر ۲۔ قرآن: ۱۷، ۱۱۰ ۳۔ ابن سعد: ۱/۴، ۶۸ ۴۔ ابن سعد: ۱/۳، ۳۷ ۵۔ ابن سعد: ۱/۳، ۱۰۷

۶۔ قرآن میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ طویل ترین سورۃ البقرۃ میں ۲۸۶ اور مختصر ترین سورۃ الکوثر میں ۳ آیات ہیں

۷۔ قرآن: ۵۹: ۲۱۔ ضمیر متکلم سے ضمیر غائب کی جانب ''ہم ـــــ اللہ'' قرآن میں خطاب کا عام انداز ہے۔

۸۔ قرآن ۷۴: ۱۔۱۰ ۹۔ قرآن ۷۳: ۱۔۵ ۱۰۔ قرآن ۷۳: ۸۔۹ ۱۱۔ ابن اسحٰق: ۱۵۶

۱۲۔ صرف سورۃ البراۃ بسم اللہ کے بغیر شروع ہوتی ہے جو اس وقت تک نازل نہیں ہوئی تھی۔

Marfat.com

باب: ۱۷

اپنے کنبے کو خبردار کرو

ابھی تک اسلام کی دعوت کا عام اعلان نہ ہوا تھا لیکن مخلص مومنوں کے، خضوع وخشوع اور سچے دل سے عبادت کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ان ایمان لانے والوں میں اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ اس سے پہلے ایمان لانے والی جن ہستیوں کا ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ جو لوگ شروع ہی میں اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی زبیر اور جعفر رضی اللہ عنہما تھے۔ پھر آپ ﷺ کے دوسرے رشتہ دار پھوپھی امیمہ کے بیٹے عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی عبیداللہ اور ان کی خالہ کے بیٹے ابوسلمہ، آپ کی والدہ کی جانب سے دور رشتہ دار قبیلہ زہرہ کے ابو وقاص کے بیٹے سعد اور ان کے چھوٹے بھائی عمیر رضی اللہ عنہم تھے لیکن آپ کے چاروں چچاؤں میں کسی نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا۔ ابوطالب نے اپنے دو بیٹوں جعفر اور علی رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے پر کوئی اعتراض نہ کیا لیکن اپنے بارے میں کہا کہ وہ اپنے آباء اجداد کے دین کو ترک کرنے کو تیار نہیں۔ عباس ٹال مٹول کر رہے تھے اور حمزہ ابھی اس پیغام کو سمجھنے سے معذور تھے لیکن اس کے باوجود دونوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی تمام تر شفقت کا یقین دلایا۔ ابولہب نے البتہ کسی لگی لپٹی کے بغیر کہہ دیا کہ اس کا بھتیجا اگر دھوکہ باز نہیں تو دھوکے کا شکار ضرور ہے۔

أَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (۲۶: ۲۱۴)

اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، جنہیں آپ ﷺ نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد اپنے کثیر العیال چچا کا بار ہلکا کرنے کے لیے اپنی کفالت میں لے لیا تھا، کو طلب کیا اور فرمایا

Marfat.com

کہ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے خاندان والوں، اپنے قریب ترین عزیزوں کو خبردار کروں، یہ کام میری طاقت سے باہر ہے پھر بھی تم میری مدد کرو اور ایسا کرو کہ چند نان روٹی، ایک بھیڑ کی ٹانگ اور ایک پیالے میں دودھ کا اہتمام کرو اور بنی عبدالمطلب کو یہاں آنے کی دعوت دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تعمیلِ حکم کرتے ہوئے خاندانِ ہاشم کے قریباً چالیس اشخاص کو جمع کر لیا جن میں رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب، عباس، حمزہ اور ابولہب بھی شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مہمانوں کے سامنے کھانا رکھنے کا حکم دیا تاکہ وہ سب کچھ ان کے گوش گزار کر سکیں جس کا انہیں حکم ہوا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس واقعے کی جو کچھ تفصیل بعد میں بیان کی وہ ان کے الفاظ میں کچھ اس طرح تھی:

> ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس طعام کا تم نے انتظام کیا ہے وہ لے آؤ۔ پھر انہوں نے گوشت کے ایک ٹکڑے کو لبوں سے لگایا اور واپس خوان میں یہ کہتے ہوئے رکھ دیا، بسم اللہ نوش فرمایئے۔ لوگوں نے باری باری اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ سب کا پیٹ خوب بھر گیا لیکن مجھے کھانے میں کسی قسم کی کمی نظر نہ آئی سوائے اس کے کہ کھانے والے ہاتھوں سے وہ منتشر ضرور ہو گیا تھا۔ میری اپنی ذات کی قسم اگر محض ایک ہی آدمی ہوتا تو وہ کھانا تو بس اتنا تھا کہ صرف اس اکیلے کے پیٹ بھرنے کو کافی ہوتا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'انہیں دودھ پینے کے لیے دو۔' میں پیالہ لے آیا اور ہر فرد نے تسلی سے سیر ہو کر پیا۔ حالانکہ وہ بس اتنی ہی مقدار میں تھا کہ صرف ایک ہی شخص کو پورا ہوتا لیکن اب جبکہ رسول اللہ ﷺ حاضرین سے وہ بات کہنے ہی والے تھے کہ جس کے لیے اس دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا تو ابولہب نے یہ کہہ کر کہ ''تمہارے میزبان نے تم پر جادو کر دیا ہے'' محفل درہم برہم کر دی۔''

دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر پھر ویسی ہی ضیافت کی ہدایت کی جس کا اہتمام انہوں نے کل کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسبِ حکم تمام اہتمام کیا۔ اس بار رسول اللہ ﷺ محتاط اور خبردار تھے اور آپ ﷺ نے اس موقع کو ضائع ہونے کے کسی امکان سے پیشتر ہی حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''بنی عبدالمطلب میرے علم میں کسی ایسے عرب کا نام نہیں جو اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر پیغام لے کر آیا ہو جو میں لے کر آیا ہوں۔ اس پیغام میں تمہارے لیے اس دنیا اور

Marfat.com

دوسری دنیا کی بہترین نعمتیں ہیں۔ تم میں سے کون ہے جو میری مدد کرے گا، میرا بھائی بنے گا، میرے کاموں کو عملاً انجام دے گا اور تمہارے درمیان میرا نائب ہوگا؟''

پورے خاندان پر سناٹا طاری تھا۔ حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کچھ کہہ سکتے تھے لیکن انہیں معلوم تھا کہ اس وقت ان کا اسلام زیرِ بحث نہیں بلکہ اس اجتماع کا مقصد دوسرے لوگوں کو اسلام کے دائرہ میں لانا ہے۔ جب اس سکوت نے طول کھینچا تو تیرہ سالہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود کو لب کھولنے پر مجبور پایا۔ وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اس عملِ خیر میں آپ کا مددگار میں ہوں گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گردن کی پشت پر دستِ مبارک رکھ کر فرمایا ''یہ ہے میرا بھائی، میری منشا کو تکمیل تک پہنچانے والا اور تمہارے درمیان میرا جانشین، اس کی بات غور سے سنو اور اس کی اطاعت کرو۔'' حاضرینِ مجلس ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب کو مخاطب کر کے کہنے لگے ''لیجئے! اور سنئے! یہ (رسول اللہ ﷺ) آپ کو اپنے بیٹے کی بات پر کان دھرنے اور اس کی اطاعت کا حکم دے رہے ہیں۔''(1)

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیوں کا تعلق تھا۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو تو ان کی پیروی میں تامل نہیں ہوا۔ ان کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تو پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی دوسری پانچ بہنیں اپنے کو کسی فیصلہ پر آمادہ نہ کر سکیں۔ اروی کا رویہ ان سب سے انوکھا تھا۔ وہ کہنے لگیں ''میں دیکھ رہی ہوں کہ میری بہنیں کیا کرتی ہیں۔'' اس کے برعکس سیّدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے شادی کے بعد رشتہ میں ان کی چچی ہوگئی تھیں وہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد پہلی خاتون تھیں جو داخلِ اسلام ہوئیں، حالانکہ ان کے شوہر ابھی متذبذب ہی تھے۔ انہوں نے اپنی حقیقی بہن، سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور دو سوتیلی بہنوں، سیّدہ سلمہ اور سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پرورش سیّدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوئی تھی اور ان ہی کے گھر میں ان کی شناسائی سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی جو ان کے مابین محبت کا باعث بنی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ان سے حال ہی میں شادی کر لی تھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بہن سیّدہ سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تھی۔ ایک اور دوسری خاتون جو اسلام میں داخل ہونے والی سابقین میں ہیں، وہ سیّدہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ ''جس کسی کو بھی خاتونِ جنت سے شادی کی خواہش ہے تو اسے چاہیے کہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا سے شادی کر لے۔''(2) رسول اللہ ﷺ کا یہ قول حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دل کو لگ گیا۔ وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے عمر میں بہت بڑی تھیں لیکن عمر کا یہ فرق ان کے فیصلے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے دل کی بات کہی تو آپ ﷺ کو سیّدہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کو اس شادی پر

Marfat.com

راضی کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ سیّدہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا تولد ہوا جس کا نام انہوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ رکھا اور ان کی پرورش رسول اللہ ﷺ کے پوتے کے طور پر ہوئی۔ آپ ﷺ اُسامہ رضی اللہ عنہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔طبری: ۱:۱۱۷۱ ۲۔ابن سعد: ۸، ۱۶۲

Marfat.com

باب:۱۸

قریش کے اقدامات

اسلام کے ان ابتدائی ایام میں اصحابِ رسول اللہ ﷺ اکثر مل جل کر ایک جماعت کی صورت میں مکہ سے باہر چھوٹی چھوٹی وادیوں میں چلے جاتے تا کہ لوگوں کی نظروں سے چھپ کر نماز ادا کر سکیں لیکن ایک بار نماز کے دوران چند بت پرست اس طرف آن نکلے اور چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ خلفشار زیادہ بڑھا اور ہاتھا پائی تک نوبت آن پہنچی۔ قبیلۂ بنو زہرہ کے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی سے ایک کافر کو زخمی کر دیا۔ اسلام آنے کے بعد خونی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا لیکن اس واقعہ کے بعد انہوں نے اس وقت تک تشدد سے قطعاً گریز کا تہیہ کر لیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس کے برعکس کوئی فیصلہ نہ کر دے۔ تنزیلاتِ مسلسل رسول اللہ ﷺ کو اور لازماً ان کے سب پیروکاروں کو بھی صبر و برداشت کا حکم دے رہی تھیں۔ ''جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔'' (۱) ''کافروں سے نرمی کا برتاؤ کرو اور ان کو تھوڑی مہلت دے دو۔'' (۲)

دونوں جانب سے تشدد کا یہ واقعہ استثنائی حیثیت رکھتا تھا۔ بحیثیتِ مجموعی قریش کا رویہ نئے مذہب کے معاملہ میں برداشت اور درگزر کا تھا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے برملا اعلانِ نبوت کے بعد بھی اس میں کوئی خاص فرق نہ آیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ نئے مذہب کا ہدف ان کے دیوتا، ان کے اصولِ زندگی اور معاشرہ کی وہ برائیاں تھیں جن کی جڑیں اس معاشرہ کی گہرائی تک اتر چکی تھیں تو ان کے بعض سرکردہ لوگ ایک وفد کی صورت میں حضرت ابو طالب سے ملاقات کے لیے گئے۔ حضرت ابو طالب نے انہیں آرام سے مصالحانہ

Marfat.com

جواب دے کر مطمئن کر دیا لیکن جب کفار نے دیکھا کہ حضرت ابو طالب نے عملی طور پر کچھ قدم نہیں اٹھایا تو وہ لوگ پھر واپس آئے اور حضرت ابو طالب سے مخاطب ہوئے کہ

''اے ابو طالب! ہم لوگوں میں آپ معزز اور بلند مرتبت ہیں۔ ہم نے آپ سے بھائی کے بیٹے کو قابو میں رکھنے کی درخواست کی لیکن آپ نے ابھی تک کچھ نہیں کیا۔ اپنے دیوتاؤں کی قسم ہم اپنے بزرگوں کی توہین زیادہ دن تک برداشت نہیں کریں گے۔ ہم نہ اپنے طور طریق کو ہنسی مذاق کا نشانہ بننے دیں گے اور نہ ہی اپنے دیوتاؤں کی برائی سن سکیں گے۔ یا تو آپ اسے باز رکھیں ورنہ ہم آپ دونوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوں گے۔''

وہ لوگ یہ دھمکی دے کر رخصت ہوئے تو ابو طالب نے پریشانی کے عالم میں بھتیجے کو بلا بھیجا اور دھمکی کی ساری خبر بتا کر کہا ''بھتیجے اپنے آپ پر رحم کرو اور مجھ پر بھی۔ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو اٹھانے کی مجھ میں تاب نہیں۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا جواب ان لفظوں میں دیا ''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں اس شرط کے ساتھ کہ میں اس کام سے باز آ جاؤں قبل اس کے کہ اللہ اس دین کو فتح و کامرانی عطا فرمائے یا میں اس جدوجہد میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں، میں اپنی راہ سے ہرگز نہیں ہٹوں گا۔''[3] اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اشک بار آنکھوں کے ساتھ اُٹھے اور واپس جانے کے لیے مڑے لیکن ان کے چچا نے واپس بلایا کر فرمایا ''میرے بھائی کے فرزند! تم جاؤ، جو کچھ کہتے ہو کہتے رہو۔ قسم ہے اللہ کے عز و جلال کی میں تم کو کسی حال میں بے یار و مددگار نہ چھوڑوں گا۔''

کفار کو یقین ہو گیا کہ حضرت ابو طالب سے گفت و شنید سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ مگر ان کو حضرت ابوطالب کے بھتیجے پر براہِ راست حملہ کرنے میں تامل اس لیے تھا کہ قبیلہ کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت ابوطالب کے پاس کسی کو بھی ناقابلِ تنسیخ تحفظ فراہم کرنے کا حق حاصل تھا۔ یہ بات مکہ کے سرداروں کے اپنے مفاد میں بھی تھی کہ سرداری کے اختیار اور استحقاق کی عزت و احترام کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس لیے انہوں وقتی طور پر یہ حل نکالا کہ نئے دین سے وابستگی رکھنے والے ان لوگوں کو اذیت کا نشانہ بنایا جائے جو کسی روایتی تحفظ سے محروم تھے۔

اسی دوران انہوں نے اس تکلیف دہ صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ کر کے ایک مشترکہ حکمتِ عملی تیار کی۔ صورتِ حال بڑی نازک تھی۔ حج کا زمانہ قریب تھا اور سارے

Marfat.com

جزیرۃ العرب سے لوگ مکہ آنے والے تھے۔ قریش کی مہمان نوازی کی بڑی شہرت تھی۔ یہ مہمان نوازی صرف کھانے پینے کے معاملہ تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ مکہ آنے والے ہر مہمان اور اس کے دیوتا کو عزت واحترام سے نوازا جاتا تھا۔ اس سال حجاج کو اپنے دیوتاؤں کی توہین رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے سننی پڑے گی۔ ان پر زور ڈالا جائے گا کہ اپنے باپ دادا کے دین سے چھٹکارا حاصل کر کے ایک نئے دین کو قبول کریں جو اپنے اندر بڑے نقصان کا حامل تھا۔ ممکن ہے کہ کئی لوگ دوبارہ مکہ کا رُخ ہی نہ کریں۔ یہ سب تجارت کے حق میں ہی برا نہیں ہوگا بلکہ ان کی جو توقیر وعزت بحیثیت پاسبانِ حرم کی جاتی تھی اس کو بھی داغ لگ جائے گا۔ اس سے بھی بدتر ردِعمل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سب عرب مل جل کر انہیں (قریش) مکہ سے نکال باہر کریں اور ان کی جگہ کسی اور قبیلہ یا قبیلوں کے متحدہ گروہ کو کھڑا کردیں۔ خود قریش نے اس سے قبل ایسا ہی سلوک قبیلہ خزاعہ کے ساتھ کیا تھا اور خود خزاعہ نے جرہم کے ساتھ۔ اس لیے یہ انتہائی ضروری تھا کہ جب مہمان عرب آئیں تو ان پر یہ حقیقت واضح کردی جائے کہ حضرت محمد ﷺ کسی طرح بھی قریش کی نمائندگی نہیں کرتے لیکن اس میں ایک خرابی یہ تھی کہ ان کی نبوت کا انکار محض ایک رائے کا اظہار ہوتا اور یہ رائے آنے والے مہمانوں کو رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست گفتگو کے لیے آمادہ کرسکتی تھی کہ وہ اس نبی کے دعوے کو سن کر خود اپنی رائے قائم کریں۔ اس لیے صرف نبوت کے انکار کرنے سے بات نہ بن سکتی تھی بلکہ اس سے بڑھ کر کچھ کہنا چاہیے۔ اس میں ایک کمزوری یہ تھی کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مختلف رائے قائم کر رکھی تھی۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ آپ ﷺ کاہن ہیں، دوسرے کہتے تھے کہ ان پر کسی کا سایہ ہے جبکہ چند لوگ کہتے تھے کہ آپ ﷺ شاعر ہیں۔ کچھ آپ ﷺ کو جادوگر بتاتے۔ غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں تھیں۔ سب نے مل جل کر قبیلے کے سب سے بااثر شخص ولید بن مغیرہ سے مشورہ کیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ وہ کون سا الزام ہے جو لوگوں کو قائل کرسکے۔ ولید نے تمام الزامات کو ردّ کردیا اور کہنے لگا کہ وہ نشانے پر نہیں لگتے لیکن دوبارہ غور کرنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ اگرچہ یہ شخص یقینی طور پر جادوگر نہیں لیکن ایک بات اس میں اور جادوگروں میں مشترک ضرور ہے۔ ان میں یہ طاقت ہے کہ ایک بیٹے کو باپ سے، بھائی کو بھائی سے، شوہر کو بیوی اور فرد کو خاندان سے جدا کردیتے ہیں۔ ولید نے انہیں مشورہ دیا کہ ان کا مشترکہ الزام اسی نہج پر ہونا چاہیے۔ یعنی یہ مشہور کردو کہ محمد (ﷺ) ایک خطرناک جادوگر ہیں، ان سے ہر حال میں دُور رہنا۔ ولید کے اس مشورہ کو سب نے بخوشی مان لیا اور فیصلہ کیا کہ شہر کے باہر سے جتنے راستے مکہ کو آتے ہیں ان سب پر آدمی کھڑے کردیئے جائیں اور آنے والوں کو پہلے سے ہی خبردار کردیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو محمد (ﷺ) سے محفوظ رکھیں۔

Marfat.com

اپنے ذاتی تجربہ سے انہیں معلوم تھا کہ وہ کتنے دل موہ لینے والے ہیں۔ کیا تبلیغ دین سے پہلے بھی وہ مکہ کے سب سے زیادہ محبوب اور ہر دلعزیز آدمی نہیں تھے؟ نہ ہی ان کی خوش بیانی اور فصاحت و بلاغت میں کمی واقع ہوئی تھی اور نہ ہی ان کی عظمت و شان میں کوئی کمی واقع ہوئی تھی جو لوگوں کو بے اختیار ان کے آگے جھکا دیتی تھی۔

ان لوگوں نے اپنے منصوبے کو بڑے جوش و خروش سے بھرپور عملی جامہ پہنایا۔ مگر کم از کم ایک موقع پر انہیں بڑی ناکامی کا شروع ہی سے سامنا کرنا پڑا۔ بنی غفار کا ایک شخص ابوذر، جس کا قبیلہ مکہ کے شمال مغرب میں بحیرۂ احمر سے زیادہ دور نہیں تھا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بہت سے باتیں سنی ہوئی تھیں اور ان کی مخالفت کا بھی انہیں بخوبی علم تھا۔ اپنے قبیلہ کے اور لوگوں کی طرح ابوذر بھی ایک راہزن تھے۔ لیکن قبیلہ کے دوسرے لوگوں کے برعکس خدائے واحد پر ان کا عقیدہ بہت راسخ تھا۔ بتوں کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کے بھائی انیس کسی کام سے مکہ گئے۔ وہ جب مکہ سے لوٹے تو انہوں نے ابوذر کو بتایا کہ قریش میں ایک شخص ہے جو رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا قول ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے اور اس کے لوگوں نے اس پاداش میں اس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ ابوذر نے یہ سنتے ہی مکہ جانے کی تیاری کر لی۔ انہیں یقین تھا کہ وہ ایک رسولِ برحق ہیں۔ چنانچہ جب وہ مکہ وارد ہوئے تو مکہ کے ان لوگوں نے جو مکہ کی راہوں پر متعین تھے انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جس کے لیے وہ اتنی دُور سے آئے تھے۔ کسی تکلیف کے بغیر ہی انہیں رسول اللہ ﷺ کا گھر بھی معلوم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ مکان کے صحن میں ایک تخت پر محوِ استراحت تھے، اس طرح کہ ان کا چہرہ آستین سے ڈھکا ہوا تھا۔ ابوذر نے انہیں جگایا اور سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ''وعلیکم السلام۔'' بدوی (ابوذر) نے کہا کہ ''مجھے اپنا منظوم کلام سنایئے!'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں شاعری نہیں کرتا۔ جو کچھ میں بیان کرتا ہوں وہ قرآن ہے اور قرآن میرا کلام نہیں کلام اللہ ہے۔'' ابوذر نے کہا ''میری خاطر اس کلام کی قرأت کر دیجیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے ایک سورۃ کی قرأت فرمائی۔ قرأت سن کر ابوذر نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ ''تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے جواب پر آپ ﷺ نے انہیں حیرت سے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور فرمایا ''یقیناً اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''(۳)

بنی غفار کے لوگوں کی راہزنی سے سب لوگ آگاہ تھے۔ اسلام سے متعلق جملہ ہدایات ارشاد فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ اپنے لوگوں میں واپس پہنچ کر میرے

Marfat.com

احکامات کا انتظار کرنا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے میں واپس گئے اور ان کے توسط سے کئی لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اسی قسم کے ایک اور واقعہ کے نتیجے میں اسلام کا پیغام قبیلہ بنی دوس میں پہنچ گیا۔ اس شخص کا تعلق بھی بنی غفار کی طرح مکہ کے علاقہ سے باہر ایک مغربی قبیلہ سے تھا۔ قبیلہ دوس کے ایک شخص طفیل نے بعد میں بتایا کہ جب وہ مکہ کی طرف سفر کر رہا تھا تو اسے کس طرح لوگ خبردار کر رہے تھے کہ محمد (ﷺ) ایک جادوگر ہیں اس لیے ان سے بات چیت سے گریز کرنا اور ان کی باتوں پر کان نہ دھرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم ان کی باتوں میں آکر اپنے لوگوں سے جدا ہو جاؤ۔ طفیل ایک شاعر ہونے کے علاوہ اپنے قبیلہ میں بلند مرتبت حیثیت کے مالک تھے۔ اس لیے قریش انہیں خبردار کرنے میں کافی زور لگا رہے تھے۔ انہیں اس قدر ڈرا دیا گیا کہ انہوں حرم میں داخل ہونے سے پہلے ہی اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں جادو کے الفاظ سن کے سحر زدہ نہ ہو جائیں۔ خانہ کعبہ میں رسول اللہ ﷺ موجود تھے۔ انہوں نے حسب عادت حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان یروشلم کی سمت اپنا رُخ متعین کیا اور جنوب مشرق کی دیوار کو مقابل میں رکھتے ہوئے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ان کے دہنِ مبارک سے قرآن کریم کے جو الفاظ نکل رہے تھے ان کی آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ طفیل کے کانوں تک پہنچ ہی گئی۔ طفیل نے بعد میں بتایا کہ روئی ٹھونسنے کے باوجود کچھ آیتوں کی بھنک اللہ نے میرے کانوں میں پہنچا دی۔ یہ تاثیر اور یہ حسن، پھر سوچا کہ میں وہ ہوں جس کو اللہ نے بصیرت دی ہے، ایک شاعر اور بُرے بھلے کی تمیز رکھنے والا۔ کیوں نہ میں سنوں تو سہی کہ یہ آدمی جو کچھ کہہ رہا ہے اگر معقول ہوا تو قبول کر لوں گا اور غلط ہوا تو ردّ کر دوں گا۔ میں ٹھہر گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ چلے تو ان کا پیچھا کیا اور جوں ہی وہ گھر میں داخل ہوئے میں بھی پیچھے سے پہنچ گیا اور کہا کہ ''اے محمد (ﷺ)! آپ کے لوگوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کہیں اور مجھے اس حد تک خوف زدہ کر دیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی لیکن اللہ کو یہ ہی منظور تھا کہ وہ میرے کان آپ کے پیغام کے لیے کھول دے۔ پس آپ مجھے اس حقیقت سے آگاہ کر دیں کہ آپ کون ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے طفیل کو اسلام کے بارے میں سمجھایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ طفیل نے اسلام کو قبول کرنے کا اعلان کیا اور اپنے لوگوں میں واپس آکر سب کو مسلمان کرنے کا تہیہ کیا۔ ان کے ماں اور باپ نے اسلام قبول کر لیا لیکن قبیلہ دوس کے باقی لوگ اپنے دین پر اڑے رہے۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بڑی مایوسی کے عالم میں غصہ میں بھرے ہوئے مکہ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اس کی قوم پر لعنت

Marfat.com

کریں اور ان کو عذاب میں مبتلا کر دیں لیکن ان کی درخواست کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے ان کی ہدایت کے لیے اللہ سے درخواست کرتے ہوئے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

"اپنے آدمیوں میں واپس جاؤ، ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان سے نرمی کا برتاؤ کرو۔"﴿۵﴾

ملاقات سے قبل حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کی مڈبھیڑ صرف ان کے دشمنوں سے ہوئی تھی لیکن دوسرے حجاج کو ان دوسرے لوگوں سے بھی ملنے کا موقع ملا جو رسول اللہ ﷺ کے پیروکار تھے۔ ان پیروکاروں نے ان حجاج کو جو کچھ روداد سنائی وہ اس سے بالکل مختلف تھی جو دشمنانِ رسول ﷺ انہیں بتا چکے تھے۔ ان حجاج میں سے ہر ایک نے وہی بات قبول کی جس کی گواہی اس کی اپنی سرشت نے دی۔ اس طرح سارے عربستان میں نئے مذہب کا چرچا ہو گیا لیکن اس چرچے کی شدت نخلستانِ یثرب میں بہت زیادہ تھی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۷۳:۱۰ ۲۔قرآن ۸۶:۱۷ ۳۔ابن اسحٰق: ۱۶۸

۴۔ابن سعد: ۴'۱۶۴'۴ ۵۔ابن اسحٰق: ۴۔۲۵۲

Marfat.com

بَاب: ۱۹

اوس وخزرج

اوس اور خزرج قبیلوں کا یثرب میں بسنے والے یہودی قبیلوں سے حلیفانہ روابط تھے۔ لیکن ان تعلقات کے باوجود تلخی اور بدمزگی کے واقعات پیش آتے رہتے۔ اس بدمزگی کی بنیادی وجہ یہودیوں کا وہ رویہ تھا جو وہ اللہ کی وحدت پر ایمان رکھتے ہوئے اس یقین سے سرشار رہتے کہ وہ اللہ کے منتخب بندے ہیں۔ وہ عربوں کی بت پرستی کی وجہ سے انہیں تحقیر سے دیکھنے کے باوجود ان کی طاقت کی وجہ سے ان کی عزت کرنے پر مجبور تھے۔ تلخی کے مواقع پر جب انہیں احساسِ محرومی ہوتا تو وہ کہا کرتے کہ ''وہ زمانہ بالکل قریب آ چکا ہے جب ایک نبی کا ظہور ہوگا۔ اس نبی کے ساتھ مل کر ہم تمہیں ایسے قتل کریں گے جیسا اللہ نے عاد و اِرم کو قتل کیا تھا۔ (1) جب کبھی ان کے راہبوں اور کاہنوں سے پوچھا جاتا کہ وہ نبی کہاں سے آئے گا تو ان کی نشاندہی ہمیشہ یمن کی سمت ہوا کرتی تھی۔ یہ وہ سمت تھی جو مکہ کی جانب بھی ہو سکتی تھی۔ لہٰذا جب یثرب کے عربوں نے یہ سنا کہ مکہ میں کسی نے نبی ہونے کا اعلان کر دیا ہے تو وہ سراپا گوش بن گئے۔ صحیح العقیدہ مذہب کے اصولوں سے تو وہ واقفیت رکھتے ہی تھے۔ دوستانہ ماحول کے لمحات کے دوران یہودی اللہ کی وحدانیت اور انسان کے انجامِ اخروی پر عربوں سے اس قسم کے مسائل پر بحث وتمحیص بھی کیا کرتے تھے۔ یہ عقیدہ کہ موت آنے کے بعد ایک مرتبہ پھر وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ بت پرستوں کے لیے اس کو قبول کرنا بہت مشکل تھا۔ اس بات کو بھانپتے ہوئے ان میں سے ایک راہب نے جنوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہاں سے ایک نبی کا ظہور متوقع ہے جو آ کر زندگی کے بعد موت کی حقیقت کی تصدیق کرے گا۔

مگر مکہ سے آئی ہوئی خبر کا واسطہ بن الحیان نام کا ایک یہودی تھا جو ملک شام سے نقلِ وطن کر کے آیا

Marfat.com

تھا اور جس نے ایک سے زیادہ مواقع پر بارش کی دعا کر کے نخلستان کو خشک سالی سے بچا لیا تھا۔ اللہ کا یہ برگزیدہ بندہ تقریباً اسی وقت وفات پا گیا جب رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی کا نزول ہوا تھا۔ جب اس پر نزع کا وقت طاری تھا تو جیسا کہ بعد میں اوس وخزرج کو بتایا گیا، اس نے ان لوگوں سے جو اس کے قریب تھے کہا ''اے یہودیو! ذرا بتاؤ تو کہ وہ کیا بات تھی جس نے مجھے اس سرزمین کو جہاں روٹی اور شراب کی افراط تھی، چھوڑ کر ایک سخت کوش اور بھوک کی ماری زمین کی جانب جانے پر اکسایا؟'' وہ بولے ''یہ بات تم ہی بہتر جانتے ہو۔'' اس نے جواب میں کہا ''میں اس ملک میں یہ امید لے کر آیا ہوں کہ اللہ کا رسول آنے والا ہے۔ اس کے ظاہر ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس ملک میں وہ ہجرت کر کے آئے گا۔ مجھے قوی امید تھی کہ اس کی بعثت اس وقت پر ہو گی اور میں اس کی پیروی کر سکوں گا۔ اس کے ظہور کی گھڑی بس آن ہی پہنچی ہے۔'' بعض نوعمر یہودیوں نے یہ کلمات دل نشین کر لیے اور وقت آنے پر رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔

لیکن عمومی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عربوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات تو مقبول اور ہر دلعزیز تھی لیکن ان کا پیغام قابلِ قبول نہیں تھا جبکہ یہودیوں کو ان کے پیغام سے تو اتفاق تھا لیکن ان کی ذات قابلِ قبول نہیں تھی۔ ان کے زعم میں اللہ ایک رسول کو غیر برگزیدہ قوم میں کیسے بھیج سکتا ہے؟ باوجود اس کے جب حجاج رسول اللہ ﷺ کی خبر یثرب لائے تو یہودیوں نے ذاتی سوچ کے باوجود اس خبر میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ وہ بار بار تفصیل سے ان کی باتیں معلوم کرنا چاہتے تھے۔ جب نخلستان کے لوگوں کو ان کی لگن کا اندازہ ہو گیا اور انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیغامِ وحدانیت کی نوعیت نے یہودی راہبوں کی توجہ کو دس گنا بڑھا دیا ہے تو نبی کی آمد کی خبر یثرب لانے والوں کی طرح وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکے۔

اس تناظر سے بلند ہو کر قبیلہ خزرج کو اس سلسلۂ رشتہ داری سے پوری آگہی تھی جو انہیں اس خاص فرد سے تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور جس نے اپنے بچپن میں اپنی ماں کے ساتھ یثرب کو شرفِ قیام بخشا تھا۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ ملکِ شام سفر کرتے ہوئے وہ یہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔ جہاں تک قبیلہ اوس کا تعلق تھا ان کے ایک سردار ابوقیس نے مکہ کی ایک خاتون سے شادی کی تھی جو ورقہ اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی تھیں۔ ابوقیس اکثر اپنے سسرال میں قیام کیا کرتے تھے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ورقہ کے تاثرات کا بہت احترام تھا۔

یہ تمام عناصر ساتھ ان اطلاعات کے جو حجاج سے ملتی تھیں اور مکہ آنے والے ملاقاتیوں سے حاصل ہوتی تھیں ان سب کے زیرِ اثر نخلستان کے باسیوں کے اذہان مغلوب ہو چکے تھے لیکن وقتی طور پر ان کی توجہ

Marfat.com

اپنے اہم اندرونی مسائل کی جانب مرکوز تھی۔ اوس اور خزرج قبائل کے مابین جس لڑائی کا انجام خونریزی پر ہوا تھا وہ بڑھتے بڑھتے دونوں قبیلوں سے تعلق رکھنے والے دیگر خاندانوں تک سرایت کر چکی تھی۔ حتیٰ کہ یہودی بھی اس لڑائی میں ملوث ہو چکے تھے۔ تین جنگیں تو پہلے ہی لڑی جا چکی تھیں لیکن یہ جنگیں کسی تصفیہ کی بجائے لوگوں کے جذبات کو مزید بھڑکا چکی تھیں۔ انتقام در انتقام کے سلسلے نے چوتھی جنگ کو یقینی بنایا ہوا تھا۔ ان حالات کے پیشِ نظر قبیلہ اوس کے سرداروں نے خزرج کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لیے ایک وفد مکہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

یہ وفد جب مکہ میں قریش کے جواب کا انتظار کر رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے پاس گئے اور ان سے سوال کیا کہ جس کام کے لیے یہ لوگ یہاں آئے ہیں اگر اس سے بہتر کوئی حل ان کو بتایا جائے تو کیا وہ پسند کریں گے؟ انہوں نے پوچھا کہ وہ حل کیا ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے مشن کے بارے میں بتایا اور اس دین کا ذکر کیا کہ جس کی تبلیغ کا فرض انہیں سونپا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کچھ تلاوت فرمایا۔ جب آپ ﷺ تلاوت ختم کر چکے تو الیاس بن معاذ نامی ایک نوجوان نے پرجوش انداز میں کہا کہ ''بخدا یہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔'' لیکن وفد کے سربراہ نے مشتِ خاک اس نوجوان کے منہ پر مارتے ہوئے کہا کہ ''یہ جو تُو نے کہا اپنے تک ہی رہنے دے! اپنی جان کی قسم! ہم یہاں اس کے علاوہ کسی اور غرض سے آئے ہیں۔'' الیاس نے چپ سادھ لی اور رسول اللہ ﷺ ان سے رخصت ہو گئے۔ قریش نے ان کی مدد کی درخواست رد کر دی اور یہ وفد بے نیلِ مرام مدینہ لوٹ گیا۔ اس واقعے کے تھوڑی ہی دیر بعد الیاس کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت جو لوگ الیاس کے قریب تھے انہوں نے اپنے کانوں سے سنا کہ وہ مسلسل اللہ کی وحدانیت کی تصدیق کر رہے تھے اور ان کی زبان پر ''سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر'' کا ورد آخری دم تک جاری رہا۔ اس وجہ سے لوگوں کے نزدیک الیاس یثرب کے وہ پہلے شخص تھے جو داخلِ اسلام ہوئے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قدیم عرب قبیلے جن پر اپنے نبی کے انکار کے نتیجے میں عذاب آیا تھا

۲۔ ابن اسحٰق: ۱۳۶

Marfat.com

باب:۲۰

ابوجہل اور حمزہ

مکہ میں جیسے جیسے اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ہی کفار کی دشمنی اور مخالفت کی شدت بھی بڑھتی گئی۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ جب قریش کے جملہ سردار حجر کے گوشے میں جمع تھے اور ان میں سے ہر ایک رسول اللہ ﷺ پر اپنے غصہ کا اظہار کر رہا تھا عین اسی وقت رسول اللہ ﷺ بیت الحرام میں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ کے مشرقی رکن کی جانب جا کر آپ ﷺ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور طواف شروع کر دیا۔ جیسے ہی وہ حجر (حطیم) کے پاس سے گزرے ان لوگوں نے بہ آوازِ بلند رسول اللہ ﷺ کے خلاف بہتان طرازی اور بدکلامی کا آغاز کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کے تاثرات سے عیاں تھا کہ انہوں نے یہ بدکلامی سن لی ہے۔ جب وہ طواف کرتے ہوئے دوسری مرتبہ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر اسی اتہام بازی اور بدتمیزی کا مظاہرہ کیا لیکن جب انہوں نے طواف کے تیسرے چکر میں بھی یہی حرکت کی تو رسول اللہ ﷺ حجر کے پاس رُکے اور فرمایا ''اے قریش! کیا میری بات سنو گے؟ اسی ربّ العزت کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں تمہارے لیے ہلاکت کی دعا کرتا ہوں۔''[1] ان الفاظ نے اور جس انداز سے آپ ﷺ نے یہ کلمات ادا کیے تھے ان کی تاثیر سے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے ایک سحر طاری کر دیا ہو۔ ان میں سے ایک بھی جنبش کرنے یا زبان کھولنے کے قابل نہ رہا۔ آخر کار ان میں ایک جو سب سے زیادہ غضب ناکی اور چرب زبانی کا مظاہرہ کر رہا تھا، اس نے خاموشی کو توڑا اور انتہائی اخلاق کے ساتھ کہا کہ ''اے ابوالقاسم! اپنا طواف پورا کریں۔ اللہ گواہ ہے کہ آپ حقائق سے ناواقف انسان نہیں ہیں۔'' مگر یہ سکون زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور وہ جلد ہی اپنے آپ کو مطعون کرنے لگے کہ وہ خواہ مخواہ بغیر کسی معقول وجہ کے اس حد تک مرعوب ہو گئے تھے۔ انہوں نے آپس میں تہیہ کر لیا کہ مستقبل میں وہ اس وقتی کمزوری کی تلافی کریں گے۔

Marfat.com

دشمنانِ اسلام کے گروہ میں عمرو نام کا ایک مخزومی بدترین دُشمنِ اسلام تھا۔ اس کے گھر والے اور دوست اس کو ابوالحکم کے نام سے پکارتے تھے۔ مسلمانوں نے اس کے نام کو ابُوجہل میں بدلنے میں کوئی تساہل نہ برتا۔ ابوجہل بمعنی جہالت کا باپ۔ یہ شخص مغیرہ کا پوتا اور خاندان کے سردار ولید کا بھتیجا تھا۔ ولید اب ضعیف ہو چکا تھا اور ابوجہل کو یقین تھا کہ اپنے چچا کا جانشین وہی ہوگا۔ ان عزائم کے پیشِ نظر اس نے اپنے لیے پہلے ہی سے اپنی دولت کے زور پر دکھاوے کی میزبانیاں اور کسی حد تک اپنی سنگ دلی کا مظاہرہ کر کے لوگوں کے دلوں میں اپنی دھاک بٹھائی ہوئی تھی۔ حالیہ حج کے موقع پر جب قریش نے زائرین کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکانے کے لیے مکہ کی شاہراہوں پر لوگوں کو متعین کیا تھا تو یہ شخص گلا پھاڑ پھاڑ کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف الزام تراشی میں سب سے آگے تھا۔ وہ اپنے خاندان کے ان لوگوں کو جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن غریب، نادار اور بیکس و بے یار و مددگار تھے ان پر مظالم ڈھانے میں نہ صرف سب سے آگے تھا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی ایسے ظلم وستم ڈھانے کی ترغیب دیتا تھا لیکن ایک دن اس نے غیر شعوری طور پر نئے دین کے لیے ایک بڑی خدمت انجام دے دی۔

رسول اللہ ﷺ مسجد کے باہر صفا کے پھاٹک کے قریب تشریف فرما تھے۔ اس مقام کو صفا کا پھاٹک یا دروازہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حجاج اس دروازے سے گزر کر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سات مرتبہ تیز تیز چل کر ارکانِ سعی بجالاتے ہیں۔ صفا کی پہاڑی سے سعی شروع ہوتی ہے۔ تقریباً ۴۵۰ گز کے فاصلہ پر شمالی سمت میں مروہ کی پہاڑی ہے۔ صفا کی چوٹی کے نیچے ایک چٹان ہے جہاں سے اس قدیم رسم کی ابتدا کی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس مقدس مقام پر تنہا تشریف فرما تھے کہ ابوجہل وہاں سے گزرا۔ اس کے خیال میں یہ اچھا موقع تھا یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ان کے رعب سے مرعوب ہونے والا نہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو آن کھڑا ہوا اور آپ ﷺ کی شان میں مغلظات بکنا شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ زبان سے کوئی لفظ ادا فرمائے بغیر افسردگی کے عالم میں وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر تشریف لے آئے۔

ابوجہل مغلظات بک کر حجر میں جمع قریش کے پاس پہنچا ہی تھا کہ دوسری جانب سے حمزہ آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ شکار سے واپس آ رہے تھے۔ ان کی کمان ان کے کندھے سے لٹکی ہوئی تھی۔ ان کی عادت تھی کہ وہ شکار سے واپس آ کر اپنے بال بچوں کے پاس جانے سے قبل کعبہ کی زیارت کرتے تھے۔ ان کو آتا دیکھ کر ایک خاتون جس کا مکان صفا کے دروازے کے قریب ہی تھا، اپنے گھر سے باہر نکل آئی۔ یہ خاتون تیم خاندان کے

Marfat.com

عبداللہ بن جدعان، جن کا انتقال ہو چکا تھا، کے گھرانے کی آزاد کردہ کنیز تھی۔ عبداللہ بن جدعان بیس سال قبل ہونے والے معاہدہ جانبازی، حلف الفضول کے محرکین میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ جدعان کا گھرانہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھا۔ یہ خاتون خود رسول اللہ ﷺ اور ان کے دین کے بارے میں نیک خواہشات رکھتی تھیں اور ابوجہل کی توہین آمیز گفتگو سن سخت برانگیختہ تھیں۔ حمزہ کو آتے دیکھ کر وہ ان سے مخاطب ہوئیں اور کہا کہ ''اے ابوعمارہ [2] کاش تم یہاں ہوتے اور دیکھتے کہ تمہارے بھائی کے بیٹے محمد سے ہشام کے بیٹے ابوالحکم نے کتنا برا برتاؤ کیا ہے۔ ابوالحکم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو یہاں بیٹھے دیکھا اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ جملے بول دیئے اور بہت توہین آمیز الفاظ استعمال کرنے کے بعد وہ سامنے مسجد کی طرف چلا گیا ہے جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جواباً ایک لفظ بھی ادا نہ کیا۔'' حمزہ طبعاً دوست نواز اور مزاجاً سہولت پسند تھے لیکن ان خوبیوں کے باوجود قریش میں ایک مضبوط اور اپنی دُھن کے پکے آدمی کے طور پر جانے جاتے تھے۔ برانگیختہ کیے جانے پر نہ صرف ہیبت ناک بلکہ کسی سے بھی دبنے والے نہ تھے۔ خاتون سے یہ واقعہ سن کر ان کا قوی جسم غصہ میں اتنی شدت سے کانپنے لگا کہ اس سے پیشتر انہوں نے کبھی ایسی کیفیت محسوس نہیں کی تھی۔ ان کے اس غیض وغضب نے ان کی رُوح کو کسی اندرونی کشمکش سے آزاد کر دیا اور ان کے عزم میں ابھی تک جو تذبذب تھا اس کو مکمل استقامت بخش دی۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے سیدھے مسجد میں پہنچے اور ابوجہل کے سر پر جا کھڑے ہوئے۔ اپنی کمان اوپر اٹھا کر زور سے اس کی پیٹھ پر ماری ''کیا تو ان کی توہین کرے گا؟'' انہوں نے کہا ''اب جب کہ میں بھی ان کا دین قبول کر چکا ہوں، جو وہ کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں، ہمت ہے تو جواب دے میرے وار کا۔'' ابوجہل ہمت اور حوصلہ میں کم تو نہ تھا لیکن اس موقع پر اس نے یہی بہتر جانا کہ اس حادثہ کو چپ سادھ کر پی جائے۔ اس کے چند مخزومی ساتھ اس کی امداد کے لیے اٹھے بھی تو اس نے انہیں یہ کہہ کر بٹھا دیا ''چھوڑو ابوعمارہ کو، بخدا میں نے بھی اس کے بھائی کے بیٹے کی بڑی توہین کی ہے اور اس کو بُرا بُرا بھلا کہا ہے۔''

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن اسحٰق: ۱۸۳

۲۔ عمارہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ عربوں میں اخلاق وشائستگی کے مظاہرے کے لیے ماں یا باپ کی نسبت اولاد کی طرف کرتے تھے۔ ایسے مرکبِ اضافی کو کنیت کہتے ہیں۔

Marfat.com

باب: ۲۱

قریش کی پیش کش اور مطالبات

اس دن کے بعد سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ صدقِ دل سے اسلام پر قائم رہے اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی پیروی کرتے رہے۔ ان کی گفتگو نے قریش پر اتنا اثر چھوڑا کہ اب قریش رسول اللہ ﷺ کو کھلم کھلا پریشان کرنے سے کترانے لگے۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے تحفظ کو موجود ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہوا کہ اس قطعاً غیر متوقع واقعے نے انہیں بہت زیادہ چوکنا کر دیا۔ ان کے نزدیک اب صورتِ حال بہت سنگین ہو چکی تھی اور اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے فوری اقدام ناگزیر ہو چکا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر تحریک کا سدِباب نہ کیا گیا تو دُنیائے عرب میں ان کا بلند مقام اور بھرم برباد ہو جائے گا۔ اس خطرہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ عتبہ بن ربیعہ کی ایک تجویز پر عمل درآمد کرنے پر متفق ہو گئے، جو اس نے مجلسِ شوریٰ میں پیش کی تھی۔ عتبہ بن ربیعہ خاندانِ عبد شمس کا ایک سربرآوردہ شخص تھا اور اس کی تجویز یہ تھی کہ ''میں محمد (ﷺ) سے ملاقات کے لیے جاؤں اور ان کے سامنے کچھ تجاویز رکھوں۔ ممکن ہے وہ ان میں سے کچھ قبول کر لیں اور ان کی قبولیت کے بعد ہم ان کو وہ مہیا کر دیں اس شرط کے ساتھ کہ وہ ہمیں امن و امان سے رہنے دیں۔'' خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تنہا تشریف فرما ہیں۔ پس عتبہ مجلسِ شوریٰ سے نکلا اور سیدھا مسجد میں گیا۔ اس مہم کی ذمہ داری اس نے اس وجہ سے لی تھی کہ وہ عبد شمس کا پوتا تھا۔ عبد شمس اور ہاشم دو بھائی تھے اور باوجودیکہ ہر دو خاندانوں کے نام فرزندانِ عبد و مناف پر تھے جن کے والد ماجد عظیم قُصَی تھے، یہ دونوں خاندان ایک دوسرے سے دُور ہوتے جا رہے تھے۔ ان دونوں کے اختلافات کو بوجہ ان کے مشترکہ جد بزرگ کی نیکی کے تحت آسانی سے رفع دفع کیا جا سکتا تھا۔ مزید برآں عتبہ مزاجاً تمام قریش میں فطرتاً حلیم اور صلح جو فرد ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین طبع بھی تھا۔

عتبہ نے رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

Marfat.com

''بھتیجے تم کو اس بات کا علم ہے کہ تم قبیلۂ قریش کے شریف زادے ہو اور تمہارا سلسلۂ نسب تم کو اس بات کا حق دیتا ہے کہ تم مقامِ عزوشرف پر فائز ہو۔ مگر تم نے اپنی قوم کے لیے شدید مشکل کھڑی کر دی ہے۔ اس مشکل نے قوم میں افتراق پیدا کر دیا ہے۔ تم نے ان کے طریقِ زندگی کو احمقانہ ٹھہراتے ہوئے ان کے دیوتاؤں اور مذہب کو برا قرار دے دیا ہے۔ میری ایک تجویز ہے اسے کان رکھ کر سنو اور غور کر کے بتاؤ کہ ان میں سے کون سی تجویز تمہارے لیے قابلِ قبول ہے۔ اگر تم دولت کے خواہاں ہو تو ہم اپنی جائدادوں میں سے تمہارے لیے کثیر دولت اکٹھی کر کے تمہیں دولت سے مالا مال کر دیں گے۔ اگر تمہیں عزت وتوقیر کی آرزو ہے تو ہم تمہیں اپنا سب سے بڑا حاکم بنا دیں گے اور کوئی بھی فیصلہ تمہاری مرضی کے بغیر نہیں کریں گے اور اگر تم کو بادشاہ بننے کی خواہش ہے تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں اور اگر تم اپنے طور پر اس جن، بھوت یا بلا سے جو تم پر سوار ہے، نجات حاصل کرنے سے قاصر ہو تو ہم بہتر سے بہتر طبیب تلاش کر کے اپنے خرچ سے تب تک تمہارا علاج کرائیں گے کہ جب تک تم مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتے۔''

جب عتبہ نے اپنی بات ختم کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابو الولید اپنی بات کہہ چکے، اب میری بات بھی سنو گے؟'' عتبہ نے کہا ''ہاں میں سنوں گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے قریبی زمانے میں نازل ہونے والی وحی کا ایک حصہ تلاوت فرمایا۔ عتبہ اس کے لیے تو تیار تھا کہ کم از کم دکھاوے کی خاطر اپنی توجہ اس طرف کر دے جس کو وہ اپنی حکمتِ عملی سے جیتنے کے لیے آیا تھا لیکن ہوا یہ کہ اس نے وحی کی چند ہی آیات سنی تھیں کہ وہ تمام خیالات جو وہ اپنے ذہن میں لے کر آیا تھا وہ ان آیات کے کان میں پڑتے ہی حیرت و استعجاب کی نذر ہو گئے۔ عتبہ وہاں بیٹھا رہا۔ وہ اپنے ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا۔ جن آیات کی تلاوت کی جارہی تھی وہ خود وحی کے متعلق تھیں، زمین و آسمان کی تخلیق کے بارے میں، گزری ہوئی قوموں اور انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں، ان قوموں کے بارے میں جنہوں نے اپنے انبیا کو جھٹلایا اور تباہ ہو گئیں، ان کا ٹھکانہ دوزخ قرار پایا۔ بعد ازاں ان ایمان والوں کا تذکرہ تھا جن سے اس دُنیا کی زندگی میں فرشتوں کے ذریعے حفاظت اور آخرت میں ان کی ہر خواہش پوری کیے جانے کا وعدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلاوت کا اختتام ان الفاظ سے کیا ''اور اس کی نشانیاں رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں۔ ان کی تعظیم میں سورج کے سامنے یا چاند کے سامنے نہ جھکنا لیکن ان کے خالق اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اس کی حمد کرنا، اگر تم حقیقت میں اس کی پرستش

Marfat.com

کرنے والوں میں سے ہو۔''(1) یہ تلاوت کرنے کے بعد انہوں نے اپنی پیشانی سجدہ کے لیے زمین پر رکھ دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''ابوالولید! جو کچھ آپ کے کانوں تک پہنچا وہ آپ نے سُن لیا، اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔''

جب عتبہ لوٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو چہرے کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔ چہرے کے تاثرات نے ساتھیوں کو چونکا دیا اور وہ پکار اٹھے ''ابوالولید تمہیں کیا ہو گیا ہے؟'' عتبہ نے انہیں جواب دیا ''میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔ بخدا نہ تو یہ شاعری ہے اور نہ ساحری و کہانت۔ اے اہلِ قریش میری بات کان لگا کر سنو اور جو میں کہتا ہوں اسے مان لو۔ اس آدمی اور اس کے کام کے درمیان نہ آنا۔ اس وقت وہ جو کچھ کر رہا ہے اسے کرنے دو۔ کیوں کہ قسم ہے اللہ کی جو کچھ الفاظ میں نے اس کی زبانی سنے ہیں وقت آنے پر ان کا استقبال ایک عظیم خوشخبری کے طور پر کیا جائے گا۔ اگر عرب اس پر غالب آگئے تو تمہیں کسی زحمت کے بغیر اس سے چھٹکارا مل جائے گا لیکن اگر اس نے عربوں پر غلبہ پا لیا تو اس کا اقتدارِ اعلیٰ تمہارا اقتدارِ اعلیٰ ہو گا اور اس کی قوت و دبدبہ تمہاری قوت و دبدبہ ہو گا اور تم لوگ انتہائی خوش قسمت لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔'' لیکن ان لوگوں نے یہ کہہ کر عتبہ کا مذاق اڑایا کہ ''تم کو اس نے اپنی زبان سے سحر زدہ کر دیا ہے۔'' عتبہ نے کہا ''میں نے تمہیں اپنی رائے سے آگاہ کر دیا ہے اب تم وہی کرو جو تمہارے نزدیک بہتر ہے۔'' اس کے بعد عتبہ نے ان لوگوں سے مزید بحث نہیں کی اور نہ ہی وہ تاثر جو اس پر آیاتِ قرآنی سے ہوا تھا زیادہ دیر پا ثابت ہوا۔

دریں اثنا عتبہ چونکہ ان کے کسی سوال کا جواب نہ لا سکا تھا اس لیے ان میں ایک نے کہا ''ہم کو چاہئے کہ ہم محمد (ﷺ) کو خود بلا کر ان سے بات چیت کریں، بحث و تمحیص کریں تا کہ ہم پر کسی کوتاہی کا الزام نہ آئے کہ ہم نے کوئی صورت آزمائے بغیر چھوڑ دی تھی۔'' پس رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھیجا گیا کہ ''تمہارے قبیلے کے شرفا یہاں جمع ہو کر بیٹھے ہیں تا کہ تم سے بات چیت کریں۔'' رسولِ اللہ ﷺ یہ سوچتے ہوئے فوراً تشریف لے آئے کہ شاید یہ لوگ اپنے رویے میں تبدیلی پر آمادہ ہو گئے ہوں۔ ان کی بڑی آرزو تھی کہ وہ ان کو راہِ صداقت کی ہدایت کریں لیکن وہ امید اور توقع اس وقت ماند پڑ گئی جب ان لوگوں نے عتبہ کی زبانی بھیجی گئی پیش کشوں کو دوہرانا شروع کیا۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھ پر کسی رُوح، آسیب یا جن کا اثر نہیں ہے اور نہ ہی مجھے تمہارے قبیلے میں کسی عز و شرف، اقتدار یا بادشاہت حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ اللہ نے مجھے تم پر رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب وحی کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوشخبریوں کی بشارت دوں اور تمہیں ان باتوں سے ڈراؤں جو تمہارے واسطے نقصان دہ ہیں۔ حتیٰ کہ اب

Marfat.com

اس وقت بھی میں نے تمہارے رُوبرو اپنے آقا اور مالک کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ میں نے تمہیں نیک مشورہ دیا ہے۔ میں جو تمہارے واسطے لایا ہوں اگر تم اسے قبول کرلو تو وہ تمہارے لیے باعثِ خوش بختی ہوگا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مگر تم اس کو جو میں تمہارے لیے لایا ہوں قبول نہیں کرتے اور ردّ کرتے ہو تو میں اپنے اور تمہارے درمیان بڑے صبر سے اللہ کے فیصلے کا انتظار کروں گا۔"(۴)

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا کلام سنا لیکن جواباً وہی پرانے سوال تھے۔ کہنے لگے کہ اگر انہوں نے ان کی پیش کردہ تجاویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تو ان کو چاہیے کہ کچھ ایسا کر دکھائیں کہ جس سے وہ ثابت کرسکیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس طرح وہ ان کی زندگی بھی آسان کر دیں۔ "اپنے اللہ سے درخواست کرو کہ ان پہاڑوں کو جو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں ہموار کر کے چٹیل میدان بنا دے اور ہماری سہولت کی خاطر ہماری زمین کو ہموار کر کے اس میں ویسی ہی ندیاں بہا دے جس طرح کی ندیاں شام اور عراق میں جاری ہیں۔ ہمارے اطمینان کی خاطر ہمارے بعض بزرگوں کو جن میں قُصَی بھی شامل ہیں دوبارہ اٹھا دے تاکہ ہم ان سے دریافت کرلیں کہ آیا جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے یا جھوٹ اور اگر یہ سب کام تم ہمارے لیے نہیں کرسکتے تو اپنے لیے کچھ مانگ کر دکھاؤ۔ اللہ سے کہو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ بھیج دے جو تمہارے کلمات کی تائید کرے اور ہمیں جھوٹا بتائے اور تم اللہ سے کہو کہ وہ تم کو باغات، محلات اور سونے چاندی کے خزانے عطا کر دے تاکہ ہم لوگ دیکھ سکیں کہ تم اپنے پروردگار کے سامنے کیا مقام رکھتے ہو۔" رسول اللہ ﷺ نے ان کو جواب دیا کہ "میں ان میں سے نہیں جو اپنے پروردگار سے اس طرح کی چیزیں مانگے اور نہ مجھے ان باتوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اللہ نے مجھے نذیر (ڈرانے والا) اور بشیر (خوشخبری دینے والا) بنا کر بھیجا ہے۔" وہ رسول اللہ ﷺ سے مزید کچھ سننے کی بجائے کہنے لگے کہ "تو پھر ہمارے سروں پر سے آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادو۔" یہ حقارت آمیز حوالہ اس نازل شدہ آیت کی طرف تھا جس کی وحی حال ہی میں ہوئی تھی "اگر ہم چاہیں تو زمین کو شق کر دیں کہ وہ انہیں نگل جائے یا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان پر گرادیں۔"(۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہ اللہ کا کام ہے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے اگر اس کی مشیئت ہوئی تو وہ ایسا کر دے گا (کُن فیکون)۔"

بغیر کسی قسم کا جواب دیئے اور سوائے ایک دوسرے کو تمسخرانہ انداز میں کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے ایک اور نکتہ اٹھایا۔ ان کے نزدیک نزولِ وحی کا سب سے زیادہ ذہنی خلفشار پیدا کرنے والا انداز اس میں ایک غیر معروف نام "رحمٰن"(۴) کی بار بار اور مستقل تکرار تھی۔ ظاہری طور پر اس کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے چشمۂ الہام سے تھا۔ ایک وحی کی ابتدا ان الفاظ سے ہوئی "الرحمان عَلَّم القرآن" (وہ انتہائی خوب رحمٰن

Marfat.com

ہے اس نے قرآن نازل کیا)⑤ اور چونکہ وہ وہ لوگ اس افواہ کو مان کر خوش ہو جایا کرتے تھے کہ یمامہ کے کسی شخص نے محمد (ﷺ) کو ان کی تقریر سکھائی ہے اس لیے ان کا لے دے کر ایک ہی جواب ہوتا ''ہم نے سنا ہوا ہے کہ تم کو یہ سب کلام یمامہ کے ایک شخص ''رحمٰن'' نے سکھایا ہے اور رحمٰن پر ہم کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور لوگوں کی گفتگو جاری رہی ''ہم نے تمہارے سامنے اپنا موقف پیش کر دیا ہے۔ محمد (ﷺ) ہم اپنے خدا کی قسم کھا کر اعلان کرتے ہیں کہ ہم تمہیں سکون سے نہیں رہنے دیں گے اور نہ ہم اپنے موجودہ رویہ سے جو ہم نے تمہارے خلاف اپنایا ہوا ہے اس وقت تک دستبردار ہوں گے جب تک ہم تمہیں یا تم ہم کو نابود نہ کر دو۔'' ان میں ایک مزید تجاوز کر کے یوں بولا ''ہم تم پر کبھی بھی یقین نہیں کریں گے جب تک کہ تم خدا اور فرشتوں کو بطور ثبوت ہمارے سامنے پیش نہ کر دو۔'' ان کلمات کو سن کر رسول اللہ ﷺ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور جوں ہی وہ ان لوگوں سے رخصت ہونے والے تھے مخزومیوں کے ابوامیہ کا بیٹا عبداللہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا ''میں تم پر کبھی بھی یقین نہیں کروں گا۔ نہ صرف یہ کہ جب تک تم ایک سیڑھی نہ لو اور میں دیکھوں کہ تم اس پر چڑھ کر آسمان پر جاؤ اور جب تک تم وہاں سے چار فرشتے ساتھ نہ لاؤ جو آ کر اس بات کی دلیل دیں کہ تم وہی ہو جس کا تم دعویٰ کرتے ہو اور غالباً میں تب بھی تم پر ایمان نہ لاؤں گا۔'' یہ شخص عبداللہ اپنے ددھیالی رشتہ سے ابوجہل کا چچا زاد تھا۔ لیکن اس کی ماں عاتکہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور انہوں نے ہی اپنے بیٹے کا نام اپنے بھائی کے نام پر رکھا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اتنے قریبی رشتہ دار کی زبان سے ایسے کلمات سن کر انتہائی افسردگی کے عالم میں اپنے گھر کی طرف چل دیئے۔ اس کبیدہ خاطری کو اس کیفیت نے اور بڑھا دیا جو سربراہانِ قبیلہ اور ان کے درمیان خلیج پیدا ہونے کی وجہ سے طاری تھی۔

تاہم قبیلۂ مخزوم کی مجموعی نفرت کے مقابلے میں آپ ﷺ کی پھوپھی برّہ کے فرزند ابوسلمہ کی عقیدت بھی موجود تھی اور اب اسی سمت سے نئے دین کے لیے ایک غیر متوقع مدد اور قوت کی نوید آئی۔ ابوسلمہ کے ایک متمول اور دُور کے رشتہ کے چچا زاد بھائی، ارقم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمۂ شہادت پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ انہوں نے کوہِ صفا کے نیچے موجود اپنا بڑا وسیع مکان اسلام کی خدمت کے واسطے پیش کر دیا۔ اس مکان کی وجہ سے اہلِ ایمان کو مکہ کے عین قلب میں جائے پناہ مل گئی جہاں وہ ایک دوسرے سے مل سکتے تھے اور کسی کی نظر میں آئے بغیر عبادت کر سکتے تھے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۳۷:۴۱ ۲۔ ابن اسحٰق: ۱۸۸ ۳۔ قرآن ۳۴:۹ ۴۔ اصل تصنیف ۴۶:۹ ۵۔ قرآن ۱:۵۵

Marfat.com

باب: ۲۲

سردارانِ قریش

رسول اللہ ﷺ کے پیروؤں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ جب کبھی بھی اسلام قبول کرنے والا ان کے پاس آتا اور بیعت کرتا تو ان میں اکثریت غلاموں یا آزاد غلاموں کی ہوتی۔ ان کے علاوہ اُن قریشیوں کا فرد ہوتا جو مضافاتِ مکہ میں آباد تھے۔ کوئی نوجوان یا خاتون قریش کے معزز حلقہ سے تعلق رکھنے والے خاندانوں سے ہوتے بھی تو وہ ذاتی طور پر اثر ورسوخ کے حامل نہ ہوتے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے قبولِ اسلام سے ان کے والدین اور بزرگ رشتہ داروں کے عناد اور مخالفت میں دس گنا اضافہ ہو جاتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن، حضرت حمزہ اور حضرت ارقم رضی اللہ عنہم اگرچہ بلند مقام رکھتے تھے لیکن ان کی حیثیت سرداروں کے ہم پلہ نہیں تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بڑی آرزو تھی کہ چند باحیثیت سرداروں کی حمایت حاصل کرلیں جن میں ابھی تک ایک بھی حتیٰ کہ ان کے چچا ابو طالب نے بھی ابھی تک اس دین میں شمولیت کے رجحان کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ انہیں اپنی تبلیغ میں بہت مدد ملتی اگر انہیں کسی ایسے آدمی کی حمایت حاصل ہو جاتی جیسے ابوجہل کا چچا ولید کہ جو نہ صرف مخزومیوں کا سردار بلکہ عملی حد تک قریش کا سردار وہی تھا۔ مزید برآں وہ اس قسم کا انسان تھا کہ دیگر لوگوں کے مقابلے میں اس سے کھل کر بحث وتمحیص کی جا سکتی تھی۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ کو ولید سے تنہائی میں گفتگو کرنے کا موقع مل گیا۔ لیکن اس وقت کہ جب وہ انتہائی انہماک سے گفتگو میں مشغول تھے تو ایک نابینا صحابی کا وہاں سے گزر ہوا۔ یہ حال ہی میں داخلِ اسلام ہوئے تھے۔ ان کے کانوں میں رسول اللہ ﷺ کی آواز پڑی تو بڑی عاجزی سے تھوڑا سا قرآن سننے کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کسی بہتر موقع ومحل کے لیے صبر کرنے کو فرمایا لیکن وہ صبر کرنے کی بجائے مزید مُصر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ اصرار ناگوار گزرا اور

Marfat.com

انہوں نے ان نابینا صحابی سے منہ پھیرلیا۔ وہ گفتگو جس میں وہ منہمک تھے وہ بھی جاری نہ رہ سکی۔ اگرچہ یہ خلل اندازی کسی نقصان کا باعث نہ بنی کہ ولید کا دل و دماغ میں ان لوگوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ فراخ نہیں تھا جو اپنے رویہ سے رسول اللہ ﷺ کو ناامید کر چکے تھے۔

اس واقعہ کے فوراً بعد نزولِ وحی ہوا اور یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اس سورۃ کی ابتدا ان الفاظ سے ہوئی:
''ترش رو ہوا اور بے رُخی برتی اس بات پر کہ نابینا اس کے پاس آ گیا اور تم کو کیا معلوم شاید وہ (تعلیم سے) پاکیزگی حاصل کرتا، یا وہ نصیحت سنتا تو نصیحت اس کے کام آتی، تو جو کوئی پروا نہیں کرتا اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو اور جو کوئی لپکتا ہوا تمہارے پاس آتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے تو تم اس سے بے رخی برتتے ہو۔'' (۱)

اس کے کچھ عرصہ بعد ولید نے یہ کہتے ہوئے خود فریبی کا اظہار کیا کہ ''ایسا کیوں ہے کہ نزولِ وحی محمد (ﷺ) پر تو ہو اور میں جو قریش کا چوٹی کا سردار اور مالک و مختار ہوں مجھ پر نہ ہو؟ یہ کیا کہ نہ مجھ پر وحی اترتی ہے اور نہ ہی ابومسعود پر جو ثقیف کا مختار اور امیر ہے جب کہ ہم دونوں ہی ان بستیوں میں عظمت والے سردار ہیں۔'' (۲)

ابوجہل کا ردِعمل خود اعتمادی سے عاری مگر جذباتی تھا۔ اس کے لیے اس بات کا امکان کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہو سکتے ہیں ایک لمحہ کے لیے بھی قابلِ برداشت نہ تھا۔ ''ہم لوگوں میں اور اولادِ عبدِ مناف میں عزت و توقیر کا ایک دوسرے سے مقابلہ چلا آ رہا ہے۔ انہوں نے کھانا کھلایا، ہم نے کھانا کھلایا، انہوں نے دوسروں کے بوجھ اٹھائے اور ہم نے بھی دوسروں کے بوجھ اٹھائے۔ انہوں نے لوگوں کو مال دیا اور ہم نے بھی دیا۔ حتیٰ کہ جب ہم ہر کام میں دو گھوڑوں کی طرح ایک دوسرے کے برابر جا رہے تھے کہ انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ ''ہم میں سے ایک اللہ کا رسول ہے۔ اس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے'' اب بتاؤ کہ اس قسم کی فوقیت ہم کب اور کیسے حاصل کریں گے؟ واللہ ہم کبھی بھی اس پر یقین نہیں کریں گے اور نہ کبھی اس بات کا اقرار کریں گے کہ اس کی باتیں مبنی بر حق ہیں۔''

خاندانِ شمسی کے عتبہ کے ردِعمل میں کسی حد تک منفی عنصر کم تھا لیکن شعور تناسب سے قریباً بالکل عاری تھا۔ سب سے اول جو اسے سوجھی وہ یہ سوچ نہیں تھی کہ اگر حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو ان کا اتباع کرنا چاہیے، بلکہ اندازِ سوچ یہ تھا کہ ان کی رسالت سے عبدِ مناف کی اولاد کی توقیر بڑھے گی۔ ایک روز جب ابوجہل نے بڑے تضحیک آمیز انداز سے اپنی نفرت کے ہدف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے عتبہ کو مخاطب کر کے کہا

Marfat.com

''اے عبد مناف کے بیٹو دیکھو یہ تمہارا رسول ہے۔'' عتبہ نے ترکی بہ ترکی تڑک کر جواب دیتے ہوئے کہا ''تو تم کو کیوں بُرا لگ رہا ہے اگر ہمارے پاس ایک رسول یا بادشاہ ہے؟'' اس آخری فقرے کا اشارہ قُصَی کی طرف تھا اور مخزومی کا جتا دینے کا ایک نہایت لطیف انداز کہ وہ نہ بھولے کہ عبد مناف قُصَی کا بیٹا تھا۔ جبکہ مخزوم کی حیثیت محض رشتے کے ایک بھائی کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ قریب ہی موجود تھے اور ان کے گوشِ مبارک تک یہ گفتگو پہنچ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا ''اے عتبہ! تم نے یہ بات نہ تو اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے کی اور نہ ہی اس کے رسول کی پاس داری میں۔ اور تم اے ابوجہل! تمہارے لیے یہ بُری خبر ہے کہ تم پر آفت آ کر رہے گی اور تم بہت کم ہنس سکو گے کہ رونا ہی تمہارا مقدر ہو گا۔''(۳)

قریش کے مختلف خاندانوں کی قسمتیں بدل رہی تھیں۔ ان میں دو سب سے زیادہ قوت والے عبد شمس اور مخزوم تھے۔ عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ شمسی خاندان کے سربراہ تھے۔ ان کے رشتہ کا بھائی حرب جو اپنی اموی شاخ کا گزشتہ سربراہ تھا اس کی موت کے بعد ابوسفیان اس کا جانشین ہوا تھا اور اس نے اپنی دوسری بیویوں کے علاوہ عتبہ کی بیٹی ہندہ سے بھی شادی کی تھی۔ ابوسفیان کی کامیابی، سیاست ہو یا تجارت، دونوں میں کسی قدر اس کی سنجیدگی اور ٹھنڈے دل و دماغ سے معاملات پر اظہارِ خیال کی اہلیت اور اس کے تحمل اور بردباری کے ساتھ اس کا موقع شناسی کا تیز شعور تھا کہ نفع کے امکان کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ ابوسفیان کا ٹھنڈا دماغ اور سہولت پسندی ہندہ کو مشتعل کر دیا کرتی تھی کیونکہ وہ تیز مزاج اور جذباتی واقع ہوئی تھی لیکن ابوسفیان جب ایک دفعہ کسی فیصلے پر ڈٹ جاتا تو پھر شاید ہی ہندہ کو موقع دیتا کہ وہ اس فیصلے کو بدل سکے۔ جیسا کہ امید کی جا سکتی تھی، ابوجہل کے مقابلے میں ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کم تشدد آمیز تھا۔

اگرچہ سردارانِ قریش کے رویے میں رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی حد اختلاف تھا لیکن ان کے پیغام کو رد کر دینے میں وہ سب یک زبان تھے۔ سب نے ہی اپنی زندگی کو کسی حد تک کامیابی سے سنوارا ہوا تھا۔ ان میں جو جوان تھے وہ مستقبل میں اپنے لیے امکانات کا ایک جہان دیکھ رہے تھے۔ اس بات پر سب کو اتفاق تھا کہ انہوں نے جو کچھ حاصل کر لیا ہے اسے پورے عرب میں ایک عظیم الشان کامیابی کے طور پر تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ ایسے فرد کی عظمت میں کوئی کلام نہیں تھا جس کی مانگ ایک حلیف اور تحفظ دینے والے کے طور پر کی جائے۔ اس حوالے سے وہ اپنے ازدواجی رشتوں اور اپنے بیٹے بیٹیوں کی شادیوں کا تانا بانا استوار کر کے اپنی طاقت میں اضافہ کرتے تھے۔ اس مقام کو پانے کے لیے دولت ایک اہم عنصر تھا۔ پھر اس مثالی مقام کے حامل شخص کے لیے نیک ہونا بھی ضروری تھا۔ خصوصاً سخاوت کے لحاظ سے۔ لیکن

Marfat.com

اس نیکی کا مقصد ثوابِ اخروی کی بجائے شان وشوکت کا اظہار تھا۔ ان کے لیے تمام تر نیکیوں اور خوبیوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگ پورے عربستان میں بلکہ اس کی حدود سے بھی باہر ان کی دریا دلی، شاہ خرچی، ان کی شجاعت و جرأت، ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کی پاس داری، خواہ یہ پاسداری کسی حلیف کی مدد یا کسی معاہدے کے سلسلہ میں زبانی وعدہ یا ضمانت کی ہو، ان کی دل کھول کر تعریف کی جائے۔ ان کی صفات اور نیکیوں کی تعریف ان کی زندگی اور ان کی موت کے بعد بھی کی جائے۔ یہی ان کے لیے حیاتِ دوام تھی اور اسی حیاتِ دوام کی بنیاد پر ولید جیسے لوگوں کو اپنی عظمت کا یقین تھا۔ یہی سوچ ان کے لیے آسودگی کا باعث تھی اور اسی سوچ کی وجہ سے ان کے کوتاہ ذہن اور بہرے کان رسول اللہ ﷺ کے اس پیغام کو سننے اور سمجھنے سے قاصر تھے جس میں دنیوی زندگی کی شان کو وقتی اور جھوٹی قرار دیا گیا تھا۔ جس ماحول نے یہ بے جا فخر عطا کیا تھا اس کے دوام میں ہی ان کی شان وشوکت برقرار رہ سکتی تھی۔ نزولِ وحی کی زبان کی خوبصورتی سے سب کے سب، کچھ کم کچھ زیادہ متاثر تھے لیکن جہاں تک ان کے معنی ومطالب کا تعلق تھا ان کی ارواح ایسی آیات کو سن کر اپنے اندر محبوس ہو جاتی تھیں جن میں ان کو بتایا گیا تھا کہ ان کے آباو اجداد نے کوئی کامیابی حاصل نہیں کی اور ان کی تمام تگ ودو گمراہی کی نذر ہو گئی ''یہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب ہے اور بلا شبہ آخرت کا گھر ہی اصل حیات ہے۔ کاش وہ اس بات کو سمجھ سکتے۔''(۴)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۸۰:۱۔۱۰ ۲۔ابن اسحٰق: ۲۳۸ ۳۔طبری: ۳، ۱۲۰۳ ۴۔قرآن ۶۔۳۲

Marfat.com

بَاب: ۲۳

امید و استعجاب

وہ نوجوان جو مستقبل سے توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے اور وہ جو اپنے حال پر قانع تھے، سب نے فوراً ہی اللہ کے پیغام پر لبیک تو نہ کہا لیکن ان کی آسودہ حالی نے ان کے کان ایسے بند بھی نہیں کیے ہوئے تھے کہ وہ دعوتِ اسلام کی تند و تیز آواز کو نہ سن سکتے۔ ایسی آواز جس نے ان کی محدود سی دنیا کو اپنی للکار کی گونج سے مرتعش کر دیا تھا۔ وہ آواز جس کی گونج عثمان نے ریگستان میں سنی تھی ''سونے والو جاگ اٹھو'' کی آواز اللہ کے پیغام کی ہی مثل تھی اور ان لوگوں نے جنہوں نے پیغام تسلیم کر لیا تھا ان کے حق میں تو حقیقتاً ایسا ہی ہوا کہ جیسے وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو گئے ہوں اور زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو گئے ہوں۔

نہ ماننے والوں (کافروں) کے ماضی اور حال کے رویہ کو ان الفاظ میں سمو دیا گیا ''اور کچھ بھی نہیں سوائے اس زندگی کے---- اور مرنے کے بعد ہم اٹھائے نہ جائیں گے'' (۱) اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی یہ وحی آئی ''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کی تخلیق کھیل کے طور پر نہیں کی ہے'' (۲) ''کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تخلیق بے کار میں کی ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے۔'' (۳) ان لوگوں کے لیے جن میں لادینی خیالات نے کوئی واضح شکل اختیار نہیں کی تھی ان کے لیے ان کلمات میں حقانیت اور سچائی کا دروازہ کھل گیا۔ تمام تر وحی قرآنی کا اثر اسی طرح کا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ تھا کہ یہ پیغام ایک نور ہے جس میں لوگوں کو ہدایت عطا کرنے کی قوت ہے۔ پیغام کو تسلیم کرنے کی متوازی وجہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارک بھی تھی جو ایک ایسے انسان تھے کہ سچائی اور حقانیت میں رچے ہونے کے باعث دھوکا دہی اور فریب کا کوئی سوال ہی نہ تھا اور وہ اتنے زیرک تھے کہ خود فریبی کا بھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اللہ کا پیغام

Marfat.com

جس میں ایک تنبیہ تھی اور ایک وعدہ تھا۔ تنبیہ ان کو عمل پر ابھارتی تھی اور وعدہ مسرتوں سے معمور کر کے ان کا دل بڑھاتا تھا۔

''اور جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں ''ڈرو! نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں تم جو کچھ چاہو گے تم کو ملے گا۔ یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی جانب سے جو غفور اور رحیم ہے۔''(۴) اور بہت سی آیات میں سے ایک اور آیت جو بہشت کے متعلق نازل ہوئی اس کے مطابق اس ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والے باغ کی تھی جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا تھا۔ اس باغ کے متعلق بیان کیا گیا ''اس میں ان کے لیے وہ سب کچھ موجود ہے جس کی وہ خواہش کریں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ ایک ایسا وعدہ کہ تمہارے پروردگار نے اپنے کو اس کو پورا کرنے کا پابند کر لیا ہے۔''(۵) سچے دینداروں کی تعریف یوں کی گئی ہے: ''وہ جنہیں ہم سے ملاقات کی امید نہیں ہے اور دنیا کی چند روزہ زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔''(۶) وہ خواب جیسا دھوکہ جس میں کافر کھوئے ہوئے تھے اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ قدرت کی برکات کو اپنے لیے فطری اور لازم قرار دیتے تھے۔ حقائق سے باخبر ہو جانے کی معنی یہ تھے کہ نہ صرف انہیں اپنی توقعات کے مرکز کا رخ اس دنیا سے ہٹا کر دنیائے آخرت کی طرف کرنا پڑتا بلکہ اللہ کی ان نشانیوں (آیات کو جو رات دن اس دنیا میں آشکار ہیں) کو دیکھ کر حیرت سے انگشت بدنداں ہونا پڑتا۔ ''بہت بابرکت ہے وہ ذات (اللہ) جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں آفتاب کا چراغ اور جگمگاتا چاند بنایا اور وہی تو وہ اللہ ہے کہ جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنا دیا۔ ہر اس شخص کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار ہونا چاہے۔''(۷)

قریش کے سرداروں نے بڑی سرکشی کے ساتھ ایسی نشانیوں کا مطالبہ کیا جیسے فرشتے کا نزول ہو اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی توثیق اور معراج کی تصدیق کرے۔ ایک موقع پر جب چودھویں کا پورا چاند افق سے ابھر کر اپنی پوری آب و تاب سے روشن تھا اور کوہِ حرا کے اوپر آسمان پر آویزاں تھا تو قریش کی ایک جمعیت رسول اللہ ﷺ کے حضور آئی اور مطالبہ کیا کہ اگر درحقیقت وہ اللہ کے پیغمبر ہیں تو اس چاند کو دو حصوں میں شق کر دیں۔ بہت سے اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ وہ لوگ جو ایمان لا چکے تھے اور وہ بھی جو ابھی تک تذبذب کے عالم میں تھے۔ جب یہ مطالبہ کیا گیا تو تمام آنکھیں روشن چاند پر گڑ گئیں۔ لوگوں کے تعجب اور حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ چاند شق ہوا اور دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے حتیٰ کہ ایک

Marfat.com

کوہِ حرا کی ایک جانب اور دوسرا دوسری جانب چمک رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم سب لوگ گواہ رہنا۔'' (۸) لیکن جن لوگوں نے یہ مطالبہ کیا تھا انہوں نے اس معجزہ کو یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ نظر بندی کا شعبدہ تھا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مومنین نے خوشی منائی۔ چند مذبذب لوگ داخلِ اسلام ہو گئے اور باقی کئی لوگ قبولیتِ اسلام کے قریب ہو گئے۔

بارگاہِ احدیت کی جانب سے اتنی سرعت کے ساتھ کافروں کی تضحیک آمیز للکار کا جواب ایک غیر معمولی مظاہرہ تھا۔ باقی اور دوسری نشانیاں جن کا مطالبہ کفار نے کیا تھا ان کا بھی جواب دیا گیا اگرچہ بالکل اسی طرح نہیں جس طرح وہ چاہتے تھے اور نہ ہی اس وقت کہ جب وہ چاہتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اپنے منتخب وقت پر۔ لیکن ایسے معجزات یا حیران کن باتوں کو مرکزی حیثیت اس لیے نہ دی گئی کہ کتابِ الٰہی اس الوہی مداخلت کا ایسا مرکزی معجزہ تھا جیسے اس سے پیشتر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اپنے دور میں معجزہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ قرآن کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر بھی تھے اور اللہ کا وہ کلام بھی تھے کہ جس کی تعمیل میں وہ بذریعہ روح القدس پیدا ہوئے۔ (۹) پس اسی مشابہت سے یہ لطفِ بارگاہِ احدیت کہ جس کی حی و قیوم ذات کا جلوہ اس دنیا میں ذرّہ ذرّہ سے آشکار ہے، اس کا کلام بذریعہ وحی قرآن کی صورت میں نازل ہوا اور اعلان کیا کہ اسلام ہی صحیح معنوں میں وہ مذہب تھا کہ جس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے اور اسلام ہی اس دنیا اور عقبہ کی درمیانی کڑی ہے۔ وحی اللہ کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ انسان میں ایک بار پھر اس کے تحیر کو اجاگر کیا جائے جو زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ یا تو ماند پڑ چکا تھا یا پھر غلط راہنمائی کی وجہ سے سوچ کے دھارے گمراہی کو مڑ گئے تھے۔ پس جب قریش معجزہ کا مطالبہ کرتے تھے تو قرآن خاص انداز میں قدرت کی ان نشانیوں کی جانب توجہ دلاتا ہے جو ان کے سامنے ہمہ وقت رہتی ہیں اور انہیں دیکھتے ہوئے بھی ان میں حیرت و استعجاب کا عالم بیدار نہیں ہوتا۔

''کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا عجیب پیدا کیا گیا ہے
اور آسمان کی طرف، کہ بلند کیا گیا ہے۔
اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں۔
اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔'' (۱۰)

وہ استعجاب اور امید جن کی توقع مومنین سے کی گئی یہ دونوں اللہ کی طرف مراجعت کے انداز ہیں۔ اندازِ شکر گزاری میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کہنا، اس میں حیرت مضمر ہے اور یہ حمد کرنے والے کو نیکیوں کے نکتۂ آغاز کی جانب لے جاتی ہے۔ ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ''، روح کو سجدہ ریز کر کے امید کے دھارے کی سمت

Marfat.com

لے جاتی ہے۔ مراجعت کے اس راستہ پر اسلام کی دعا/عبادت کی بنیاد کا مرکز سورۃ الفتح ہے۔ فتح کے معنی ہیں آغاز، یہ نام اس وجہ سے دیا گیا کہ قرآن کا یہ سب سے پہلا سورۃ ہے۔ (۱۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے
رحمن اور رحیم ہے
روزِ جزا کا مالک ہے
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں
ہمیں سیدھا راستہ دکھا
ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا
جو معتوب نہیں ہوئے
جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔" (۱۲)

اور اسلام کے بنیادی عقائد کا ایک مکمل اور جامع اعلان سورۃ اخلاص ہے۔ یہ سورۃ قرآن مجید کی ترتیب میں آخری دو سورتوں سے پہلے ہے۔ اس سورۃ کا نزول اس موقع پر ہوا تھا کہ جب ایک بت پرست نے رسول اللہ سے درخواست کی تھی کہ پروردگار کی تعریف کر کے بتائیں کہ وہ کیا ہے، کیسا ہے؟

"کہو وہ اللہ ہے یکتا
اللہ سب سے بے نیاز ہے۔
سب اس کے محتاج ہیں۔
نہ اس کی کوئی اولاد ہے
اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔" (۱۳)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۲۹:۶ ۲۔ قرآن ۱۶:۲۱ ۳۔ قرآن ۱۱۵:۲۳ ۴۔ قرآن ۴۱:۳۔ ۳۰ ۵۔ قرآن ۱۶:۲۵

۶۔ قرآن ۷:۱۰ ۷۔ ۲۵:۲۔ ۶۱ ۸۔ بخاری: ۶۱۔ ۳۴ ۹۔ قرآن ۱۷۱:۴ ۱۰۔ قرآن ۸۸:۱۷۔ ۲۰

۱۱۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ سورۃ پہلی لیکن نزول کے لحاظ سے عبادات میں اس کا مقام یہ ہے کہ روزانہ کم از کم سترہ بار پڑھی جاتی ہے۔

۱۲۔ قرآن ۱:۲۔ ۷ ۱۳۔ قرآن ۱۱۲

Marfat.com

باب: ۲۴

خاندان میں پھوٹ

ابوطالب کے دو بڑے بیٹے طالب اور عقیل اپنے دو چھوٹے بھائیوں حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی مثال پر عمل پیرا نہیں ہوئے اور اپنے والد کی طرح دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود رواداری پر عمل پیرا تھے۔ ابولہب کا رویہ بہت مختلف تھا۔ ابھی چند دن قبل جب رسول اللہ ﷺ اور سردارانِ قریش کا آمنا سامنا ہوا تھا تو اسی روز سے ابولہب کھل کر مخالفت کرنے لگا تھا۔ اس کی زوجہ امِ جمیل جو بنی شمس کے سردار ابوسفیان کی بہن تھی اس نے رسول اللہ سے منافرت پر کمر باندھ لی تھی۔ ابولہب اور اُمِ جمیل دونوں نے مل کر اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنانے سے انکار کر دیں۔ یہ یقینی نہیں کہ آیا ان کی شادی ہو چکی تھی یا ابھی صرف رشتہ ہی طے ہوا تھا لیکن امِ جمیل کو اس علیحدگی پر جو تسلی ہوئی تھی اس کا خاتمہ اس خبر سے ہوا کہ اس کے مال دار اموی چچا زاد بھائی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رقیہ سے شادی کرنے کی خواہش کی اور پھر شادی ہو بھی گئی۔ اس شادی پر رسول اللہ ﷺ اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں بہت خوش تھے۔ ان کی بیٹی خوش تھی اور ان کا نیا داماد اپنی زوجہ سے وفا شعار ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھی تابعدار تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی پاس تھا جس نے انہیں شکر گزاری پر راغب کیا۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ان کی بیٹیوں میں ہی حسین ترین نہیں تھیں بلکہ پورے مکہ میں ان کی خوبصورتی کی مثال نہیں تھی۔ دوسری جانب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی قابلِ ذکر حد تک وجیہہ اور خوبصورت مرد تھے۔ ان دونوں کو یکجا دیکھنا بذاتِ خود ایک مسرت آمیز تجربہ تھا۔ ''اللہ حسین ہے اور وہ حسن کو پسند کرتا ہے۔''(1) شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جب دونوں میاں بیوی مکہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

ان کی طرف ایک قاصد روانہ کیا جوان کی توقع کے برعکس تاخیر سے واپس آیا اور اپنی تاخیر کی وجہ پیش کرنا شروع ہی کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا کلام قطع کرتے ہوئے فرمایا ''میں تجھے بتاتا ہوں، اگر تُو اقرار کرے کہ تجھے کس چیز نے اتنی دیر تک روکے رکھا۔ تم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کی حیرت میں گم تھے۔'' (۴)

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اروی نے اب اسلام کے دامن میں آنے کا فیصلہ کرلیا۔ ان کے فیصلہ کا محرک ان کے بیٹے حضرت طلیب رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس نوجوان نے حال ہی میں دارِ ارقم میں اپنے ایمان کا اقرار کیا تھا۔ جب انہوں نے اپنی والدہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ ''اگر ہم وہ کرگزریں جو مرد کرسکتے ہیں تو ہم اپنے بھائی کے بیٹے کے لیے حفاظت فراہم کریں گے۔'' لیکن حضرت طلیب رضی اللہ عنہ نے اس وجہ کو قبول نہ کرتے ہوئے کہا ''آپ کو اسلام میں داخل ہونے سے اور ان کی پیروی سے کس نے روکا ہے؟ آپ کے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے تو اسلام قبول کرلیا ہے۔'' جب ماں نے ہمیشہ کی طرح اپنے اس عذر کی آڑ لی کہ وہ اپنی بہنوں کے فیصلے کی منتظر ہیں تو بیٹے نے بات کاٹ کر کہا ''میں اللہ کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں کہ جائیں اور ان کو سلام کریں اور ان سے کہیں کہ آپ کو ان پر یقین ہے اور کلمۂ شہادت پڑھیں ''لا اللہ الا اللہ'' جو کچھ حضرت طلیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا انہوں نے ویسا ہی کیا اور یہ سب کر چکنے کے بعد حوصلہ اور ہمت کر کے اپنے بھائی ابولہب کو آڑے ہاتھوں لیا کہ تُو جو سلوک اپنے بھتیجے کے ساتھ کر رہا ہے وہ بہت قابلِ ملامت ہے۔

اب سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اعزا کا رویہ ایسا تھا کہ جیسے ہی مکہ میں اسلام کا چرچا ہوا تو ان کے سوتیلے بھائی نوفل اسلام کے بدترین اور پرتشدد دشمنوں کی صف میں شامل ہوگئے۔ اگرچہ یہ دشمنی نوفل کے بیٹے حضرت اسود رضی اللہ عنہ کو داخلِ اسلام ہونے سے نہ روک سکی، جس سے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نوفل کی دشمنی کا نعم البدل مل گیا۔ لیکن خاندان شمس کا ابوالعاص جوان کا چہیتا بھتیجا تھا اور کئی برسوں سے ان کی دامادی میں بھی تھا، اس کے باوجود ابھی تک داخلِ اسلام نہیں ہوا تھا کہ ان کی زوجہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا مسلمان ہوچکی تھیں۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ امر بڑا مایوس کن تھا۔ ابوالعاص پر اس کا خاندان دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے تو وہ اس کی پسند کے مطابق مکہ کی خوبصورت و امیر ترین لڑکی سے شادی میں پورا تعاون کریں گے لیکن سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اور ابو العاص ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ ابوالعاص نے اپنی طرف سے خاندان والوں کو جتا دیا کہ اس کی پسند کی بیوی موجود ہے اسے کسی دوسری بیوی کی ضرورت نہیں۔ حکیم جو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حزام کا بیٹا تھا اور جس نے تقریباً بیس سال قبل انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ بطور تحفہ پیش کیا تھا وہ بھی ابوالعاص

Marfat.com

کی طرح اپنی پھوپھی اور اس گھرانہ سے محبت کرنے کے باوجود بتوں کو نہیں چھوڑ سکا۔ لیکن ان کے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ داخلِ اسلام ہو گئے۔

''حقیقت یہ کہ تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے۔ ہاں اللہ اسے ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہے۔''(۲۲) جو سچائی اس آیت مبارکہ میں پیش کی گئی اس کو بار بار قرآن میں دہرایا گیا ہے۔ ایسی آیاتِ مبارکہ سے گو رسول اللہ ﷺ کو احساسِ ذمہ داری کے بوجھ میں سہولت ہوئی اور ان کو تقویت بھی پہنچی لیکن ان کے پھوپھی زاد مخزومی بھائی عبداللہ اور اسی طرح ان کے چچا حارث کے بیٹے ابوسفیان، جو ان کے رضاعی بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ قریبی رفیق بھی رہ چکے تھے، ان دونوں کے بیزار کُن اور نفرت انگیز رویے نے رسول کریم ﷺ کو بہت رنجیدہ کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کو امید تھی کہ یہ دونوں ان کے پیغام سے متاثر ہوں گے لیکن اس کے برعکس اسلام کے پیغام نے ہی ان کو رسولِ کریم ﷺ سے دور کر دیا۔ ابوسفیان کی سرد مہری وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ اس رویہ کی وجہ غالباً ان کا چچا ابولہب تھا، جس کا ان پر بہت اثر تھا۔ دوسرے لوگوں نے بھی مندرجہ بالا آیت کی صداقت کا گہرا اثر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کروانے میں اپنی زوجہ اُمِ رومان رضی اللہ عنہا کے علاوہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا کی راہنمائی کی۔ یہ دونوں دوسری زوجہ کے بطن سے تھے جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُمِ رومان رضی اللہ عنہا سے ان کے ایک اور بیٹی پیدا ہوئیں جن کا نام انہوں نے 'عائشہ' رکھا۔ ان کی یہ بیٹی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے فرزند، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی طرح پیدائشی مسلمان تھیں۔ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی کوششوں سے بہت لوگوں کو اسلام کی جانب مائل کیا تھا لیکن وہ اپنے بڑے بیٹے عبدالکعبہ کو مذہب کی تبدیلی پر راضی نہ کر سکے۔

ان حالات میں اگر مومنین کو مایوسیوں کا سامنا تھا تو ان کے مخالفین کو بھی یہ احساس ستانے لگا تھا کہ اب ان کے لیے مکہ میں ایسی مستقل مصیبت کھڑی ہو چکی تھی جس کے باعث ان کے طرزِ زندگی اور روشن مستقبل کو گہن لگ چکا تھا۔ خاص کر ان کے بچوں کی شادی بیاہ کا مسئلہ اور بھی گھمبیر ہو چکا تھا۔ بنی مخزوم کو اس وقت بہت خوشی ہوئی تھی جب ان کے خاندان کے فرد عبداللہ نے تیز طرازی کا ثبوت دیتے ہوئے شوریٰ میں اپنے ماموں زاد بھائی محمد کی مخالفت کی تھی۔ جبکہ عبداللہ کے بھائی زبیر نے مخالفت میں متشدد نہ ہونے کے باوجود اسلام کا پیغام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

عبداللہ کی طرح زبیر بھی عبدالمطلب کی دختر عاتکہ کا بیٹا تھا لیکن ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی ایک دوسری زوجہ جن کا نام بھی عاتکہ تھا، ان کے بطن سے ان کی ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی، جن کا نام ہندہ رکھا

Marfat.com

گیا تھا۔ یہ خاتون اپنی عمر کے انیسویں سال میں تھیں اور غضب کی حسین تھیں۔ ان کی شادی اپنے بھائیوں کے ماموں زاد بھائی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا تعلق مخزومیوں کی دوسری شاخ سے تھا۔ پورے خاندان کو اس رشتہ سے بہت خوشی ہوئی تھی کہ اس رشتہ کے باعث خاندان کی دونوں شاخیں منسلک ہوگئی تھیں۔ اس لیے جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا شہرہ عام ہوگیا تو لوگوں کو شدید رنج ہوا لیکن جب ہندہ نے جو اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے نام سے معروف تھیں، شوہر کی پیروی میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو غم و غصے کا عالم کچھ اور ہی صورت اختیار کر گیا۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ برّہ نے قریشی خاندان عامر کے ایک فرد سے شادی کی تھی۔ نئے شوہر سے ان کے ہاں جو بیٹا پیدا ہوا ان کا نام ابوصبرہ تھا۔ قبیلہ عامر کے سردار سہیل نے ابھی حال ہی میں اپنی بیٹی اُم کلثوم کا عقد ابوصبرہ [۴] سے کیا تھا۔ اپنی بہن اروی رضی اللہ عنہا کے برعکس برّہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن ابوصبرہ پر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سوتیلی والدہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بھی اسلام کا اثر تھا۔ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اس کے والد کی دوسری بیوی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے میمونہ رضی اللہ عنہا اور ان کی تین بہنوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''بلاشبہ وہ بہنیں سچی مومنہ ہیں۔'' [۵] قبیلہ عامر میں سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا عقد اسلام کی تقویت کا باعث بنا۔

سہیل کی ایک اور بیٹی خاندان شمسی کے سردار عتبہ کے بیٹے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھی۔ پچھلے کچھ عرصہ سے عامر خاندان کی قوت میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا اور اس شادی کو دونوں خاندانوں کے حق میں بہت مفید سمجھا رہا تھا۔ لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ یہ جوڑا بھی اسلام میں داخل ہوگیا۔ ان کے آگے پیچھے حضرت ابوصبرہ رضی اللہ عنہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے بھی اسلام کی دعوت قبول کی۔ اس طرح سہیل کی اپنی دو بیٹیاں اور دو ایسے داماد جن کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا اسلام کی نذر ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے تین بھائی، حاطب، سلیط اور سکران رضی اللہ عنہم کی زوجہ اور ان کے رشتہ کے بھائی حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام کے ہاتھوں گنوا بیٹھا لیکن سہیل کے لیے سب سے زیادہ تکلیف اپنے بیٹے کے ہاتھوں اٹھانا پڑی جو رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں میں شریک ہو چکا تھا۔ عبداللہ کو امید تھی کہ ان کا باپ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس امید میں اس لیے شریک تھے کہ سہیل دوسرے سرداروں کے مقابلے میں زیادہ پرہیزگار اور عقل وفہم کا مالک تھا۔ اس کی روحانی خلوت پسندی کا ذکر بھی عام تھا لیکن سہیل کے رویہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسلام کے بارے میں متشدد نہ ہونے کے باوجود اپنے بچوں کی نافرمانی نے اس کے رویہ میں تلخی پیدا کر دی تھی۔

Marfat.com

خاندان عبد شمس میں ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کسی سردار کا واحد بیٹا نہیں تھا جس نے والدین کے حکم کی نافرمانی کی ہو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جنہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آگ سے بچا لیا ہے، اب تک اپنے دین کو چھپائے ہوئے تھے۔ لیکن جب ان کے والد پر یہ پردہ کھل گیا تو والد کے اصرار کے باوجود انہوں نے یہ کہہ کر دین سے پلٹنے سے انکار کر دیا کہ "میں اپنی جان دے سکتا ہوں لیکن حضرت محمد ﷺ کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔"(۶) اس پر انہیں بے رحمی سے زدوکوب کرنے کے بعد ایک کوٹھڑی میں بند کر کے کھانا پانی بند کر دیا گیا۔ چند دن بعد وہ اس قید سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے جس کے بعد ان کے باپ نے انہیں عاق کر دیا۔ عتبہ اپنے مزاج کے لحاظ سے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں کم تشدد پسند اور متحمل مزاج تھا۔ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے باپ سے محبت تھی اور ان کو امید تھی کہ ایک دن وہ بت پرستی ترک کر کے اسلام قبول کر لیں گے۔

جہاں تک عبد شمس کی اموی شاخ کا تعلق ہے اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہی واحد تکلیف دہ مسئلہ نہ تھا۔ بنی اسد بن حزیمہ کے بہت سے لوگوں نے بھی انہی کی طرح اسلام سے اپنی عقیدت کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ بشمول خاندانِ جحش، جو رسول اللہ ﷺ سے قربت کے باعث پیش پیش تھے، ان سب کی تعداد چودہ تھی۔ ان حلیفوں کے ساتھ ساتھ اموی سردار ابو سفیان، خود اپنی بیٹی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عبید اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی جو عبداللہ کے بھائی تھے۔

خاندان عدی کے ایک مخصوص گھرانے میں صداقت اور سچائی کی قوت نے نئی نسل کے ہاتھوں پرانے رشتوں کو کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ نفیل کے دو بیٹے تھے، خطاب اور عمرو۔ دونوں کی مائیں مختلف تھیں۔ نفیل کی وفات کے بعد خطاب کی ماں نے اپنے سوتیلے بیٹے عمرو سے شادی کر لی۔ ان کے ہاں پیدا ہونے والے نومولود کا نام زید رکھا گیا۔ اس طرح زید اور خطاب ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی تھے۔ زید ان گنے چنے افراد میں سے تھے جنہوں نے ورقہ کی طرح قریش کے بت پرستانہ رسم و رواج کا بخوبی مطالعہ کر کے ان کی جاہلانہ حقیقت سے آگاہی حاصل کر لی تھی۔ وہ بت پرستی سے کھلم کھلا دور رہتے اور بتوں کے نام پر کی جانے والی نذر اور قربانی کو بھی ہاتھ نہیں لگاتے تھے اور اپنے آپ کو ربِ ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار کہتے ہوئے لوگوں کو بت پرستی پر لعن طعن کرتے تھے۔ ان کے برعکس خطاب، قریش کے رسم و رواج اور عقائد پر سختی سے عمل پیرا تھا۔ خطاب کو زید کی وجہ سے جو بدنامی اٹھانا پڑتی تھی اس سے تنگ آ کر اس نے زید کو ظلم کا نشانہ بنا کر مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اور چند

Marfat.com

نوجوانوں کی ذمہ داری لگائی کہ وہ زید کو بیت الحرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیں۔ اس ٹھکرائے ہوئے انسان نے حجاز کو خیر باد کہا اور عراق کے شمال میں موصل تک پہنچ گئے۔ وہاں سے جنوب مغرب میں واقع ملک شام پہنچے۔ وہ جہاں بھی جاتے، عیسائی راہبوں اور یہودی ربیوں سے دینِ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سوال پوچھتے۔ ایک بار ان کی ملاقات ایک ایسے راہب سے ہوئی جس نے زید کو بتایا کہ عین اس ملک میں، جسے وہ چھوڑ آئے تھے، عنقریب ایسے نبی کا ظہور ہوگا جو اسی دین کی تبلیغ کرے گا جس کی زید کو تلاش تھی۔ زید نے الٹے پاؤں واپسی اختیار کی۔ لیکن دورانِ سفر شام کی جنوبی سرحد پر گزر رہے تھے تو ایک حملہ میں مارے گئے۔ ورقہ کو جب اس حادثے کی خبر ملی تو انہوں نے ان کے فضائل پر ایک مرثیہ لکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی تعریف میں فرمایا کہ: ''حشر کے دن وہ ایسے شخص کی مانند اٹھائے جائیں گے جو اپنی ذات میں ایک فرد نہیں بلکہ پوری قوم کی خوبیوں کے مالک ہوں گے۔'' (۷)

زید کی وفات کو کئی سال گزر چکے تھے۔ خطاب بھی وفات پا چکا تھا۔ دونوں بھائیوں کے بیٹوں کے باہمی تعلقات خاصے خوشگوار تھے۔ زید کے بیٹے سعید رضی اللہ عنہ نے خطاب کے بیٹے عمر کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تھی۔ خاندان کی دو شاخوں کے مابین تنازعہ ختم ہو چکا تھا لیکن طلوعِ اسلام ہوتے ہی سعید رضی اللہ عنہ کا شمار نئے دین میں شامل ہونے میں پہل کرنے والوں میں سے تھا۔ جبکہ عمر، جن کی ماں ابوجہل کی بہن تھی، اسلام کے خونخوار دشمنوں میں شامل ہو گئے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کا ساتھ دیا لیکن انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی سے اس کا ذکر نہ کیا کیونکہ وہ ان کے غضبناک مزاج سے بخوبی واقف تھے۔ عمر کو اسلام سے ایک اور وجہ سے بھی نفرت تھی۔ ان کی زوجہ زینب کے بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، جمح قبیلہ سے تھے اور فطرتاً تارک الدنیا اور خدا پرست تھے۔ ان کا رجحان نزول وحی سے قبل ہی خدائے واحد پر ایمان کی طرف تھا۔ جوں ہی اسلام آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ان کے دو بھائی اور زینب کے تینوں بھتیجے، بھانجے بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ لوگ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام کی پکار پر سب سے پہلے لبیک کہا۔ عمر کی زوجہ زینب کے متعلق، کوئی سند نہیں ملتی کہ اس مرحلے پر ان کی ہمدردیوں کا مرکز کیا تھا۔ زینب کا بھائی عثمان عمر سے بڑھ چڑھ کر غیر مصالحانہ مزاج کا مالک ہونے کے باوجود عمر کے مقابلے میں کم متشدد تھا۔

زینب اور اس کے بھائی اپنے قبیلہ کے سردار امیہ بن خلف کے نوعمر بھتیجے اور بھانجے تھے۔ امیہ بن خلف اسلام کے کٹر دشمنوں میں سے تھا۔ اس کے خاندان کے دوسرے لوگ، مثلاً اُبی بھی کسی سے کم نہ تھا۔ یہ وہی اُبی تھا جو ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا ''محمد (ﷺ)! تم دعویٰ

Marfat.com

کرتے ہو کہ اللہ اس کو دوبارہ زندہ کرے گا؟'' پھر بڑی حقارت انگیز مسکراہٹ کے ساتھ اس ہڈی کو ہاتھ میں مسل کر اس کے غبار کو پیغمبرِ خدا (ﷺ) کے چہرہ کی جانب پھونک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہاں ایسا ہی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ پروردگار اس کو دوبارہ زندہ کرے گا اور تجھ کو بھی ویسا ہی کہ جیسا تو اب ہے، کرنے کے بعد واصلِ جہنم کرے گا۔''(۸) مندرجہ ذیل آیت اُبی بن خلف کے اس واقعہ کا ہی حوالہ ہے: ''وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہتا ہے، کون زندگی عطا کرے گا ہڈی کو جب وہ بوسیدہ ہو جائے گی۔ کہو جس نے ان کو پہلے وجود بخشا تھا وہ دوبارہ ان کو زندگی بخشے گا۔''(۹)

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ احمد بن حنبل: ۴۔۱۳۳ ۲۔ سہیلی ۲۰۵ ۳۔ قرآن ۵۶:۲۸ ۴۔ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے

۵۔ ابن سعد: ۸۔۲۰۳ ۶۔ ابن سعد: ۴، ۱، ۶۸ ۷۔ ابن اسحٰق: ۱۴۵ ۸۔ ابن اسحٰق: ۲۳۹ ۹۔ قرآن ۹:۳۶۔۷۸

Marfat.com

باب: ۲۵

وہ ساعت!

کفارِ قریش جو اعتراض بار بار کیا کرتے تھے وہ یہ تھا کہ اگر اللہ کو واقعی کفار کو کوئی پیغام پہنچانا تھا تو وہ ایک فرشتہ بھیج دیتا۔ اس اعتراض کا جواب قرآن نے یوں دیا: ''اگر زمین پر فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے تو بے شک کسی فرشتے کو ہی (ان کے لیے) رسول بنا کر بھیجتے۔'' (۱) وقتاً فوقتاً جبرائیل امین کے نزول نے ان کو قرآنی معنی اور اصطلاحات کے تحت رسول کا درجہ نہیں دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے منصب کے لیے ضروری تھا کہ وہ مستقل طور پر ان لوگوں کے درمیان رہتے جن کو اللہ کا پیغام کھول کر دیا جانا تھا۔ وحی نے یہ بھی بیان کیا۔ ''جو لوگ ہمارے حضور پیش ہونے کا اندیشہ نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کیوں نہ فرشتے ہمارے پاس بھیجے جائیں؟ یا پھر ہم اپنے رب کو دیکھیں۔ بڑا گھمنڈ لے بیٹھے یہ اپنے نفس میں اور حد سے گزر گئے یہ اپنی سرکشی میں۔ جس روز یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ مجرموں کے لیے کسی بشارت کا دن نہ ہوگا۔ چیخ اٹھیں گے کہ پناہ بخدا اور جو کچھ بھی ان کا کیا دھرا ہے اسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے۔'' (۲) یعنی وہ لاکھ چیخیں گے کہ زمین اور آسمان کے درمیان رکاوٹ واپس رکھ دی جائے۔ لیکن عبث، بس یہ وقت خاتمہ کا ہوگا کہ جب آسمان سے براہِ راست رابطہ قائم کر دیا جائے گا اور یہ اس لیے ہوگا کہ زمینی ماحول اور حالات کے مطابق جو وقت کا شمار اور فضا ہے ان سب کا نام ونشان مٹ جائے گا اور زمین ذرہ ذرہ ہو کر منتشر ہو جائے گی۔ ''اس دن انسانوں کی حالت پروانوں جیسی ہو گی اور پہاڑ روئی کے دھنے ہوئے گالوں کی طرح اڑتے ہوں گے۔'' (۳) اور ایسا دن ہوگا کہ ''جو بچوں کے (کالے) بالوں کو سفید کر دے گا۔'' (۴) اس آخری وقت کے آنے کی خبر قرآن میں بار بار دی گئی ہے۔ یہ ''وہ ساعت'' ہے جو عنقریب آنے والی ہے۔ ''آسمان اور زمین پر یہ بہت کٹھن ہوگی۔'' (۵) وہ ساعت ابھی نہیں آئی ہے اور جب صحیفوں میں اس ساعت کے واسطے لفظ ''قریب'' استعمال کیا جاتا ہے تو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ''بلاشبہ تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک یوم کچھ ایسا ہے کہ جیسے تمہاری گنتی میں ایک ہزار کا شمار'' (۶)

Marfat.com

اس ساعت کی آمد سے متعلق صورتِ حال کا ذکر اشیا کی فطرت کے مطابق ہے۔ ضروری نہیں کہ اطلاق صرف زمینی اشیا پر ہو۔ بلکہ ایک وسیع پس منظر میں، کیونکہ اگر الوہی مداخلت کی وجہ سے ایک نئے دین کا قیام عمل میں لانا ہے تو یہ ضروری ہوگا کہ آسمان اور زمین کے درمیان جو رکاوٹیں ہیں ان کے درمیان سے گزرگاہ پیدا کی جائے۔ یہ گزرگاہ یا دروازہ اتنا کھلا بھی نہ ہو کہ زمین کے حالات اور کیفیات میں تبدیلیاں پیدا کر دے لیکن اتنا ضرور ہو کہ رسول کے دورِ منصبی کے لیے بحیثیتِ مجموعی غیر معمولی ہو۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ قرآن ذکر کرتا ہے، لیلۃ القدر کا۔ وہ رات جب حضرت جبرائیل علیہ السلام غارِ حرا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے) تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ (اس میں فرشتہ اور روح نازل ہوتے ہیں)۔ [7] اور ان تمام لمحات کے دوران جب حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کے مابین باہمی رابطہ رہا تو لازماً ایک ایسی بے مثال اور بے نظیر کیفیت کہ جس کا بیان الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا، سیل کی طرح ماحول پر چھا گیا ہوگا۔

اس متوقع ساعت کا اندازہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے متوقع فیصلہ کا اندازہ کرنا۔ اور حال ہی میں قرآن نے اپنے لیے اعلان کر دیا کہ وہ الفرقان [8] ہے، حق و باطل میں امتیاز کا ذریعہ۔ اس کا اطلاق ہر آسمانی صحیفہ پر لازم آتا ہے کیوں کہ اللہ کی جانب سے جو وحی نازل ہوتی ہے وہ اس فانی دنیا میں ایک دائمی شے کی موجودگی کا نام ہے۔ اس طرح کی موجودگی روزِ جزا و سزا کے تصور کو یقینی بنا دیتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ اگر ان پیش گوئیوں سے ہٹ کر جو رسول اللہ ﷺ نے کئی لوگوں کے لیے کی ہوں گی، اگر غور سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ جنت اور دوزخ کس کا مقدر ہوگا۔ نیکی اور بدی جن گہرائیوں میں چھپی ہوئی تھیں وہاں سے ابھر کر بالکل سطح پر آ گئیں۔ پیغمبر کی موجودگی ایک متوازی اثر پیدا کرنے کی پابند تھی۔ ان کی رشد و ہدایت کی پرکشش قوت نے ان لوگوں کی کج روی کا پورا ناپ تول کر لیا تھا جو مخالفت پر کمر بستہ تھے۔ جب کہ وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ کامل کے حلقۂ خاص میں چلے آئے۔

یہ بات تو فوری طور پر سمجھ میں آ گئی کہ اللہ کی نازل کی ہوئی وحی نیکوکاروں کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ عملِ خیر میں بلند سے بلند مرتبے کو پہنچ جائیں لیکن یہ امر اکثر مومنین کے لیے رنج اور حیرت کا باعث تھا کہ چند ایسے لوگ جن کو وہ مجسم برائی نہیں سمجھتے تھے وہ اپنی بدی میں اتنا کیوں آگے بڑھ گئے ہیں۔ قرآن انہیں بتاتا ہے

Marfat.com

کہ ایسی ہی توقع رکھنی چاہیے۔ کیونکہ آیاتِ قرآنی اسلام کے دشمنوں میں عناد کو اور زیادہ تیز کر دیتی ہیں۔ ''اور ہم نے تو اسی قرآن میں طرح طرح سے بیان کر دیا ہے۔ تا کہ لوگ کسی طرح سمجھ جائیں۔ لیکن اس سے تو ان کی نفرت اور بھی بڑھتی گئی۔ (۹) ''اور باوجودیکہ ان لوگوں کو طرح طرح سے تنبیہ کی گئی مگر ہماری تنبیہ ان کی سرکشی کو اور بڑھا دیتی ہے۔'' (۱۰)

جس طرح پہلے ابولہب کے سرکش مزاج اور فطرت سے کوئی واقف نہ تھا۔ اسی طرح اس کے مقابلے میں حج کے سردار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مثال لیں۔ کسے معلوم تھا کہ اُمیہ بن خلف جیسے دشمنِ اسلام کے دوست کو اس زندگی میں ہی جنت کی ضمانت دے دی جائے گی۔ اس بارے میں قرآن ایک نبی کے حوالے سے نہایت جلیل القدر مثال پیش کرتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے شکوہ کیا کہ ان کے پیغام کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے اور لوگوں کے درمیان مخالفت کی خلیج اور بڑھا دیتا ہے اور ان کی گمراہی کو بڑھا کر انہیں اور دور کر دیتا ہے۔'' جب لوگوں نے نہ مانا تو حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی میں اپنی قوم کو ایمان کی طرف بلاتا رہا لیکن وہ میرے بلانے سے اور زیادہ گریز ہی کرتے رہے اور میں نے جب ان کو بلایا کہ (یہ توبہ کریں اور) تُو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ اڑ گئے اور بہت شدت سے اکڑ بیٹھے۔ (۱۱)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۱۷:۹۵ ۲۔ قرآن ۲۵:۲۲۔۲۱ ۳۔ قرآن ۱۰۱:۵۔۴

۴۔ قرآن ۷۳:۱۷ ۵۔ ۷:۱۸۷ ۶۔ قرآن ۲۲:۴۷ ۷۔ قرآن ۹۷:۴۔۳

۸۔ یہ سورۃ کا عنوان ہے ۹۔ قرآن ۱۷:۴۱ ۱۰۔ قرآن ۱۷:۶۰ ۱۱۔ قرآن ۷۱:۷

Marfat.com

باب: ۲۶

تین سوالات

قریش کے ہر اجتماع میں اس مسئلہ پر جو ان کے نزدیک ایک بڑا گھمبیر مسئلہ تھا بحث و تمحیص ضرور ہوتی تھی۔ ایسی ہی ایک محفل میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ کسی کو یثرب بھیج کر یہودی رِبّیوں کی رائے معلوم کی جائے۔ قریش نے اپنے دو ایلچیوں کو ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ ''ان سے محمد (ﷺ) کے بارے میں پوچھنا، ان کو محمد (ﷺ) کے متعلق پوری تفصیل سے بتانا اور جو کچھ محمد (ﷺ) کہتے ہیں اس کے متعلق بھی ان سے گفتگو کرنا۔ کیوں کہ یہودی وہ لوگ ہیں جن پر پہلا آسمانی صحیفہ نازل ہوا تھا اور ان کو رسولوں کے متعلق جو علم ہے اس سے ہم لوگ واقف نہیں۔'' رِبّیوں نے جواب واپس بھیجا کہ ''ان سے تین باتوں کے متعلق سوال کرو۔ ان کے جواب کے بعد ہی ہم تمہیں بتائیں گے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ محمد (ﷺ) سے پوچھنا کہ پرانے زمانہ میں چند نوجوانوں نے اپنے لوگوں کو چھوڑ دیا تھا تو ان کے ساتھ کیا ہوا تھا، کیوں کہ ان کا قصہ بڑا حیرت ناک ہے۔ ان سے لمبے سفر کرنے والے کی خبر پوچھنا جو اس دُنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گیا۔ پہلے مغرب کی طرف اور پھر مشرق کی طرف اور پھر ان سے روح کے متعلق سوال کرنا کہ وہ کیا ہے؟ اگر وہ ان سوالوں کے جواب دے دیں تو ان کی پیروی کرنا کیوں کہ بلاشک وہ اللہ کے رسول ہیں۔

جب ایلچی جواب لے کر مکہ واپس آئے تو سردارانِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا اور ان سے ان تین سوالوں کے جواب مانگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کا جواب کل دوں گا لیکن اس بارے میں انہوں نے ''ان شاءاللہ'' کا کلمہ ادا نہ کیا۔ چنانچہ جب وہ لوگ جواب لینے آتے تو ان کو انہیں واپس کرنا پڑتا۔ حتیٰ کہ پندرہ راتیں گزر گئیں اور ان پر کسی وحی کا نزول نہ ہوا اور نہ ہی جبرائیل امین تشریف لائے۔ مکہ کے لوگوں نے ان پر طعنہ زنی شروع کر دی۔ ان کی زبان درازی سے رسول اللہ ﷺ کو پریشانی بھی تھی اور رنج بھی کہ جس مدد کی انہیں سخت ضرورت تھی وہ انہیں مل نہیں رہی تھی۔ تب جبرائیل امین وحی لے کر نازل ہوئے اور

Marfat.com

اس رنج اور افسوس پر جو لوگوں کی باتوں کے باعث ہوا تھا، ان کی تادیب کی اور ساتھ ساتھ تینوں سوالات کا جواب بھی انہیں بتا دیا۔ وہ طویل وقفۂ انتظار جو انہیں برداشت کرنا پڑا تھا۔ اس کی صفائی وحی کے ان الفاظ میں تھی: ''اور کسی کام کی نسبت نہ کہا کرو کہ میں کل کروں گا بغیر اس کے کہ اگر اللہ نے چاہا۔'' (1)

اگر چہ وحی کے اس نزول میں تاخیر سے رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیروکاروں کو بڑے اذیت ناک دور سے گزرنا پڑا تھا لیکن حقیقت میں اس سے ان کی قوت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمنوں نے تو اس سے کوئی مثبت نتیجہ نکالنے سے انکار ہی کیا لیکن بہت سے قریش، جن کا ذہن ابھی گومگو کی حالت میں تھا، ان کے لیے اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس دعویٰ کی پوری تصدیق اور توثیق تھی کہ ان پر نزولِ وحی آسمان سے ہوتی ہے اور اس وحی کے نازل ہونے میں نہ ان کا کوئی دخل ہے اور نہ ہی کوئی اختیار۔ کیا کوئی تصور میں لا سکتا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے اس سے پہلے جو وحی نازل ہوتی رہی تھیں انہیں خود ہی گھڑا تھا۔ اگر وہ ایسے ہی ہوتے تو پھر اس آخری وحی کو گھڑنے میں اتنی دیر کیوں لگاتے۔ خصوصاً اس امر کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ اس وحی کے نہ آنے سے کیا کچھ داؤ پر لگا ہوا تھا۔

مومنین نے ہمیشہ کی طرح اس وحی سے بھی تقویت پائی۔ جب قریش نے رسول اللہ ﷺ سے ان نوجوانوں کے قصہ کے متعلق پوچھا جو قدیم زمانے میں اپنے لوگوں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، یہ ایک ایسی کہانی تھی کہ جس کے بارے میں مکہ والوں نے کبھی کچھ نہ سنا تھا، قریش نے اس بات کا اندازہ نہ کیا کہ موجودہ صورتِ حال اس زمانہ کی کس قدر عکاسی کرتی ہے جس سے خود ان کی برائی اجاگر ہوتی ہے اور ایمان لانے والوں کو تقویت پہنچتی ہے۔ اس قصہ کو اکثر لوگ ''ایفیسس کے خوابیدہ'' کا نام دیتے ہیں۔ یہ Ephesus ہی وہ مقام تھا جہاں تیسری صدی عیسوی کے وسط میں چند نوجوان خدائے واحد کی عبادت پر پوری عقیدت کے ساتھ قائم رہے تھے، جبکہ ان کی ملت کے لوگ بت پرستی کی لعنت میں پڑ گئے تھے۔ انہوں نے ان نوجوانوں کو بت پرستی کی پیروی نہ کرنے پر ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ اس ظلم و جور سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان نوجوانوں نے ایک غار میں پناہ لے لی تھی جہاں انہیں معجزانہ طور پر تین سو سال تک سُلا دیا گیا تھا۔

جو کچھ بھی یہودیوں کو اس بارے میں علم تھا۔ قرآن (2) میں اس واقعے کی ایسی تفصیلات بتائی گئیں کہ جن کی گواہ کوئی انسانی آنکھ نہ تھی۔ مثلاً یہ کہ سونے والے اپنی اس نیند کی کیفیت میں کیسے لگ رہے تھے اور یہ کہ ان کا وفادار کتا کس طرح اپنے اگلے پنجوں کو پھیلائے غار کے منہ پر دراز تھا۔

دوسرے سوال کا جواب تھا کہ وہ عظیم مسافر ذوالقرنین تھا۔ وحی میں بیان کیا گیا کہ سفر مغرب بعید اور

Marfat.com

مشرق بعید کی سمت تھا اور پھر جو جواب دیا گیا وہ سوال کی حدود سے بھی آگے بڑھ کر مزید بیان کرتا ہے کہ ذوالقرنین نے ایک اور تیسرا پراسرار سفر ایسے مقام کا کیا جو دو پہاڑوں کے درمیان تک تھا۔ وہاں کے بسنے والے لوگوں نے ان سے التجا کی کہ ایک بند باندھ دیں تاکہ ان کو یاجوج ماجوج اور دیگر لشکروں کی یلغار سے تحفظ مل جائے۔ یاجوج ماجوج آئے دن ان کی زمینوں کو تہس نہس کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو قوت عطا فرمائی اور انہوں نے عفریتوں کو ایک محدود علاقہ میں مقید کر دیا۔ جہاں سے وہ اللہ کے مقرر کردہ مخصوص دن سے پہلے نکل کر نہیں آسکیں گے۔" تیسرے سوال کے جواب میں وحی نے اس بات کی تصدیق کی کہ روح انسان کی دماغی قوت سے ماورا ہے جس کی بنیاد تجربے اور تصور پر ہوتی ہے۔ روح کی رفعتوں تک دماغی صلاحیتیں نہیں پہنچ سکتیں۔ ''تم سے وہ رُوح کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ کہو روح ایک ''امرِ ربی ہے۔'' اور تم کو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے (اس کی حقیقت تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی)۔ ④

یہودیوں کو یہ معلوم کرنے کا بڑا اشتیاق تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوالات کے کیا جوابات دیئے ہیں۔ انہوں نے آخری جملہ کے متعلق جو ''علم'' کے بارے میں تھا، موقع ملتے ہی پوچھا کہ آیا یہ یہودیوں کے بارے میں ہے یا قریش کے بارے میں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہ دونوں کے لیے ہے۔'' یہ سن کر انہوں نے احتجاجاً کہا کہ انہیں ہر شے کا علم دیا گیا تھا۔ کیونکہ ''توریت جس میں ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی گئی تھی۔'' اور اس کی توثیق تو خود قرآن نے بھی کی ہے۔ ⑤ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا ''وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ان کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے باوجود جو کچھ علم تمہارے پاس ہے وہ تمہارے لیے کافی ہے، بشرطیکہ اس پر عمل کرو۔'' ⑥ یہی موقع تھا کہ اللہ کے کلام کے متعلق وحی نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ ''اور جتنے درخت زمین پر ہیں سب کے سب قلم بن جائیں اور سات سمندر روشنائی بن جائیں یا اس سے بھی زیادہ۔ تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔'' ⑦

سردارانِ قریش نے خود کو رِبیوں کی رائے کا پابند نہیں کیا تھا اور نہ ہی یہودی ایمان لائے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان کے علم سے بھی ماورا باتیں بتائی تھیں لیکن ان جوابات نے کئی دوسروں کو تبدیلئ مذہب پر مائل کیا اور رسول اللہ ﷺ کے پیروؤں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ مخالفین کو اپنے طرزِ زندگی کو درپیش خطرے کے احساس کے پیشِ نظر ان نومسلموں پر جبر وتشدد بڑھانے پر مائل کیا جن پر وہ آزادی سے ظلم ڈھا سکتے تھے۔ ہر قبیلے نے اپنے کمزوروں کو تختۂ مشق بنایا۔ انہیں مارا پیٹا جاتا، محبوس کر کے بھوکا پیاسا رکھا جاتا اور گرمی کی حدت اپنے عروج پر ہوتی تو تپتی زمین پر لٹا کر اسلام سے قطع تعلق پر مجبور کیا جاتا۔

Marfat.com

خاندانِ جماح کے سردار کے پاس ''بلال'' نامی افریقی غلام تھے جو اپنے ایمان پر بہت راسخ تھے۔ امیہ انہیں ایک کھلے میدان میں عین اس وقت لے جاتا جب سورج نصف النہار پر ہوتا اور زمین پر لٹا کر ان کے سینہ پر ایک بڑا پتھر رکھ دیتا جس سے وہ ہل جل بھی نہ سکتے تھے۔ امیہ قسم کھا کھا کر کہتا کہ اگر دینِ محمدی ﷺ سے قطع تعلق نہ کیا اور لات اور عزیٰ کی پرستش نہ کی تو اسی کیفیت میں پڑے پڑے مرنا ہوگا۔ نیچے جلتی زمین اور سینہ پر پتھر، اس اذیت میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبر و رضا کا پتلا بنے ہوئے ''احد، احد'' کہتے۔ ایک بار اسی دوران وہاں سے معمر اور ضعیف ورقہ کا گزر ہوا اور انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس اذیت میں ''احد، احد'' کا ورد کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا ''اے بلال! حقیقت میں وہ ''احد'' ہی ہے۔ پھر امیہ کی طرف پلٹے اور بولے۔ ''میں پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو نے اس کی اس طرح جان لی تو میں اس کی قبر کو زیارت گاہ بنا دوں گا۔''

قریش کے ہر قبیلے کا آدمی اپنے قبیلے کے محلے میں ہی مقیم نہیں ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر بنی جمح کے محلہ میں لیا ہوا تھا۔ اس طرح انہیں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ یہ بات بھی کہی جاتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے پیغام کا ایک حصہ آپ کے چہرے سے عیاں ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بشرہ بھی ایک کتاب ہی کی طرح تھا۔ مکہ کے اس محلہ میں ان کے قیام کو پہلے تو خاندانِ جمح نے اپنے لیے خوش بختی جانا مگر اب وہی خوش بختی ایک مسئلہ بن چکی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے داخلِ اسلام ہونے کا ذریعہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کس اذیت سے گزر رہے ہیں تو انہوں نے امیہ سے کہا ''کیا تجھے اللہ کا خوف نہیں ہے کہ تو اس غریب کے ساتھ ایسا سلوک کر رہا ہے؟'' امیہ نے پلٹ کر جواب دیا ''یہ تُو ہی تو ہے جس نے اسے خراب کیا ہے اور اب تُو ہی اسے بچانا چاہے تو بچا سکتا ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ضرور بالضرور۔ میرے پاس ایک حبشی نوجوان ہے جو اس سے کہیں زیادہ سخت کوش اور محنتی ہے اور وہ تیرے ہی مذہب کا ہے، میں اسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے میں دیتا ہوں'' امیہ راضی ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ سے لے کر آزاد کر دیا۔ اس سے قبل بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چھ غلاموں کو آزادی دلائی تھی۔ ان میں پہلے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے جو بڑی روحانی قوت کے حامل تھے اور اوّلیں ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ وہ گلہ بان تھے اور آزاد ہونے کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گلے کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک کنیز کو آزاد کرایا تھا جو عمر کی ملکیت میں تھی۔ وہ مسلمان ہو گئی تھی اور عمر اس کو مار پیٹ کر اسلام سے منحرف کرنا چاہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے عمر سے پوچھا کہ کیا تم اسے میرے ہاتھ فروخت کرو گے؟ عمر راضی ہو گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

Marfat.com

ظلم وستم ڈھانے والوں میں سب سے سفاک ابوجہل تھا۔اگر کسی نومسلم کی پشت پناہی کے لیے کوئی مضبوط گھرانہ ہوتا تو ابوجہل اس نومسلم کی صرف زبانی کلامی ہی بے عزتی پر اکتفا کرتا اور عہد کرتا کہ وہ اس کی شہرت کو گزند لگا کر اسے دنیا کے لیے تماشہ بنا دے گا۔اگر کوئی سوداگر ہوتا تو اسے دھمکی دیتا کہ وہ منظم طور پر اس کے خلاف مہم چلا کر اس کا کاروبار برباد کر دے گا۔اگر کوئی خاندانی یا قبائلی تحفظ سے محروم شخص مل جاتا تو پھر اس کی سفاکی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔اس کے طاقتور ساتھیوں کا جال بھی تمام خاندانوں میں پھیلا ہوا تھا، جنہیں ترغیب دے کر وہ ان خاندانوں کے کمزور اور تحفظ سے محروم نومسلموں کو ظلم و جبر کا نشانہ بنواتا۔

یہ ابوجہل ہی تھا کہ جس نے اپنے خاندان کے تین نسبتاً مفلس نفوس، یاسر، سمیہ اور ان کے بیٹے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو نشانہ بنایا ہوا تھا۔سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا ظلم وستم کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئیں۔لیکن مخزومیوں اور دیگر خاندانوں کے بعض ستم رسیدگان ان مظالم اور استبداد کی تاب نہ لا سکے اور اس حال کو پہنچ گئے کہ جب ان سے کہا جاتا ''کیا اللہ کی طرح لات اور عزیٰ تمہارے معبود نہیں ہیں؟'' وہ جواباً ''ہاں'' کہہ دیتے۔کوئی بھنورا پھرتا ہوا ان کے قریب سے گزرتا تو پوچھا جاتا کیا اللہ کی طرح یہ کالا کیڑا تمہارا خدا نہیں ہے؟ تو یہ مظلوم اذیت سے بے تاب ہو کر جواب میں ''ہاں'' کہہ دیتے۔لیکن یہ اقرار بس ان کے لبوں تک ہی ہوتا اور بہ ظاہر ظالموں کے آگے سر جھکانے کے باوجود تنہائی میں وہ اپنے اللہ کے حضور سربسجود ہوتے لیکن ایسے اہلِ ایمان بھی تھے جنہیں تنہائی بھی میسر نہ تھی۔ایسے ہی مومنین کے لیے حالیہ وحی میں چند نوجوانوں کا قصہ ایک مثال کے طور پر سامنے آیا۔یہ قصہ ان نوجوانوں کا تھا جنہوں نے بتوں کی پرستش سے انکار کرتے ہوئے اپنے لوگوں کو چھوڑ کر اللہ کے دامن میں پناہ لی تھی۔جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ اگرچہ آپ کی ذات تو جسمانی ظلم وستم سے مامون ہے لیکن ان کے پیروکاروں پر ظلم ہو رہا ہے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ''ہجرت کر کے حبش چلے جاؤ وہاں تم ایک بادشاہ کو پاؤ گے جس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔وہ سرزمین دین کے معاملہ میں بڑی مخلص ہے۔تب تک وہیں قیام کرو جب تک اللہ تمہارے واسطے ان مظالم سے نکلنے کا راستہ نہ نکال دے۔''[8] اس طرح آپ ﷺ کے کچھ اصحاب ملکِ حبش کو روانہ ہو گئے۔یہ ہجرت اسلام کی اولین ہجرت تھی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۱۸: ۴۔۲۳ ۲۔قرآن ۹: ۲۵ ۳۔قرآن ۱۸: ۹۳۔۹۴ ۴۔قرآن ۱۷: ۸۵

۵۔قرآن ۶: ۱۵۴ ۶۔ابن اسحٰق: ۱۹۸ ۷۔قرآن ۳۱: ۲۷ ۸۔ابن اسحٰق: ۲۰۸

Marfat.com

باب: ۲۷

مُلک حبش

ملکِ حبش میں ہجرت کرنے والوں کی پذیرائی ہوئی۔ انہیں اپنی عبادات بجالانے کی پوری طرح سے آزادی دی گئی۔ بچوں کو نکال کر ان مہاجرین کی تعداد تقریباً ۸۰ تھی لیکن ان لوگوں نے ایک ہی وقت میں سفر نہیں کیا تھا۔ یہ ہجرت بڑی رازداری اور منصوبہ بندی کے بعد چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں کی گئی تھی۔ اگر ان مہاجرین کے گھرانوں کو خبر ہو جاتی تو رکاوٹ کا پیدا ہونا عین ممکن تھا۔ یہ نقل مکانی قطعاً غیر متوقع تھی۔ جب تک یہ سب مسلمان اپنی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ گئے کسی کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ کیا ہو گیا ہے۔ البتہ قریش اس ہجرت کے نتائج سے غافل نہ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر ان لوگوں کو قریش کے تسلط سے باہر حبش میں جم جانے کی مہلت دے دی گئی تو ایک ایسی ملت کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا جس کی تعداد دس گنا بڑھ سکتی تھی۔ قریش نے بڑی سرعت سے ایک منصوبہ بنایا۔ ملکِ حبش کے ذوق کے مطابق نذرانے اور تحائف اکٹھے کیے گئے۔ حبش کے لوگ چمڑے کا سامان پسند کرتے تھے۔ بہت ہی نفیس قسم کے چمڑے کی اتنی کھالوں کا اہتمام کیا گیا جو نجاشی، شاہِ حبش کے تمام جرنیلوں کو خوش کر سکیں۔ خود نجاشی کے لیے بڑے قیمتی نذرانوں کا انتخاب کیا گیا۔ اس سازوسامان سے لیس ہونے کے بعد جن دو آدمیوں کا انتخاب کیا گیا ان میں سے ایک خاندانِ شمس کا عمرو بن العاص تھا۔ قریش نے انہیں خوب سمجھا کر ملکِ حبش کو روانہ کیا۔ اس وفد کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ہر ایک جرنیل سے علیحدہ ملاقات کر کے انہیں تحفہ پیش کرتے ہوئے یہ درخواست کرے کہ ''ہمارے قبیلے کے چند بے وقوف جوان مرد عورتوں نے آپ کی سلطنت میں پناہ لی ہے۔ ان لوگوں نے اپنا مذہب ترک کر دیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ آپ کا مذہب اپنائیں انہوں نے ایک علیحدہ دین ایجاد کیا ہے۔ جس کا علم نہ یمن والوں کو ہے اور نہ ہی آپ کو۔ ان کے سرداروں نے ہمیں آپ کے بادشاہ کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ یہ لوگ جو آپ کے ملک میں

Marfat.com

بھاگ آئے ہیں انہیں واپس کر دیا جائے۔ جب ہم بادشاہ سے یہ درخواست کریں تو براہِ مہربانی بادشاہ کو اپنی صائب رائے سے مشورہ دیں کہ وہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دے۔ ان مفروروں سے کوئی گفتگو نہ کی جائے۔ ان کے قبیلہ والے ہی بہتر جانتے ہیں کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے۔'' سب جرنیلوں نے اس وفد سے اتفاق کیا۔ اس بارے میں اپنا اطمینان کرنے کے بعد یہ وفد نجاشی کے حضور پہنچے اور مہاجرین کی واپسی کی درخواست کی۔ جو کچھ جرنیلوں سے کہا گیا تھا اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا کہ ''ان کے قبیلہ کے معززین جن میں ان لوگوں کے باپ، چچا اور دیگر اقربا بھی ہیں، آپ سے ملتجی ہیں کہ انہیں واپس کر دیا جائے۔''

نجاشی کے درباریوں نے ایک آواز ہو کر نجاشی پر زور دیا کہ سائلین کی درخواست مان لی جائے اور ان لوگوں کو واپس کر دیا جائے۔ ان کے اقربا ہی ایسے معاملات میں بہتر طور پر فیصلہ کرنے کے اہل ہیں لیکن نجاشی نے ناگواری سے کہا ''نہیں! ہرگز نہیں! ہم ان کے ساتھ دھوکہ نہیں کریں گے۔ ایسے لوگ جنہوں نے میری پناہ مانگی۔ میرے ملک کو اپنی رہائش گاہ بنایا اور دوسروں کے مقابلے میں میری ذات کو ترجیح دی۔ ان کو ان کے حوالے کر دوں۔ میں کبھی ایسا نہیں کروں گا جب تک کہ انہیں بلا کر پوری طرح پوچھ گچھ کے بعد صداقت کھل کر سامنے نہ آ جائے۔ اگر اِن لوگوں کی بات ٹھیک نکلی تو میں ان کی بات مان لوں گا۔ دوسری صورت میں ان کی تب تک حفاظت کروں گا جب تک یہ حفاظت کے طلبگار رہیں۔

پھر نجاشی نے اصحابِ رسول ﷺ کو دربار میں بلا بھیجا اور اپنے مذہبی پیشواؤں کو بھی جمع کیا۔ یہ پیشوا اپنے ہمراہ مقدس کتابیں لائے اور انہیں کھول کر بادشاہ کے تخت کے گرد رکھ دیا۔ عمرو بن العاص اور ان کے ساتھی کی تمنا تھی کہ کسی طرح سے نجاشی اور مہاجرین کے مابین کوئی بات چیت نہ ہو سکے۔ انہیں معلوم تھا کہ اہلِ حبش تجارتی اور سیاسی مصلحتوں کے تحت انہیں برداشت تو کر لیتے ہیں لیکن ان کی بت پرستی اور کفر کی وجہ سے انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حبش کے لوگ مسیحی تھے اور اکثر اپنے عقیدے کے ساتھ مخلص تھے۔ ان کا بپتسمہ ہو چکا تھا اور وہ خدائے واحد کے عبادت گزار تھے۔ عشائے ربانی سے ان کا گوشت پوست رچا ہوا تھا۔ پس اللہ سے راز و نیاز میں انہماک نے انہیں تقدس اور لادینیت میں فرق کے بارے میں کافی حساس کر دیا تھا۔ یہ لوگ عمرو بن العاص کی لادینیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اسی لیے جب مہاجرین دربار میں لائے گئے تو ایمان والوں کے پاکیزہ اور سنجیدہ چہروں کا اثر سب پر لیکن سب سے زیادہ اثر نجاشی پر ہوا۔ پیشوانِ مذہب اور دیگر اہلِ دربار نے جوں ہی مہاجرین پر نظر ڈالی تو فوراً پہچان گئے کہ یہ وہ مرد اور عورتیں ہیں جن سے ان کا وحدت کا رشتہ قائم ہے نسبتاً ان قریش سے جن سے ان کا سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ سب اہلِ دربار فرطِ حیرت سے دبی زبان میں ان کی

Marfat.com

مدح سرائی کرنے لگے۔ ان مہاجرین میں اکثریت جوانوں کی تھی اور ان کے حسنِ اخلاق اور وضع قطع نے ان کے فطری حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

ان سب کے لیے نقلِ وطن کرنا لازم نہیں تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے تو انہیں اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش ترک کر دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہجرت کی اجازت دی اور اپنے ساتھ رقیہ رضی اللہ عنہا کو بھی لے جانے دیا۔ اس جوڑے کی وجہ سے مہاجرین کے گروہ کو جو ہمت و حوصلہ عطا ہوا تھا اس کی اہمیت اپنی جگہ تھی۔ ایک اور جوڑا حضرت جعفر اور اسماء رضی اللہ عنہما کا تھا۔ یہ دونوں بھی بڑے حسین و جمیل تھے۔ اگرچہ ابوطالب کے ہوتے ہوئے انہیں کوئی خطرہ نہ تھا اور یہ دونوں ان کی حفاظت میں تھے لیکن مہاجرین کو ایک ترجمان کی ضرورت تھی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ایک شیریں بیان مقرر تھے۔ اپنی شخصیت کے اعتبار سے بھی وہ دل جیتنے والے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ''شکل وصورت میں بھی اور کردار میں بھی تم مجھ جیسے ہو۔'' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو انہوں نے مہاجرین کی سربراہی کے لیے منتخب کیا تھا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی ان صفات یعنی جاذب نظر شخصیت اور ذہانت کی تائید قبیلہ عبدالدار کے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ایک ایسے نوجوان تھے جن کو رسول اللہ ﷺ نے بعد میں کسی موقع پر ایک انتہائی اہم مشن پر ان کی ذاتی قابلیت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بھیجا تھا۔ اسی طرح قابلِ ذکر نام ایک مخزومی نوجوان حضرت شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کی والدہ عتبہ کی بہن تھیں۔ شماس کے معنی ہیں عیسائی پادری۔ یہ نام انہیں یوں دیا گیا تھا کہ ایک دفعہ مکہ میں کوئی عیسائی پیشوا وارد ہوا۔ یہ شخص غیر معمولی طور اتنا خوبصورت تھا کہ تمام دیکھنے والوں کی مدح کا مرکز بن گیا۔ یہ دیکھ کر عتبہ نے کہا میں تم کو ایک ایسا شماس دکھاتا ہوں جو اس پادری سے زیادہ خوب رو ہو گا۔ عتبہ یہ کہہ کر اپنی بہن کے بیٹے کو لے آیا۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھا اور ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے دوسرے پھوپھی زاد اور چچا زاد بھائی بھی تھے۔ طلیب، اروٰی کے بیٹے، امیہ کے دو بیٹے، عبداللہ بن جحش اور عبیداللہ رضی اللہ عنہم۔ ان کے ساتھ حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی اموی زوجہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا اور برّہ کے دو فرزند حضرت ابوسلمہ اور حضرت ابوصبرہ رضی اللہ عنہما، دونوں معہ اپنی ازواج اس گروہِ مہاجرین میں شامل تھے۔ اس ہجرتِ اولیٰ کی تفصیل کی بیشتر روداد زیادہ تر حسین اور خوبصورت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی ملی۔

جب سارے مہاجرین دربار میں اکٹھے ہو گئے تو نجاشی نے ان سے پوچھا کہ ''یہ کون سا مذہب ہے جس کی وجہ سے تم اپنے لوگوں سے کٹ گئے ہو؟ نہ تم نے میرا مذہب اختیار کیا ہے اور نہ گرد و پیش کے کسی مذہب کو؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو جواب دیتے ہوئے کہا ''اے بادشاہ ہم لوگ ایسے تھے کہ جہالت کی دلدل

Marfat.com

میں پھنسے ہوئے تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ بغیر ذبح کیے ہوئے مردار کا گوشت کھاتے تھے۔ ہمارے اعمال نفرتوں اور کراہتوں سے آلودہ تھے۔ ہم میں جو قوی اور مالدار تھے وہ نحیف، کمزور اور غریبوں کے حقوق غصب کرتے تھے۔ جب ہماری حالت اس پستی کو پہنچ گئی تو اللہ نے ہم میں سے ہی ایک پیغمبر کو منتخب کر کے ہماری طرف بھیجا۔ ایسا فرد جس کا نسب ہم سب کو معلوم تھا۔ جس کی راست بازی، ایمانداری، صداقت اور امانت پر ہم کو یقین تھا۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور کہا کہ ہم اللہ کی وحدانیت کی شہادت دے کر اس واحد اللہ ہی کی پرستش کریں اور اپنے آبا و اجداد کا صنم پرستی کا رویہ اور طریقہ چھوڑ دیں۔ ہمیں حکم دیا کہ سچ بولیں اور جھوٹ ترک کر دیں۔ جو عہد و پیمان باندھیں ان پر پابند رہیں۔ وعدہ کو ایفا کریں۔ اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کریں تا کہ رشتہ داری کے بندھن قائم رہیں۔ اپنے ہمسایوں کے حقوق کا احترام کریں۔ جرائم و خونریزی سے گریز کریں۔ پس اب ہم سوائے اللہ واحد کے کسی اور کی پرستش نہیں کرتے۔ اس کی ذات کے علاوہ سب کو رَد کرتے ہیں۔ جس شے کو اس نے حرام قرار دیا اس سے گریز کرتے ہیں اور جس شے کی اس نے اجازت دی ہے اسے جائز رکھتے ہیں۔ یہ ہیں وہ وجوہات ہیں جن کے باعث ہمارے لوگ ہمارے خلاف ہو گئے ہیں اور ہم پر ظلم و ستم کرتے ہیں تا کہ ہم کو اللہ کی پرستش سے ہٹا کر بتوں کی طرف لوٹا دیں۔ یہ سبب ہے کہ ہم تیرے ملک میں ہجرت کر کے آئے ہیں۔ اور تجھے دوسروں پر ترجیح دے کر چنا ہے۔ ہم تیرے تحفظ میں شادمان ہیں اور ہمیں امید ہے کہ ہم پر یہاں کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

دربارِ شاہی کے ترجمان نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر کا ترجمہ نجاشی کو سنا دیا۔ تب نجاشی نے دریافت کیا کہ کیا ان کے پاس اس وحی کا کوئی حصہ ہے جو ان کے رسول پر اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب اثبات میں دیا تو نجاشی نے کہا کہ اسے پڑھ کر سنایا جائے۔ اس پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کا وہ رکوع جو ان کی روانگی سے قبل نازل ہوا تھا، پڑھ کر سنایا۔

"اور اس کتاب میں مریم علیہا السلام کا تذکرہ کرو۔ جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی۔ اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح (فرشتے) کو بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی صورت میں نمودار ہوا۔ مریم علیہا السلام یکا یک بول اٹھی کہ اگر تو خدا ترس ہے تو میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس نے کہا میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک انتہائی پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم علیہا السلام نے کہا میرے یہاں لڑکا کیسے ہو گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔ فرشتے نے کہا "ایسا ہی ہو گا۔ تیرا رب فرماتا ہے کہ

Marfat.com

ایسا کرنا میرے لیے آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اس لڑکے کو ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت، اور یہ کام ہو کر رہنا ہے۔'' (1)

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سورۃ مریم کی تلاوت کر رہے تھے تو نجاشی اور دیگر حاضرین اشک بار ہو گئے۔ جب ان آیات کا ترجمہ سنا گیا تو وہ پھر رو دیئے۔ نجاشی نے کہا ''حق یہ ہے کہ اس کلام کا سرچشمہ بھی وہی ہے جو اس کلام کا تھا جو مسیح علیہ السلام پر نازل ہوا۔'' پھر وہ قریش کے دو قاصدوں کے طرف متوجہ ہوا اور کہا ''تم واپس جا سکتے ہو۔ بخدا میں ان لوگوں کو تمہارے سپرد نہیں کروں گا اور نہ ان کے ساتھ بے وفائی کروں گا۔''

جب یہ لوگ بادشاہ کے دربار سے واپس آئے تو عمرو نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ''کل میں نجاشی کو ایسی بات بتاؤں گا کہ وہ ان کے سرسبز باغ کی بہار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی۔ میں اس سے کہوں گا کہ ان ہجرت کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اللہ کا بندہ (غلام) ہے۔'' دوسرے روز صبح ہوتے ہی وہ نجاشی کے دربار میں پہنچ گیا اور کہا ''اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے متعلق ایک زبردست افترا کرتے ہیں۔ ان کو بلا کر پوچھیے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' نجاشی نے انہیں بلا بھیجا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس بلاوے پر مہاجرین کو بڑی تشویش ہوئی۔ اس سے پہلے ان سے اس بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس سوال کا کیا جواب دیا جائے۔ اگرچہ سب کو معلوم تھا کہ ان کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ جو کچھ قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے وہ ان کے سامنے بیان کر دیں۔ جب یہ لوگ نجاشی کے دربار میں آئے اور ان سے سوال کیا گیا کہ وہ ''عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے رسول ﷺ پر ان کے بارے میں نازل ہوا ہے کہ وہ اللہ کے بندے (غلام) ہیں، اللہ کے رسول ہیں روح اللہ ہیں۔ اس کا کلام ہیں جو اس نے خوش نصیب باکرہ مریم پر القا کیا۔'' نجاشی نے ایک تنکہ ہاتھ میں لیا اور کہا ''تم نے جو کچھ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے بارے میں کہا ہے وہ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔'' جب اس کے چاروں جانب بیٹھے ہوئے درباریوں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تو نجاشی نے کہا ''تم لاکھ اعتراض کرو'' اور پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی جانب مخاطب ہو کر بولا ''اپنی راہ (دین) کے پابند رہو۔ تم لوگ مملکت میں امان سے ہو۔ کوئی مجھے سونے کا پہاڑ بھی لا کر دے دے تب بھی تم میں سے کسی کو گزند نہیں پہنچنے دوں گا۔'' پھر نجاشی نے قریش کے ایلچیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا ''ان دونوں کو وہ نذرانے اور تحائف واپس کر دیئے جائیں جو یہ لائے تھے۔ میرے لیے وہ کسی کام کے نہیں۔'' عمرو اور اس کا ساتھی ذلت کے ساتھ

Marfat.com

مکہ واپس لوٹ آئے۔

نجاشی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کی خبر عام ہونے پر اس کے لوگوں میں خاصی تشویش اور مخالفت پیدا ہوگئی۔ اس سے جواب طلبی کی گئی اور نجاشی کے خلاف الزام لگایا گیا کہ اس نے اپنے مذہب سے روگردانی کی ہے۔ ان باتوں سے متاثر ہو کر نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو طلب کیا ان کے لیے کشتیاں تیار کرائیں اور ان سے کہا کہ کشتیوں میں سوار ہو جاؤ اور تیار رہنا کہ اگر ضروری ہوا تو بادبان کھول کر روانہ ہو جانا۔ اس کے بعد نجاشی نے جھلی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس پر تحریر کیا ''شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے عبد ہیں اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) اس کے عبد ہیں اور رسول ہیں اور اس کی روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم پر القا کیا۔''[۲] پھر نجاشی یہ تحریر اپنی عبا کے اندر رکھ کر اپنے لوگوں سے ملاقات کے لیے گیا جو اس سے ملنے کے لیے جمع تھے۔ اس نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''قومِ حبش! کیا مجھے تمہارے بادشاہ ہونے کا سب سے زیادہ استحقاق نہیں ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ضرور ہے۔ ''تو پھر تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا ''تمہاری زندگی ہمارے درمیان بہترین رہی ہے۔'' نجاشی نے پوچھا کہ ''اب وہ کیا بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے؟'' انہوں نے جواب دیا ''تم نے ہمارا دین ترک کر دیا ہے اور تم نے یہ کہا ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے بندے (غلام) ہیں۔'' نجاشی نے پوچھا ''اور تم عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا ''ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔'' تب نجاشی نے سینہ پر ہاتھ اس مقام پر رکھا جہاں تحریر شدہ پارچہ رکھا ہوا تھا اور کہا ''میں اس پر گواہ ہوں۔'' نجاشی کے جواب پر لوگ یہ اطمینان کر کے رخصت ہو گئے کہ وہ ان کی بات پر گواہی دے رہا ہے۔ نجاشی کی رعایا اس کی حکمرانی کے تحت خوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لیے ان کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ وہ ان کے دین سے برگشتہ نہیں ہوا۔ نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ کشتیوں سے اتر آئیں اور اپنی رہائش گاہوں پر جا کر اطمینان سے رہیں۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۱۹: ۱۶۔۲۱ ابن سعد: ۱/ ۴، ۲۴

Marfat.com

باب: ۲۸

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

جب قریش کے دونوں ایلچی حبش سے دھتکارے جانے اور نجاشی کے مسلمانوں کو عزت و احترام کے ساتھ وہاں رہنے کی اجازت کی خبر کے ساتھ واپس آئے تو قریشِ مکہ اس توہین پر مایوسی کے ساتھ ساتھ تلملا اٹھے۔ اس خبر کے ملتے ہی انہوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم اور اذیتوں کا پہاڑ توڑ دیا۔ اس کام میں ابوجہل سب سے آگے تھا۔ ابوجہل کا بھانجا عمر جو طبیعت کا تند خو اور تشدد پسند تھا اس کی ہدایات کی بجا آوری میں کوئی بھی حد پار کر جانے والا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کو ظلم ڈھانے کی کھلی چھٹی مل گئی ہو۔ اس وقت عمر تقریباً ۲۶ سال کا تھا۔ وہ ایک سرپھرا قسم کا نوجوان تھا جو آسانی سے دبنے والا نہیں تھا۔ پختہ عزم ایسا کہ جس کام کی نیت کر لے اس سے باز رکھنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔ لیکن اپنے ماموں کے برعکس وہ ایک نیک جذبہ رکھنے والا نوجوان تھا اور یہ نیکی کا جذبہ ہی عمر کو نئے مذہب کی مخالفت میں متحرک کیے ہوئے تھا۔ اس کے باپ خطاب نے اسے تربیت دی تھی کہ خانہ کعبہ کا احترام کرے اور ہر اس شے کو مقدس سمجھے جو جزوی طور پر بھی خانہ کعبہ سے متعلق تھی، خواہ وہ دیوی اور دیوتاؤں کے بت ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے نزدیک ہر شے ایک متبرک ومقدس وحدت میں پروئی ہوئی تھی۔ ایسی مقدس وحدت جس کے خلاف کسی قسم کی دخل اندازی تو درکنار، اس بارے میں سوچنا اور اعتراض کرنا بھی ناممکن تھا۔ خانہ کعبہ کی طرح قریش بھی ایک وحدت تھے لیکن اب مکہ ایسا شہر بن چکا تھا جس کے رہنے والے دو مذاہب اور دو قوموں میں بٹ چکے تھے۔ عمر کے ذہن میں اس بات نے گھر کر لیا کہ اس انتشار اور فساد کی وجہ بس ایک ہی ہے۔ جو بھی اس کا باعث ہے اس کو ختم کر دو تو سارا مسئلہ طے ہو جائے گا۔ اس خرابی کی جڑ کو کاٹنا ضروری تھا۔ عمر کی سوچ اس ڈگر پر چل رہی تھی کہ حبش سے ناکام و نامراد ایلچیوں کی واپسی نے عمر کے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی فوری وجہ مہیا کر دی۔

Marfat.com

غم و غصے کی شدت نے انہیں کچھ کرنے پر اکسایا اور وہ ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر گھر سے نکل پڑے۔

جوں ہی وہ گھر سے نکلے تو ان کا سامنا حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ وہ عمر کے خاندان کے فرد تھے اور مسلمان ہو چکے تھے لیکن عمر اور دوسرے لوگوں کے خوف سے انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ جب حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عمر کے چہرے پر غضب کے آثار دیکھے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے اور کہاں جانے کا قصد ہے۔ عمر بولے ''میں محمد (ﷺ) کے پاس جا رہا ہوں، وہ شخص جس نے ہماری قوم میں پھوٹ ڈالی، اس کا کام تمام کرنے جا رہا ہوں۔'' نعیم نے عمر کو روکنے کی کوشش کی اور اسے جتایا کہ ''ایسی صورت میں تم یقیناً اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔'' لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ عمر کسی صائب مشورہ کو سننے کو تیار ہی نہیں تو انہوں نے ایک دوسرا طریقہ سوچا۔ ایسا طریقہ جس سے عمر کو رسولِ پاک ﷺ کی طرف جانے میں کچھ دیر ہو جائے اور اتنا وقت مل جائے کہ اُنہیں عمر کے ارادوں سے آگاہ کیا جا سکے۔ ایسا کرنے میں ایک خطرہ ضرور درپیش تھا کہ ان کے ہم مذہب کا راز فاش ہو جائے گا جو حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے لیکن حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ جب ساری بات کا انہیں پتا چلے گا تو وہ نہ صرف انہیں معاف کر دیں گے بلکہ داد و تحسین سے بھی نوازیں گے۔ حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عمر سے کہا ''اے عمر، تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ پہلے اپنے گھر کے لوگوں کے پاس جا کر انہیں صحیح راستے پر لگاؤ۔'' عمر نے کہا ''میرے گھرانے کے کون سے آدمی؟'' نعیم نے کہا ''تمہارا بہنوئی اور تمہاری بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا! یہ دونوں محمد (ﷺ) کے دین کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر تم انہیں اس کام سے نہیں روکو گے تو پھر اور کون روکے گا۔'' بغیر کسی چون و چرا کے عمر پلٹے اور سیدھے اپنی بہن کے گھر کی طرف چل پڑے۔

اب قصہ یہ تھا کہ قبیلہ زہرہ کے ایک غریب حلیف خباب، سعید اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کے پاس اکثر انہیں قرآن سنانے آیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی وہ ان کے پاس آئے ہوئے تھے ان کے پاس چند صفحات پر سورۃ طٰہٰ (1) تحریر تھی۔ یہ سورۃ حال ہی میں نازل ہوئی تھی اور یہ سب مل جل کر اسے پڑھ رہے تھے کہ انہوں نے عمر کی آواز سنی جو باہر سے غصے میں اپنی بہن کا نام لے کر پکارے جا رہے تھے۔ جوں ہی وہ گھر میں داخل ہوئے تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ گھر کے ایک کونے میں پوشیدہ ہو گئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ طٰہٰ کے پارچے اپنی عبا میں چھپا لیے۔ لیکن عمر نے ان کی تلاوت کی آواز باہر سے سن لی تھی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو پوچھا ''وہ کیا تھا جو میں نے تم کو پڑھتے ہوئے سنا؟'' انہوں نے باور کرانے کی کوشش کی کہ تم نے کچھ نہیں سنا۔ عمر نے زور سے کہا کہ ''میں نے ضرور سنا ہے اور مجھے بتایا گیا کہ تم دونوں محمد (ﷺ) کی پیروی کرنے لگے ہو۔'' اس کے بعد وہ اپنے

Marfat.com

بہنوئی پر چڑھ دوڑے اور دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو عمر نے انہیں ایسی ضرب لگائی جس نے ان کا چہرہ لہولہان کر دیا۔ انہوں نے کہا ''ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔ ہم دونوں مسلمان ہیں اور ہمارا ایمان خدائے واحد کی ذات پر اور اس کے رسول ﷺ پر ہے۔ بس تمہیں جو کچھ کرنا ہے وہ خوشی سے کر گزرو۔'' عمر نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو ضرب لگائی تھی اس سے خون بہہ رہا تھا۔ جب انہوں نے بہن کا خون بہتے ہوئے دیکھا تو اپنے کیے پر تاسف ہوا۔ غصے کی جگہ ندامت کے احساس سے انہوں نے اپنی بہن سے کہا ''مجھے وہ تحریر دو جو میں نے تمہیں ابھی پڑھتے سنا ہے تا کہ میں دیکھ سکوں کہ وہ کیا شے ہے جو محمد (ﷺ) لے کر آیا ہے؟''

بہن اور بہنوئی کی طرح عمر بھی پڑھ لکھ سکتے تھے لیکن جب انہوں نے وہ پارچہ طلب کیا جس پر سورۃ طٰہٰ تحریر تھی تو بہن نے جواب دیا ''ہمیں ڈر ہے کہ تم بھروسے کے قابل نہیں۔'' عمر نے کہا ''تم ڈرو نہیں!'' یہ کہہ کر تلوار کی پیٹی کھول کر تلوار رکھ دی اور اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہا کہ پڑھنے کے بعد واپس کر دوں گا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ عمر کے تیور میں نرمی آ گئی ہے۔ ان کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ عمر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ وہ بولیں ''اے میرے بھائی تو اپنی بت پرستی کی وجہ سے نجس ہے اور اس تحریر کو چھونے کا صرف وہی اہل ہے جو پاک و پاکیزہ ہو۔'' یہ سن کر عمر گھر کے اندر گئے اور غسل کر کے واپس آئے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں سورۃ طٰہٰ پڑھنے کے لیے دی۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا اور جب ایک رکوع پڑھ لیا تو کہنے لگے ''کتنے خوبصورت اور اور پاکیزگی سے لبریز الفاظ ہیں!'' عمر کے منہ سے یہ ردِعمل سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ جو اب تک چھپے ہوئے تھے اپنی جگہ سے نکل آئے اور کہا ''عمر! مجھے امید ہے کہ اللہ نے تمہیں اپنے رسول ﷺ کی دعاؤں کے نتیجے میں چن لیا ہے۔ انہیں میں نے کل ہی یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ ''یا اللہ! اسلام کو تقویت عطا فرما دے ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب سے!'' عمر بولے ''اے خباب! اس وقت محمد (ﷺ) کہاں ہوں گے۔ میں ان کے حضور جا کر اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔'' حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ ارقم کے مکان پر جو بابِ صفا کے نزدیک ہے، وہاں پر اپنے اصحاب کے ساتھ ہوں گے۔

عمر نے اپنی تلوار کمر سے باندھی اور صفا کی جانب چل دیئے۔ ارقم کے مکان پر پہنچ کر دروازے پر دستک دی اور اپنی آمد کی آواز لگائی۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے اس وقفہ میں ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا ہوا تھا اس لیے ان کی آمد غیر متوقع نہیں تھی۔ پھر بھی وہ عمر کی دبی دبی آواز سے چوکنا ہو گئے تھے۔ ایک صحابی دروازے کے پاس گئے اور دروازے کے درز میں سے باہر جھانک کر دیکھا اور تلخی کے ساتھ واپس آ کر بتایا کہ ''اے رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

حقیقت میں وہ عمر ہی ہے اور تلوار سے کمربستہ ہے۔'' حمزہ رضی اللہ عنہ بولے ''اسے آنے دو۔ اگر وہ خلوصِ نیت سے آیا ہے تو ہم اسے نیکیوں سے مالا مال کر دیں گے اور اس کی نیت بد نکلی تو ہم اس کی تلوار سے ہی اس کا کام تمام کر دیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اتفاق کیا کہ انہیں اندر آنے دیا جائے۔ پھر خود آگے بڑھ کر عمر کو پیٹی سے پکڑ کر کھینچے ہوئے کمرہ کے وسط میں لے آئے اور فرمایا ''اے خطاب کے بیٹے! تجھے یہاں کیا لے کر آیا ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تُو باز آنے کا نہیں جب تک اللہ اپنا عذاب تجھ پر نہ بھیج دے۔'' عمر بولے ''اے اللہ کے رسول (ﷺ) میں آپ کے حضور اس لیے آیا ہوں کہ میں اللہ کے دین میں داخل ہونے کا اور اس کے رسول پر اور جو کچھ بھی اس پر نازل ہوا اس پر ایمان لانے کا اعلان کر دوں۔'' ''اللہ اکبر'' رسول اللہ ﷺ نے اس طرح سے فرمایا کہ گھر میں موجود ہر مرد و زن جان گیا کہ عمر اسلام میں داخل ہو گئے اور سب نے خوب خوشی منائی۔ (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کر لینے کو راز میں رکھنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ وہ ہر ایک کو بتا دینے کے متمنی تھے۔ خاص کر ان لوگوں کو جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ بعد میں وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''جب اس شب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ مکہ میں وہ کون لوگ ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کی دشمنی میں سب سے متشدد ہیں کہ میں ان کے پاس جاؤں اور بتاؤں کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں؟ میرا جواب تھا: ابوجہل۔'' صبح ہوتے ہی میں اس کے گھر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوجہل باہر آیا اور بولا ''میری بہن کے فرزند! تم کو خوش آمدید ہو، تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا؟'' میں نے جواب میں کہا ''میں تجھے بتانے آیا ہوں کہ میرا ایمان اللہ پر ہے اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ہے اور میں شہادت دیتا ہوں اس کی صداقت اور سچائی پر جو ان پر نازل ہوا ہے۔'' ''خدا تجھ پر لعنت کرے!'' ابوجہل بولا ''اور اس خبر پر بھی لعنت کرے جو تو لے کر آیا ہے۔'' پھر اس نے فوراً زور سے دروازہ بند کر دیا۔ (۳)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۲۰ ۲۔ ابن اسحٰق: ۲۲۷ ۳۔ ابن اسحٰق: ۲۳۰

Marfat.com

باب: ۲۹

مقاطعہ اور خاتمہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ قریش تو کھلم کھلا خانہ کعبہ میں اپنے دیوتاؤں کی پوجا کریں اور مسلمان اپنے سچے رب کی عبادت چھپ چھپ کر کریں۔ وہ خود بھی کعبہ کے سامنے نماز پڑھتے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی نماز پڑھنے کی ہمت دلاتے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ وہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایک بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ساتھ لے کر بیت الحرم آ جاتے۔ ایسے مواقع پر سردارانِ قریش کعبہ سے دور ہی رہتے۔ ان کو ذلت محسوس ہوتی اور وقار کو دھچکا لگتا کہ ان کے وہاں ہوتے ہوئے مسلمان اپنی عبادت کریں۔ اگر وہ انہیں نماز سے روکتے تو انہیں معلوم تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی بات سے بھی دریغ نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ اس جوان کے دل سے یہ بات نکال دیں کہ اس نے انہیں شکست دے دی ہے۔

قریش نے ابوجہل کے دباؤ میں آ کر یہ فیصلہ کیا کہ اس مسئلہ کا بہترین حل یہی ہے کہ پورے بنی ہاشم کے خاندان پر ارکانِ دین بجا لانے اور خانہ کعبہ میں بغرضِ عبادت داخل ہونے پر پابندی لگا دی جائے۔ چوں کہ ابولہب کے سوا تمام بنو ہاشم نے، خواہ وہ ایمان لا چکے تھا یا نہیں، اپنے قرابت داروں کی حفاظت کا تہیہ کیا ہوا تھا اس لیے ایک دستاویز تحریر کی گئی جس کے تحت یہ عہد کیا گیا کہ کوئی شخص بنی ہاشم کی عورت سے شادی نہیں کرے گا اور نہ کوئی اپنی بیٹی کو بنی ہاشم کے کسی مرد کے نکاح میں دے گا۔ نہ کوئی ان کے ہاتھ کوئی شے فروخت کرے گا اور نہ ان سے کوئی شے خریدے گا۔ یہ پابندی اس وقت تک نافذ رہے گی جب تک کہ بنی ہاشم کا خاندان اپنے طور پر محمد (ﷺ) کو باغی قرار نہ دے دے، یا جب تک محمد (ﷺ) خود اپنے دعویٰ نبوت سے دستبرداری کا اعلان نہ کر دیں۔ کم از کم چالیس سرداروں نے اس عہد پر مہریں ثبت کیں۔ ان سرداروں میں سے کئی مجبوراً اس عہد میں شامل ہوئے تھے اور انہیں مختلف طرح کے دباؤ ڈال کر اس عہد میں شامل کیا گیا تھا۔

Marfat.com

مطلب کے خاندان نے اپنے بنی ہاشم بھائی کو تنہا چھوڑ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر ان کے خلاف بھی بنی ہاشم پر عائد پابندیاں لاگو کر دی گئی اور اس دستاویز کو خانہ کعبہ کے اندر رکھ دیا گیا۔

اپنے مشترکہ خاندانی تحفظ کو مدِنظر رکھتے ہوئے بنی ہاشم ابو طالب کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ ان کا محلہ وادیٔ مکہ میں تھا جہاں ابوطالب اور خاندان کے زیادہ تر دیگر افراد آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جب اپنے گھر والوں کو لے کر آئے تو ابولہب اور اس کی بیوی اس محلے کو چھوڑ کر دوسرے محلے کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ وہ بحیثیتِ مجموعی قریش کے اتحاد میں شامل ہیں۔

اس پابندی کو ہمہ وقت انتہائی سختی سے نافذ نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ باہمی رشتہ داریوں کے سبب اس میں کئی رخنے تھے۔ اگر ایک خاتون جس کی شادی دوسرے قبیلے میں ہو جاتی تھی وہ اپنے سابقہ قبیلے سے تعلق بھی قائم رکھتی تھی۔ ابوجہل برابر نظر رکھتا تھا کہ کوئی اس عہد کی خلاف ورزی نہ کر پائے۔ لیکن وہ بھی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بعض اوقات ناکامی کا منہ دیکھتا۔ ایک دن اسے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا حکیم راستے میں ملا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک غلام تھا جو آٹے کی بوری اٹھائے ہوئے تھا۔ یہ دونوں بنی ہاشم کے محلے کی جانب جا رہے تھے۔ ابوجہل نے الزام لگایا کہ وہ دشمن کو کھانے کی رسد مہیا کر رہے ہیں اور دھمکی دی کہ وہ قریش کے سامنے حکیم کا پول کھول دے گا۔ ابوجہل اور حکیم میں بحث ہو رہی تھی کہ قبیلہ اسد کا ایک فرد ابوالبختری وہاں آن نکلا اور معاملہ کی حقیقت پوچھی۔ جب اسے معاملہ کی تفصیل بتائی گئی تو ابوالبختری نے ابوجہل سے کہا ''یہ اس کی پھوپھی کے لیے آٹا لیے جا رہا ہے اور اس کی پھوپھی نے اسے اس کام کے واسطے بھلا بھیجا تھا۔'' نہ تو حکیم اور نہ ہی ابوالبختری مسلمان تھے لیکن ان کو گوارا نہ ہوا کہ اس بوری کو قبیلہ اسد کے فرد کے ہاتھوں کسی بھی جگہ جانے سے اس کے قبیلے کے علاوہ کوئی اور رکاوٹ ڈالے۔ اس لیے ایک مخزومی کی مداخلت توہین آمیز اور برداشت سے باہر تھی۔ جب ابوجہل اپنے رویہ سے باز نہ آیا اور حکیم کو آٹے کی بوری لے جانے کی وجہ سے برا بھلا کہتا رہا تو ابوالبختری نے اونٹ کی بڑی ہڈی اٹھا کر ابوجہل کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ چکرا گیا اور دن میں تارے نظر آنے لگے۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ابوجہل کو اپنے پاؤں سے خوب روندا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اتفاقاً اس طرف آن نکلے اور ابوجہل کی تذلیل دیکھ کر خوب محظوظ ہوئے۔

حکیم اپنے قبائلی حق کے دائرے میں تھا لیکن اور بھی بہت تھے جنہوں نے ان پابندیوں کو صرف متاثرین کی ہمدردی میں توڑا۔ ہشام بن عمر کا تعلق قبیلہ عمیر سے تھا اور اس کی رگوں میں ہاشمی خون گردش نہیں کر رہا تھا لیکن اس کے گھر والوں کے خاندانِ بنی ہاشم سے باہمی شادیوں کی وجہ سے قریبی تعلقات تھے۔ وہ شب کی

Marfat.com

تاریکی میں اونٹوں پر کھانے کا سامان لادکر شعبِ ابی طالب کو جانے والے راستہ پر پہنچ جاتا اور پھر رسی کھول کر اونٹ کے پہلو پر زور سے گھونسا لگا دیتا کہ وہ دوڑ کر ان کے مکانوں کے سامنے سے گزر جائیں۔ اسی طرح کسی دوسری شب وہ اونٹوں پر کپڑے اور دوسرے قسم کے تحائف لادتا اور انہیں اسی طرح بنی ہاشم کے محلہ میں ہنکا دیتا۔

غیر مسلموں کی اس قسم کی امداد کے علاوہ دوسرے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان خصوصاً حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی کئی طریقوں سے اس پابندی کی مزاحمت کی۔ اس مقاطعے کو دو سال گزر گئے اور اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کوئی مالدار شخص شمار نہیں ہوتے تھے وہ اپنا سرمایہ اسلام کی راہ میں لگا چکے تھے۔ اس کے علاوہ باوجود اس امداد کے جو غیر مسلم اور مسلمان اعزا و اقارب گاہے گاہے پہنچا دیا کرتے تھے، دونوں ستم رسیدہ خاندانوں میں مستقل طور پر کھانے کی قلت ہوگئی اور بعض اوقات تو یہ قلت قحط کی شکل اختیار کر جاتی۔ محترم مہینوں میں جب وہ اپنے محلہ اور مقامِ پناہ سے نکل کر کسی چھیڑ چھاڑ کے اندیشے کے بغیر گھوم پھر سکتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ بیت الحرم تشریف لے جاتے۔ سردارانِ قریش ایسے موقع پر ان کی تضحیک اور تمسخر کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ بعض اوقات جب رسول اللہ ﷺ ایسی آیات کی تلاوت فرماتے جن کے ذریعہ سابقہ اقوام کے ساتھ کیے گئے معاملہ کا ذکر کر کے قریش کو خبردار کیا جاتا تو عبدالدار قبیلہ کا کوئی جتھا اور کہتا ''اپنے خداؤں کی قسم! محمد (ﷺ) مجھ سے بڑھ کر خطیب اور خوش بیان نہیں ہیں۔ ان کی باتیں گزرے ہوئے لوگوں کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں۔ ان کو بھی کسی نے ایسے ہی یہ کہانیاں لکھ کر دی ہیں جیسے مجھے لکھ کر دی گئی ہیں۔ پھر وہ انہیں رستم اور اسفندیار کی کہانیاں اور شاہانِ فارس کے قصے سناتا۔ اس سلسلہ میں اور بہت سی آیات میں سے ایک آیت کا نزول ہوا جس میں اشارہ ہے کہ قلبِ انسانی میں صلاحیت ہے کہ اسے مافوق الفطرت حقائق سے آگاہی ہو سکے۔ ایک بھٹکے ہوئے انسان کے دل کی نگاہ بند ہونے کے باوجود اس قابل ہوتی ہے کہ روشنی کی جھلملاہٹ کو قبول کر لے۔ یہ ہی ایمان اور ایقان ہے۔ لیکن ایک ایسا طرزِ حیات جس میں بدی اور شیطانیت غالب ہوں وہ دل کی آنکھ پر غلاف بن کر زنگ کی طرح چھا جاتا ہے۔ پھر اسے اللہ کے پیغام کے الوہی سرچشمے کا احساس تک نہیں رہتا۔ ''جب ہماری نازل شدہ آیات اسے سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے ''پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ نہیں بلکہ جو کچھ بھی وہ کماتے ہیں وہ ان کے دلوں کے زنگ کے علاوہ کچھ نہیں۔'' [1] اس کے برعکس بہترین صورتِ حال اور اعلیٰ ترین بصیرت وہ ہے جس کی توثیق رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی ذات کے متعلق متعدد مواقع پر کی کہ ان کے قلب کی آنکھ نیند کی حالت میں بھی کھلی رہتی ہے۔ فرمایا ''میری آنکھ نیند میں

Marfat.com

بند ہو جاتی ہے لیکن میرا قلب جاگتا رہتا ہے۔"[2]

بہت کم آیات جن میں رسول اللہ ﷺ کے کسی ہم عصر کا ذکر کیا گیا ہو ان میں سے ایک آیت کے ذریعے اعلان کر دیا گیا کہ ابولہب اور اس کے بیوی کا مقدر جہنم ہو چکا ہے۔[3] ابولہب کی بیوی امِ جمیل نے یہ بات سنی اور وہ پتھر کا موسل لیے ہوئے مسجد الحرام پہنچ گئی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور پوچھنے لگی "تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" انہیں معلوم تھا کہ اس کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے ہے جو عین اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے اندھے پن پر ہکا بکا کچھ نہ بول سکے۔ اس نے کہا "میں نے سنا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے۔ بخدا، اگر وہ مجھے مل جاتا تو میں اس موسل سے اس کا منہ توڑ دیتی۔" پھر وہ بولی "میں بھی شاعرہ ہوں۔ اس نے چند اشعار پڑھے جن میں رسول اللہ ﷺ کی تحقیر کی گئی تھی۔

"ہم مذمم کے نافرمان ہیں
ہم اس کے احکامات کو نہیں مانتے
اور اس کے مذہب سے نفرت کرتے ہیں۔"

جب وہ چلی گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آیا امِ جمیل نے انہیں نہیں دیکھا تھا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ نے مجھے اس کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔" جہاں تک مذمم کا تعلق ہے۔ یہ لفظ "محمد" کا بالکل الٹ ہے۔ محمد کے معنی ہیں جس کی تعریف کی گئی، ستائش کی گئی۔ بعض قریش "مذمم" کا لفظ تحقیر کی نیت سے کرتے استعمال کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "کیا یہ امر حیران کن نہیں کہ کس طرح پاک پروردگار نے وہ تمام کوششیں جو قریش مجھے رنج و اذیت پہنچانے کے لیے کرتے ہیں ان کا رخ میری جانب سے پھیر دیا؟ یہ لوگ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں جبکہ میں تو محمد ہوں۔"[4]

بنی ہاشم اور بنی مطلب پر عائد کردہ پابندیوں کو دو سال یا اس سے کچھ زیادہ مدت گزر چکی تھی۔ اس مقاطعے سے مطلوب فائدہ بھی حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا اثر بھی قریش کی توقع کے برعکس الٹ ہی ہو رہا تھا اور لوگوں کی توجہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب زیادہ بڑھ گئی۔ اس کی وجہ سے جزیرۃ العرب کے طول و عرض میں نئے مذہب کا چرچا بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر ان سب پر مستزاد خود قریش میں لوگوں نے اس مقاطعے کے بارے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ خاص طور پر وہ لوگ جن کے اپنے اعزا اس مقاطعے کا شکار ہو رہے

Marfat.com

تھے۔ گویا وقت آ گیا تھا کہ اس بارے میں قلب و ذہن میں تبدیلی واقع ہو۔ ان میں سے سب سے پہلا شخص جس نے عملی قدم اٹھایا وہ وہی ہشام بن عمرو تھا جو اکثر اپنے اونٹ پر غذائی اشیا، کپڑے اور ضروری چیزیں لاد کر ابوطالب کے علاقے میں ہانک دیا کرتا تھا۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ اکیلا اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے زہیر مخزومی کے پاس گیا اور اس سے کہا ''کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم چین سے کھانا کھاؤ، لباس سے آراستہ ہو اور عورتوں سے شادی کر کے اطمینان کا سانس لو جب کہ تجھے خوب پتہ ہے کہ تیری ماں کے رشتہ داروں پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ نہ تو خرید و فروخت کر سکتے ہیں، نہ شادی کر سکتے ہیں نہ اپنی بیٹیاں شادی میں دے سکتے ہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہی معاملہ ابوالحکم یعنی ابوجہل کی ماں کے بھائیوں کے ساتھ ہوتا اور تم اُسے یہی کچھ کرنے کو کہتے جو تم اس کے کہنے پر کر رہے ہو تو وہ اس پر کبھی راضی نہ ہوتا۔'' اس پر زہیر بولا ''برا ہو تیرا ہشام! آخر میں کر بھی کیا سکتا ہوں؟ میں تو بس اکیلا بندہ ہوں اگر میرے ساتھ کوئی اور آدمی ہو جائے تو میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں جب تک اس مقاطعے کو منسوخ نہ کرا دوں۔'' ہشام بولا ''مجھے ایک آدمی مل گیا ہے۔'' زہیر نے پوچھا کون؟ تو ہشام نے کہا ''وہ میں ہوں۔'' زہیر نے کہا ''چلو ایک تیسرا آدمی تلاش کرتے ہیں۔'' ہشام مطعم بن عدی کے پاس آیا جو خاندانِ نوفل کا ایک سردار تھا اور اس نوفل کا پوتا تھا جو خود ہاشم اور مطلب کا بھائی تھا۔ مطعم نے ہشام سے کہا ''کیا تو خوش ہے اس بات سے کہ عبدِ مناف کے بیٹوں میں سے دو برباد ہو جائیں اور تو قریش کی منظوری کا انتظار کرتا رہے؟ خدا کی قسم اگر تو نے انہیں ایسا کرنے دیا تو تجھے جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ اس کے بعد یہی سلوک تمہارے ساتھ بھی کریں گے۔'' مطعم نے چوتھے آدمی کا سوال کیا تو ہشام بنی اسد کے ابوالبختری کے پاس پہنچا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ابوجہل پر اس وقت وار کیا تھا جب اس نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھیجی جانے والی آٹے کی بوری پر اعتراض کیا تھا۔ جب ابوالبختری نے ہشام سے پانچویں آدمی کا سوال کیا تو ہشام ایک اور اسدی کے پاس پہنچا۔ اس کا نام زمعہ زیف الاسود تھا۔ وہ چھٹے آدمی کا سوال کیے بغیر پانچواں فرد بننے پر تیار ہو گیا۔ ان سب نے اس شب مکہ کے مضافات میں حجون پر اکٹھے ہونے کا فیصلہ کیا۔ یہ مقام مکہ سے بلندی پر تھا۔ یہاں بیٹھ کر انہوں نے عملی منصوبہ پر اتفاق کر لیا اور باہم عہد کیا کہ وہ دستاویز کو منسوخ کرائے بغیر اس معاملہ سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ زہیر نے کہا کہ ''سب سے زیادہ قریب ہونے کے باعث پریشانی بھی مجھے ہی سب سے زیادہ ہے اس لیے پہلا بولنے والا بھی میں ہوں گا۔''

دوسرے روز صبح سویرے یہ لوگ بیت الحرم پہنچے اور وہاں لوگوں کے اجتماع میں شامل ہو گئے۔ زہیر

Marfat.com

جو ایک لمبی عبا پہنے ہوئے تھا اس نے خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور پھر مجمع کی جانب رُخ پھیر کر کہا ''اے اہلِ مکہ! کیا یہی انصاف ہے کہ ہم کھانا کھائیں اور لباس پہنیں جب کہ ہاشم کی ذریت بھوکی مر رہی ہو۔ جو نہ کچھ خرید سکیں اور نہ بیچ سکیں۔ قسم ہے مجھے اپنے رب کی میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک یہ غیر منصفانہ دستاویز چاک نہیں کر دی جاتی۔'' ابوجہل فوراً بولا ''تو جھوٹ کہتا ہے یہ دستاویز کبھی چاک نہیں کی جائے گی۔'' زمعہ نے کہا ''تو بدتر جھوٹا ہے۔'' ''ہم تو اس تحریر کے حق میں ہی نہ تھے جب یہ لکھی جا رہی تھی۔'' ابوالبختری بول اٹھا ''زمعہ بالکل ٹھیک کہتا ہے، اس تحریر میں جو کچھ لکھا گیا ہے ہم لوگ اس کو بالکل پسند نہیں کرتے، ہمیں یہ منظور نہیں۔'' مطعم بولا ''تم دونوں سچ کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ ہم لوگ اپنی بے گناہی اور اس امر میں اپنی عصمت پر اللہ کو پکار کر گواہ بناتے ہیں کہ جو کچھ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے اس کو ہم قطعاً منظور نہیں کرتے۔'' ہشام نے بھی اس طرح کی باتیں کہیں اور جب ابوجہل نے ان پر الزام لگایا کہ انہوں نے راتوں رات یہ چال چلی ہے تو مطعم اس کی بات رد کرتے ہوئے دستاویز لانے کے لیے کعبہ کے اندر چلا گیا۔ جب وہ فاتحانہ انداز میں باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں جھلی کا چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ کیڑوں نے اس ساری دستاویز کو کھا لیا تھا۔ بس کچھ بچا تھا تو وہ حصہ جس پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' تحریر تھا۔

قریش میں سے زیادہ تر لوگ تو پہلے ہی مقاطعے کی تنسیخ پر ہم خیال ہو چکے تھے اس پر یہ نیک فال کہ ساری دستاویز کو کیڑوں نے کھا لیا سوائے اللہ کے نام کے' تو یہ دیکھ کر سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اب تو کوئی سوال ہی باقی نہ رہا کہ فال تمام تر دلیلوں پر غالب تھی۔ ابوجہل اور اس کا اکا دکا ہم خیال جو باقی رہے انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ اب کسی قسم کی مخالفت یا احتجاج بے کار تھا۔ رسمی طور پر یہ مقاطعہ ختم کر دیا گیا اور قریش کی ایک جمعیت یہ خوشخبری لے کر بنی ہاشم اور بنی المطلب کے پاس پہنچ گئی۔

مقاطعے کا ختم ہونا تھا کہ مکہ نے راحت اور اطمینان کا سانس لیا اور وقتی طور پر مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور تناؤ میں کمی آ گئی۔ اس واقعہ کی مبالغہ آمیز خبریں جلد ہی حبش بھی پہنچ گئیں۔ کچھ مہاجرین نے واپس مکہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن کچھ لوگوں نے جن میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے فیصلہ کیا کہ وہ ابھی مزید وہیں پر ٹھہریں گے۔

اسی دوران قریش کے سرداروں نے اپنی کوششوں کو اس امر پر مرکوز کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی سمجھوتے پر راضی کر لیں۔ یہ اقدام ان کے سابقہ رویہ کے برعکس تھا۔ ولید اور دیگر سرداروں نے تجویز پیش کی کہ دونوں فریق دونوں مذاہب پر عمل پیرا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس پیش کش کے جواب کی

Marfat.com

زحمت سے اس طرح بچا لیا کہ چھے آیات کی صورت میں آسمان سے وحی نازل ہوئی:

"کہو اے کافرو! میں اس کی عبادت نہیں کروں گا جس کی عبادت تم کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرو گے جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں نے کبھی اس کی عبادت کی جس کی عبادت تم کرتے رہے ہو۔ اور نہ تم لوگوں نے کبھی اس کی عبادت کی ہے جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔"⑤

اس طرح وہ وقتی خیر سگالی جو پہلے ہی کم ہو چکی تھی، حبشہ سے آنے والے مہاجرین کی مکہ آمد سے پہلے ہی دم توڑ گئی۔ حضرت جعفر اور حضرت جحش رضی اللہ عنہما کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے سارے رشتہ دار واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ حضرت عثمان اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھے۔ ایک اور بنی شمس جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس آئے وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اپنے تحفظ کے لیے اپنے باپ عتبہ پر بھروسہ کر سکتے تھے لیکن ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کسی قسم کی امید نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ہاشمی چچا ابوطالب کو اطلاع بھیج دی کہ وہ ان کی سرپرستی میں آنے کے خواہاں ہیں۔ ابوطالب نے رضامندی ظاہر کر دی۔ اس پر مخزوم کو بہت غصہ آیا اور وہ کہنے لگے "تم نے اپنے بھتیجے محمد کو ہمارے مقابلے میں تحفظ دیا تو ٹھیک تھا لیکن اب تم خود ہمارے قبیلے کے لوگوں کو امان دے رہے ہو۔" ابوطالب نے جواب دیا "وہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ اگر میں اپنی بہن کے بیٹے کو تحفظ نہیں دے سکتا تو میں اپنے بھائی کے بیٹے کو کس طرح بچا سکوں گا۔" مخزوم کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ سرداری کے اس حق کے آگے سر جھکا دیں۔ اس موقع پر ابولہب نے اپنے بھائی کی حمایت کی اور مخزوم قبیلہ خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف وہ ان کا سب سے طاقتور حلیف تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسے ناراض کریں۔ جہاں تک ابولہب کا تعلق ہے شاید اسے خود افسوس ہوا ہو گا کہ پابندی عائد کرنے کے موقع پر اس نے اپنے بھتیجے کے خلاف سنگ دلانہ نفرت انگیز خیالات کا اظہار کیوں کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی نفرت میں کوئی کمی آ گئی تھی لیکن بات یہ تھی کہ وہ اپنے خاندان سے خوشگوار تعلقات قائم کرنا چاہ رہا تھا اس امید پر کہ بڑے بھائی ابوطالب کی موت کے بعد وہ اپنے خاندان کا سردار بن سکے۔ بہت ممکن ہے کہ اس نے ابوطالب میں بیماری کے ایسے آثار دیکھ لیے ہوں جن سے اس کی امید بندھ گئی ہو کہ اب ابوطالب زیادہ دن زندہ نہیں رہیں گے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۸۳: ۱۴۔ ۱۳ ۲۔ ابن اسحٰق: ۳۷۵، بخاری ۱۹، ۱۶ ۳۔ قرآن ۱۱۱ ۴۔ ابن اسحٰق: ۲۳۴ ۵۔ قرآن: ۱۰۹

Marfat.com

باب: ۳۰

جنت اور ابدی زندگی

حبش سے آنے والے بعض مہاجرین کو اپنے قبیلے کے ظلم وستم سے محفوظ رہنے کے لیے دوسروں کی مدد کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے برادرِ نسبتی بنی جمح کے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بخوبی علم تھا کہ ان کے رشتہ دار امیہ اور اُبی ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنائیں گے اس لیے ایک مخزومی نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے ساتھی مسلمانوں کو نشانہ ستم بنایا جا رہا ہے اور وہ خود امن وامان سے دن گزار رہے ہیں تو وہ ولید کے پاس گئے اور اس کے امان سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ ضعیف العمر ولید نے کہا ''میرے بھائی کے فرزند کیا میرے کسی آدمی نے تمہیں تنگ کیا ہے؟'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''نہیں ایسی کوئی بات نہیں، لیکن میں اللہ کی امان چاہتا ہوں اور میں اللہ کے سوا کسی کی پناہ نہیں چاہتا'' چنانچہ وہ ولید کے ساتھ بیت الحرم میں گئے اور وہاں سب کے روبرو ولید کو اپنے تحفظ سے آزاد کر دیا۔

اس کے چند روز بعد ایسا ہوا کہ لبیدؓ شاعر قریش کے مجمع میں اپنی نظم پڑھ رہا تھا۔ اس مجمع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ عربوں کو شاعری کی جو عام دولت نصیب ہوئی تھی اس مجمع میں اس مقام سے کہیں بلند تر شعرا اپنا کلام سنانے کے لیے جمع تھے۔ بلند شعرا میں نمایاں مقام ابوطالب، حبیرہ اور ابوسفیان بن حارث کو حاصل تھا لیکن ان حضرات سے بھی بالاتر چند ہستیاں ایسی تھیں جن کا شمار عظیم شعرا میں ہوتا تھا۔ لبیدؓ کی شاعرانہ عظمت پر عمومی اتفاق تھا اور غالباً وہ اس دور کا عظیم ترین شاعر تھا۔ قریش اس کو اپنے درمیان پا کر ایک فخریہ کیف محسوس کر رہے تھے۔ اس نے اس وقت جو اشعار پڑھے ان میں سے ایک شعر تھا:

''سنو! اللہ کے سوا ہر شے باطل اور کمتر ہے۔''

Marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ برجستہ بولے ''سچ کہا تُو نے'' لبید نے اگلا شعر پڑھا: ''اور تمام مسرتیں فنا کا منہ دیکھیں گی۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں کہا ''تو غلط کہتا ہے جنت کی مسرتیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔'' لبید کو اس طرح کے رویہ سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا اور قریش کو غصے کے ساتھ حیرت بھی تھی کہ یہ عظیم شاعران کا مہمان تھا۔ لبیدؔ نے کہا کہ اے مردانِ قریش! جو لوگ تمہارے ساتھ دوستوں کی طرح بیٹھیں اس کے عادی نہیں کہ ان سے ایسا سلوک کیا جائے۔ یہ کب سے ایسا ہو گیا ہے۔'' مجمع میں سے ایک اٹھا اور اس نے قبیلہ کی جانب سے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا ''یہ بیوقوفوں کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے جو ہمارے دین سے پھر گئے ہیں، جو کچھ یہ کہہ رہا ہے اس سے کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پر ایسا چمک کر جواب دیا کہ بولنے والے نے قریب آ کر ان کی آنکھ پر ضرب لگائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ابرو پر نیل پڑ گیا اور ولید جو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر وہ اس کی امان میں ہوتا تو اس کی آنکھ کا یہ حال نہ ہوتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا ''نہیں، میری وہ آنکھ جو زخمی نہیں ہوئی اس آنکھ کے مقابلے میں کمتر ہے جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوئی ہے۔ میں اس کے حفظ و امان ہوں جو انتہائی قوی اور تمہارے مقابلے میں کہیں زیادہ ثابت قدم ہے۔'' ولید بولا میرے بھائی کے بیٹے! میرے ساتھ معاہدے کی تجدید کر لو۔'' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ اس مجمع میں موجود نہیں تھے لیکن آپ کو لبید کی نظم پڑھنے اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اس نظم کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ تاریخ میں محفوظ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''شاعر نے ساری زندگی میں اگر کوئی صداقت سے بھرپور الفاظ کہے تو وہ یہ تھے 'سنو' سوائے اللہ کے ہر شے فانی ہے۔''(۱) اس کے بعد لبید نے جو کچھ کہا آپ ﷺ نے اس پر لبید کو کوئی الزام نہ دیا۔ ممکن ہے شاعر کی مراد یہ ہو کہ ''کل دنیاوی مسرتیں جو علاوہ ذاتِ اللہ کے ہیں فانی ہیں اور اس کے برعکس تمام جنتوں اور مسرتوں کا ابدی تصور اس طرح ممکن ہے کہ ذاتِ الٰہی سے وابستہ ہیں۔ اسی زمانے کے قریب قریب یہ وحی بھی نازل ہو چکی تھی ''اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔''(۲) اور اس سے قبل کی ایک وحی میں یہ آیت نازل ہو چکی تھی ''جو مخلوق زمین پر ہے فنا ہونے والی ہے اور صرف تمہارے پروردگار کی ذات جو عظمت اور کرامت والی ہے باقی رہے گی۔''(۳) جہاں یہ ابدی کرامت رہے گی وہاں اس کرامت سے فیض پانے والے بھی ہوں گے اور ان کی مسرتیں بھی۔

اب اس کے بعد ایک اور نزولِ وحی ہوا۔ جو زیادہ واضح اور بیّن ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے۔ پہلی

Marfat.com

آیت کا حوالہ تو فیصلہ سے ہے ''جب وہ دن آن پہنچے گا تو کوئی شخص بغیر اِذن باری تعالیٰ لب کشا نہ ہو سکے گا۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ جو لوگ بد بخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اور اسی میں ان کی ہائے وائے اور چیخ پکار ہوگی۔ وہ لوگ جب تک آسمان اور زمین ہے ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ مگر جب تمہارا پروردگار (نجات دینا چاہے) بیشک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اور جو لوگ نیک بخت ہیں وہ تو بہشت میں ہوں گے جب تک آسمان وزمین باقی ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے سوا اس کے کہ پروردگار کچھ اور چاہے یہ ایسا انعام ہوگا جو کبھی واپس نہ لیا جائے گا۔'' ④

وحی کے اختتام پر جو الفاظ ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی مرضی یہ نہیں ہے کہ انسان کے لیے اس کا جنت کا فیصلہ ہونے کے بعد اس کو بدل دیا جائے گا جس طرح کہ پہلی جنت کے بارے میں آدم کے ساتھ ہوا تھا۔ مندرجہ بالا وحی کی عبارت سے متعلق دیگر سوالات کا جواب رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود دیا۔ ایک ایسے ہی موقع پر آپ نے فرمایا: ''اللہ جس کو چاہتا ہے اسی کو اپنی رحمت کے زیرِ سایہ لائے گا اور بہشت کے لوگوں کو بہشت میں داخل کرے گا اور دوزخ کے لوگوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ تب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا ''اس پر نظر رکھو جس کے قلب میں تم کو رائی کے بیج کے وزن برابر بھی ایمان ملے اسے دوزخ سے باہر نکال لو۔'' تب وہ انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو دوزخ سے نکال لائیں گے اور اللہ کے حضور عرض کریں گے ''اے ہمارے آقا! ہم نے وہاں کوئی ایک بھی ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کے متعلق تیری بارگاہ سے ہمیں حکم ملا تھا۔'' اور اللہ فرمائے گا ''واپس جاؤ اور اس کو بھی باہر نکال لاؤ جس کے قلب میں تم نیکی کے ذرہ کا ایک شائبہ بھی پاؤ۔'' اس کے بعد وہ انسانوں کی بڑی تعداد کو دوزخ سے باہر نکال لائیں گے اور اللہ کے حضور عرض کریں گے ''اے ہمارے آقا! ہم نے وہاں اب کسی قسم کی بھی نیکی نہیں چھوڑی۔'' اس کے بعد ملائکہ شفاعت کریں گے اور انبیائے کرام علیہم السلام اور تمام مومنین بھی۔ اس کے بعد فرمانِ الٰہی ہوگا ''تمام ملائکہ وفرشتوں نے شفاعت کی ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور تمام مومنین نے شفاعت کی ہے۔ اب صرف شفاعت میں کوئی کمی رہتی ہے تو اس کی شفاعت کی جو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحمان ورحیم ہے۔'' اور پھر وہ آتشِ جہنم سے ان کو نکالے گا جنہوں نے کوئی نیکی نہ کی ہوگی اور ان کو نکال کر ایک دریا میں ڈال دے گا جو جنت کے دروازے پر ہے۔ اس دریا کا نام چشمۂ حیات (یا زندگی کا دریا) ہے۔ ⑤ اور جو جنت میں ہوں گے ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ جنت میں رہنے والوں سے فرمائے گا کیا تم خوش ہو''؟ اور جواب میں وہ کہیں گے ''ہم لوگ کیوں نہ خوش ہوں۔ اے مالک وآقا کہ تو نے ہم کو وہ کچھ عنایت فرمایا جس سے تو نے کسی دوسری مخلوق کو نہیں نوازا۔ تب

Marfat.com

اللہ فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے بھی بہتر انعام سے نہ نوازوں؟ اور لوگ بولیں گے وہ کیا شے ہے آقا جو اس سے بھی بہتر ہے؟ اللہ فرمائے گا ''میں تم پر اپنا رضوان نازل کروں گا۔''(۶) رضوان جس کا ترجمہ ''لذتِ لذیذ'' سے کیا جاتا ہے۔ اس کے جمال کی انتہائی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی روح کو اپنے قربِ خاص اور دائمی خوشی سے نوازنے کے لیے اس کو اپنی ذات میں ضم کر لینا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی ابدی انتہائی لذت عطا کرنا۔ اس انتہائی عالی درجہ جنت کو اس عام فہم جنت کے تصور سے علیحدہ اور کسی طرح خارج نہیں سمجھنا چاہیے جس کا وعدہ قرآن کرتا ہے۔ چونکہ قرآن ہر مبارک روح کے لیے دو جنتوں کا وعدہ کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ عالمِ آخر میں اپنی ذاتی کیفیت کے متعلق بیان کرتے ہوئے اس کی دوگونہ تبریک کے متعلق بھی اسی طرح فرماتے ہیں:

''لِقائے رب اور جنت۔''(۷)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ بخاری: ۶۳، ۲۶ ۲۔ قرآن ۲۸: ۸۸ ۳۔ قرآن ۵۵: ۲۷ ۴۔ ابن اسحٰق: ۸۔۱۰۵

۵۔ مسلم: ۱، ۷۹؛ بخاری: ۷، ۴، ۲۴ ۶۔ مسلم: ۲۔۵۱ ۷۔ قرآن ۵۵: ۴۶

۸۔ ابن اسحٰق: ۱۰۰۰

Marfat.com

بَاب: ۳۱

عامُ الحزن

(رنج والم کا سال)

سال عیسوی ۶۱۹ تھا اور سماجی بائیکاٹ کے خاتمے کو زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک بہت بڑا نقصان اپنی زوجہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے باعث اٹھانا پڑا۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً ۶۵ سال کی ہو گی جبکہ رسول اللہ ﷺ کی عمر ابھی پچاس سال نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں مکمل ہم آہنگی کے ساتھ پچیس سال گزار چکے تھے۔ وہ نہ صرف ان کی زوجہ محترمہ بلکہ قریبی رفیق بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زیرک مشیر اور پورے گھرانے کی ماں، بشمول علی و زید۔ ان کی چاروں بیٹیاں غم سے نڈھال ہو گئی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ فرما کر تسکین دی کہ ایک دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس آئے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کی جانب سے سلامتی کا مژدہ دے دو اور یہ بتا دو کہ اس نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے واسطے جنت میں گھر تیار کر دیا ہے۔

ایک اور دوسرا نقصان جو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد پہنچا، ایک ایسا صدمہ تھا جو اس سے قدرے کم گھمبیر اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے کم ذی تھا اگرچہ بیرونی نتائج کے پیشِ نظر زیادہ شدید۔ ابو طالب بیمار پڑ گئے اور جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ان کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ جب وہ اپنے بسترِ مرگ پر تھے تو قریش کے سرداروں کا ایک گروہ ان سے ملاقات کے لیے آیا۔ عتبہ اور شیبہ اور عبدِ شمس کا ابوسفیان، بنی جماح کا امیہ، بنی مخزوم کا ابوجہل اور ان کے علاوہ اور دوسرے سردار۔ ان لوگوں نے ابو طالب سے کہا ''ابو طالب آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ آپ کی کتنی توقیر کرتے ہیں اور اب جو آپ کا حال ہے، ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ آج ہو اور کل

Marfat.com

نہیں، آپ کے علم میں ہے کہ جو کشمکش آپ کے بھائی کے بیٹے اور ہمارے درمیان چل رہی ہے۔ آپ ان کو بلائیے اور آپ کے واسطے سے کچھ لے دے کر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں اور ہم ان کو ان کے حال پر۔ حضرت ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا اور ان کی آمد پر ان سے کہا ''میرے بھائی کے فرزند! تمہاری قوم کے سردار اکٹھا ہو کر آئے ہیں تا کہ کچھ لو اور کچھ دو پر تصفیہ ہو جائے۔''
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بہت خوب! تم میری ایک بات مان لو جس کے بل پر تم پورے عرب پر حکمرانی کرو گے اور اہلِ فارس تمہارے نگین ہو جائیں گے۔'' ابوجہل بولا ''بالکل ٹھیک ہے۔ تیرے والد کی قسم ہم اس کام کے لیے تمہارے ساتھ وعدہ کریں گے بلکہ ایک کی بجائے دس وعدے کرنے کو تیار ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم کو چاہیے کہ تم یہ حکم زبان پر جاری کرو'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے سوا تم جن بتوں کو قابلِ پرستش سمجھتے ہو اس کو ترک کر دو۔'' اس پر وہ سب تالیاں بجا کر کہنے لگے ''اے محمد! کیا تم اتنے سارے خداؤں کی جگہ ضرور ایک ہی خدا بنا دو گے؟ تمہارا مطالبہ یقیناً عجیب و غریب ہے۔'' تب وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے ''یہ شخص تمہیں وہ کچھ نہیں دے سکتا جس کی تمنا لے کر آئے تھے۔ پس تم اپنی راہ لو اور اپنے آبا و اجداد کی مذہبی ڈگر پر چلتے رہو، یہاں تک کہ پروردگار ہمارے اور اس کے مابین فیصلہ فرما دے۔''

جب وہ لوگ رخصت ہو گئے تو ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ''میرے بھائی کے بیٹے میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ تم نے ان لوگوں سے کوئی غیر معمولی مطالبہ نہیں کیا۔'' ابوطالب کی زبان سے یہ کلمات سن کر رسول اللہ ﷺ کے دل میں شدت سے خواہش پیدا ہوئی کہ ان کے چچا اسلام میں داخل ہو جائیں۔ آپ نے ابوطالب سے فرمایا ''چچا جان اپنے لبوں پر وہ الفاظ لے آیئے کہ ان کی بنیاد پر میں روزِ محشر آپ کی شفاعت کر سکوں۔'' ابوطالب بولے ''میرے بھائی کے بیٹے! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ قریش کہیں یہ نہ سوچ بیٹھیں کہ میں نے صرف موت کے خوف سے کلمہ پڑھ دیا تو میں انہیں زبان سے ادا کر دیتا۔ اس کے باوجود ان الفاظ کا اپنی زبان پر جاری کرنا محض تمہاری خوشنودی کے لیے ہوگا۔'' تب جس وقت ابوطالب پر موت طاری ہونے لگی تو عباس نے دیکھا کہ ان کے ہونٹ جنبش کر رہے تھے۔ عباس نے اپنا کان ان کے ہونٹوں سے لگایا اور کہا ''میرا بھائی وہی کلمات پڑھ رہا تھا جو تم نے ان سے بولنے کو کہا تھا۔''

مکہ مکرمہ میں ان تمام مسلمانوں کو مشکل پیش آتی جا رہی تھی جنہیں کسی سردار کا تحفظ حاصل نہ تھا۔
رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا ملنے سے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کافی اثر و رسوخ تھا لیکن اس کی نوعیت حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما سے مختلف تھی۔ لوگ ان سے خوف زدہ نہیں ہوا کرتے تھے، ہاں لوگ جو ان کے روحانی

Marfat.com

مرتبے سے واقفیت کے باعث مرعوب ضرور تھے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام نے سردارانِ قریش اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی تو جہاں نئے مذہب میں ان کا مقام دوبالا ہو گیا تھا وہاں قریش کے درمیان ان کی وقعت گھٹ کر ختم ہو چکی تھی۔ مزید برآں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ کسی قدر سنگین اس طرح بھی ہو چکا تھا کہ قریش اس حقیقت سے بھی باخبر تھے کہ وہ بہت سے لوگوں کو تبدیلیٔ مذہب پر آمادہ کرنے کے ذمہ دار تھے۔ اسی لیے اس بات کا امکان زیادہ تھا کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی نوفل کے بیٹے حضرت اسود رضی اللہ عنہ کو مسلمان کرنے کے جرم میں نوفل نے حضرت طلحہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما پر حملے کا انتظام کیا ہو۔ حملہ آوروں نے ان دونوں کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ کر انہیں ایک عام راستے پر پھینک دیا۔ اتنے بڑے واقعے کے باوجود بنی تمیم کے لوگوں نے بنی اسد قبیلے سے کوئی باز پرس نہ کی۔ اس کا مطلب واضح تھا کہ بنی تمیم نے اپنے قبیلے کے دونوں بااثر خاندان کے افراد کے مسلمان ہونے کے جرم میں انہیں اپنا ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

اس واقعہ کے علاوہ اور بھی کئی واقعات پیش آئے ہوں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تعلقات مسلسل بنی جماح کے سردار امیہ سے خراب ہوتے جا رہے تھے۔ یہ وہی امیہ تھا جس کی غلامی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ کے درمیان رہائش اختیار کیے ہوئے تھے۔ لیکن پھر وہ وقت بھی آ گیا جب انہوں نے محسوس کیا کہ اب نقل مکانی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لینے کے بعد وہ ان لوگوں کے پاس پہنچنے کے لیے تیار ہو کر چل پڑے جو ملک حبش میں رہ رہے تھے۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ بحرِ احمر تک پہنچتے ان کی ملاقات ابن الدغنہ سے ہوئی۔ اس زمانہ میں یہ اس چھوٹے سے حلیف قبائل کے گروہ کے سربراہ تھے جو مکہ سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔ یہ لوگ قریش کے اتحادی تھے۔ بدوؤں کا سردار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان ایام سے واقف تھا جب وہ متمول ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اثر ورسوخ بھی رکھتے تھے۔ اب جو اس نے ان کو سردار کی بجائے صحرا نورد فقیر کی حالت میں دیکھا تو بڑے تعجب سے پوچھنے لگا ''کیا بات ہوئی؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے ''میرے لوگوں نے میرے ساتھ برا سلوک کیا اور مجھے نکال باہر کیا۔ اب مجھے اس کے سوا کوئی خواہش نہیں کہ اللہ کی عبادت اور دنیا کا سفر کرتا رہوں۔'' ابن الدغنہ نے پوچھا ''انہوں نے تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ تم تو اپنے خاندان کی زینت تھے۔ بدحالی میں ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ عمل کے راسخ اور ضرورت مندوں کی حاجت براری کرتے تھے۔'' ''چلو! میرے ساتھ واپس چلو، اب تم میری امان میں ہو۔''

ابن الدغنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ مکہ واپس لایا اور لوگوں سے بات چیت کر کے بولا ''اے اہلِ قریش! ابوقحافہ کا بیٹا اب میری پناہ میں ہے۔ پس اس کے ساتھ اچھے برتاؤ کے سوا کوئی کسی اور قسم کا برتاؤ نہ

Marfat.com

کرے۔'' قریش نے اس تحفظ کی توثیق کر دی اور وعدہ کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تحفظ ملے گا لیکن بنی جماح کی انگیخت پر وہ ابن الدغنہ سے بولے ''اس سے کہہ دو کہ وہ اپنے اللہ کی عبادت گھر کے اندر رہ کر کرے۔ اندر رہ کر ہی نماز پڑھا کرے اور جو بھی تلاوت کرنا ہو وہ گھر کے اندر ہی رہ کر کرے۔ اس سے کہہ دو کہ ہمارے لیے کوئی ایسی مصیبت نہ پیدا کرے جو اسے دیکھ کر یا سُن کر پیدا ہو۔ اس کی شخصیت سے لوگ متاثر ہو جاتے ہیں۔ اس کا اپنا ایک الگ انداز ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے بیٹے اور مستورات اس کے ورغلاوے میں نہ آ جائیں۔'' ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سمجھا دیا اور وہ وقتی طور پر گھر کے اندر ہی تلاوت اور نماز ادا کرتے رہے۔ اس طرح کچھ عرصہ کے لیے بنی جماح اور ان کے مابین کشیدگی میں کمی ہو گئی۔ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد ابولہب ان کی جگہ بنی ہاشم کا سردار ہو گیا۔ لیکن ابولہب نے جو امان اپنے بھتیجے کو دی وہ برائے نام ہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے جتنی بدسلوکی اس دور میں ہوئی اس کی پہلے کوئی مثال نہیں تھی۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کسی شخص نے جو رسول اللہ ﷺ کے گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا، مکان کے بڑے دروازے سے اندر گھس کر کھانے پکانے کے برتنوں پر بدبودار اوجھڑی پھینک دی۔ ایک بار جب آپ اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے ایک شخص نے خون اور غلاظت سے بھرپور بھیڑ کی اوجھڑی آپ کے اوپر پھینک دی۔ اس غلاظت سے بھری ہوئی شے کو ٹھکانے لگانے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک لکڑی پر اٹھایا اور اپنے دروازے پر آ کر فرمایا ''اے عبدِ مناف! یہ کس قسم کا تحفظ ہے جو تم نے مجھے دیا ہے؟'' انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ گندی حرکت کرنے والا بنی شمس کا عقبہ (1) تھا۔ جو سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سوتیلا باپ تھا۔ ایک اور موقعے پر جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ سے گھر واپس آ رہے تھے تو ایک شخص نے ہاتھ کی مٹھی میں مٹی اٹھا کر چہرۂ مبارک پر پھینک دی۔ جب آپ ﷺ گھر واپس پہنچے تو ان کی بیٹیوں میں سے ایک (سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) نے ان کا سر اور چہرہ دھو کر صاف کیا۔ صاف کرتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا ''میری ننھی بیٹی! رونے کی ضرورت نہیں، تیرے باپ کی حفاظت اللہ کرے گا۔''

یہ وہ موقع تھا جب رسول اللہ ﷺ نے بنوثقیف سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ طائف کے لوگ تھے۔ اس فیصلہ سے یہ بات بخوبی عیاں ہے کہ مکہ میں ان کو کس درجہ مشکلات درپیش تھیں۔ سوائے اس کے کہ سچائی اور حقانیت ہر شے پر حاوی آ جاتی ہے درحقیقت ثقیف جا کر بھی کون سی امید بر آنے کا امکان تھا۔ ثقیف میں لات دیوی کے مندر کے پجاری اپنے مندر کے متعلق اس خیال میں تھے کہ وہ کعبہ کے ہمسر ہے۔ طائف میں بھی ضرور ایسے لوگ موجود ہوں گے جس طرح مکہ میں تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ جیسے جیسے ریگستانی علاقہ سے

Marfat.com

بڑھتے ہوئے مکئی کے ہرے بھرے کھیتوں، باغات اور نخلستان کی جانب آئے جو فصیل سے گھرے ہوئے شہر کے مضافات تک پھیلے ہوئے تھے تو ان کا دل امید سے خالی نہ تھا۔ طائف پہنچ کر وہ سیدھے ان تین بھائیوں کے گھروں پر گئے جو اس زمانہ میں ثقیف کے سربراہ تھے۔ یہ عمر بن امیہ کے فرزند تھے۔ وہ شخص جس کو ولید طائف میں اپنا ذاتی متبنیٰ سمجھتا تھا۔ ''دوشہری بستیوں (مکہ اور طائف) کے دو انسانوں'' میں سے دوسرا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی اور مخالفین کے خلاف مدد کی درخواست کی تو ان میں ایک فوراً بولا ''اگر تم کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں کعبے کے پردے نوچ کر پھینک دوں گا۔'' دوسرا بولا ''کیا خدا کو کوئی اور نہ ملا جو تمہیں بھیج دیا؟'' جبکہ تیسرے نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ ''میں تم سے بالکل بات کرنا نہیں چاہتا کیونکہ بقول تمہارے اگر تم اللہ کے رسول ہو تو اتنی بڑی شخصیت ہو کہ میں تم سے بات کرنے کے قابل نہیں اور اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو میرے لیے ممکن نہیں کہ جھوٹے سے بات کروں۔'' ان کے دوٹوک رویے کے باعث رسول اللہ ﷺ وہاں سے رخصت ہو کر طائف میں کسی اور جگہ کوشش کرنے کے لیے اٹھے لیکن آپ ﷺ جیسے ہی وہاں سے رخصت ہوئے تو ان لوگوں نے اپنے غلاموں اور ملازمین کو اکسا دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کریں اور آوازے کسیں۔ ان کے رویے کے باعث ایک ہجوم آپ کے خلاف ہو گیا اور آپ مجبور ہو گئے کہ ایک باغ میں پناہ لے لیں۔ جب آپ اس باغ میں داخل ہوئے تو مجمع منتشر ہونا شروع ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اونٹ کو کھجور کے ایک پیڑ کے ساتھ باندھ دیا اور انگور کی جھاڑیوں کے سایے میں بیٹھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اپنی حفاظت اور طمانیت کا احساس ہوا تو انہوں نے اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ''اے پروردگار! میں اپنی بے بسی اور لوگوں کے سامنے اپنی بے قدری کا شکوہ گزار ہوں۔ یا ارحم الراحمین تو کمزوروں کا آقا و مالک ہے تو ہی میرا بھی مالک ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔ دور دراز بسنے والے اغیار کے حوالے؟ جو مجھ سے سختی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے حوالے جسے تو نے مجھ پر قابو پانے کی طاقت عطا کی ہے؟ تو مجھ سے ناراض نہ ہو تو مجھے کسی کی پروا نہیں۔ ہاں تیری جانب سے مجھے عافیت نصیب ہو جائے تو میرے لیے کشادگی ہے۔ میں تیری تجلیٔ ذات کی پناہ چاہتا ہوں کہ جس کے فیض سے تمام ظلمتیں نور میں بدل جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے معاملے صحیح طور پر استوار ہو جاتے ہیں۔ مبادا ایسا نہ ہو کہ تو اپنا غضب مجھ پر نازل کر دے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری ناراضی مجھے گھیر لے۔ میں راضی برضا ہوں حتیٰ کہ تو مجھ سے راضی نہ ہو جائے۔ کوئی انقلاب ممکن نہیں اور کوئی مدد نہیں پہنچ سکتی مگر تیری ذات کے بغیر۔''

Marfat.com

وہ مقام جہاں رسول اللہ ﷺ کو راحت و سکون ملا تھا ایسا ویران بھی نہ تھا جیسا کہ بہ ظاہر نظر آتا تھا۔ قریش کا ہر فرد دولت کی فکر میں رہتا تھا کہ اتنی دولت پس انداز ہو جائے کہ ایک باغ یا ایک مکان طائف کی پہاڑیوں میں خرید سکیں، جہاں ان کو اس وقت پناہ مل سکے جب مکہ گرمی کی شدت سے جل رہا ہوتا تھا۔ یہ پھلوں کا باغ بھی کسی طائف کے باشندے کی ملکیت نہ تھا۔ اس جائداد کا ایک حصہ بنی شمس کے سردار عتبہ اور شیبہ کی ملکیت میں تھا۔ یہ لوگ اس وقت بھی اپنے باغ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے جو انگوروں کی ان جھاڑیوں کے قریب ہی تھا جہاں رسول اللہ ﷺ نے پناہ لی ہوئی تھی۔ جو کچھ پیش آیا تھا انہوں نے سب کچھ دیکھ لیا تھا اور ایسا بھی نہ تھا کہ ثقیف کے اوباشوں نے ایک قریشی کے ساتھ جس طرح کا سلوک کیا تھا وہ انہوں نے بخوشی برداشت کر لیا ہو۔ مزید برآں یہ قریشی بھی انہی کی طرح عبدِ مناف کی اولاد میں سے تھا۔ وہ اختلافات جو ان کے مابین پیدا ہو چکے تھے کیا وہ تقریباً ختم نہیں ہو چکے تھے؟ اس سے قبل انہوں نے آخری بار محمد کو ابو طالب کے بسترِ مرگ پر دیکھا تھا اور اب ابو طالب کی رحلت کے بعد محمد کسی تحفظ کے بغیر رہ گئے تھے۔ سب جانتے تھے کہ وہ سخت مایوسی کی حالت میں بڑی مشکلات سے دوچار تھے۔ روایتی جذبۂ مروت سے کام لینا ضروری ہو گیا تھا۔ انہوں نے عداس نامی نوجوان عیسائی غلام کو بلا کر کہا کہ ''انگوروں کا خوشہ لو اور پلیٹ پر رکھ کر اس آدمی کو دے آؤ اور ان سے کہو کہ تناول کر لیں۔'' عداس نے وہی کیا جو اسے حکم دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انگوروں کو ہاتھ لگایا تو فرمایا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' عداس نے غور سے ان کے چہرہ کو دیکھا اور کہا کہ ''یہ الفاظ ویسے نہیں ہیں جو اس ملک کے لوگ بولتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ''تم کس ملک کے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟'' غلام نے جواب دیا ''میں نینوا کے لوگوں میں سے ہوں اور عیسائی ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا ''متی کے بیٹے حق پرست یونس کے شہر کے؟'' غلام بولا ''تمہیں یونس بن متی کے متعلق کس طرح اور کیسے علم ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ میرا بھائی، ایک رسول تھا اور میں بھی ایک رسول ہوں۔'' عداس نے فوراً جھک کر رسول اللہ ﷺ کے سر، ہاتھ اور پاؤں کے بوسے لیے۔

جب انہوں نے یہ دیکھا تو دونوں بھائی ایک دوسرے سے بے ساختہ کہنے لگے کہ ''لو یہ غلام تو گیا۔'' جب عداس رسول اللہ ﷺ کو انگور کھاتا چھوڑ کر ان دونوں بھائیوں کے پاس واپس ہوا تو وہ کہنے لگے ''بھلا ہو تیرا عداس! آخر تم نے کیا دیکھ کر اس شخص کا سر، ہاتھ اور پاؤں کو بوسے دیئے؟'' عداس نے جواب دیا ''مالک اس ساری زمین پر کوئی اس سے بہتر نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے وہ باتیں بتائی ہیں جو صرف اور صرف ایک نبی ہی جانتا ہے۔'' وہ بولے ''تجھے وہ کہیں تیرے مذہب سے دور نہ کر دے کیونکہ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔''

Marfat.com

جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا کہ اس صورتِ حال میں ثقیف کے قبیلہ سے کسی خیر کی امید نہیں تو وہ طائف سے رخصت ہو کر مکہ کی سمت روانہ ہو گئے۔ وہ رات گئے وادیٔ نخلہ پہنچے۔ یہ مقام ان دونوں شہروں کے درمیان واقع تھا جو آپ کو رَد کر چکے تھے۔ اس لمحہ جب رَد کیے جانے کے شدید احساس کے دوران دور دراز نینوا کے ایک باشندے نے آپ کی نبوت کا اعتراف کیا تھا اور اب جبکہ وہ نخلہ میں نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جنوں کا ایک گروہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ یہ سات جن ناصبین میں سے تھے اور ان الفاظِ قرآنی کو سن کر جن کی تلاوت رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں کر رہے تھے، مسحور ہو کر ایک دم ٹھہر گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ وہ صرف عالمِ انسانیت کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ حالیہ وحی میں اس امر کی تصدیق ہو چکی تھی۔ ''ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر عالمین کے لیے رحمت بنا کر۔'' [۲] اس سے قبل ایک سورۃ میں [۳] جن اور انس دونوں کو خطاب کر کے دوزخ کی تنبیہ کی گئی تھی کہ بداعمالی کی سزا جہنم اور دونوں سے تقویٰ کے انعام کے طور پر جنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اب ایک اور نزولِ وحی ہوا ''کہہ دو مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے (میری آواز پر) کان دھرے اور پھر کہنے لگے: اس میں کوئی شک نہیں ہم نے ایک حیرت انگیز قرآن سنا ہے جو راہِ حق پر ہدایت کرتا ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔'' [۴] اور ایک دوسری سورۃ [۵] میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ جن گروہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے اور ان پر زور ڈالا کہ اللہ کے بلانے والے کی آواز پر لبیک کہیں۔ انہوں نے رسول اللہ کو اسی داعی کے نام سے یاد کیا۔

رسول اللہ ﷺ کا اب اس ماحول میں واپس جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا جس نے صرف دو دن پہلے ان کو اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اگر کوئی تحفظ دینے والا مل جاتا تو وہ انہی لوگوں میں اپنا مشن جاری رکھ سکتے تھے۔ بنی ہاشم نے تو آپ ﷺ کو چھوڑ دیا تھا۔ اب آپ ﷺ کا دھیان اپنی والدہ کے خاندان کی جانب گیا۔ وہاں صورتِ حال غیر معمولی تھی۔ اگرچہ زہرہ خاندان کا یگانۂ روزگار اور بااثر آدمی اخنس بن شریق تھا جو اصل میں نہ اس خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور نہ قریش سے۔ وہ ایک ثقفی تھا لیکن ایک عرصہ سے زہرہ کا حلیف رہنے کے بعد وہ اسے اپنا سردار مان بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کر لیا کہ اس سے مدد کے طالب ہوں۔ جب ایک گھوڑ سوار نے جو آپ کی نسبت تیز رفتاری سے مکہ کی جانب رواں تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ مکہ پہنچ کر اخنس سے ملاقات کر کے اسے میری جانب سے یہ پیغام دے گا کہ ''محمد (ﷺ) کہتے ہیں کیا تو مجھے اپنی امان دے گا تاکہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکوں''؟ گھوڑ سوار اچھے اخلاق کا تھا، اس نے جواب پہنچا دینے تک کی ذمہ داری لے لی۔ جواب نفی نکلا۔ اخنس نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ حلیفوں

Marfat.com

کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنے خاندان کی طرف سے کوئی ایسا وعدہ کر سکے جو اس کے خاندان کو پابند کر دے۔ رسول اللہ ﷺ جو اونٹ پر سواری کرتے ہوئے اب مکہ سے زیادہ دور نہ تھے اس قسم کا پیغام سہیل کے پاس بھی بھیجا۔ اس کا جواب بھی ویسا ہی مایوس کن تھا۔ حالانکہ اپنی معذرت میں صفائی پیش کرنے کی جن وجوہات کا ذکر اس نے کیا تھا ان کا اسلام دشمنی کی بجائے قبائل کی اصولی روایات سے تھا۔ وادیٔ مکہ میں سہیل کا خاندان دوسرے خاندانوں کے مقابلہ میں اس لحاظ سے منفرد تھا کہ یہ لوگ عامر بن لوی کی اولاد میں سے تھے جبکہ دیگر لوگ عامر کے بھائی کعب کی اولاد میں سے تھے۔ سہیل نے سیدھا سادا جواب دیا کہ عامر کی اولاد کعب کی اولاد کے خلاف تحفظ نہیں دیتی۔

اب رسول اللہ ﷺ مکہ جانے والے راستے سے کترا کر دوسرے راستہ پر آ گئے اور کوہِ حرا کے غار میں پناہ گزین ہو گئے۔ یہ وہی مقام تھا جہاں پہلی وحی کا نزول ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے وہاں سے نوفل کے سردار مطعم کے نام ایک عریضہ بھیجا۔ یہ وہ سردار تھا جو ان کا قریبی رشتہ دار تھا اور ان پانچ سرداروں میں سے ایک تھا جنہوں نے پابندیوں کے خاتمے کا منصوبہ بنایا تھا۔ مطعم فوراً راضی ہو گیا اور پیغام بھیجا کہ ''شہر میں داخل ہو جاؤ'' اگلی صبح وہ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کو اپنی حفاظت میں کعبے تک لے گیا۔ ابوجہل نے پوچھا کیا وہ محمد کے پیروکار ہو گئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ''ہم ان کو امان دے رہے ہیں۔'' اس جواب پر مخزومی صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ ''جس کو تم امان دو اس کو ہم بھی امان دیتے ہیں۔''

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ اروی رضی اللہ عنہا کا دوسرا شوہر۔ اروی رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی چچازاد بہن تھیں۔ ان کا نام دونوں کی پھوپھی طلیب رضی اللہ عنہا کی والدہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔

۲۔ قرآن ۲۱:۱۰۷ ۳۔ قرآن ۵۵ ۴۔ قرآن ۷۲:۲۔۱ ۵۔ قرآن ۴۶:۱۔۳۰

Marfat.com

باب: ۳۲

تجلیٔ ذات

فاطمہ، ابوطالب کی بیوہ اپنے شوہر کی وفات یا اس سے قبل اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اسی طرح حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کی بہن اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دختر اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا بھی اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ لیکن اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا کے شوہر ہبیرہ نے اس پیغامِ توحید کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ اس کے باوجود جب بھی رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو ان کی پذیرائی کی جاتی اور اگر ملاقات کے دوران نماز کا وقت آ جاتا تو گھرانے کے مسلم افراد مل جل کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ایک ایسا موقع آیا کہ ان سب نے مل جل کر رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نمازِ عشا ادا کی تو گھرانے کے لوگوں نے مل کر درخواست کی کہ بقیہ شب وہ ان کے ہاں ٹھہر جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دعوت قبول کر لی لیکن مختصر سے آرام کے بعد اٹھ کر مسجد الحرام چلے گئے۔ آپ ﷺ کو کعبہ میں شب گزارنا بہت مرغوب تھا۔ اسی قیام میں نیند کا غلبہ ہوا اور آپ ﷺ حجر کے فرش پر لیٹ کر سو گئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں حجر میں محوِ خواب تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے جگایا۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا لیکن وہاں کچھ بھی نہ پایا اور ایک بار پھر لیٹ گیا۔ دوسری دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، پھر تیسری دفعہ آئے اور مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ میں اٹھ کر ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ مجھے مسجد سے باہر لے آئے۔ یہاں ایک جانور سفید رنگ کا تھا جس کا روپ ایک خچر اور گدھے کے بین بین تھا۔ اس کے دونوں جانب پرواز کے لیے پر تھے۔ جن کی مدد سے وہ اپنے پیروں کو حرکت دیتا تھا۔ اس کا ہر قدم اتنا دراز ہوتا تھا کہ جہاں تک نظر پہنچ سکتی تھی۔

Marfat.com

پھر رسول اللہ ﷺ نے بتایا (۱) کہ کیسے وہ براق پر سوار ہوئے اور وہ عظیم فرشتہ ان کے پہلو میں اس آسمانی سواری کے ساتھ قدم ملا رہا تھا۔ دونوں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ یثرب اور اور خیبر کے اوپر سے اڑتے رہے حتیٰ کہ بیت المقدس (یروشلم) پہنچ گئے۔ وہاں انہیں انبیا کی جمعیت ملی، حضرت ابرہیم تھے، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام۔ جب وہ بیت المقدس میں نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو تمام انبیاؑ ان کی امامت میں صف باندھ کر نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے۔ پھر ان کے سامنے دو برتن لائے گئے اور انہیں پیش کیے گئے۔ ایک برتن میں انگور کی شراب اور دوسرے میں دودھ تھا۔ انہوں نے دودھ کا برتن لے لیا، دودھ نوش فرمایا اور شراب کے پیالے کو رَد کر دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بولے ''اے محمد ﷺ! آپ کو راہِ فطرت کی ہدایت عطا ہوئی اور یہی ہدایت آپ نے اپنی قوم کو دی اور اے محمد ﷺ! شراب آپ پر حرام کی گئی۔''

اور پھر جس طرح دوسروں کے ساتھ ہو چکا تھا، یعنی حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ کو اس دنیوی زندگی سے نکال کر آسمانوں کی جانب لے جایا گیا۔ بیت المقدس کے مرکز میں جو چٹان ہے وہاں سے آپ ایک بار پھر براق پر سوار ہوئے۔ براق نے بلندی کی جانب پرواز کرنے کے لیے اپنے پروں کو پھڑپھڑایا اور اپنے سوار کے لیے ایسا ہو گیا جیسے حضرت الیاس علیہ السلام کے لیے آگ کی رتھ ہو گئی تھی۔ عظیم فرشتے کی رہنمائی میں جس نے اپنی ہیئت بدل کر آسمانی مخلوق کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ وہ بلند ہوتے رہے حتیٰ کہ دنیائے آب و گل، جسم اور مادہ کی صورتوں سے ماورا، وقت کے شمار سے پرے خلا میں پہنچ گئے۔ جیسے جیسے وہ سات آسمانوں سے گزرے تو ایک بار پھر ان انبیاؑ سے ملاقات ہوئی جن کی معیت میں یروشلم میں نماز ادا کر چکے تھے لیکن جب ان کی ملاقات یروشلم میں ہوئی تھی تو وہ اسی جسم کے روپ میں تھے کہ جیسے وہ اپنی زندگی میں تھے جبکہ اب جو وہ آسمانوں کی فضا میں ملے تو وہ روحانی حقیقتوں کے روپ میں تھے۔ انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو روحانی روپ میں ہی دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کو ان کی اس تبدیلیٔ ہیئت پر بہت حیرانی ہوئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ ان کے چہرہ پر جو آب و تاب انہوں نے دیکھی وہ ایسی تھی جیسے چودھویں شب کے چاند پر ہوتی ہے (۲) اور یہ کہ اللہ نے ان کو تمام تر موجودہ حسن کا کم از کم آدھا حصہ تو ضرور تفویض فرما دیا تھا۔ (۳) اس مشاہدہ کے بعد جب آپ ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو دیکھا تو پسندیدگی کا عالم کچھ کم نہ تھا۔ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کے حسن و جمال کا ذکر خاص طور پر کیا (۴) اور ان باغات کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے بعد میں فرمایا کہ مختلف آسمانوں میں جہاں جہاں ان کو سیر کرائی گئی ''کمان کے برابر جنت کا ایک ٹکڑا زمین کی تمام وسعتوں سے بدرجہا بہتر ہے جس پر کہ یہ آفتاب طلوع و غروب

Marfat.com

ہوتا ہے اور فردوسِ بریں کی ایک عورت اہلِ زمین کے سامنے آجائے تو وہ آسمان وزمین کے مابین نور اور خوشبو سے روشن اور معطر کردے۔''⑤ جس شے کا بھی آپ ﷺ نے مشاہدہ کیا اس کو آپ نے روحانی فطرت کی آنکھ سے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں اس وقت بھی رسول تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی آب و گل کی کیفیت میں منتظرِ تخلیق تھے۔'' ⑥

آپ ﷺ کے سفرِ آسمانی کا نقطۂ عروج سدرۃ المنتہیٰ، عالمِ مادی کی انتہا پر شجرِ سدرہ (بیری کا درخت) تھا۔ قرآن میں بھی اس کا یہی نام ہے اور ایک بہت پرانی تفسیر میں جس کی سند حدیثِ رسول ﷺ ہے، یہ کہا گیا ہے کہ ''سدرہ کے شجر کی جڑیں عرش میں ہیں اور یہ ہر عالم کے علم کی آخری حد ہے۔ خواہ وہ ملک الملکوت ہو، یا رسول، اس حد سے پرے ہر شے صیغۂ راز میں ہے، جس کا علم ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں۔''⑦ اس انتہا پر حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی پوری شان وشوکت سے آشکار ہوئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلق کیا تھا، تب یہ وحی ''اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا (اور اس وقت بھی) ان کی آنکھ نہ تو خیرہ ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔''⑧ تفسیر کے مطابق نورِ الٰہی شجرِ سدرۃ پر طاری ہوا اور اس پر چھا گیا اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی تھا اس پر بھی اور رسول اللہ ﷺ کی آنکھ نے بے جھجک اور بے انحراف اس کو دیکھا۔⑨ یہ تھا جواب اس التجا کا جو آپ کے دعاؤں میں مضمر تھی ''میں تیری تجلیٔ ذات میں پناہ لیتا ہوں۔'' ⑩

سدرۃ المنتہیٰ پر رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے لیے روزانہ پچاس نمازوں کا حکم ملا اور تب ہی آپ پر وہ وحی نازل ہوئی جو اسلام کے بنیادی عقائد پر مشتمل ہے ''رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو کچھ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ مومنین بھی سب کے سب اللہ اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں ہم اللہ کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور کہنے لگے ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرا ارشاد سنا اور مان لیا۔ اے پروردگار! ہمیں تیری مغفرت کی ہی خواہش ہے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' ⑪

پھر آپ ﷺ نے سات آسمانوں کی بلندی سے زمین کی جانب اترنا شروع کردیا کہ جس طرح پہلے بلندیوں کی جانب سفر کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''واپس ہوتے ہوئے میری ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی اور وہ تمہارے کس قدر اچھے دوست ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا ''آپ پر کتنی نمازیں فرض کی گئی ہیں؟'' میں نے بتایا ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام بولے ''نماز با جماعت ایک بارِ گراں ہے اور آپ کی امت ناتواں ہے اپنے پروردگار کے حضور واپس جا کر عرض کریں کہ اس بوجھ کو آپ اور

Marfat.com

آپ کی امت کے لیے ہلکا کر دیا جائے۔'' پس میں واپس ہوا اور اپنے مالک کے حضور اس بارِ گراں میں تخفیف کی عرض کی۔ پروردگار نے دس کم کر دیں۔ واپس ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر ملے اور انہوں نے وہی بات جو پہلے کہی تھی پھر دہرا دی اور میں ایک مرتبہ پھر واپس ہوا اور دس نمازیں اور کم کر دی گئیں لیکن ہر دفعہ جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا وہ مجھے واپس کرتے رہے حتیٰ کہ میرے اوپر شب و روز میں پانچ نمازیں فرض رہ گئیں۔ لیکن واپسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی تو میں نے کہا ''میں اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاتا رہا اور عرض کرتا رہا یہاں تک کہ اب مجھے شرم آتی ہے اب میں واپس نہیں جاؤں گا اور اب ایسا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کے رحم و کرم کا طالب ہو کر خلوصِ نیت سے پانچ نمازیں ادا کرے گا تو اللہ اس کو پچاس نمازوں کا ثواب عطا کرے گا۔'' (۱۲)

جب رسول اللہ ﷺ اور سردارِ ملائک یروشلم میں صخرہ کے مقام پر اترے تو دونوں مکہ معظّمہ اسی راستہ سے واپس ہوئے جس سے وہ گئے تھے۔ انہیں گزرتے ہوئے بہت سے کاروان ملتے گئے۔ کعبہ میں پہنچے تو ہنوز وقتِ شب تھا۔ وہاں سے رسول اللہ ﷺ اپنی چچا زاد بہن اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے۔ اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ ''فجر سے تھوڑی دیر قبل رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور جب ہم نے نمازِ فجر ادا کر لی تو انہوں نے فرمایا ''اے اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا میں نے تمہارے ساتھ نمازِ عشا اس وادی میں ادا کی تھی جیسا کہ تم نے بھی دیکھا۔ اس کے بعد یروشلم گیا تھا اور وہاں نماز پڑھی اور اب صبح کی نماز جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو تمہارے ساتھ پڑھی ہے۔'' وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے میں نے ان کی عبا اس زور سے گرفت میں لی کہ وہ میرے ہاتھ میں آ گئی اور آپ کا پیٹ کھل گیا۔ عبا کیا تھی سوت کی چادر سی تھی جس کو آپ نے اپنے اوپر لپیٹا ہوا تھا۔ میں نے کہا ''اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں کو یہ بات نہ بتائیے کیوں کہ وہ آپ کو جھوٹا کہیں گے اور آپ کی شان میں بُری باتیں منہ سے نکالیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''واللہ میں ان کو بتاؤں گا'' (۱۳)

آپ ﷺ مسجد الحرام میں پہنچے اور جو کوئی بھی ملا اس کو اپنے سفرِ یروشلم کے متعلق بتایا۔ ان کے دشمن فوراً ہی بغلیں بجانے لگے کیوں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ قریش کے بچہ بچہ کو علم تھا کہ مکہ سے شام جانے کے لیے ایک کاروان کو جانے کے لیے پورا ایک مہینہ لگتا ہے اور واپس ہونے کے لیے بھی ایک ماہ درکار ہوتا ہے۔ جبکہ محمد (ﷺ) دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک ہی رات میں گئے اور واپس بھی آ گئے۔ لوگوں کا ایک گروہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا ''اب تمہارا اپنے دوست کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ گزشتہ شب وہ یروشلم گئے، وہاں عبادت کی اور پھر مکہ واپس

Marfat.com

بھی آگئے۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان پر دروغ گوئی کا الزام لگایا لیکن ان لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یقین دلایا کہ اس وقت محمد (ﷺ) کعبہ میں ہیں اور اپنے سفر کے متعلق لوگوں کو بتا رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر وہ ایسا کہہ رہے ہیں تو سچ ہی کہہ رہے ہیں" اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے وہ مجھے بتاتے ہیں کہ ان کے پاس آسمانوں سے زمین کی طرف دن یا رات کی کسی ساعت میں خبریں آتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ سچ فرماتے ہیں اور جس بات میں تم مین میخ نکالتے ہو ان کی باتیں اس سے ماورا ہیں۔"[14] اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد الحرام گئے تا کہ وہاں جا کر اپنی توثیق کو سب کے روبرو دہرائیں "اگر وہ ایسا فرماتے ہیں تو سچ ہی فرماتے ہیں۔" اور یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں "صدیق" کا لقب عطا فرمایا تھا جس کے معنی ہیں "صداقت کا عظیم گواہ" یا "سچائی کا عظیم توثیق کنندہ۔" مزید برآں ان میں سے بعض لوگ جنہوں نے رودادِ نبی کو قابلِ یقین نہیں گردانا تھا اب اپنی فکر پر نظرِ ثانی شروع کر دی کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کاروانوں کی تفصیل بتائی تھی جن کے پاس سے گزر کر آپ واپس تشریف لائے تھے۔ یہ کاروان مکہ کی جانب محوِ سفر تھے اور انہوں نے بتایا کہ ان کاروانوں کو کس منزل پر پایا تھا اور یہ کہ ان کی آمد مکہ میں کب متوقع ہے۔ یہ کاروان رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق ہی مکہ پہنچے اور ان کاروانوں کی تفصیل بھی آپ کے بیان کے عین مطابق تھی۔ جو لوگ مسجد الحرام میں تھے ان کے سامنے آپ ﷺ نے صرف یروشلم کے سفر کا ہی بیان فرمایا لیکن جب وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کی معیت میں تنہا تھے تو ان سے سات آسمانوں سے گزر کر معراج اور جو کچھ آپ ﷺ نے دیکھا اس کا ایک حصہ بھی بیان فرمایا۔ باقی حصہ بعد میں سوالات کے جواب میں فرماتے رہے جو لوگ آپ سے مختلف مواقع پر پوچھتے رہتے تھے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ابن اسحٰق: ۲۶۴ ۲۔ابن اسحٰق: ۲۷۰ ۳۔احمد ابن حنبل: ۳، ۲۸۶ ۴۔ابن اسحٰق: ۲۷۰

۵۔بخاری: ۵۶، ۶ ۶۔ترمذی: ۳۶، ۱ احمد ابن حنبل: ۴۔۶۶ ۷۔تفسیر طبری: ۵۳ ۸۔قرآن ۵۳: ۱۷۔۱۶

۹۔تفسیر طبری: ۵۳ ۱۰۔مسلم ۱: ۲۸۰ ۱۱۔قرآن ۲: ۲۸۵ ۱۲۔ابن اسحٰق: ۲۷۱ ۱۳۔ابن اسحٰق: ۲۶۷

۱۴۔ابن اسحٰق: ۲۶۵

Marfat.com

باب: ۳۳

رنج والم کے بعد

جب رنج والم کا سال ختم ہوا تو نئے سال میں حج کا زمانہ جون میں پڑا۔ عیدِ قربان کے بعد رسول اللہ ﷺ وادیٔ منیٰ میں تشریف لے گئے جہاں حاجی تین روز تک قیام کرتے تھے۔ کئی برسوں سے آپ ﷺ کا شعار ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ حاجیوں کے خیموں میں تشریف لے جاتے اور جو کوئی بھی سننے کو تیار ہوتا اسے اپنی دعوت پہنچانے کا اہتمام کرتے اور موقع کی مناسبت سے نازل شدہ آیات کی تلاوت فرماتے۔ مکہ سے منیٰ کا نزدیک ترین مقام عقبہ کا ہے۔ جہاں سے مقدس شہر کی سمت جانے والا راستہ پہاڑی کے ساتھ بلند ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ وہ سال تھا کہ عَقَبہ پر قبیلۂ یثرب کے رہنے والے چھ افراد آپ ﷺ سے آ کر ملے۔ رسول اللہ ﷺ ان چھ اشخاص سے واقف نہ تھے لیکن ان لوگوں نے ان کے متعلق سن رکھا تھا اور ان کے دعویٰ رسالت کے بارے میں بھی۔ جونہی آپ نے اپنا تعارف کروایا تو ان کے چہرے شوق سے دمک اٹھے اور بڑی ہی توجہ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنیں۔ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے پڑوسیوں کی دھمکیوں سے بخوبی آشنا تھا۔ یثرب کے یہودی کہا کرتے تھے کہ ''بس اب ایک رسول آنے ہی والا ہے۔'' ''ہم اس کی پیروی کریں گے اور تم لوگوں کو ویسے ہی قتل کریں گے جیسے کہ عاد اور اِرم قتل کیے گئے تھے۔'' اور جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا خطاب ختم کیا تو وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے ''حقیقت میں یہ وہی نبی ہے کہ جس کے لیے یہودی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آئے گا۔ ان کے پاس پہنچنے میں یہودیوں کو سبقت نہیں ہونی چاہیے۔'' اس کے بعد اکا دکا سوال و جواب کا تبادلہ ہوا۔ ان چھ اشخاص میں سے ہر ایک نے رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی شہادت دی اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ان تمام احکامات و ارکانِ اسلام پر پابندی سے

Marfat.com

عامل رہیں گے کہ جن کو ان کے سامنے بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہنے لگے ''ہم اپنے لوگوں سے دستبردار ہو چکے ہیں کیونکہ کہیں بھی کوئی ایسی قوم نہیں ہے کہ جس کو آپس کی دشمنی نے تار تار نہ کر دیا ہو جیسا کہ ہم لوگوں نے کیا ہے اور عین ممکن ہے کہ آپ کی ذاتِ بابرکت سے اللہ ان میں اتحاد پیدا کر دے۔ اب ہم ان لوگوں کے پاس واپس جائیں گے اور ان کو آپ کا دین قبول کرنے کی دعوت دیں گے اسی طرح جیسے ہم نے اسلام قبول کیا ہے اور اگر اللہ نے ان سب کو آپ کے گرد اکٹھا کر دیا تو پھر کوئی فرد آپ سے زیادہ قوت میں بڑھ کر نہیں ہوگا۔'' (۱)

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مکان بنی جمح کی آبادی میں تھا جہاں رسول اللہ ﷺ بڑی باقاعدگی سے ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بیٹی کے لیے ان کی یہ آمد و رفت اپنے بچپن کی یادوں کا ایک خصوصی پہلو تھا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یادداشت میں ایسے کسی لمحے کا وجود نہ تھا کہ جب ان کے والدین مسلمان نہ تھے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں باقاعدہ ملاقات کے لیے تشریف نہ لاتے ہوں۔

اسی سال جو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آیا رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ایک ریشم کے کپڑے میں کسی کو لپیٹے لیے جا رہا تھا۔ اس شخص نے آپ سے کہا ''یہ آپ کی زوجہ ہے اسے کھول کر دیکھو۔'' رسول اللہ ﷺ نے ریشم کا کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر تو صرف چھ سال کی تھی اور وہ خود عمر میں پچاس سال سے بھی تجاوز کر چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جی میں کہا کہ ''اگر یہ بات منجانب اللہ ہے تو وہی اس کو عمل میں بھی لائے گا۔'' (۲) چند راتیں گزری تھیں کہ آپ ﷺ نے سوتے میں دیکھا کہ ایک فرشتہ وہی ریشم کی گٹھڑی لیے جا رہا ہے آپ نے خود ہی فرشتے کو روکا ''مجھے دکھاؤ۔'' فرشتے نے ریشمی کپڑا ہٹایا اور ایک مرتبہ پھر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی بات دہرائی کہ ''اگر یہی منشائے الٰہی ہے تو وہی اسے پورا بھی کرے گا۔'' (۳)

رسول اللہ ﷺ نے ان خوابوں کا ذکر ابھی تک کسی سے نہیں کیا تھا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی نہیں لیکن اب ان کے سامنے ایک تیسری قسم کی توثیق آئی جو گذشتہ اشاروں سے مختلف تھی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیّدہ خولہ رضی اللہ عنہا سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی خانگی ضروریات کا بڑی توجہ سے خیال رکھتی تھیں۔ ایک روز جب وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر موجود تھیں تو انہوں نے مشورہ دیا کہ اپنے واسطے ایک زوجہ لے آئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اس بارے میں اس کے ذہن میں کون ہے تو خولہ نے جواب دیا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا یا زمعہ کی دختر سودہ رضی اللہ عنہا۔'' سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا سہیل کے بھائی کی بیوہ جو اس کی رشتہ کی بہن بھی تھیں اور اب بیوہ ہو چکی تھیں اور ان کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ (۴) ان کے پہلے

Marfat.com

شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ ان کو اپنے ساتھ حبشہ لے گئے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو مکہ سب سے پہلے واپس آ گئے تھے۔ مکہ واپس لوٹے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے خولہ سے کہا کہ وہ ان دونوں خواتین کے ساتھ رشتہ کی بات کریں۔ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔'' آپ ﷺ نے جواب میں یہ پیغام بھیجا کہ ''اپنے بزرگوں میں سے کسی سے کہو کہ وہ تمہارا ولی بن کر تمہیں میری زوجیت میں دے دے۔'' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بہنوئی حاطب رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ اس وقت تک ملکِ حبش سے واپس آ چکے تھے انہوں نے سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی زوجیت میں دے دیا۔

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے چند ماہ بعد سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آ گئیں۔ اس شادی کے رشتہ کی تکمیل صرف رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایجاب وقبول کے بعد طے پائی اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت موجود نہ تھیں۔ بعد میں کسی موقع پر انہوں نے بتایا کہ انہیں اپنی اس نئی حیثیت کا گمان اس وقت ہوا جب ایک دن وہ گھر سے باہر سہیلیوں کے ساتھ کھیل میں مصروف تھیں۔ یہ جگہ گھر سے دور نہیں تھی کہ ان کی والدہ آئیں اور ان کا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر لے گئیں اور کہا کہ آئندہ گھر سے باہر جا کر مت کھیلنا۔ سہیلیوں سے کہہ دو کہ اگر کھیلنا ہے تو گھر کے اندر آ کر کھیلیں۔ اگرچہ ان کی والدہ نے ان کی شادی کے بارے میں کچھ نہ کہا لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک دھندلا سا اشارہ مل گیا تھا لیکن ان کے روزمرہ میں اس کے سوا کچھ فرق نہ پڑا کہ انہیں اب گھر سے باہر کھیلنے کی بجائے گھر کے صحن میں کھیلنا پڑتا تھا۔

قریباً یہی وہ زمانہ تھا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے مقابل ایک چھوٹی سی مسجد بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہ مسجد چہار جانب دیوار سے گھری ہوئی تھی لیکن چھت پر کھلا آسمان تھا۔ یہاں وہ نماز پڑھتے تھے اور قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ چونکہ دیواریں زیادہ اونچی نہ تھیں اس لیے راہگیر گزرتے ہوئے مسجد کے اندر جھانک لیا کرتے تھے اور اکثر کافی لوگوں کی تعداد وہاں قرآن کی تلاوت سننے کے لیے کھڑی ہو جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس عقیدت کا مشاہدہ بھی کرتے تھے جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روح کی گہرائیوں تک متاثر کیا ہوا تھا۔ امیہ کو اندیشہ ہو چلا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے مذہب تبدیل کرنے والوں کی تعداد بڑھتی نہ چلی جائے۔ اس اندیشے کے باعث امیہ کے ایما پر سردارانِ قریش نے ابن الدغنہ کے پاس ایک وفد روانہ کیا جس میں انہوں نے اس کو اس امان کا حوالہ دیا جو ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دی تھی اور بتایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مسجد کی دیواروں کی بلندی اتنی زیادہ نہیں ہے کہ اسے گھر کا حصہ قرار دیا جا سکے۔ ''اگر وہ اپنے رب

Marfat.com

کی عبادت گھر کے اندر کرنا چاہتے ہیں تو کریں لیکن اگر کھلم کھلا ہی کرنا چاہتے ہیں تو ان کی امان سے دستبردار ہو جاؤ۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسجد سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا اور ابن الدغنہ کو امان کی ذمہ داری سے فارغ کرتے ہوئے کہا'' مجھے اللہ کا تحفظ اور اسی کی امان کافی ہے۔''

یہی وہ دن تھا جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر دی کہ مجھے اس جگہ کی بشارت دی گئی ہے جہاں تم لوگوں کو ہجرت کر کے جانا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ سرزمین خوب سیراب ہے۔ کھجور کے درختوں سے مالا مال اور سیاہ پتھروں کی دو راہگزاروں کے درمیان۔''

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ابن اسحٰق: ۲۸۷ ۲۔بخاری: ۹۱، ۲۰ ۳۔بخاری: ۹۱، ۲۰ ۴۔اصل تصنیف صفحہ ۷۲ ۵۔بخاری: ۷، ۳۷

Marfat.com

باب: ۳۴

اہلِ یثرب کا ردِ عمل

''آپس کی دشمنیوں اور گناہوں سے تار تار'' یثرب کے چھے نئے اسلام قبول کرنے والوں نے ان لفظوں میں اپنی قوم کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا تھا۔ بعاث کی باہمی جنگ اس سلسلہ کی چوتھی اور انتہائی وحشیانہ جنگ ہونے کے باوجود نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی تھی۔ اور نہ ہی اس کے بطن سے کسی قسم کی صلح و امن کا قابلِ ذکر معاہدہ نمودار ہوا تھا۔ صرف وقتی طور پر لڑائی بند کرنے پر سمجھوتہ ہوا تھا۔ ایک طویل مدت سے آپس کی تلخیوں اور رنجشوں نے اتنا طول کھینچا تھا کہ مکمل تباہی و بربادی کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ اس متوقع بربادی کے یقینی آثار نے دونوں فریقوں کے اعتدال پسند افراد کو اس سوچ پر مائل کر دیا تھا کہ انہیں مجموعی طور پر ایسے سردار کی ضرورت تھی جو اوس اور خزرج قبیلوں کو آپس میں اسی طرح متحد کر سکے جیسے کہ قُصَی نے قریش کو متحد کر دیا تھا۔ اور ان سب کی رائے میں اس مسئلہ کا کوئی دوسرا حل نہ تھا۔ اس نخلستان کے بہت سے لوگ عبداللہ بن ابی کے حق میں تھے۔ یہ شخص وہاں کے سرکردہ افراد میں سے تھا اور لوگ اسے بادشاہ بنانے کے متعلق سوچ رہے تھے۔ حالیہ جھڑپ جو ہوئی تھی اس نے قبیلۂ اوس کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا بلکہ لڑائی کی شام اپنے آدمیوں کو واپس بلا لیا تھا۔ پھر بھی وہ تھا تو قبیلہ خزرج کا ہی ایک فرد اور اس امر کا اندیشہ تھا کہ آیا قبیلہ اوس کے لوگ اپنے آپ کو ایک ایسے بادشاہ کے تسلط میں دے سکتے ہیں جس کا تعلق ان کے اپنے قبیلے کی بجائے دشمن قبیلے سے ہو۔

خزرج کے ان چھے نو مسلموں نے اپنا پیغام ہر اس شخص کو پہنچا دیا جو اس کو سننے کے لیے تیار تھا۔ پھر دوسرا موسمِ گرما آ گیا یعنی سنِ عیسوی کا ۶۲۱ سال، تو ان میں سے پانچ نے حج بیت اللہ کا اعادہ کیا۔ ان کے ساتھ

Marfat.com

سات اور بھی آئے جن میں سے دو کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ عقبہ کے مقام پر ان بارہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اس بیعت کو ''عقبیٰ اولیٰ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ''ہم لوگوں نے عقبیٰ اولیٰ کی شب اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ: ہم کسی کو بھی اللہ کا شریک نہ بنائیں گے۔ نہ ہم چوری کریں گے اور نہ غیر منکوحہ سے حرامکاری کا ارتکاب کریں گے اور نہ ہی اپنی نوزائیدہ اولاد کو قتل کریں گے۔ (1) نہ ایک دوسرے کے خلاف بہتان تراشی کریں گے اور یہ کہ ہم میں سے کوئی بھی ان کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرے گا۔'' انہوں نے ہم سے فرمایا ''اگر تم اس بیعت پر قائم رہو گے تو تم کو جنت نصیب ہو گی اور اگر ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا تم نے ارتکاب کیا اور اس جرم کی پاداش میں اگر اس دنیا میں ان کو سزا مل گئی تو وہ سزا ان کے لیے توبہ کا درجہ ہو گی اور اگر تم نے اس جرم کو چھپا کر یومِ بعثت تک رکھا تو پھر یہ اللہ کی رضا ہو گی کہ تمہیں سزا دے یا معاف کر دے۔'' (2)

جب یہ لوگ یثرب واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ قبیلہ عبدالدار سے تھے اور اس وقت ملکِ حبش سے مکہ واپس آ چکے تھے۔ آپ کو یثرب جا کر ان کو قرآن کی تعلیم اور دین سے متعلق ہدایات دینا تھیں۔ آپ نے اپنی رہائش کا بندوبست اسد بن زُرارہ کے ہاں کیا۔ یہ ان چھ میں سے تھے جو گزشتہ سال اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نماز میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے کیونکہ اسلام لے آنے کے باوجود اوس یا خزرج میں سے کسی دوسرے کی سبقت یا فوقیت قبول کرنا آسان نہ تھا۔

قائلہ کے بیٹوں کی اولاد کے مابین رقابت بہت پرانی تھی۔ بایں ہمہ دونوں قبائل کے افراد کے مابین اکثر شادی کے رشتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ایسے ہی ایک رشتے کے نتیجے میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے خزرجی میزبان حضرت اسد رضی اللہ عنہ کے اوس قبیلے کے ایک فرد سعد بن معاذ، سے حقیقی خالہ زاد بھائی کا رشتہ بھی تھا۔ سعد بن معاذ اوس قبیلہ کے سرداروں میں سے تھا اور اسے یہ نیا مذہب سخت ناپسند تھا۔ اسے اس بارے میں غصہ تو تھا ہی اب یہ پریشانی بھی ہوئی کہ اس کا خالہ زاد بھائی اسد اور مصعب رضی اللہ عنہما بمعہ چند نومسلموں کے ایک دن اس قبیلے کے باغ میں بیٹھے قبیلے کے افراد سے بڑی سنجیدگی سے محوِ گفتگو تھے۔ وہ ایسی سرگرمیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے سے کم مرتبہ سردار اسید کے پاس گیا۔ سعد نے اسید سے کہا ''ذرا ان دو اشخاص کے پاس جاؤ جو ہمارے علاقے میں در آئے ہیں اور ہمارے کم سمجھ بھائیوں کو بے وقوف بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔'' غالباً اسے اس وقت اپنے مرحوم بھائی حضرت ایاس رضی اللہ عنہ کا خیال آ رہا تھا جو یثرب (3) کے پہلے فرد

Marfat.com

تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔"جاؤ اور جا کر ان کو نکال باہر کرو۔ ان پر واضح کر دو کہ آئندہ ہمارے علاقے میں نہ آئیں۔ حضرت اسد رضی اللہ عنہ اگر میرا خالہ زاد نہ ہوتا تو میں تمہیں یہ زحمت نہ دیتا لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ میری والدہ کی بہن کا بیٹا ہے اور میں اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

اسید نے نیزہ ہاتھ میں اٹھایا اور جا کر ان کے سر پر کھڑا ہو کر چہرے کو بل دے کر ہیبت ناک بنایا کہ جتنا وہ بن سکتا تھا۔"تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا اس لیے کہ ہمارے ناسمجھ بھائیوں کو بیوقوف بنا سکو؟ تمہیں اگر اپنی جانیں عزیز ہیں تو ہم سے دور چلے جاؤ۔" حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اس پر ایک نگاہِ التفات ڈالی اور بڑی نرم روی سے کہا "کیوں نہ آپ بھی یہاں تشریف رکھیں اور ہماری گفتگو سے لطف اندوز ہوں؟ اگر آپ کو پسند آئے تو قبول کر لیں ورنہ کنارہ کش ہو جائیں۔" اسید بولا "بات تو انصاف کی ہے۔" اسید کو رسول اللہ ﷺ کے قاصد کی شخصیت، چہرہ بشرہ اور طور طریق بہت اچھے لگے۔ اپنے نیزے کو زمین پر گاڑتے ہوئے وہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام پر گفتگو کی اور تلاوتِ کلامِ پاک سنائی۔ اسید کے چہرہ پر غضب کے آثار ختم ہو گئے اور رنگ بدل گیا۔ حتیٰ کہ حاضرینِ مجلس نے دیکھا کہ اسلام کا نور اس کے چہرہ پر عیاں ہو گیا اور اس کا اثر اور اس کی نرمی اس کی زبان کھلنے سے بھی پہلے ظاہر تھی۔"یہ الفاظ کتنے اعلیٰ وارفع ہیں اور ان میں کتنا حسن ہے۔" حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اپنا کلام ختم کرنے ہی پائے تھے کہ اسید بولا "اگر کسی کو اس مذہب میں داخل ہونا ہو تو اسے کیا کرنا چاہیے؟" حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسے سر سے پاؤں تک پانی سے غسل کرنا چاہیے تاکہ وہ طاہر ہو جائے اور یہ کہ اسے اپنے پہننے کے تمام کپڑوں کو بھی دھو کر پاک کرنے کے بعد نماز پڑھنا ہو گی۔ یہ لوگ جہاں پر بیٹھے ہوئے تھے وہاں باغ میں ایک کنواں بھی تھا۔ اسید نے غسل کیا، اپنے کپڑے طاہر کیے اور زبان سے کلمۂ شہادت ادا کیا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے انہیں نماز کی تعلیم دی، انہوں نے نماز ادا کی اور کہا "میرے پیچھے ایک اور آدمی ہے جو تمہاری پیروی کر لے تو بغیر کسی چون و چرا اس قبیلے کا ہر فرد اسلام میں داخل ہو جائے گا۔"

حضرت اسید رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے والوں میں گئے اور ان کے قریب پہنچنے سے پیشتر ہی لوگوں نے مشاہدہ کر لیا کہ ان کی کایا پلٹ چکی ہے۔ سعد بولا "یہ تُو نے کیا کیا؟" حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ان دونوں سے گفتگو کی اور واللہ مجھے تو ان میں کوئی برائی نظر نہ آئی۔ میں نے انہیں یہ سلسلہ ختم کرنے کو کہا اور انہوں نے کہا کہ جیسا تم چاہتے ہو ہم ویسا ہی کریں گے۔" سعد بولا "میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم کسی کام کے نہیں ہو۔" یہ کہہ کر نیزہ اپنے ہاتھ میں لے کر باغ کی طرف چل پڑا جہاں وہ لوگ اطمینان سے بیٹھے تھے۔ اس نے حضرت

Marfat.com

اسعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس نے رشتہ داری کا انتہائی غلط فائدہ اٹھایا ہے لیکن حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کی طرح سعد سے بھی اسی طرح کلام کیا اور سعد کو بات سننے پر آمادہ کر لیا۔ پہلے کی طرح وہی نتیجہ نکلا اور سعد نے اسلام قبول کر لیا۔

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نماز ادا کر چکے تو وہ حضرت اسید رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے قبیلے کے اجتماع میں گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب کیا اور کہا ''تم لوگوں کے درمیان میرا کیا مرتبہ ہے؟'' آپ ہمارے سردار اور قابلِ اطاعت ہیں۔'' ان لوگوں نے جواب دیا۔ ''اور ہم میں سے آپ وہ ہیں کہ جن کا فیصلہ بہترین ہوتا ہے اور آپ کی سرداری ہمارے حق میں بہت بہتر ہے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ''تب میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ میرا عہد ہے کہ میں تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے اس وقت تک کلام نہیں کروں گا جب تک کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ گے۔'' رات ہونے تک قبیلے میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ایمان نہ لے آیا ہو۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا قیام حضرت اسد رضی اللہ عنہ کے ہاں تقریباً گیارہ ماہ رہا۔ اس عرصہ میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد حج کا مہینہ قریب آ گیا تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مکہ واپس آ گئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری سنا دیں کہ انہوں نے قبیلہ اوس وخزرج کے متعدد قبائل کے درمیان کام کر کے کیا کچھ کام سرانجام دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے علم میں تھا کہ سیاہ پتھروں کی دو قطاروں کے بیچ میں پانی سے خوب سیراب جو زمین آپ ﷺ نے خواب میں دیکھی تھی وہ یثرب ہی تھا۔ انہیں علم تھا کہ اس بار وہ خود مہاجرین میں سے ہوں گے۔ مکہ میں اب چند ہی لوگ رہ گئے تھے جن پر وہ اتنا بھروسہ کرتے تھے جتنا اپنی چچی ام الفضل پر۔ وہ ان کے چچا عباس کی بیوی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی یقین تھا کہ ان کے چچا عباس اگرچہ داخلِ اسلام نہیں ہوئے تھے پھر بھی ان سے کوئی دغا نہیں کریں گے اور نہ ہی کبھی کسی راز کو افشا کریں گے جو انہیں رازداری سے سونپا گیا ہو۔ پس انہوں نے ان دونوں کو بتا دیا تھا کہ انہیں یثرب جا کر بس جانے کی امید ہے لیکن اس کا دارومدار نخلستان سے آنے والے اس وفد پر ہے جس کی حج کے موقع پر آمد کی توقع ہے۔ عباس نے یہ سن کر کہا کہ وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ جائیں اور وفد کے افراد سے ملاقات کر کے ان سے گفتگو میں شریک ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اتفاق کیا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے یثرب سے چلے آنے کے کچھ عرصہ بعد، جس طرح کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اور

Marfat.com

ان کے درمیان طے پا چکا تھا، یثرب کے مسلمانوں میں سے چند لوگ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ کل تہتر (۷۳) مرد اور دو خواتین تھیں۔ انہیں امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ملاقات کریں گے۔ ان کے سربراہوں میں خزرجی سردار حضرت براء رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سفر کے ابتدائی ایام میں ایک خیال ان پر مسلط رہا کہ وہ لوگ مکہ کی جانب سفر کر رہے ہیں جہاں بیت اللہ، خانہ کعبہ ہے جو جزیرۃ العرب کا سب سے عظیم مرکزِ حج و زیارت ہے۔ اسی مکہ میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں کہ جن کے حضور وہ جا رہے ہیں، اسی مکہ معظمہ میں نزولِ قرآن ہوا ہے اور اسی جانب ان کی روحیں عروج حاصل کرنے کی تمنا میں آگے آگے جا رہی ہیں۔ تو کیا ایسی صورت میں یہ معقول ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو ہم مکہ کی جانب اپنی پیٹھ کر لیں اور شمال، ملکِ شام کی جانب رخ کر لیں۔ ممکن ہے یہ خیال سے کہیں زیادہ کی امکانی فکر تھی کیوں کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی زندگی کا کچھ ہی عرصہ باقی تھا اور موت سے قریب ہونے والے لوگوں کو مستقبل کے بارے میں کچھ نہ کچھ آگہی ہو جاتی ہے' انہوں نے اسی خیال کے تحت اپنے ساتھیوں کو اپنے خیال سے آگاہ کیا۔ ان کے ساتھیوں نے یہ سن کر کہا کہ جہاں تک وہ جانتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا معمول ہے کہ وہ شام، یعنی یروشلم کی سمت میں ہی نماز ادا کرتے ہیں اس لیے وہ ان کی پیروی سے گریز کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں تو نماز میں اپنا رُخ کعبہ ہی کی طرف کروں گا۔'' اور پھر سارے سفر کے دوران انہوں نے کعبہ کی جانب رخ کر کے ہی نماز ادا کی۔ دیگر ساتھیوں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن حضرت براء رضی اللہ عنہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن جب وہ مکہ پہنچ گئے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ کے دل میں شکوک نے سر اٹھایا اور انہوں نے اپنے خاندان کے ایک فرد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے جو ان سے عمر میں کم تھے اور یثرب کے ان شعراً میں سے تھے جو شاعری میں دوسروں سے کہیں بہتر تھے، سے کہا کہ ''میرے بھائی کے فرزند، آؤ! ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلیں اور ان سے دریافت کریں کہ دورانِ سفر ہم نے کیا کیا۔ کیونکہ دورانِ سفر تم لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے میری روح شک و شبہات میں پھنس گئی ہے۔''

انہوں نے اب تک رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہی نہ تھا اس لیے مکہ کے ایک مکین سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ملیں گے؟ اس شخص نے کہا ''کیا تم ان کے چچا عباس کو جانتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا کہ عباس کو جانتے ہیں کیوں کہ عباس کا اکثر یثرب کا دورہ ہوا کرتا تھا۔ اور یثرب کے لوگ ان سے بخوبی واقف تھے۔ اطلاع دینے والے نے بتایا کہ ''جب تم مسجد میں داخل ہو گے تو جو آدمی عباس کے ساتھ بیٹھے ہوئے ملیں گے وہی رسول اللہ ہیں۔'' یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنا سوال پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم کو ایک رُخ ملا ہوا تھا تو لازم تھا کہ اسی پر رہتے۔'' حضرت براء رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ پھر

Marfat.com

نماز میں اپنا رخ یروشلم کی طرف کر دیا تاکہ ویسا ہی کرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے جو جواب ملا تھا اس کے ایک سے زیادہ مطالب ہو سکتے تھے۔

ان لوگوں کا مکہ کا سفر ایک کاروان کے ساتھ ہوا تھا جس میں ایسے زائرین بھی شامل تھے جو دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے اور موحد نہ تھے۔ ان میں ایک نے وادیٔ منیٰ میں اسلام قبول کر لیا۔ یہ قبیلہ خزرج کا نامی گرامی شخص ابوجابر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے جو بنی سلمہ کے سربراہ اور بہت اثر و رسوخ کے حامل تھے۔ آپس میں طے پایا کہ وہ پہلے کے طرح بڑی رازداری سے رسول اللہ ﷺ سے عَقَبہ میں اختتامِ حج کے بعد جو دوسری رات آئے گی، اس میں ملاقات کریں گے۔ ان ہی میں سے ایک نے جو بیان دیا اس کے الفاظ یہ ہیں: ''اس شب ہم اپنے لوگوں کے ساتھ کاروان ہی میں شب باش ہوئے یہاں تک کہ جب ایک تہائی رات گزر گئی تو ہم لوگ سوتے ہوئے لوگوں کے درمیان میں سے رینگتے ہوئے نکلے اور رسول اللہ ﷺ سے مقرر شدہ ملاقات کے لیے بڑی احتیاط کے ساتھ عقبہ کی وادی میں جمع ہو گئے۔ وہاں کچھ انتظار کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے چچا عباس کی معیت میں تشریف لے آئے۔ عباس تب تک اپنے سابقہ مذہب پر ہی قائم تھے لیکن ان کی خواہش تھی کہ جو بھی وعدے ہوں وہ قابلِ اعتبار ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو سب سے پہلے عباس نے لب کشائی کی ''خزرج کے لوگو! تمہارے علم میں ہے کہ ہمارے نزدیک محمد ﷺ کی کیا توقیر و عزت ہے اور ہم نے کس طرح ان کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھا ہوا ہے کہ ان کے خاندان میں ان کا وقار بھی بلند رہے اور وہ محفوظ و سلامت بھی رہیں۔ لیکن اب انہوں نے طے کر لیا ہے کہ یہ تم لوگوں میں چلے جائیں اور اپنے آپ کو تمہارے ساتھ منسلک کر لیں۔ اگر تم لوگ سمجھتے ہو کہ جو وعدہ تم کر رہے ہو اس پر قائم رہو گے اور تم ان کی حفاظت کے لیے ہر مخالفت کا سامنا کر سکو گے تو یہ بہت بڑا بوجھ اور ذمہ داری ہے جو تم خود قبول کر رہے ہو۔ اگر تمہارے دل میں کوئی ایسا گمان ہے کہ تم ان سے کیے گئے وعدہ کو نبھا نہیں پاؤ گے تو اب بھی وقت ہے کہ تم انہیں اسی وقت چھوڑ دو۔'' انہوں نے جواب دیا ''ہم نے سب سُن لیا جو آپ نے کہا لیکن اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اپنے اور اپنے رب کے واسطے سے اپنا فیصلہ فرما دیجیے۔''

قرآن کی تلاوت کے بعد اللہ کی طرف بلاتے ہوئے اور اسلام کی دعوت دے کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں تم لوگوں سے یہ معاہدہ اس شرط پر کرتا ہوں کہ وہ فرمانبرداری جس کا تم عہد کرو گے وہ تمہیں اس کا پابند کر دے گا کہ تم میرا پورا پورا تحفظ کرو گے اسی طرح جس طرح تم اپنی عورتوں اور اولاد کا تحفظ کرتے ہو۔'' حضرت براء رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کا دستِ مبارک پکڑ کر کہا ''اس کی قسم کہ جس نے آپ کو

Marfat.com

حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے ہم آپ کی ویسی ہی حفاظت کریں گے جیسی اپنے بچوں اور عورتوں کی کرتے ہیں۔ آپ ہمارے عہدِ وفاداری کو قبول فرمائیں لیکن اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان اور دوسرے لوگوں کے درمیان بندھن بھی ہیں۔'' ان کا مطلب یہودیوں سے تعلقات کا تھا۔ ''اور ہم ان سے تعلقات قطع کرنے پر راضی ہیں۔ مگر کیا ایسا ہونے کا امکان ہے کہ اگر ہم ایسا کر گزریں اور اللہ آپ کو فتح عطا فرمادے تو آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اپنے لوگوں میں واپس چلے جائیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا ''ہرگز نہیں! میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو' جس سے تم جنگ کرو گے اس سے میں جنگ کروں گا۔ جس سے تم صلح کرو گے میں بھی اس سے امن و صلح کے ساتھ رہوں گا۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم اپنے بارہ ایسے سرکردہ افراد لاؤ جو اپنی قوم کے معاملات سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت رکھتے ہوں۔'' انہوں نے بارہ سرکردہ افراد پیش کر دیئے۔ نو افراد خزرج کے تھے اور تین اوس کے کیونکہ حج کرنے والوں میں باسٹھ افراد خزرج کے تھے جبکہ اوس کے صرف گیارہ آدمی تھے۔ خزرج کے نو سربراہوں میں حضرت اسعد اور حضرت براء رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ اوس کے تین افراد میں حضرت اسید رضی اللہ عنہ تھے جنہیں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔

جس وقت یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والے تھے تو ان بارہ میں سے خزرج کے ایک آدمی جنہوں نے گزشتہ سال بیعت کی تھی۔ لوگوں کو اشارے سے ٹھہرنے کا کہتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئے ''خزرج کے لوگو! کیا تمہیں اس بات کا شعور ہے کہ اس آدمی سے تم جو بیعت کرنے جا رہے ہو اس کا مطلب کیا ہے؟'' سب نے کہا کہ وہ جانتے ہیں لیکن انہوں نے اس جواب کی پروانہ کرتے ہوئے کہا ''تم لوگ ان سے بیعت کر کے دنیا بھر کے گورے ہوں یا کالے سب سے لڑائی مول لے رہے ہو۔'' (۴) اگر تمہارے دل میں کوئی ایسا خیال ہے کہ جب تم کو املاک کا نقصان یا جب قبیلے کے شرفا کو جان کا نقصان اٹھانا پڑے تو تم ان کو چھوڑ دو گے تو بہتر ہے کہ ابھی دستبردار ہو جاؤ کیونکہ اگر بعد میں دستبردار ہوئے تو اس دنیا میں بھی ذلت کا داغ کماؤ گے اور اگلے جہان میں بھی لیکن اگر تمہیں یقین ہے کہ تم اپنے عہد پر قائم رہو گے تو ان کا ہاتھ تھام لو کہ واللہ ان کا ساتھ اس دنیا میں بھی بہترین ہے اور آخرت میں بھی۔'' سب نے جواب دیا کہ ''ہم اپنے اموال کی تباہی اور اشراف کی ہلاکت کے باوجود ان کے ساتھ ہیں اور اے اللہ کے رسول ﷺ ایسا کرنے سے ہمیں کیا ملے گا اگر ہم اپنے عہد میں پورا اترے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''فردوسِ بریں۔'' انہوں نے کہا اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا اور سب نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شیطان عقبہ

Marfat.com

کی چوٹی پر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ جب اس سے مزید برداشت نہ ہو سکا تو بلند آواز سے چیخ کر کہا ''مذمم'' اور رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ یہ نعرہ کس نے لگایا ہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ''اے اللہ کے دشمن! میں دُنیا میں تجھ کبھی چین نصیب نہ ہو گا۔''

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ عرب کے بدویوں میں غیر مطلوب اولاد کو زندہ دفن کر دیئے جانے کی جانب اشارہ ہے۔ ۲۔ ابن اسحٰق: ۲۸۹

۳۔ اصل تصنیف: صفحہ ۵۷ ۴۔ یعنی عقبہ کی اس بیعت کے بعد تمام مرد۔ عقبہ کی پہلی بیعت کو عورتوں کی بیعت اس لیے کہا جاتا رہا کہ اس میں جنگ کی ذمہ داری کا ذکر نہیں تھا۔

Marfat.com

باب: ۳۵

مہاجرین

رسول اللہ ﷺ نے اب اپنے پیروکاروں کی مکہ سے یثرب ہجرت کی ہمت افزائی کی لیکن ان میں ایک فرد ایسے بھی تھے جو پہلے ہی ہجرت کر چکے تھے۔ ابوطالب کی وفات کے بعد ان کے بھتیجے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب امان دینے والی ہستی سے محروم ہو گئے تو وہ اپنے خاندان کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے مکہ چھوڑ کر شمال کی جانب چل پڑے۔ اپنے چھوٹے بچے کو زوجہ کی گود میں دے کر انہیں اونٹ پر سوار کیا اور اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لیکن ان کی زوجہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنی مخزوم کی دوسری شاخ بنی مغیرہ سے تھا اور وہ ابوجہل کی حقیقی چچا زاد بہن تھیں۔ ان کے خاندان کے کچھ لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اونٹ کی مہار چھین لی۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں لوگ بہت زیادہ تھے انہوں نے مقابلہ کرنے کی بجائے اپنی زوجہ سے کہا کہ وہ اپنے خاندان والوں کے ساتھ چلی جائیں۔ اللہ نے چاہا تو ملاپ کی کوئی صورت جلد ہی پیدا ہو جائے گی۔ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے (بنومخزوم کی دوسری شاخ) کو یہ خبر ملی تو وہ بنی مغیرہ کے لوگوں پر سخت ناراض ہوئے۔ پھر انہوں نے بچے کو اپنی تحویل میں لینے کا دعویٰ کر کے معاملے کو مزید بگاڑ دیا۔ تینوں (ماں، باپ اور بچہ) ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ یہ بہت بڑا ظلم تھا۔ اس سنگ دلی کے نتیجے میں قبیلے کے لوگوں کو ان پر ترس آیا اور بالآخر فیصلہ ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لے کر اپنے شوہر کے پاس جا سکتی ہیں۔ اِم سلمہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر سوار ہو کر تنہا چل پڑیں۔ قریباً چھ میل کی مسافت کے بعد انہیں قبیلہ عبدالدار کا ایک فرد عثمان بن طلحہ ملے۔ یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ وہ سفر کی آخری منزل تک ان کا ساتھ دیں گے۔ انہوں نے سنا تھا کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ قبا میں ہیں۔ یہ گاؤں یثرب کے انتہائی جنوبی گوشے میں واقع تھا۔ یہ وہی مقام ہے

Marfat.com

جہاں نخلستان کا ایک سرا سیاہ چٹانوں کے دو سلسلوں میں سے ایک سلسلے سے ملتا تھا۔ جب وہ ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے انہیں کھجوروں کے جھنڈ نظر آنے لگے تو انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''تمہارا خاوند اسی گاؤں میں ہے پس اللہ کی رحمت کے سائے میں وہاں تک چلی جاؤ۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے واپس مکہ کی راہ لی۔ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی مہربانی اور نیکی کو ہمیشہ یاد رکھا اور ان کی شرافت کے ذکر سے تھکتی نہ تھیں۔

بیعتِ ثانی عقبہ کے بعد قریش کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے ہجرت شروع کر دی۔ سب سے پہلے جانے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے کچھ رشتہ دار جحش اور امیمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے اور بیٹیاں، عبداللہ اور ان کے نابینا بھائی ابو احمد، ان کی دو بہنیں زینب اور حمنہ رضی اللہ عنہم تھیں۔ ان کے ساتھ بنی اسد کے اور بہت سے افراد تھے جو ابو شمس خاندان کے حلیفوں میں سے تھے۔ حمزہ اور زید رضی اللہ عنہما بھی چلے گئے لیکن انہوں نے اپنی اپنی ازواج کو وقتی طور پر مکہ میں ہی رہنے دیا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی زوجہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا، اپنی دختر سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور کم سن بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر قبیلہ سہم کے حضرت خنیس رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی حضرت ابوصبرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا، یہ سہیل کی بیٹی تھیں ان کے علاوہ جانے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے نوعمر چچا زاد بھائی حضرت زبیر اور حضرت طلیب رضی اللہ عنہما تھے۔

زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے قریبی ساتھیوں میں سے صرف حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سوا سب ہجرت کر کے مکے سے چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جانے کی جلدی نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک ساتھی عطا کر دے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کے لیے انتظار کرنا ہے۔ انہوں نے حکم دیا کہ ان کے دو اونٹوں کو ببول کے پتوں کی خوراک کے ذریعے یثرب کے سفر کے لیے تیار رکھا جائے۔

قریش مکہ ہجرت کو روکنے کے لیے اپنے طور پر جو کچھ کر سکتے تھے اسے کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ سہیل کی دوسری بیٹی ہجرتِ حبشہ کی طرح ایک بار پھر اپنے شوہر ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر چکی تھیں لیکن سہیل نے پختہ ارادہ کیا ہوا تھا کہ اس بار وہ اپنے بیٹے کو ہر ممکن طریقے سے اس کام سے باز رکھے گا۔ اس کے لیے اس نے کڑی نگرانی کا انتظام کیا ہوا تھا۔ قریب قریب ایسا ہی واقعہ شمسی سردار عاص کے بیٹے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا جو اسی طرح ہجرتِ حبشہ میں شامل تھے۔ عاص کا سوتیلا بھائی عمرو تھا۔ وہی عمرو جسے قریش نے نجاشی کے پاس اس نیت سے بھیجا تھا کہ وہ نجاشی کو ہجرت کرنے والوں کے خلاف بھڑکا دے۔

Marfat.com

حضرت ہشام رضی اللہ عنہ عمرو کی ناکامی اور اس کے نتیجے میں ہونے والی شرمندگی کو دیکھ چکے تھے۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ تھے، دونوں کی مائیں سگی بہنیں تھیں، ان دونوں نے ایک ساتھ یثرب کے سفر کی تیاری کی۔ انہوں نے منصوبہ بنایا کہ وہ مکہ سے الگ الگ روانہ ہوں اور اضات کی خاردار جھاڑیوں والے مقام پر اکٹھے ہوں گے۔ یہ مقام مکہ سے شمال کی جانب قریباً دس میل پر تھا۔ عیاش مخزومی کو بھی ان کے ساتھ ہی سفر کرنا تھا لیکن عین وقت اور مقررہ مقام پر پہنچنے کے بعد حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کا کوئی نشان نہ تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ خانہ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کے ساتھ آگے چل پڑے۔ کیونکہ یہ طے ہو چکا تھا کہ وہ ایک دوسرے کا انتظار نہیں کریں گے۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے باپ اور بھائی کو ان کے منصوبے کی خبر ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے نہ صرف حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو زبردستی روک لیا بلکہ ترغیب اور سختی کے نتیجے میں ترکِ اسلام پر بھی راضی کر لیا۔

جہاں تک حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو وہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ یثرب پہنچ گئے لیکن ان کے دو سوتیلے بھائی ابوجہل اور حارث ان کے پیچھے ہو لیے اور حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ ان کی ماں نے قسم کھا رکھی کہ وہ نہ اپنے بالوں میں کنگھی کرے گی اور نہ سورج کی دھوپ سے ہٹ کر سائے میں بیٹھے گی کہ جب تک اس کی آنکھیں دوبارہ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کی صورت نہ دیکھ لیں۔ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ اس خبر سے پریشان ہوئے لیکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ''یہ لوگ اس کے سوا کچھ اور نہیں چاہتے کہ تجھے تیرے دین سے ورغلا کر منحرف کر دیں۔ واللہ اگر تیری ماں جوؤں سے پریشان ہوگی تو کنگھی ضرور استعمال کرے گی اور مکہ کی دھوپ سے اذیت کا شکار ہوگی تو سائے میں ضرور بیٹھے گی۔'' لیکن حضرت عیاش رضی اللہ عنہ ماننے کو تیار نہ ہوئے اصرار کیا کہ وہ مکہ جا کر اپنی ماں کو اس تکلیف سے نجات دلائیں گے۔ انہوں نے یہ ارادہ بھی کیا کہ ان کی جو کچھ رقم مکہ میں پڑی رہ گئی ہے وہ اسے بھی نکال لائیں۔ لیکن جب یہ لوگ واپسی کا آدھا سفر طے کر چکے تو ابوجہل اور حارث، حضرت عیاش رضی اللہ عنہ پر پل پڑے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں رسی سے کس کر قیدی بنا کر یہ پکارتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے کہ ''اے مکہ والو! اپنے احمقوں کا اس طرح علاج کرو کہ جس طرح ہم نے اپنے احمق کا علاج کیا ہے۔''

حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عیاش رضی اللہ عنہ پر بھی سختی اور ترغیب کے ذریعے دین سے پھر جانے کا حربہ استعمال کیا گیا لیکن ان دونوں کے ترکِ اسلام کا معاملہ حتمی ثابت نہ ہو سکا۔ چند ہی دنوں میں دونوں کے ضمیر پر اس کا بوجھ بڑھتے بڑھتے اس مقام پر پہنچا کہ جہاں دونوں نے فرض کر لیا کہ اتنے گناہِ عظیم کے بعد تو ان کی توبہ بھی قبول نہ ہو سکے گی لیکن اسی زمانے میں یہ وحی نازل ہوئی ''اے میرے رسول! تم کہہ دو کہ اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں کے خلاف زیادتی کی ہے وہ اپنے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ

Marfat.com

تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ اس وقت سے پہلے کہ تم پر عذاب نازل کیا جائے۔ عذاب آنے کے بعد تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی۔" (1)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس وحی کو لکھ کر اسے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کی تدبیر پیدا کی۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "جب یہ تحریر مجھ تک پہنچی تو میں نے اس تحریر کو نگاہوں سے قریب کیا، پھر دور کیا۔ بار بار ایسا کرنے کے باوجود مجھے اس کی سمجھ نہ آئی تو میں نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اس کو سمجھنے کی توفیق عطا فرما۔ تب اللہ تعالیٰ نے میرا دل کھول دیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ وحی ہماری خاطر نازل ہوئی ہے۔ اس صورت سے دوچار ہونے والے ہم ہی تھے اور لوگ بھی ہمارے ہی بارے میں باتیں کرتے رہتے تھے۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو دکھائی اور دونوں نے اپنے اسلام کی تجدید کی اور مکہ سے نکل جانے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں سرگرم ہو گئے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

1۔ قرآن ۳۹: ۵۳-۵۴

Marfat.com

باب:۳۶

سازش

حضرت ہشام اور حضرت عیاش رضی اللہ عنہما کا ظاہری ارتداد قریشِ مکہ کے لیے ایک کامیابی تھی لیکن اس کامیابی کی ہجرت کرنے والوں کی مستقل اور مسلسل رفتار کے سامنے کوئی اہمیت نہ تھی۔ مکہ کے بعض بڑے بڑے مکان اپنے مکینوں سے خالی ہو چکے تھے۔ ان میں اکا دکا ضعیف العمر افراد کے علاوہ کچھ نہ بچا تھا۔ ایسا شہر جو دس سال پہلے متمول اور ہم آہنگ تھا اب وہاں کی ہر شے بدل چکی تھی۔ اور اس تبدیلی کا ذمہ دار صرف ایک شخص تھا۔ رنج والم کا یہ احساس تو آنی جانی شے تھا لیکن ان کے دل و دماغ پر ایک مستقل خطرہ شمال میں واقع اس شہر کے بارے میں بیٹھ چکا تھا جہاں پر بہت سے دشمن جمع ہو رہے تھے۔ ایسے دشمن جن کو اگر اپنے مذہب کی خاطر لڑنا پڑ جائے تو وہ قرابت داری اور خونی رشتوں کی بھی ذرہ برابر پروا نہ کرتے تھے۔ مکہ کے مکینوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی یہ سن رکھا تھا کہ ''قریشیو میں تمہیں قتلِ عام کی خبر دیتا ہوں'' انہیں یہ الفاظ کبھی نہ بھولے تھے۔ حالانکہ جس وقت یہ الفاظ ادا ہوئے تھے تو اس وقت خوف کی کوئی بات نہ تھی لیکن اب اگر ان کی نقل و حرکت پر مسلسل نگرانی کے باوجود وہ ان کو جل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو کر یثرب پہنچ گئے تو پھر ان کے الفاظ ایک تنبیہ یا دھمکی کی بجائے عملی صورت میں ظاہر ہو سکتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو تحفظ دینے والے مطعم کی وفات نے قریشِ مکہ کے لیے اپنے منصوبے پر عمل آسان کر دیا۔ اس پر مزید آسانی ابولہب نے اپنے اس عمل سے پیدا کر دی جو جان بوجھ کر اس اجتماع سے غیر حاضر رہا جو قریش نے اس مسئلہ کو حتمی طور پر حل کرنے کے لیے بلایا تھا۔ کافی بحث و مباحثہ اور بہت سی تجاویز کو مسترد کرنے اور بعض حاضرین کی بادلِ ناخواستہ رضامندی کے بعد بالآخر ایک تجویز پر اتفاق ہو گیا۔ یہ تجویز ابوجہل نے پیش کی تھی اور اس کے مطابق یہ طے پایا کہ ہر قبیلہ اپنے میں سے طاقتور اور قابلِ اعتماد جوان پیش کرے۔ وقتِ معینہ پر تمام قبیلوں کے یہ منتخب افراد رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہو کر ان پر مہلک وار کریں۔ اس

Marfat.com

طرح ان کے خون کی ذمہ داری کسی ایک قبیلے کی بجائے سب پر عائد ہوگی اور بنی ہاشم کے لیے ناممکن ہو جائے گا کہ وہ ان کا بدلہ لینے کے لیے سب قبیلوں سے ٹکرا سکیں۔ اس طرح وہ مجبوراً خون بہا لینے پر رضامند ہو جائیں گے جو انہیں بخوشی ادا کر دیا جائے گا۔ اس طریقے سے کسی شدید ردِ عمل کی بجائے انہیں اس شخص سے نجات مل جاتی جس کی زندگی میں ان کا امن سے رہنا ناممکن ہو چکا تھا۔

اب حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور رسول اللہ ﷺ کی آمد کا وقت خلافِ معمول تھا۔ آپ سیدھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس گھڑی جیسے ہی انہیں دیکھا تو فوراً سمجھ گئے کہ کوئی خاص معاملہ ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بڑی بہن سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا اپنے والد کے ساتھ تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا ''اللہ نے مجھے اجازت دے دی ہے کہ میں شہر چھوڑ دوں اور ہجرت کر جاؤں۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے ''میرے ساتھ؟'' آپ نے فرمایا ''ہاں تمہارے ساتھ۔'' اس وقت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سن سات سال کا تھا۔ وہ بعد میں بتایا کرتی تھیں کہ ''اس سے پہلے میں نہیں جانتی تھی کہ کوئی انسان خوشی کے موقع پر آنسو بہا سکتا ہے لیکن میں نے اس دن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ان الفاظ کو سن کر اشکبار تھے۔''

جب روانگی کا منصوبہ بن گیا تو رسول اللہ ﷺ گھر واپس تشریف لائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ وہ یثرب کے لیے روانہ ہونے والے ہیں اور انہیں ہدایت کی کہ اس وقت تک مکہ میں ہی قیام کریں جب تک وہ تمام امانتیں ان کے مالکوں تک نہ پہنچا دیں جو انہوں نے ان کے پاس رکھوائی ہوئی تھیں۔ ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ آپ ''امین'' کے لقب سے نہ جانے جاتے ہوں۔ اب بھی کتنے ہی کفار تھے جو اپنی امانتوں کے لیے آپ سے زیادہ کسی اور کو قابلِ بھروسہ سمجھتے ہوں۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بتا دیا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں اس منصوبے کے بارے میں بتا دیا ہے جو قریش ان کے خلاف تیار کر چکے ہیں۔

وہ نوجوان جن کا انتخاب رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے کیا گیا تھا انہوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ رات ہوتے ہی وہ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر جمع ہو جائیں گے۔ لیکن اس دوران جبکہ وہ تعداد مکمل ہونے کا انتظار کر رہے تھے انہوں نے گھر کے اندر سے مستوراتِ خانہ کی آوازیں سنیں۔ یہ آوازیں، سودہ، امِ کلثوم، فاطمہ اور امِ ایمن رضی اللہ عنہن کی تھیں۔ ان آوازوں نے انہیں سوچ و بچار میں ڈال دیا۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر وہ دیوار پر سے کود کر گھر میں گھسے تو عربوں میں ان کا نام ہمیشہ کے لیے ملامت کا مستحق بن جائے گا کہ انہوں نے خانہ نشین عورتوں کی خلوت کا احترام نہیں کیا۔ اس پر انہوں نے طے کیا کہ وہ اپنے

Marfat.com

مطلوبہ ہدف کے گھر سے باہر نکلنے کا انتظار کریں۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دستور کے مطابق صبح سویرے گھر سے باہر نکلیں گے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جلد ہی باہر دشمنوں کے اکٹھا ہونے کی خبر ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ عبا اٹھائی جسے وہ اوپر لے کر سویا کرتے تھے اور علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر سپرد کی کہ ''تم میرے بستر پر لیٹ کر سو جانا اور یہ حضرمی عبا اپنے گرد لپیٹ لینا۔ تمہیں ان لوگوں سے کسی قسم کا گزند نہیں پہنچے گا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سورۃ کی تلاوت شروع کی جس کا عنوان اس کے ابتدائی حروف یعنی یٰس ہیں اور جب آپ ان الفاظ پر پہنچے ''اور ہم نے ان کو ڈھانپ دیا اس لیے وہ دیکھتے نہیں۔''① تو آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور اللہ نے دروازے پر کھڑے ہونے والوں کی ایسی نظر بندی کر دی کہ وہ ان کو دیکھ ہی نہ سکے۔ آپ ان لوگوں کے درمیان سے گزر کر نکل گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی مخالف سمت سے ایک شخص آ رہا تھا، اس نے آپ ﷺ کو پہچان لیا۔ تھوڑا فاصلہ چل کر جب وہ رسول اللہ ﷺ کے مکان سے تھوڑا ہٹ کر گزرا اور مکان پر لوگوں کو اکٹھا پایا تو اس نے وہیں سے پکار کر کہا کہ اگر وہ محمد (ﷺ) کی جستجو میں ہیں تو وہ گھر پر نہیں بلکہ کچھ ہی دیر پہلے جا چکے ہیں۔ یہ سن کر وہ سوچنے لگے کہ سازشیوں کے جمع ہونے سے قبل ایک سازشی ان کے گھر کی نگرانی کر رہا تھا اور اس نے اپنی آنکھوں سے ان کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اس کے بعد سے وہ گھر سے نہیں نکلے لیکن اس یقین کے باوجود وہ اس راہگیر کی وجہ سے الجھن کا شکار ہو گئے۔ آخر کار ان میں سے جو آپ ﷺ کے آرام کی جگہ کے بارے میں جانتا تھا، اس نے کھڑکی سے دیکھ کر اپنے طور پر اطمینان کر لیا کہ آپ کے بستر پر کوئی سویا ہوا ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو یقین دلایا کہ ان کا مطلوبہ فرد گھر کے اندر ہی موجود ہے۔ لیکن جب صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھ کر وہی عبا لپیٹے ہوئے دروازے پر آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ سبز عبا میں لپٹا ہوا کون تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ ان کا منصوبہ کس طرح ناکام ہو گیا ہے۔ انہوں نے کچھ دیر مزید انتظار کیا۔ ماہِ صفر کے اختتامی ایام کا پیلا ہلال، ایک باریک قوس کی صورت میں آسمان پر مشرقی پہاڑیوں سے طلوع ہو کر اب دن کی بڑھتی ہوئی روشنی میں ماند پڑ چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ انہوں نے ایک فوری جذبے کے تحت وہاں سے پہرہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اپنے سرداروں کو خبردار کرنے چل پڑے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۹:۳۶

Marfat.com

باب: ۳۷

ہجرت

اسی دوران رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں واپس پہنچ چکے تھے اور کسی تاخیر کے بغیر وہ مکان کی کھڑکی سے پیچھے کی طرف اتر گئے جہاں دو اونٹ پہلے سے کجاوہ کسے ان کے منتظر کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک پر رسول اللہ ﷺ اور دوسرے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سوار ہوئے۔ ان کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے بیٹھے۔ پہلے سے تیار منصوبے کے مطابق وہ کوہِ ثور میں واقع غار کی جانب روانہ ہوئے۔ یہ غار قدرے جنوب کی جانب یمن کی راہ میں پڑتا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ جوں ہی رسول اللہ ﷺ کے غائب ہونے کی خبر نکلے گی تو تلاش کرنے والی ٹولیاں سب سے پہلے شہر کے مضافات میں شمالی سمت کی جانب دوڑیں گی۔ حدودِ مکہ سے تھوڑی ہی دور نکل کر رسول اللہ ﷺ نے اپنا اونٹ روکا اور مڑ کر مکہ کی جانب دیکھتے ہوئے فرمایا ''اللہ کی زمین پر تو مجھے سب سے محبوب ہے اور اللہ بھی تجھے محبوب رکھتا ہے۔ اگر میری قوم نے مجھے تیری سرزمین سے نہ نکالا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔''

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جنہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غلام کی حیثیت سے خرید کر آزاد کرنے کے بعد اپنی بھیڑوں کی گلہ بانی سونپ دی تھی، وہ اپنے گلہ سمیت آپ کے پیچھے پیچھے آرہے تھے تاکہ اونٹوں کے قدموں کے نشان معدوم ہو جائیں۔ غار تک پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو اونٹوں سمیت واپس کر دیا۔ انہیں ہدایت کی کہ مکہ میں لوگ جو کچھ باتیں کریں ان پر کان لگا کر سننے کے بعد واپس آ کر انہیں خبر کریں۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ عام معمول کے مطابق دوسرے گلہ بانوں کے ساتھ اپنی بھیڑوں کو چرانے کے بعد رات ہونے پر انہیں غار کی جانب واپس لے آئیں تاکہ ثور اور مکہ کے درمیان حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نشان مٹتے رہیں۔

دوسری شب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی بہن سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھانا لے کر غارِ ثور میں آئے اور خبر دی کہ قریش نے سو اونٹوں کا انعام اس شخص کو دینے کا اعلان کیا ہے جو محمد (ﷺ) کا پتہ لگا کر انہیں مکہ واپس

Marfat.com

لے آئے۔ گھوڑ سوار تو پہلے ہی مکہ اور یثرب کے ہر راستے کی چھان بین کر رہے تھے۔ انہیں امید تھی کہ ان دونوں کو کہیں نہ کہیں دھر لیں گے۔ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ کے ساتھ ہی غائب ہوئے تھے اس لیے سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہیں۔ لیکن بعض قریش کے خیال میں، جس کا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو علم نہ تھا، وہ دونوں مکہ کی آس پاس کی پہاڑیوں میں چھپے ہوں گے۔ علاوہ ازیں، ریگستان کے اعرابی کھوج لگانے کے خاصے ماہر تھے۔ حتیٰ کہ اگر بھیڑوں کا گلہ دو تین اونٹوں کے پیروں کے نشانات کے اوپر سے بھی گزر جائے تب بھی ایک عام قسم کا بدو ایک نگاہ ڈالتے ہی اونٹ کے پیر کے بچے ہوئے نقوش کو پہچان لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انہیں یہ بات امکان سے بعید معلوم ہوئی کہ بھاگنے والے شہر کے جنوب کی جانب گئے ہوں گے لیکن اتنے بیش بہا انعام کے حصول کے لیے ہر امکان کو جانچنا ضروری تھا اور پھر بھیڑوں کے گلے سے پہلے اس جانب سفر کرنے والے اونٹوں کے نشانات بھی موجود تھے۔

تیسرے دن پہاڑی کی پناہ گاہ کی خاموشی چڑیوں کی آواز سے ٹوٹی۔ وہ سمجھے کہ یہ پہاڑی کبوتروں کا ایک جوڑا ہے جو غار کے باہر غٹرغوں کر رہا ہے اور پر پھڑ پھڑا رہا ہے۔ لیکن کچھ وقفے کے بعد انہوں آدمیوں کے بولنے کی مدہم سی آواز سنی۔ یہ آوازیں نشیب سے کسی قدر فاصلے سے آ رہی تھیں۔ آوازیں بتدریج بلند ہوتی جا رہی تھیں، جیسے یہ لوگ پہاڑ کے ایک طرف چڑھ رہے ہوں۔ آپ دونوں کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے آنے کی امید تو رات ہونے تک نہیں تھی اور ابھی غروبِ آفتاب میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ اگرچہ عجیب بات یہ تھی کہ وقت کے لحاظ سے غار میں معمول کی بجائے کم روشنی تھی۔ اب آدمیوں کی آوازیں زیادہ دور نہیں تھیں۔ کم از کم پانچ یا چھے آدمی غار کے قریب آتے جا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نگاہ ڈالی اور فرمایا ''ملول نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''(1) اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا خیال ہے تمہارا ان دو کے بارے میں جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو۔''(2) اب انہیں قدموں کی چاپ صاف سنائی دے رہی تھی جو قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ پھر قدموں کی چاپ رک گئی۔ وہ لوگ غار کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ یقینی انداز میں باتیں کر رہے تھے اور سب اس پر متفق تھے کہ غار میں داخل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس غار کے اندر کسی کے ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ پھر وہ جس راہ سے آئے تھے اسی راہ پر واپس پلٹ گئے۔

جب ان کے واپسی قدموں کی چاپ اور گفتگو کی آواز معدوم ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار کے دہانے تک گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ دہانے کے عین مقابل غار کے راستے کو ڈھانکتا ہوا ببول کا ایک درخت تھا۔ یہ درخت صبح موجود نہیں تھا۔ درخت اور غار کے درمیان ایک مکڑی نے اپنا جال تانا ہوا تھا۔

Marfat.com

انہوں نے جالے کے اندر جھانکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ چٹان کے کھوکھلے حصے میں کہ جہاں غار سے اندر جانے کے لیے پاؤں رکھنا پڑتا تھا، ایک پہاڑی کبوتر نے اپنا گھونسلہ بنایا ہوا تھا اور ایک کبوتری اس طرح پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ جیسے اس میں انڈے ہوں۔ اس کا نر تھوڑی ہی دور چٹان کی نکڑ پر بیٹھا ہوا تھا۔

جب آپ ﷺ نے متوقع وقت پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے آنے کی آواز سنی تو بڑی آہستگی سے مکڑی کے جالے کو، جو ان کے تحفظ کا سامان کیے ہوئے تھا، ایک طرف کیا اور بڑی احتیاط برتتے ہوئے کہ کبوتر پریشان نہ ہو جائے، غار سے باہر نکلے۔ اس بار حضرت عامر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے مگر ان کا بھیڑوں کا گلہ ان کے ساتھ نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ اس بدو کو بھی لایا تھا جس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ دو اونٹ دیئے تھے جن کا انتخاب انہوں نے یثرب کے سفر کے لیے کیا تھا۔ یہ بدو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن اس پر بھروسہ تھا کہ وہ راز کی حفاظت کرے گا۔ اس کے بارے میں یہ بھروسہ بھی تھا کہ ریگستان کی گود میں پلا بڑھا ہونے کے باعث غیر معروف راہوں سے گزار کر منزلِ مقصود پر پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یہ بدو وادی میں دو اونٹوں کو سنبھالے ان کا منتظر کھڑا تھا۔ تیسرا اونٹ وہ اپنی سواری کے لیے لایا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ بٹھانا تھا تاکہ ان کی ضرورت میں کام آ سکے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار کی بلندی سے نیچے اترنا شروع کیا۔ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ رسد کا ایک تھیلا ساتھ لائی تھیں لیکن ایک رسی لانا بھول گئیں۔ انہوں نے اپنی کمر سے بندھا پٹکہ کھولا اور اس کی لمبائی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک سے تو تھیلے کو اپنے والد کے کجاوے کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا اور دوسرے حصے کو اپنی ضرورت کے لیے رکھ لیا۔ اس طرح وہ "ذات النطاقتین" یعنی دو پیٹیوں والی کہلائیں۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے دونوں اونٹوں میں سے بہتر اونٹ پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "میں ایسے اونٹ پر سوار نہیں ہوں گا جو میرا اپنا نہ ہو۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! وہ آپ ہی کا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں، مگر ہاں یہ بتاؤ کہ تم نے اس کی قیمت کیا ادا کی ہے۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیمت بتائی تو آپ نے فرمایا "میں اسی قیمت پر اس کو خریدتا ہوں۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس اونٹ کو ہدیتاً پیش کرنے پر اصرار نہ کیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر کئی بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ تحائف قبول کیے تھے لیکن یہ موقع ایک خاص تقدس اور حرمت کا حامل تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت تھی۔ وہ ہجرت جس سے وہ اللہ کی راہ میں اپنے گھر سے اور اپنے وطن سے سارے بندھن توڑ رہے تھے۔ یہ اللہ کے حضور میں ان کی نذر تھی۔ ہجرت کے اس عمل کو لازم تھا کہ وہ خالصتاً ان کی ذات

Marfat.com

سے متعلق ہو۔ پس وہ سواری جس پر سوار ہو کر اس عمل کی تکمیل ہونا تھی اس سواری کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ ان کی اپنی ملکیت ہو، کیونکہ یہ سواری بھی اللہ کے حضور نذر کا حصہ تھی۔ اس اونٹنی کا نام قصویٰ تھا اور وہ آخر وقت تک آپ ﷺ کی پسندیدہ اونٹنی رہی۔ ان کی راہنمائی کرنے والا ان کو مکہ سے دور مغرب کی سمت اور قدرے جنوب کی جانب لے گیا۔ حتیٰ کہ یہ قافلہ بحرِ احمر کے ساحل تک پہنچ گیا۔ یثرب کا جائے وقوع مکہ کے شمال میں ہے لیکن بس یہ ہی ایک مقام تھا کہ ان کے سفر کی سمت میں کہیں شمال کا رخ بھی آیا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ راستہ کا رخ شمال مغربی ہے۔ چند روز تک وہ اسی راستہ پر چلتے رہے۔ ان شاموں میں سے ایک پہلی شام کو انہوں نے ماہِ ربیع الاول کا نیا چاند دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے نیکی اور راہنمائی کے ہلال میرا ایمان اس ذات پر ہے جس نے تجھے خلق کیا۔''[۳] رسول اللہ ﷺ جب بھی نیا چاند دیکھا کرتے تو یہ کلمہ فرمایا کرتے تھے۔

ایک روز صبح کے وقت انہوں نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا کاروان مخالف سمت سے آرہا ہے۔ اسے دیکھ کر انہیں خطرے کا احساس ہوا لیکن قریب آنے پر یہ احساس خوشی میں بدل گیا کہ یہ کاروان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رشتے کے بھائی طلحہ کا تھا جو شام سے آرہے تھے، جہاں سے انہوں نے کپڑا اور دوسرا سامان خریدا تھا۔ اس سامان سے ان کے اونٹ لدے ہوئے تھے۔ راستہ میں یثرب پڑتا تھا جہاں انہوں نے قیام کیا تھا۔ ان کا ارادہ مکہ میں سامان بیچ کر فوراً واپس ہونے کا تھا۔ انہوں نے بتلایا کہ نخلستان (یثرب) میں رسول اللہ ﷺ کا بڑی بے تابی سے انتظار ہو رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رخصت ہونے سے قبل انہوں نے ان دونوں کو تبدیلئ لباس کے لیے نفیس سفید شامی کپڑے کا ایک ایک جوڑا دیا تاکہ آپ دونوں نیا لباس پہن لیں۔ طلحہ یہ نفیس شامی کپڑا قریش کے رئیسوں کے ہاتھ فروخت کرنے کے ارادے سے لائے تھے۔

طلحہ سے ملاقات کے بعد انہوں نے اپنا رخ شمال کی جانب کیا اور ساحل سے ہٹ کر زمین کی طرف ہو لیے۔ پھر شمال مشرق اور آخر میں سیدھے یثرب کی جانب۔ دورانِ سفر ایک مقام پر وحی کا نزول ہوا کہ ''یقیناً جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے دوبارہ آپ کو وطن واپس لائے گا۔''[۴]

غارِ ثور سے رخصت کے بارہویں دن صبح سویرے وہ وادئ عقیق پہنچ گئے۔ وادی کو پار کرتے ہوئے وہ سخت ناہموار سیاہ چٹانوں پر چڑھے۔ اس سے قبل کہ وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچتے سورج کافی نکل آیا تھا اور اس کی تمازت اپنے شباب پر تھی۔ کوئی اور دن ہوتا تو وہ اس گرمی میں آرام کرنے کے لیے رک جاتے لیکن انہوں نے اپنے اور یثرب کے درمیان آخری پہاڑی کو بھی طے کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد ان کی نگاہوں کے سامنے نشیب میں میدان کو دیکھ کر ٹھہرنے کا سوال ہی ختم ہو گیا۔ وہ جگہ جو رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

اپنے خواب میں دیکھی تھی ''سیاہ چٹانوں کے دو قطعات کے درمیان ایسی سرزمین جسے پانی سے خوب سینچا گیا تھا۔'' اب ان کے قدموں میں پھیلی پڑی تھی۔ کھجوروں کے بھورے جھنڈ اور باغات کا ہلکا سبزہ، ان چٹانوں سے جنہیں وہ عبور کر کے نیچے اترے تھے، اس مقام سے تین میل تک پھیلا ہوا تھا۔

سبزہ زار کا قریب ترین مقام قبا تھا۔ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے بیشتر مسلمان اپنا پہلا قیام یہاں پر ہی کرتے تھے اور ان میں بیشتر ابھی تک وہاں پر مقیم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے راہنمائی کرنے والے بدو سے فرمایا ''ہمیں سیدھے قباء میں بنی عمرو کے علاقے میں لے چلو اور شہر پہنچنے تک کہیں نہ رکو۔'' نخلستان کے گنجان علاقے کو اسی نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس شہر کو تھوڑے ہی دنوں میں عربستان کے طول و عرض میں شہرت حاصل ہونے والی تھی۔ اور جلد ہی عرب کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی اسے ''شہر'' کے نام سے، عربی میں المدینہ، یعنی مدینہ کے نام سے شہرتِ دوام ملنے والی تھی۔

کئی روز پہلے سے رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے غائب ہونے اور ان کو پا لینے والے کو انعام کی خبریں نخلستان میں پہنچ چکی تھیں۔ کئی دن سے ان کی روانگی کے باعث قباء میں موجود لوگ روزانہ ہی ان کی آمد کی امید لگائے رکھتے۔ ہر روز صبح نمازِ فجر کے بعد بنی عمرو کے لوگ آبادی سے نکل کر آپ ﷺ کی آمد کے راستے کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اس گاؤں میں بسنے والے دوسرے قبائل کے لوگ بھی ہوتے۔ پھر قریش کے مہاجرین جو مدینہ جانے کی بجائے ابھی تک وہی ٹھہرے ہوئے تھے وہ بھی ان کے ہمراہ کھیتوں اور کھجوروں کے باغات سے پرے آتش فشانی چٹانوں کے سلسلے سے تھوڑے فاصلے پر ٹھہر کر ان کا انتظار کرتے۔ جب سورج کی تمازت اور گرمی کی حدت اپنے عروج پر پہنچ جاتی تو مجبور ہو کر اپنے گھروں کو پلٹ آتے۔ اس صبح بھی وہ لوگ انتظار کرتے رہے لیکن جب ان چار مسافروں نے پتھریلی چٹانوں کی ڈھلوانوں سے اترنا شروع کیا، ان مسافروں کے انتظار میں گڑھی ہوئی آنکھیں ایک بار پھر مایوس ہو کر پلٹ چکی تھیں۔ لیکن نیلی اور سیاہ آتش فشانی چٹانوں کے پس منظر میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نئی سفید پوشاک پر سورج کی تیز شعاعوں نے چمک پیدا کر دی تھی۔ ایک یہودی جو اس وقت اپنے گھر کی چھت پر موجود تھا اس کی نگاہ اتفاقاً ان پر پڑ گئی۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ آنے والے کون ہو سکتے ہیں۔ قبا کے یہودیوں کے استفسار پر ان کو بتایا گیا تھا کہ وہ روزانہ مجمع کی صورت میں کس کے استقبال کے لیے دشت کا رخ کرتے ہیں۔ اس یہودی نے زور سے پکارا کہ ''قائلہ کے بیٹو، وہ آ گئے ہیں!'' اعلان سنتے ہی مرد، عورت اور بچے فوراً اپنے گھروں سے نکل بھاگے اور ایک مرتبہ پھر سیلاب کی صورت اس سبزہ زار پٹی پر چل پڑے جو پتھریلے قطعات تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن انہیں

Marfat.com

زیادہ دور چلنا نہ پڑا کیونکہ مسافر اب تک کھجوروں کے جھنڈ کے نزدیک آ گئے تھے۔ وہ دوپہر کا وقت ہر چہار جانب مسرت آمیز تھا۔ ہر کوئی بے انتہا مسرور تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے خطاب کیا ''اے لوگو! ایک دوسرے کو نویدِ امن و سلامتی دو۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ رشتوں کا احترام کرو اور ان گھڑیوں میں اللہ کی عبادت کیا کرو کہ جب لوگ محوِ خواب ہوتے ہیں۔ ایسا کرو گے تو امن و امان سے جنت میں داخل ہو گے۔'' ⑤

طے ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قبا کے معمر شخص کلثوم کے ہاں قیام فرمائیں گے۔ انہوں نے اس سے پہلے حضرت حمزہ اور زید رضی اللہ عنہما کی میزبانی بھی کی تھی۔ کلثوم کا خاندان بنی عمرو، قبیلۂ اوس سے تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یثرب کے دونوں قبائل کو برابر میزبانی میں شرکت کا موقع فراہم کرنے کی اہمیت کا خیال کرتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خزرج کے ایک فرد کے ہاں ''سنح'' نامی گاؤں میں ٹھہرایا گیا۔ یہ گاؤں مدینہ سے ذرا نزدیک تھا۔ ایک دو دن بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ ان کا قیام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسی مکان میں رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام امانتیں لوٹاتے ہوئے تین دن لگ گئے تھے۔ یہ وہ امانتیں تھیں جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس رکھوایا کرتے تھے۔

بہت سے لوگ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے استقبال کو آئے تھے، ان میں کچھ تو مدینہ کے یہودی تھے جن کی آمد کا مقصد اشتیاق یا تجسس تو تھا لیکن خیر سگالی نہ تھا لیکن دوسری یا تیسری شام کو ایک شخص آیا جس کا ظاہری روپ ہر ایک سے جُدا تھا۔ نہ تو وہ عرب تھا اور نہ یہودی۔ ان کا نام سلمان تھا۔ ان کے والدین زرتشتی تھے اور وہ اصفہان کے جَے نامی گاؤں میں پیدا ہوئے تھا۔ اوائلِ عمری میں ہی عیسائی ہو کر ملکِ شام چلے گئے۔ شام میں انہوں نے اپنے آپ کو ایک خدا ترس عیسائی راہب سے وابستہ کر لیا۔ راہب نے بوقتِ مرگ سلمان کو موصل کے ایک راہب کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیا۔ یہ راہب بھی کافی عمر رسیدہ تھا لیکن جہاں تک وہ جانتا تھا یہ راہب سب سے بہتر تھا اس لیے وہ عراق کے شمال میں چل پڑے۔ سلمان کے لیے یہ ان سلسلہ وار ملاقاتوں کی ابتدا تھی جس میں بزرگ عیسائی عارفین سے ان کی وابستگی رہی۔ یہاں تک کہ جس آخری قریب الموت راہب سے ان کی ملاقات ہوئی اس نے سلمان کو بتایا کہ وقت قریب آن پہنچا ہے کہ جب ایک رسول کا ظہور ہو گا۔ ''اس رسول کو اللہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کے ساتھ بھیجے گا اور وہ عرب میں آئے گا جہاں وہ اپنے گھر کو چھوڑ کر ہجرت کرے گا، ایک ایسی جگہ جو آتش فشانی چٹانوں کے دو قطعات کے درمیان ہو گی۔ ایک ملک جہاں کھجور کے بہت سے درخت ہوں گے۔ اس کی علامات بیّن ہوں گی۔ وہ ہدیہ تو کھا لے گا لیکن صدقہ قبول نہیں کرے گا۔ اس کی پشت پر دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہو گی۔'' سلمان نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

سے جا کر ملیں۔ انہوں نے قبیلۂ کلب کے سوداگروں کے ایک گروہ کو عربستان لے جانے کا معاوضہ پیش کیا۔ لیکن جب یہ سوداگر بحرِ احمر کے شمال میں خلیجِ عقبہ کے نزدیک وادیٔ القریٰ پہنچے تو ان سوداگروں نے سلمان کو بطورِ غلام ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ وادیٔ القریٰ میں جب کھجوروں کے جھنڈ دیکھے تو انہیں حیرت ہوئی کہ کیا یہ وہی بستی تو نہیں جس کی انہیں تلاش تھی۔ لیکن وہ اس بارے میں پر یقین بھی نہ تھے۔ پھر زیادہ وقت نہ گزرا کہ اس یہودی نے انہیں اپنے ایک رشتہ کے بھائی کو فروخت کر دیا جو مدینہ کے قبیلہ بنی قریظہ کا تھا۔ سلمان نے جیسے ہی اس سرزمین کی خصوصیتیں دیکھیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ بلاشبہ یہ وہی خطۂ ارض ہے جہاں رسول ہجرت کر کے آئیں گے۔

سلمان کے اس نئے مالک کا ایک رشتے کا بھائی قباء میں رہائش پذیر تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے قبا پہنچنے پر یہ یہودی اس خبر کو لے کر مدینہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے بھائی کو کھجوروں کے درخت کے نیچے بیٹھا پایا۔ سلمان اسی درخت کی چوٹی پر کام کر رہے تھے۔ انہوں نے اس کو کہتے سنا ''اللہ کی لعنت قائلہ کے بیٹوں پر، وہ تمام کے تمام قباء میں اس شخص کے گرد جمع ہیں جو آج ہی مکہ سے ان کے پاس پہنچا ہے اور جس کا دعویٰ ہے کہ وہ رسول ہے۔'' آخری الفاظ نے سلمان کا دل اس یقین سے بھر دیا کہ اللہ نے ان کی امیدیں پوری کر دی ہیں۔ اس خبر کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ انہیں ڈر لگا کہ کہیں وہ درخت سے نیچے ہی نہ گر پڑیں۔ اس لیے وہ درخت سے نیچے اترے اور قباء سے آنے والے یہودی پر سوالات کی بارش کر دی۔ ان کے آقا نے ناراض ہو کر انہیں واپس اپنا کام کرنے کا حکم دیا۔ لیکن شام پڑتے ہی انہوں نے بچا کر رکھا ہوا کھانے کا سامان اٹھایا اور چپکے سے قباء کی جانب چل پڑے۔ جب وہ قبا میں رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ بہت سے نئے اور پرانے اصحاب میں گھرے ہوئے تھے۔ سلمان کو یقین تو ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے اور آپ کو کھانا پیش کر کے خاص طور پر کہا کہ یہ خیرات کا کھانا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے یہ کھانا نوش کرنے کا کہا لیکن خود اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ سلمان کو امید بندھی کہ ایک نہ ایک دن وہ مہرِ نبوت بھی ضرور دیکھیں گے لیکن پہلی ملاقات میں ہی رسول اللہ ﷺ کی حضوری اور ارشادات سننا ہی بہت تھا۔ سلمان جب مدینہ واپس پہنچے تو ان کا سینہ فخر و مباہات کے ساتھ ساتھ جذبۂ تشکر سے بھی لبریز تھا۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ قرآن ۹:۴۰ ۲۔ بخاری: ۵۷، ۵ ۳۔ احمد بن حنبل: ۵، ۲۳ ۴۔ قرآن ۲۸:۵۷ ۵۔ ابن سعد: ۱/۱، ۱۵۹

Marfat.com

باب: ۳۸

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد

رسول اللہ ﷺ کی نخلستان میں آمد بروز پیر ہوئی تھی۔ سنِ عیسوی کی تاریخ ماہِ ستمبر ۲۷ اور سال ۶۲۲ تھا۔ مختلف پیغامات سے واضح تھا کہ مدینہ کے لوگ ان کی آمد کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے چودہ دن قبا میں قیام فرمایا۔ اس دوران قباء میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو اسلام کی پہلی مسجد تھی۔ جمعہ کے دن صبح کے وقت آپ ﷺ قبا سے روانہ ہوئے اور دوپہر کے وقت اپنے اصحاب کی معیت میں وادیٔ ''رانونع'' میں قیام پذیر ہوئے۔ خزرجی قبیلے کی بنی سالم ان کے منتظر تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ نماز ادا کی۔ جمعہ کی یہ پہلی نماز تھی جو آپ ﷺ نے اس ملک میں ادا کی جو آج کے بعد سے ہمیشہ کے لیے آپ ﷺ کا وطن بننے والا تھا۔ بنی نجار کے چند لوگ جو آپ کے قرابت دار تھے، آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے وہاں آئے۔ بنی عمر کے وہ لوگ بھی جو حفاظتی دستے کے طور پر ساتھ آئے ہوئے تھے ان سب کو ملا کر نمازیوں کی تعداد ایک سو کے قریب تھی۔ نماز ختم ہونے کے بعد آپ قصویٰ اونٹنی پر سوار ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ بھی اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہوئے اور یہ قافلہ شہر کی جانب چل پڑا۔ ان کے دائیں بائیں زرہ بکتر میں ملبوس اور اپنی تلواروں کو سونتے ہوئے اوس اور خزرج کے لوگ تعظیم و تکریم کے طور پر اس بات کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو تحفظ دینے کا جو عہد کیا ہے وہ خالی الفاظ نہیں تھے۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ وہاں آپ ﷺ کو کسی قسم کے تحفظ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ آج کا دن شادمانی میں بے مثال تھا۔ ''اللہ کے رسول ﷺ تشریف لے آئے'' یہ خوشی کا نعرہ تھا جو راستہ کے دونوں جانب صف آرا مرد، عورتیں اور بچے جوش و خروش سے مل جُل کر باآوازِ بلند لگا رہے تھے۔ جلوس کی خراماں اور شاہانہ رفتار قصویٰ کی رفتار متعین کر رہی تھی۔ یہ جلوس باغات اور

Marfat.com

کھجوروں کے جھنڈوں میں سے جو مدینہ کے جنوب میں واقع تھے آہستہ آہستہ شہر کی جانب رواں تھا۔ راستے میں تھوڑے ہی مکانات تھے اور ایک دوسرے سے فاصلے پر تعمیر تھے لیکن آہستہ آہستہ وہ اس علاقے میں داخل ہو گئے جہاں آبادی گنجان ہونے لگی تھی۔ راستے میں بہت سی پر اشتیاق درخواستیں کی گئیں کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ! اپنی سواری یہاں ٹھہرایئے، ہم طاقت بھی رکھتے ہیں اور تحفظ کی قوت اور فراخی وفراوانی بھی۔" اور ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کوئی شخص یا کوئی گروہ آگے بڑھا اور قصویٰ کی مہار ہاتھ میں پکڑ لی۔ لیکن ہر مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعا سے نوازا اور فرمایا "قصویٰ کو اس کی راہ پر چلنے دو کیونکہ وہ اللہ کے فرمان کے تحت رواں ہے۔"

ایک موقع پر ایسا لگا کہ قصویٰ نجار کے عظیم خزرجی قبیلے کی شاخ عدی کے مکانوں کی سمت جارہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین رشتہ دار تھے۔ کیونکہ وہ شہر کے انتہائی شمال مشرقی علاقہ کی جانب مڑ گئی تھی جہاں عدی کے لوگ سکونت پذیر تھے۔ لیکن اونٹنی اس مقام سے ہوتے ہوئے گزر گئی جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنے بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ قیام کیا تھا۔ قصویٰ ان تمام مکانوں سے ہو کر گزری جو رسول اللہ ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ یہ سب لوگ نہایت خلوص سے رہائش فرمانے کی التجا کرتے رہے لیکن آپ نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو دوسروں کو دیتے آئے تھے۔ دوسروں کی طرح ان لوگوں نے بھی سرِ تسلیم خم کیا۔ اب قصویٰ نجار کی شاخ بنی ملک کے گھروں سے گزری۔ اس خاندان کے دو آدمیوں کا تعلق ان چھ اصحاب سے تھا جنہوں نے "عقبہ اولیٰ" سے ایک سال قبل آپ سے بیعت کی تھی۔ یہ حضرت اسعد اور عوف رضی اللہ عنہما تھے۔ یہاں قصویٰ نے بڑے راستے سے گھوم کر ایک بڑے صحن کا رخ کیا جو چاروں جانب سے بڑی بڑی دیواروں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے اندر چند کھجور کے درخت تھے اور ایک عمارت کا پرانا کھنڈر تھا۔ اس کے ایک سرے کو کسی وقت قبرستان کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ یہاں پر ایک جگہ ایسی بھی تھی جہاں کھجوروں کو خشک کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنا رخ ایک ناہموار سے احاطہ کی جانب کر دیا جہاں حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھنے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس احاطہ کے داخلہ پر اس نے گھٹنے ٹیکے، رسول اللہ ﷺ نے مہار کو ڈھیلا کر دیا لیکن سواری سے نیچے نہ اترے۔ ایک لمحہ بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر بڑے آرام سے چل پڑی۔ لیکن کچھ ہی دور جا کر پھر رک گئی اور گھوم کر واپس وہاں پہنچی جہاں اس نے گھٹنے ٹیکے تھے۔ قصویٰ ایک بار پھر گھٹنوں کے بل ہوئی اور آخر کار اس مقام پر اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نیچے اترے اور فرمایا "یہ مقام ان شاء اللہ میری رہائش گاہ ہے۔" (1)

Marfat.com

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ کھلی جگہ کس کی ملکیت ہے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس قطعہ زمین کے مالک دو یتیم بچے سَہل اور سہیل ہیں اور یہ کہ وہ دونوں حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کی زیرِ سرپرستی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بچوں کو لانے کا حکم فرمایا۔ وہ بچے پہلے ہی سے قریب موجود تھے۔ وہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے روبرو کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ صحنِ زمین ان کے ہاتھ فروخت کریں گے؟ آپ نے اُن سے قیمت بتانے کا فرمایا۔ لیکن وہ بولے ''اے اللہ کے رسول نہیں۔ یہ زمین ہم آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ یہ زمین تحفہ یا نذرانہ کے طور پر لینے پر راضی نہ ہوئے تو حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کی مدد سے قیمت کا تعین کیا گیا۔ اسی دوران حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ خالد جو اس جگہ سے نزدیک ہی رہتے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا سامان اونٹنی سے اتارا اور کھول کر اپنے گھر میں جا کر رکھ دیا۔ خاندان کے دوسرے لوگ بھی آ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے ہاں مہمان ہونے کی التجا کی لیکن آپ نے فرمایا ''ایک انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے سامان کے ساتھ رہے۔'' قبیلے کے سب سے اولیں فرد حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ''عقبہ دوئم'' میں بیعت کی تھی۔ وہ اپنی زوجہ کے ہمراہ مکان کی بالائی منزل پر منتقل ہو گئے اور نچلے حصے کو رسول اللہ ﷺ کے استعمال کے لیے خالی کر دیا۔ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ قصویٰ کو اپنے گھر کے صحن میں لے گئے جو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کے قریب ہی تھا۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ بخاری: ۶۳

Marfat.com

بابٖ:۳۹

ہم آہنگی و ناموافقت

رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہ کھلا میدان جو حال ہی میں انہوں نے حاصل کیا ہے اس کو مسجد بنا دیا جائے اور جس طرح قباء میں مسجد بنائی گئی تھی یہاں بھی مسجد بنانے کا کام فوری طور پر شروع ہو گیا۔ عمارت کی تعمیر کا بیشتر کام اینٹوں سے کیا گیا لیکن شمالی دیوار کے وسط میں جو یروشلم کی جانب تھی محراب کے دونوں سروں پر پتھر لگا دیئے گئے۔ میدان میں کھجور کے جو درخت لگے ہوئے تھے انہیں کاٹ دیا گیا اور ان تنوں کو کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی چھت کو سہارا دینے کے لیے ستونوں کے طور پر استعمال میں لایا گیا۔ مسجد کے صحن کے بیشتر حصے کو چھت کے بغیر ہی کھلا رہنے دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے مسلمانوں کو انصار کا لقب دیا۔ جس کے معنی مددگار کے ہیں۔ جبکہ قریش اور دیگر قبائل سے تعلق رکھنے والوں کو جنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر یثرب کو ہجرت کی تھی انہیں مہاجر کہا گیا یعنی ہجرت کرنے والے۔ مسجد کی تعمیر میں رسول اللہ ﷺ سمیت سب نے حصہ لیا۔ تعمیر کے دوران وہ دو اشعار کا ورد کرتے جا رہے تھے جو ان میں سے کسی ایک نے اس تعمیرِ مسجد کی مناسبت سے نظم کیے تھے:

''یا اللہ حسنات میں کوئی شے آخرت سے بہتر نہیں

پس نصرت فرما انصار کی اور مہاجرین کی''

اور کبھی یہ شعر پڑھتے

''یا اللہ! کوئی زندگی نہیں سوائے آخرت کی حیات کی

اللہ اپنا رحم فرما انصار و مہاجرین پر''

Marfat.com

اس امر کی توقع تھی کی ان دونوں جماعتوں کو ایک اور جماعت سے تقویت حاصل ہو گی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیروؤں اور یثرب کے یہودیوں کے مابین باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کا ایک معاہدہ کر کے خدائے واحد پر ایمان رکھنے والوں کو ایک قوم میں منسلک کر دیا۔ اور ان اختلافات کے لیے بھی مناسب اقدامات کر دیئے جو اہلِ یہود اور مسلمانوں کے عقیدے سے متعلق تھے۔ اس معاہدے میں مسلمانوں اور یہودیوں کو مساوی مرتبہ دیا گیا۔ اگر کسی یہودی کے ساتھ زیادتی ہو تو اس کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری مسلمانوں اور یہودیوں پر لازم تھی اور اسی طرح اگر کسی مسلمان کے ساتھ زیادتی ہو تو اس صورت میں بھی یہودیوں اور مسلمانوں کو باہم اس کے حقوق کا تحفظ کرنا تھا۔ کفار سے جنگ کی صورت میں ان سب کو ایک ہو کر لڑائی میں حصہ لینا تھا۔ اسی طرح یہ بھی طے ہوا کہ مسلمان اور یہودی اپنے طور پر کسی سے صلح یا امن کا معاہدہ نہیں کریں گے۔ صلح کے معاملہ میں کسی قسم کی تقسیم قابلِ قبول نہ تھی۔ اختلافِ رائے، تنازعہ یا لڑائی جھگڑے کے معاملات کو اللہ کے حضور اس کے پیغمبر کی وساطت سے پیش کرنا تھا۔ اگرچہ یہودیوں کے لیے ظاہری طور پر کوئی واضح شرط نہیں رکھی گئی تھی کہ وہ رسمی طور پر محمد (ﷺ) کو اللہ کا پیغمبر اور رسول تسلیم کریں لیکن اقرار نامہ کی دستاویز میں تمام حوالے آپ کے اسی منصب سے ہی تھے۔

یہودیوں نے اس عہد نامہ کو سیاسی وجوہ سے مصلحتاً قبول کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی سب سے طاقتور شخصیت تھے اور ان کی قوت میں مزید اضافہ یقینی نظر آ رہا تھا۔ اس لیے یہودیوں کے لیے ان کی حیثیت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس کے باوجود بہت ہی کم ایسے تھے جو اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر تیار تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی غیر یہودی کو بھی رسول بنا کر بھیج سکتا ہے۔ اس لیے باطن میں جو بھی ہو لیکن شروع میں ظاہری طور پر وہ بڑے اخلاق کا مظاہرہ کرتے رہے۔ انہیں اللہ کی منتخب قوم کی حیثیت سے ایک برتر اور بے مثل قوم ہونے کا شدت سے احساس تھا۔ بہ ظاہر نئے دین کے بارے میں ان کے شکوک وشبہات کتنے ہی ڈھکے چھپے ہوں لیکن جیسے ہی انہیں کوئی ڈھلمل یقین والا عرب مل جاتا تو وہ وحی الٰہی کے بارے میں اپنے شکوک کا اظہار کرنے سے نہ چوکتے۔

اسلام اوس اور خزرج کے قبیلوں میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔ کچھ مومنین اس دن کے انتظار میں تھے کہ جب اس عہد نامہ کے طفیل جو یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہوا ہے، پورا یثرب متحد اور منظم ہو کر ایک وحدت میں ڈھل جائے گا۔ لیکن اب جو نزولِ وحی ہوا تو اس میں ایسے منافقین سے خبردار کیا گیا جو چھپے بیٹھے تھے۔ تقریباً یہی وقت تھا کہ جب قرآن کی سب سے طویل سورۃ کا نزول شروع ہوا۔ یہ سورۃ البقرہ تھی جو کتاب

Marfat.com

اللہ کے شروع میں سورۃ فاتحہ کی سات آیات کے بعد ہے:

اس سورۃ کی ابتدا ان کی تعریف سے شروع ہوتی ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔ ''الف، لام، میم۔ یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے، یعنی قرآن، اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' (1)

کافروں کا ذکر کرنے کے بعد جو حق کے لیے اندھے اور بہرے ہیں ایک تیسرے گروہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں اور جب یہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں۔ علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں اصل میں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے محض مذاق کر رہے ہیں۔'' (2)

اس قسم کے لوگ جو ڈھلمل یقین تھے اور شکوک وشبہات میں مبتلا تھے ان منافقین کا تعلق قبیلہ اوس و خزرج سے تھا اور جہاں تک ان کے خلوص اور وفاداری کا تعلق تھا اس میں ان کے درجات مختلف تھے اور ان کے شیاطین یعنی وہ لوگ جو انہیں بدی کی طرف مائل کرتے تھے وہ کافروں کے مرد وزن تھے جو دلوں میں شک ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کو ایک ایسے فتنہ کی موجودگی سے خبردار کیا گیا جو مکہ میں پریشانی کا باعث نہیں تھا۔ مکہ میں تبدیلیٔ مذہب کا سبب روحانی تھا۔ کیونکہ وہاں تو اسلام قبول کرنے والوں کے سامنے کسی قسم کے مادی نفع کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہاں تو مادی لحاظ سے جو جو کچھ قربان کیا گیا اس کی مثالیں جا بجا تھیں۔ لیکن اب مدینہ میں حالات مختلف تھے۔ یہاں پر اسلام قبول کرنے سے بعض دنیاوی فائدے بھی حاصل ہو سکتے تھے۔ وہ دن کہ مسلمانوں میں منافقوں کے وجود کا کوئی امکان نہ ہو ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکے تھے۔

جن شیاطین کا حوالہ سورۃ البقرہ میں دیا گیا ان میں سے بعض یہودی تھے۔ اسی نزولِ وحی میں ارشاد ہوا ''بہت سے اہلِ کتاب (3) چاہتے ہیں کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاؤ۔ ان کی یہ خواہش اپنے نفس کے حسد کی وجہ سے ہے۔'' (4) یہودی تو آنے والے ایسے نبی کے منتظر تھے جس کی پیشین گوئی کی جا چکی تھی۔ وہ بڑے اشتیاق سے اس نبی کی آمد کے منتظر اس لیے نہیں تھے کہ اس سے ان میں کوئی روحانی انقلاب پیدا ہو

Marfat.com

جائے گا بلکہ وہ اس کی آمد کے ذریعے یثرب میں اپنی سیاسی برتری کے خواب دیکھ رہے تھے۔اب نئے نبی کی یثرب آمد نے یہ جان کر ان کی امید کو مایوسی میں بدل دیا کہ یہ نبی حضرت اسحاق علیہ السلام کی بجائے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ یہودیوں کو ڈر تھا کہ آپ ہی وہ متوقع نبی ہیں جن کی بشارت آسمانی کتابوں نے دی تھی اور یہ ڈر ہی اس حسد کا باعث بن گیا۔ اسی حسد کے باعث وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو برابر یہ یقین دلاتے رہنے کی کوشش کرتے کہ آپ ﷺ میں وہ مطلوبہ باتیں نہیں پائی جاتیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے رسول میں ہونا لازم تھیں۔ ''محمد (ﷺ) دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں آسمان سے خبریں آتی ہیں لیکن انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کا اونٹ کہاں ہے۔'' ایک یہودی نے یہ بات اس وقت کہی جب آپ ﷺ کا ایک اونٹ گم ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے فرمایا ''مجھے تو صرف اس بات کا علم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ مجھے بتاتا ہے اور اس نے مجھے دکھا دیا ہے کہ یہ اونٹ اس وادی میں ہے جس کا پتہ میں تمہیں بتاؤں گا کہ جہاں اس کی نکیل ایک درخت میں پھنسی ہوئی ہے۔''[5] انصار میں سے چند لوگ وہاں پہنچے اور انہوں نے اسے وہیں پایا جہاں رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا۔

بہت سے یہودیوں نے پہلے تو نخلستان میں مزید خانہ جنگی پھوٹ پڑنے کے خطرات کے خاتمہ کا خیر مقدم کیا تھا۔ تاہم اس خطرہ میں کچھ مفادات بھی تھے کیوں کہ عربوں کی آپس میں پھوٹ سے غیر عربوں کے مرتبہ میں اضافہ ہو گیا تھا اور یہ عرب اپنی قوت بڑھانے کے لیے ان یہودیوں سے اتحاد کے خواہاں ہوتے تھے لیکن اوس اور خزرج کے آپس میں متحد ہونے سے پرانے اتحاد اب غیر ضروری ہو گئے تھے جبکہ اس نئے اتحاد نے عربوں کو ناقابلِ شکست قوت کا مالک بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہود کے ساتھ جو میثاق عمل میں آیا تھا اس کے ذریعے ممکن ہو گیا تھا کہ اس عظیم قوت کے وہ بھی شریک بن جائیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ نخلستان سے پرے جو عربوں کی عظیم قوت تھی اس سے امکانی لڑائی کی صورت میں انہیں میثاق کی مجبوری کے تحت اس بڑی طاقت کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس نئی صورتِ حال کے تحت ان کے لیے اور بہت سے سنگین دشواریوں کا بھی اندیشہ تھا۔

غلبۂ اسلام کے بعد یثرب میں جو حالات پیدا ہوئے وہ یہودیوں کے لیے نئے تھا۔ انہیں اس سے پہلے ایسی صورتِ حال سے نمٹنے کا تجربہ نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے کے حالات سے وہ بخوبی آگاہ تھے اور ان سے نبٹنا ان کے لیے اتنا آسان تھا کہ ان میں سے بہت ان ایام کی واپسی کی آرزو کرنے لگے۔ بنی قینقاع کے ایک ماہر یہودی سیاستدان نے جو عرب قبیلوں کے باہمی تنازعات سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں

Marfat.com

ماہر تھا اسے خاص طور پر اوس و خزرج کے مابین دوستانہ تعلقات سے بڑی مایوسی ہوئی۔ اس نے اپنے قبیلے کے ایک نہایت خوش الحان نوجوان کو ہدایت کی کہ جب انصار اکٹھے ہوں تو ان کے مجمع میں جا کر بیٹھ جائے اور ان کو وہ اشعار سنائے جو قریبی زمانے کی خانہ جنگی یعنی جنگِ بعاث کے فوراً بعد دونوں اطراف کے شعرا نے نظم کیے تھے۔ ایسی نظمیں جن میں دشمنوں کی مذمت تھی، خانہ جنگی کی شجاعت پر قصیدہ خوانی تھی، مرنے والوں پر مرثیے تھے اور انتقام کی دھمکیاں تھیں۔ اس نوجوان نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا تھا۔ اس محفل میں جتنے لوگ موجود تھے ان کی توجہ اس جانب مبذول ہوگئی۔ ان کے ذہن حال سے ماضی میں جا پہنچے۔ اوس کے لوگ بڑے جوش سے اوس کے شعرا کی داد دیتے رہے اور خزرج کے لوگ خزرج کے شاعر کو۔ پھر دونوں قبائل کے لوگوں میں گرما گرم بحث چھڑ گئی۔ دونوں جانب سے اپنے اپنے قبیلے کی عظمت کی ڈینگیں ماری جانے لگیں۔ بلند آواز میں ایک دوسرے کو گالیاں اور دھمکیاں دی جانے لگیں اور پھر نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ ''ہتھیار نکالو، ہتھیار سنبھالو'' کے نعرے لگنے لگے اور سب لوگ آپس میں نبرد آزما ہونے کے لیے آتش فشانی چٹانوں کی جانب جا نکلے۔
رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے تمام مہاجرین کو جو اس لمحہ وہاں موجود تھے اپنے ساتھ لیا اور عجلت میں اس جگہ پہنچے جہاں دونوں فریق معرکہ آرائی کے لیے صف بستہ ہو چکے تھے۔ ''اے مسلمانو!'' رسول اللہ ﷺ نے انہیں مخاطب کرنے کے بعد دو مرتبہ 'اللہ' 'اللہ' فرما کر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہیں مخاطب کیا ''کیا تم لوگ ایامِ جاہلیہ کی طرح عمل کرو گے حالانکہ میں اب تمہارے درمیان موجود ہوں اور اللہ نے تم کو ہدایت دی ہے اور تم اسلام لے آئے ہو اور تم کو اسلام نے معزز کر دیا ہے۔ اس کے ذریعے کفر کے طور طریقوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے تمہیں کفر سے نجات دی ہے اور تمہارے قلوب کو متحد کر دیا ہے۔'' ان لوگوں کے دلوں میں فوراً یہ بات آ گئی کہ انہیں گمراہ کر دیا گیا تھا۔ وہ اشک بار ہو گئے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر نبی کے ارشادات سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہوئے اور اطاعت گذار بن کر شہر کو واپس لوٹ گئے۔ (۶)

امتِ مسلمہ میں مزید اتحاد کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے مابین بھائی چارے کی بنیاد رکھی۔ اس کے تحت ہر انصار کا ایک مہاجر بھائی ہوگا، جو کسی بھی انصار کے مقابلے میں اس سے قریب تر ہوگا اور ہر مہاجر کا ایک انصار بھائی ہوگا جو کسی بھی مہاجر کے مقابلہ میں اس سے قریب تر ہوگا لیکن آپ ﷺ نے اپنی ذات اور اپنے گھرانے کو اس بھائی چارے سے مستثنیٰ رکھا۔ اگر آپ ﷺ ایسا کرتے تو ان انصار کے لیے بے انصافی ہوتی جو آپ کا بھائی بننے سے محروم رہتے۔ پس آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا ''یہ میرا بھائی ہے۔'' اسی طرح انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بھائی

Marfat.com

بنا دیا۔

اسلام کے خاص دشمنوں میں دو خالہ زاد بھائی تھے۔ یہ دو بہنوں کے بیٹے تھے لیکن ان میں سے ایک کا باپ اوس اور دوسرے کا باپ خزرج قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان دونوں کا اپنے قبیلوں پر خاصا غلبہ تھا۔ اوس قبیلے کے ابو عامر کو لوگ ''راہب'' بھی کہتے تھے کیونکہ وہ بہت عرصہ تک تارک الدنیا رہ چکا تھا اور کمبل پوش کی حیثیت سے لوگوں کی نظروں میں رہتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ دینِ ابراہیمی کا پیرو ہے۔ اس وجہ سے اس نے یثرب کے لوگوں میں ایک قسم کا مذہبی اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ یثرب تشریف لائے تو ابو عامر ان کے پاس گیا۔ دکھانا یہ تھا کہ وہ نئے مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا ہے۔ اسے وحی کے الفاظ میں ہی جواب دیا گیا، وہ وحی جس میں ایک سے زیادہ مرتبہ اسلام کی تعریف دینِ ابراہیمی [6] کہہ کر کی گئی تھی۔

''لیکن میں تو اسی کا پیرو ہوں۔'' ابو عامر نے جواب دیا اور انکار کے باوجود اپنی بات پر اڑا رہا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ پر الزام لگایا کہ انہوں نے دینِ ابراہیم میں افترا کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں تو اسے صاف اور شفاف لایا ہوں۔'' ابو عامر نے کہا ''اللہ کرے جھوٹ بولنے والے کی موت تن تنہا غریب الوطنی میں ہو۔'' آپ نے فرمایا ''اللہ کرے ایسا ہی ہو! اللہ اس کے ساتھ ایسا ہی کرے جو جھوٹ اور افترا باندھتا ہے۔'' [7]

ابو عامر نے مشاہدہ کیا کہ اس کا اختیار و اقتدار بڑی تیزی سے اپنا وزن کھو رہا ہے۔ اس کی تلخی میں مزید اضافہ یہ دیکھ کر بھی ہوا کہ اس کے اپنے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو بھی رسول اللہ ﷺ سے عقیدت تھی۔ پھر زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ اس نے اپنے باقی ماندہ قریباً دس معتقدین، کو ساتھ لیا اور رملہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے خود اپنے اوپر عائد کردہ جلاوطنی اور نحوست کے آغاز کی خبر نہ تھی۔

اس کا خالہ زاد بھائی خزرج قبیلے کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد احساسِ محرومی کا شکار تھا۔ اس کا صرف روحانی اقتدار ہی نہیں چھنا تھا بلکہ یثرب کے نخلستان میں اس کی مادی حیثیت یعنی سرداری بھی ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ عبداللہ بن اُبی کو یہ دکھ بھی تھا کہ اس کے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ نہ صرف بیٹا بلکہ اس کی بیٹی جمیلہ رضی اللہ عنہا بھی۔ لیکن ابو عامر کے برعکس عبداللہ بن اُبی مناسب موقع کے انتظار میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جلد یا بدیر اس نئے آنے والے کا حد سے بڑھا ہوا غلبہ گھٹنا شروع ہو جائے گا۔ اس دوران اس کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے اپنی ذات کو پابندی اور ہر قسم کے عہد

Marfat.com

واقرار سے آزاد رکھا جائے۔ لیکن زبان پر قابو رکھنا اتنا آسان نہ تھا۔ کبھی کبھار اس کی زبان سے اندر کا ہیجان ظاہر ہو جاتا۔

ایک ایسا ہی موقع اس وقت آیا جب خزرج کے ایک اور بڑے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ علیل تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ نخلستان کے روؤسا نے اپنی قلعہ نما حویلیاں بنائی ہوئی تھیں اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر جاتے ہوئے وہ عبداللہ بن ابی کی قلعہ نما حویلی 'مزاحم' کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنی حویلی کی دیواروں کے سائے میں اپنے اعزا اور دیگر خزرجیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس سردار کو عزت دینے کی خاطر آپ اپنی سواری (خچر) سے اترے اور اس سے سلام دُعا کر کے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھے اور قرآن کی تلاوت فرما کر اسے اسلام کی دعوت دی۔ جب رسول اللہ ﷺ خاموش ہوئے تو عبداللہ بن اُبی ان کی جانب مڑا اور کہنے لگا ''اگر اس میں صداقت ہے تو کوئی بات بھی بہتر نہ تھی اس بات سے جو آپ نے کہی ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ آپ اپنے گھر بیٹھیں اور جو کوئی آپ کے پاس آئے اسے تبلیغ کیجئے لیکن جو کوئی آپ کے پاس نہیں آتا اسے اس کے حال پر چھوڑ دیجئے۔'' عبداللہ بن اُبی کی اس بات پر مجمع سے ایک آواز بلند ہوئی ''نہیں! آپ ہم میں وہ بات لے کر آئیں۔ ہمارے اجتماعات میں، ہمارے محلوں میں اور ہمارے گھروں میں آپ ضرور تشریف لائیں کیونکہ آپ کا تشریف لانا اور آپ کا پیغام ہمیں بہت پسند ہے۔ اور یہ کہ اللہ نے آپ کی تشریف آوری کے ذریعے ہم کو اپنے فضل سے یہ موقع دیا ہے کہ ہم ہدایت پائیں۔'' یہ بولنے والے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ وہ صحابی تھے جن کے بارے میں عبداللہ بن ابی کو یقین تھا کہ ہر موڑ پر ان کی حمایت پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ قریبی دوست کے اس ردِعمل پر مایوسی کے عالم میں اس نے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جب کسی کو اس کے دوست دغا دے کر تنہا چھوڑ جائیں تو اس کا مغلوب ہو جانا لازم ہے۔ عبداللہ بن ابی پر اب صاف صاف عیاں ہو گیا کہ اب مدافعت فضول ہے۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے اور بہت کبیدہ خاطر ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے۔ اس کے باوجود کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بڑے شاندار طریقہ سے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا تھا، جب آپ عیادت کے لیے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن ابی کی باتوں کا قلق آپ کے چہرے سے عیاں تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے چہرے کے تاثرات بھانپ کر سوال کیا کہ آپ کو کیا پریشانی لاحق ہے؟ جب آپ نے عبداللہ بن ابی کے رویے کا ذکر کیا تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''یا رسول اللہ! آپ اس سے نرمی کا برتاؤ فرمائیں کیوں کہ جب اللہ آپ کو ہمارے درمیان لے آیا تو ہم لوگ اس کے واسطے ایک تاج بنانے کا انتظام کر رہے

Marfat.com

تھے جو اس کی تاجپوشی کے لیے استعمال کیا جاتا۔ اب آپ کی آمد سے اس کی بادشاہت ختم ہوگئی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ یہ الفاظ کبھی نہ بھول سکے۔ جہاں تک عبداللہ بن ابی کا تعلق ہے تو اس پر جلد ہی آشکار ہوگیا کہ اس کا دبدبہ جو ایک زمانے میں غالب تھا اب تیزی سے گھٹتے گھٹتے ختم ہو رہا ہے۔ اس لیے اگر وہ داخلِ اسلام نہ ہوا تو اس کا رعب و دبدبہ سرے سے غائب ہو جائے گا لیکن اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کے اقتدار کو استحکام حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ عربوں کی فطرت میں یہ بات تھی کہ وہ دیرینہ اطاعت اور فرمانبرداری کے رشتوں کو توڑنا اس وقت تک برا سمجھتے تھے جب تک ایسا کرنے کی کوئی بہت ہی بڑی وجہ نہ ہو۔ پس کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ اس نے اسلام قبول کرلیا۔

لیکن رسمی طور پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور باقاعدگی سے نمازوں میں شرکت کے باوجود مسلمانوں کو اس پر کبھی اعتبار نہ آیا۔ کچھ اور لوگ بھی تھے جن کے متعلق مسلمانوں کو شبہ تھا لیکن عبداللہ بن ابی کا معاملہ دوسروں سے مختلف تھا کیونکہ اس کا اثر و رسوخ بہت دور رس تھا جس کے باعث اس کی ذات بہت زیادہ خطرناک ہوگئی تھی۔

ان چند ماہ کے دوران جب مسجد بنائی جا رہی تھی اسلامی امۃ کو حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ وہ نخلستانِ یثرب کے پہلے فرد تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی اور یہ وہی تھے جنہوں نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی میزبانی کی تھی اور انہوں نے عقبہ کی دونوں بیعتوں کے درمیانی عرصہ میں ان کے ساتھ جم کر کام کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اہلِ یہود اور عرب منافقین ضرور یہ بات میرے متعلق اپنی زبانوں پر لائیں گے ''اگر حقیقتاً وہ ایک رسول ہوتے تو ان کے صحابہ موت نہ پاتے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میرے لیے اور میرے اصحاب کے لیے میرا ارادہ اللہ کی مشیت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔''

غالباً حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کی تدفین کے موقع پر ہی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی دوسری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی۔ خود حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے چند سال بعد اس ملاقات کا ذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں کیا ''میں اللہ کے رسول کی خدمت میں اس وقت پہنچا جب وہ بقیع الغرقد (۸) میں تھے۔ انہوں نے اپنے کام سے غائب ہونے کا حیلہ نکال کر ایسا بندوبست کیا کہ سعد رضی اللہ عنہ کے دفن ہونے کے بعد وہ قبرستان پہنچ گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ وہاں بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے انہیں سلام کیا اور پھر ان کی پشت کی جانب اس امید پر پھرتا رہا کہ شاید ان کی مہرِ نبوت کی زیارت ہوجائے۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ میں کس کھوج میں ہوں۔ پس انہوں نے اپنی قبا گرفت میں لی اور اپنی پشت پر سے اٹھادی۔ میں نے اس

Marfat.com

مہرِ نبوت کی زیارت کی اور میں نے اسے ایسا ہی پایا جیسا میرے عیسائی آقا نے اس کی تفصیل بتائی تھی۔ میں نے جھک کر مہرِ نبوت کو بوسا دیا۔ پھر میں اشکبار ہو گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ گھوم کر سامنے آؤ۔ میں ان کے سامنے بیٹھا اور ان کو اپنی داستان سنائی۔ وہ خوش ہوئے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا وہ ان کے اصحاب نے بھی سنا۔ اس کے بعد میں داخلِ اسلام ہو گیا۔'' لیکن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو بنی قریظہ کے قبیلہ میں ایک غلام کی حیثیت سے سخت محنت کے کام میں لگائے رکھا گیا اور آیندہ چار سال تک ان کو اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے کا موقع کم ہی میسر آ سکا۔

اہلِ کتاب میں سے ایک دوسرا آدمی جس نے اس زمانہ میں اسلام قبول کیا وہ قبیلۂ بنی قینقاع کے ربی حصین بن سلام تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے رازداری کے ساتھ ملنے آئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس تبدیلیٔ مذہب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آپ کا نام 'عبداللہ' رکھ دیا۔ نومسلم نے تجویز دی کہ اس سے قبل اس کا اسلام ظاہر ہو اس کی قوم سے پوچھا جائے کہ ان کے درمیان اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکان میں چھپا دیا اور بنو قینقاع کے چند سربرآوردہ لوگوں کو بلا بھیجا۔ آپ نے ان لوگوں سے حصین بن سلام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بیک زبان جواب دیا کہ ''وہ ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔ وہ ہمارا ربی ہے اور علم جانتا ہے۔'' ان کے اس جواب پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ باہر نکل آئے اور ان سے کہا ''اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اس نے جو تم میں مبعوث کیا ہے اسے قبول کر لو کیونکہ تمہیں معلوم ہے یہ اللہ کا رسول ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے اسلام لانے کا اعلان کیا۔ ان کے اسلام کے اعلان کے جواب میں وہی لوگ جو ان کے مرتبہ و مقام کا اقرار کر رہے تھے اپنے بیان سے منحرف ہو کر انہیں برا بھلا کہنے لگے۔

یثرب میں اب اسلام کے قدم مضبوطی سے جم گئے تھے۔ بارگاہِ ایزدی سے بذریعہ وحی احکاماتِ زکوٰۃ اور رمضان کے ماہ میں روزہ کا حکم نازل ہو چکا تھا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر، حلال و حرام کی واضح تفصیل بتائی جا چکی تھی۔ نماز پنجگانہ باقاعدگی سے ادا کی جا رہی تھیں۔ جب نماز کا وقت آتا تو لوگ اس جگہ آ کر اکٹھے ہو جاتے جہاں مسجد تعمیر ہو رہی تھی۔ ہر شخص نماز کے وقت کا تعین سورج کی چال کے لحاظ سے کر لیتا۔ بوقتِ صبح مشرقی افق پر روشنی طلوع ہونے یا غروب آفتاب کے بعد مغربی افق پر شفق کی سرخی مدھم پڑنے سے وقت کا اندازہ لگا لیا جاتا لیکن پھر بھی اندازے میں اختلافات تو ممکن تھے۔ اس لیے آپ ﷺ لوگوں کو نماز کے لیے بلانے کی خاطر کسی باقاعدہ طریقے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ پہلے آپ ﷺ نے سوچا کہ ایک شخص کو

Marfat.com

مقرر کر دیا جائے جو یہودیوں کی طرح ناقوس بجا کر یا عیسائیوں کی طرح لکڑیوں کو کھٹکھٹا کر لوگوں کو نماز کے لیے اکٹھا کرے۔ مشرق میں اس دور کے عیسائی ایسا ہی طریقہ استعمال کرتے تھے۔ لیکن لکڑیوں کے دو ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کھٹکھٹا بنا لینے کے باوجود اس کو استعمال کرنے کی نوبت نہ آ سکی۔ کیونکہ ایک رات خزرج قبیلہ کے ایک صحابی عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے جو کہ دوسری بیعتِ عقبہ کے وقت موجود تھے، انہوں نے ایک خواب دیکھا اور دوسرے دن صبح اس خواب کی تفصیل آپ ﷺ کو بیان کی۔ انہوں نے بتایا کہ ''میرے پاس سے ایک آدمی کا گزر ہوا جو دو سبز رنگ کے ملبوسات زیب تن کیے ہوئے تھا اور اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے کیا تو یہ ناقوس میرے ہاتھ فروخت کرے گا؟ اس شخص نے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے جواب دیا ہم اس کے ذریعے لوگوں کو نماز کے لیے بلائیں گے۔ اس شخص نے کہا کیا اس کام کے لیے تمہیں ایک بہتر طریقہ نہ بتا دوں؟ میں نے پوچھا وہ بہتر طریقہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا ''تم بہ آوازِ بلند کہو:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ

سبز پوش بزرگ نے اللہ کی بزرگی کو چار مرتبہ دہرایا اور اس کے بعد دو مرتبہ

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اس کے بعد

اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

دو مرتبہ

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ

دو مرتبہ اور

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

Marfat.com

دو مرتبہ پھر

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ

اور پھر

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

ایک مرتبہ۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کا خواب سن کر فرمایا ”یہ رویائے صادق ہے اور فرمایا بلال رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ وہ بہت خوش الحان ہیں۔“ انہیں ٹھیک وہی الفاظ سکھا دیں جو انہیں خواب میں بتائے گئے ہیں۔ مسجد کے پڑوس میں بلند ترین مقام نجار خاندان کی ایک خاتون کی ملکیت تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ طلوع سے بہت پہلے ہر صبح کو وہاں پہنچ کر چھت پر بیٹھ جاتے اور سحر کے منتظر رہتے۔ جب وہ تڑکے کی ہلکی سی روشنی دیکھتے تو وہ دعا کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتے ”اے اللہ! میں تیری حمد وثنا کرتا ہوں اور میں تیری بارگاہ سے قریش کے واسطے مدد مانگتا ہوں کہ وہ تیرے دین کو قبول کر لیں۔“ اس کے بعد وہ کھڑے ہو جاتے اور اذان کہتے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۲:۵۔۲ ۲۔قرآن ۲:۱۴ ۳۔قرآن ۲:۱۰۹ ۴۔ابن اسحٰق:۳۶۱ ۵۔ابن اسحٰق:۱۳۵

۶۔ابن اسحٰق:۱۲۔۴۱۱ ۷۔ابن اسحٰق:۳۴۶ ۸۔مدینے کے جنوب مشرق میں واقع قبرستان

Marfat.com

باب: ۴۰

رسول اللہ ﷺ کا نیا گھرانہ

جب مسجد کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد کی مشرقی دیوار سے ملحقہ دو چھوٹے چھوٹے رہائشی مکان بنا دیے جائیں۔ ایک حجرہ ان کی زوجہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور دوسرا ان کی منگیتر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے۔ مسجد کی تعمیر میں سات ماہ لگ گئے تھے۔ یہ عرصہ آپ نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ہاں گزارا۔ جب سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا مکان تقریباً مکمل ہو رہا تھا تو آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ ساتھ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی مکہ سے مدینہ لے آئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اُمِ رمان، سیّدہ اسما اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہن کو ساتھ لے کر آنے کی ہدایت کی۔ اسی وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا اور اپنے کم سن بیٹے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی لے آئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی انہی کے ساتھ سفر کیا۔ انہوں نے اپنی تمام غیر منقولہ جائداد فروخت کرنے کے بعد ہجرت کی۔ اس جماعت کو مدینہ پہنچے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی دختر اسما رضی اللہ عنہا کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ صفیہ کے ساتھ چند ماہ قبل مدینہ آ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ قریبہ رضی اللہ عنہا مکہ ہی میں اپنے والد ابوقحافہ کی دیکھ بھال کی خاطر رہ گئی تھیں۔ ابوقحافہ نہ صرف عمر رسیدہ تھے بلکہ آنکھوں سے بھی محروم تھے۔ قریبہ رضی اللہ عنہا تو اسلام لے آئی تھیں لیکن ابوقحافہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔

اب رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ایک اور زوجہ کی ضرورت ہے جو ان کی عمر سے مطابقت رکھتی ہوں۔ آپ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سے ان کی خوبصورت بہن سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اس رشتہ پر راضی نہ ہوئیں۔ بعد میں راضی نہ ہونے کی جو وجہ انہوں نے بتلائی وہ یہ تھی کہ وہ ایک قریشی خاتون ہیں۔ یہ وجہ قابلِ قبول اس لیے نہ تھی کہ باوجود اس کے کہ ان کی والدہ امیمہ رضی اللہ عنہا اپنی ماں اور باپ دونوں جانب سے خالصتاً قریش تھیں لیکن ان کی شادی جس شخص سے ہوئی وہ قبیلہ بنی اسد سے تھا۔ مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قریش میں متبنّیٰ ہونے سے قطع نظر یہ بھی حقیقت تھی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا خاندان یعنی بنی کلب اور طے، بنی اسد سے کوئی کمتر درجہ نہ رکھتے تھے۔ اس رشتہ کے بارے میں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ابتدائی اعتراض کے باوجود انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے باعث رضامندی کا اظہار کر دیا اور شادی ہو گئی۔ تقریباً اسی زمانہ میں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا کو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیا گیا۔ بہت زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ امیمہ رضی اللہ عنہا مدینہ آئیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر لی۔

اب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی صاحبزادیاں سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے مکان میں رہنے لگیں۔ اس کے ایک دو ماہ بعد فیصلہ کیا گیا کہ اب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقد ہو جانا چاہیے۔ اس وقت ان کا سِن صرف ۹ برس کا تھا اور اپنے والدین کی طرح حسن و جمال کی مالک تھیں۔ قریش نے ان کے والد (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو عتیق کا لقب دے رکھا تھا۔ (1) بعض لوگوں کا خیال تھا کہ انہیں یہ نام ان کے جمال کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ آپ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''جو کوئی بھی جنت کی بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کو دیکھنے کا خواہش مند ہے اسے چاہیے کہ اُمِ رمان رضی اللہ عنہا کو دیکھ لے۔'' (2)

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے رسول اللہ ﷺ بہت ہی قریب و محبوب رہے تھے۔ انتہائی بچپن سے ہی آپ دیکھ رہی تھیں کہ آپ کے والد اور والدہ دونوں رسول اللہ ﷺ پر کس قدر محبت نچھاور کرتے تھے اور ایسے احترام سے پیش آتے تھے کہ جس محبت و احترام کا اظہار وہ خود اپنی اولاد کے لیے بھی نہیں کرتے تھے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین نے بھی آپ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت و احترام جاگزین کرنے میں کسی تساہل سے کام نہ لیا تھا۔ اس لیے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخوبی علم تھا کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ آپ جبرائیل علیہ السلام سے برابر ہم کلام رہتے ہیں اور اس معاملے میں آپ روئے زمین کے واحد بشر ہیں جو آسمان پر تشریف لے جا کر زمین پر واپس لوٹے ہیں۔ آپ کا وجود ہی معراج کی گواہی دیتا تھا اور آپ کے وجود کی برکت سے اس کی پاکیزگی اور مسرت دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی۔ ان کے معجزانہ لمس میں جو مسرت پنہاں تھی اس کا عالم یہ تھا کہ جب دوسرے گرمی کی حدت سے بے حال ہوتے تو آپ ﷺ کے ہاتھ کا لمس برف جیسا ٹھنڈا اور مشک سے

Marfat.com

بڑھ کر معطر ہوتا تھا۔ (۴) آپ پر گزرے ہوئے سن و سال کو کوئی اثر نہ تھا جیسے کہ عمر کا تصور ان کے لیے بے معنی ہو چکا ہو اور ان کی ذات ابدی و لافانی ہے۔ آپ کی آنکھوں کی چمک ویسی کی ویسی تھی۔ سیاہ بال اور ریشِ مبارک بھی نوجوانوں کی طرح تاباں و چمک دمک رکھتے تھے۔ آپ کے بدن کی ایسی شان تھی جیسے آپ کے عمر مبارک ان ترپن سالوں کی بجائے نصف ہو جو عام الفیل کے سنِ پیدائش سے اب تک گزر چکے تھے۔

شادی کا مختصر سا انتظام کیا گیا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس انتظام میں کوئی ایسی شان و شوکت کا سامان نہ تھا جو ان کے لیے اس تقریب کی اہمیت و برکت کے لحاظ سے کسی مرعوبیت کا باعث بنتا۔ جب سب لوگ تقریب کے لیے گھر سے نکلنے کی تیاریوں میں تھے تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ سیّدہ اُمّ رمان رضی اللہ عنہا انہیں وہاں سے لے آئیں اور اپنی صاحبزادی کو رُخصتی کے لیے تیار کیا۔''(۵)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بحرین سے عمدہ قسم کا سرخ دھاریوں والا کپڑا خریدا تھا۔ اسی کپڑے سے شادی کا جوڑا تیار کیا گیا تھا۔ پھر ان کی والدہ انہیں ان کے نئے تعمیر شدہ حجرے میں لے گئیں جہاں انصار کی چند خواتین دروازے پر ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ ان خواتین نے ان کا استقبال ان الفاظ میں کیا ''خیریت وشادمانی کی خاطر۔ اللہ کرے سب بہتر ہو'' اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں۔ اس دوران جبکہ وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بال سنوارتی اور زیور پہنا رہی تھیں تو رسول اللہ ﷺ کھڑے مسکراتے رہے۔ عام شادیوں کے برخلاف اس موقع پر کوئی ضیافت نہ ہوئی۔ یہ شادی جتنی سادگی سے ممکن ہو سکتی تھی اس کا پورا اہتمام کیا گیا۔ دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا اور اس میں سے آپ نے خود نوش کرنے کے بعد سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیش کیا۔ انہوں نے انکار کیا لیکن آپ کے اصرار پر انہوں نے دودھ پی لیا۔ پھر یہ پیالہ اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا کو دے دیا جو ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے بعد دوسروں نے بھی اس پیالے سے دودھ پیا۔ پھر سب لوگ دونوں کو تنہا چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

گزشتہ تین سال میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک دو سہیلیاں ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے صحن میں نہ آتی ہوں جو ان کے والد کے گھر کے ساتھ ہی تھا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ کے گھر میں منتقلی سے ان سہیلیوں کی آمد و رفت میں کوئی فرق نہ پڑا۔ اب یہ سہیلیاں روزانہ ان کے نئے گھر پہنچ جاتی تھیں۔ مدینہ آنے کے بعد انہوں نے نئی سہیلیاں بنائی تھیں اور ان کے علاوہ چند پرانی سہیلیاں بھی تھیں جن کے والدین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین کی طرح مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ ''میں اپنی

Marfat.com

گڑیوں سے کھیلتی تھی۔'' سیّدہ عائشہ نے بعد میں بیان کرتے ہوئے کہا''جب میں سہیلیوں سے کھیل رہی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو میری سہیلیاں چپکے سے گھر سے باہر چلی جاتیں۔آپ باہر جا کر میری سہیلیوں کو واپس لے آیا کرتے تھے۔ وہ میری خاطر میری سہیلیوں کے میرے پاس آنے سے خوش ہوا کرتے تھے۔کبھی کبھار جب وہ میری سہیلیوں کو اٹھتا ہوا دیکھتے تو فرماتے''جہاں بیٹھی ہو وہی بیٹھی رہو۔''⑥ بعض اوقات ان کے کھیل میں خود بھی شریک ہو جاتے کیونکہ آپ ﷺ بچوں سے بہت محبت فرماتے تھے اور بچوں کے کھیل میں بھی شریک ہو جایا کرتے تھے۔اس کھیل میں گڑیوں یا پتلیوں کے مختلف کردار ہوتے تھے۔سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ''ایک دن جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو میں گڑیوں سے کھیل رہی تھی۔آپ نے پوچھا''عائشہ یہ کون سا کھیل ہے؟'' میں نے جواب دیا کہ''یہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے ہیں۔'' تو آپ ہنس دیئے۔⑦ لیکن کبھی کبھی جب آپ ہمارے کھیل کے دوران تشریف لاتے تو عبا کی آڑ کر لیتے تا کہ ہمارے کھیل میں خلل نہ پڑے۔''

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کھیل کے علاوہ سنجیدہ پہلو بھی تھے۔ پورے عرب کے طول وعرض میں یثرب کو ایک ایسا خطہ جانا جاتا تھا کہ جہاں کسی خاص موسم میں بخار کے مرض کا بہت خطرہ ہوتا تھا۔خاص کر ان لوگوں کے لیے جو اس نخلستان کے باشندے نہ تھے۔رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود تو اس بخار سے محفوظ رہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے صحابہ پر اس بخار کا شدت سے حملہ ہوا۔ ان کے دو آزاد کردہ غلام عامر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما جو اس وقت ان کے ساتھ مقیم تھے وہ بھی اس بخار میں مبتلا تھے۔ایک روز صبح سویرے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے والد سے ملنے کے لیے گئیں۔ انہیں یہ دیکھ کر شدید دھچکا لگا کہ تینوں بخار کے باعث نڈھال پڑے ہوئے ہیں۔سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا''ابا جان آپ کا کیا حال ہے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کمزوری کے باعث نو سالہ بچی کو مناسب لفظوں میں اپنی کیفیت بتانے کے قابل نہ تھے۔آپ نے بس ایک شعر کے ذریعہ جواب دیا:

''ہر شخص کو ہر صبح اس کے اقربا خیریت کی دعا دیتے ہیں

حالانکہ موت اس کے اتنی قریب ہوتی ہے جیسے جوتے کا تسمہ''

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خیال کیا کہ ان کے والد کچھ سمجھے بغیر ہی جانے کیا کچھ کہہ رہے ہیں۔آپ عامر رضی اللہ عنہ کی طرف پلٹیں۔انہوں نے بھی جواب میں شعر ہی پڑھ دیا جس کا مطلب تھا کہ:

''مرے تو نہیں لیکن موت سے اتنا قریب ضرور ہیں

Marfat.com

کہ موت کی حقیقت آنکھوں کے سامنے کھل گئی ہے"

اس عرصہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بخار تو اتر گیا تھا لیکن وہ بہت زیادہ نڈھال تھے۔ مکان کے صحن میں پڑے رہنے کے سوا کچھ نہ کر سکتے تھے لیکن ان کی آواز میں جو توانائی تھی اس کے زور پر ترنم میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

"افسوس کیا میں پھر کسی رات سکون سے سو سکوں گا
ان درختوں کی خوشبو میں پڑا جو مکہ کے باہر اگتے ہیں
کیا میں مجناہ (۸) کے کنوؤں کا پانی پھر کبھی پی سکوں گا
اور شامہ اور طفیل کی پہاڑیوں (۹) کا نظارہ کر سکوں گا"

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا گھر لوٹیں تو بہت پریشان تھیں۔ آپ نے کہا کہ ایسا لگتا ہے بخار کی حدت کی وجہ سے وہ لوگ ہوش و حواس کھو چکے ہیں۔ لیکن جب آپ نے رسول اللہ ﷺ کو وہ اشعار سنائے جو طفلانہ قوتِ حافظہ کے باوجود آپ نے لفظ بہ لفظ یادداشت میں محفوظ کر لیے تھے تو آپ کو اطمینان ہو گیا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب آپ نے دعا فرمائی "اے اللہ مدینہ کو ہمارے لیے ویسا ہی عزیز کر دے کہ جس طرح مکہ کو ہمارے لیے عزیز کیا ہے بلکہ مکہ سے بھی بڑھ کر۔ مدینہ کے پانی اور اس کے اناج کو بھی اپنی رحمت سے نواز دے۔ مدینہ سے بخار کی بیماری کو اتنا دور کر دے جتنا دور مہیعہ ہے۔"(۱۰) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ احمد بن حنبل: ۱۶۱ ۲۔ ابن سعد: ۷، ۲۰۲ ۳۔ بخاری: ۶۱: ۲۲ ۴۔ ابن سعد: ۸، ۱-۴۰

۵۔ ابن سعد: ۸، ۴۲ ۶۔ ابن سعد: ۴۲ ۷۔ ابن سعد: ۴۲ ۸۔ مکہ کے قریب ایک مقام

۹۔ مدینے کے جنوب میں اونٹ کے سات دن کے سفر کی مسافت پر

۱۰۔ مہیعہ مدینہ کے جنوب میں اونٹ کے ذریعے سات دن کی مسافت پر واقع ہے۔

Marfat.com

باب:۴۱

جنگ کی دہلیز پر

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے' صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا رب ہے۔''[۱]

مدینہ پہنچنے کے کچھ ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ وحی نازل ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ ''اجازت'' کا مطلب یہاں ''حکم'' ہے۔ مدینہ آمد کے بعد یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ طے ہوا تھا اس میں بھی جنگ کے حوالے سے متوقع ذمہ داریوں پر زور دیا گیا تھا۔ لیکن وقتی طور پر چھاپہ مارنے کے سوا کسی اور اقدام کی کوئی صورت نہ تھی۔ قریش کا کمزور پہلو اُن کے تجارتی قافلے تھے اور ان قافلوں کا خاص وقت بہار اور گرما کے ابتدائی مہینے تھے۔ اس وقت ان کی شام سے تجارت زور پر ہوتی تھی۔ اسی وقت قریش کے تجارتی قافلے مدینے کی جانب سے حملے کا نشانہ بن سکتے تھے کیونکہ سرما اور خزاں کے موسموں میں ان کے زیادہ تر کارواں جنوب کی سمت سے یمن اور حبش کو جاتے تھے۔

قافلوں کے بارے میں جو موصول ہونے والی اطلاعات خاصی اہم ہوتی تھیں۔ لیکن یہ بھی ہوتا تھا کہ آخری وقت پر منصوبے میں تبدیلی کرنی پڑ جاتی۔ مکہ کے کئی قافلے کچھ چھاپوں سے بچ کر نکل گئے تھے۔ چھاپے کامیاب نہ ہونے کے باوجود مسلمان بحرِ احمر کے ساحل کے متوازی، جنگی اہمیت کے حامل بدو قبائل سے معاہدے کر کے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ جب فوجی دستوں کے ساتھ خود تشریف لے جاتے تو مدینے میں کسی صحابی کو نگران

Marfat.com

مقرر کر جاتے۔ یہ اعزاز حاصل کرنے والوں میں سب سے پہلا نام خزرج قبیلے کے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے اور پہلی بار اس کی ضرورت ہجرت کے گیارہ ماہ بعد پیش آئی۔ اس وقت تک آپ ﷺ نے خود کسی فوجی مہم میں حصہ نہیں لیا تھا اور ایسے ہر موقع پر جب آپ تشریف نہ لے گئے تو آپ ﷺ نے عسکری دستے کے سربراہ کو نیزے پر بندھا ہوا سفید جھنڈا دیا۔ پہلے سال آپ ﷺ نے صرف مہاجر صحابہ کو ان مہمات پر بھیجا لیکن ستمبر ۶۲۳ء میں خبر آئی کہ جُمَح کے سردار امیہ کی سربراہی میں قیمتی ساز و سامان سے لدا ہوا ایک مکی قافلہ شمال کی جانب سے آ رہا ہے۔ قافلے کی حفاظت کے لیے ایک سو مسلح افراد اس کے ساتھ ہیں۔ امیہ اسلام کے خونخوار دشمنوں میں سے ایک تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قافلہ دو ہزار پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا۔ لیکن اس کے باوجود قریش کے ایک سو مسلح آدمیوں سے مہاجرین کا برابر کا مقابلہ نہ تھا۔ اس لیے آپ نے اس بار دو سو آدمیوں کو روانہ کیا جن میں نصف سے زیادہ انصار تھے۔ تاہم ایک بار پھر قافلے کی خبر ناکافی ثابت ہوئی اور کوئی تصادم نہ ہوا۔ بہت سے ساز و سامان سے لدا ہوا ایک اور قافلہ تین ماہ بعد بچ کر نکل گیا۔ شمسی سردار ابوسفیان اس قافلے کو اپنی سربراہی میں شام لے جا رہا تھا۔ حفاظتی انتظام نسبتاً کم تھا۔ اس قافلے کی اطلاع ملنے پر آپ ﷺ ینبوع کی وادی میں جو بحرِ احمر کی جانب کھلتی ہے اور مدینہ کے جنوب میں واقع ہے، عشیرہ کے مقام پر پہنچے تو قافلہ اس مقام سے بہت آگے نکل چکا تھا۔ لیکن ابوسفیان کے اس قافلے نے شام سے واپس تو آنا تھا۔ اور پہلے سے زیادہ قیمتی ساز و سامان کے ساتھ، تب ان شاء اللہ وہ اس کی راہ روکنے میں ناکام نہ ہوں گے۔

اگرچہ ابھی تک کوئی معرکہ پیش نہ آیا تھا لیکن مدینے میں دشمنوں کی موجودگی سے قریش چوکنا ہو چکے تھے۔ لیکن بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ صورتِ حال جنوب سے ان کی تجارت کو نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ لیکن یہ خوش فہمی جلد ہی دور ہو گئی۔ اس بار رسول اکرم ﷺ کو یمن سے آنے والے ایک قافلے کی اطلاع ملی۔ آپ ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو دیگر آٹھ مہاجر صحابہ کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ نخلہ کے مقام پر گھات لگا کر بیٹھیں۔ یہ مقام طائف اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ رجب کا مہینہ تھا۔ سال کے چار محترم مہینوں میں سے ایک مہینہ۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو قافلے پر حملہ کرنے کی بجائے اس کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا۔ آپ ﷺ کا مقصد جنوب کے قافلے کے تحفظ کے انتظام کے بارے میں تفصیل جاننا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعینہ منزل پر پہنچنے اور شاہراہ سے قریب ایک مقام پر پڑاؤ ڈالتے ہی قریش کا ایک چھوٹا سا قافلہ قریب سے گزرا اور ان کی موجودگی سے بے خبر قریب ہی خیمہ زن ہو گیا۔ قافلے کے اونٹ،

Marfat.com

کھجور، چمڑے اور دوسرے سامانِ تجارت سے لدے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کشمکش میں پڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی واحد اور قطعی ہدایت تھی کہ آپ کو قافلے کے بارے میں اطلاع پہنچائی جائے لیکن آپ ﷺ نے لڑائی سے منع نہیں کیا تھا اور نہ ہی ماہِ حرام کی پابندی کا کوئی ذکر فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا قبل از اسلام کے دستور کی پابندی کا اطلاق ان پر بھی ہوتا ہے؟ انہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی آگاہی تھی کہ ''قتال کی اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو جنگ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے ----- وہ جو ناانصافی کے ساتھ اپنے گھروں سے بے گھر کیے گئے۔''(۲) یہ مہاجرین قریش سے جنگ کی حالت میں تھے۔ انہوں نے قافلے کے کم از کم دو افراد کو پہچان لیا تھا جن کا تعلق قبیلۂ مخزوم سے تھا۔ اس قبیلے نے مکہ کے تمام قبائل سے بڑھ چڑھ کر اسلام دشمنی کا ثبوت دیا تھا۔ یہ رجب کے مہینے کے آخری دن کی صبح تھی۔ غروبِ آفتاب کے بعد شعبان شروع ہو رہا تھا جو حرام مہینہ نہیں تھا لیکن ان دشمنوں کو شام تک حرم کی حدود میں داخل ہو کر وقت کی بجائے مسافت کا تحفظ حاصل ہو جاتا۔ چنانچہ خاصی ذہنی کشمکش کے بعد انہوں نے حملے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے پہلے تیر نے کندہ کے ایک شخص کی جان لی۔ یہ قبیلہ عبد شمس کا حلیف تھا۔ اس حملے پر مخزوم کے ایک شخص عثمان اور ایک آزاد کردہ غلام حکم نے ہتھیار ڈال دیئے جبکہ عثمان کا بھائی نوفل بچ کر مکہ بھاگ گیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے آدمی قیدیوں، اونٹوں اور سامانِ تجارت کے ساتھ مدینہ واپس لوٹے۔ انہوں نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے الگ کیا اور باقی سامان کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس مال میں سے کچھ لینے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا ''میں نے تم کو حرام مہینوں میں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا'' اس پر ان سب لوگوں کو احساس ہوا کہ ان کی عاقبت خراب ہو گئی ہے۔ مدینے میں ان کے دینی بھائیوں نے انہیں رجب کی خلاف ورزی کا مرتکب ٹھہرایا۔ ادھر یہودیوں نے اس حرکت کو رسول اللہ ﷺ کے لیے برا شگون مشہور کرنا شروع کر دیا۔ قریش نے بھی یہ افواہ پھیلانا شروع کر دی کہ محمد (ﷺ) نے بے حرمتی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی ''وہ آپ سے ماہِ حرام اور ان میں قتال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ ان مہینوں میں قتال بڑا گناہ ہے۔ لیکن لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ اور مسجد الحرام کے خلاف بے حرمتی کا ارتکاب اور اس کے بندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک سنگین ترین جرم ہے اور اذیت رسانی وظلم واستبداد قتل سے بدتر گناہ ہے۔''(۳)

آپ ﷺ نے ان آیات کے یہ معنی اخذ کیے کہ ان میں ماہِ حرام میں جنگ کی پابندی کی توثیق کی

Marfat.com

گئی ہے لیکن اس مخصوص معاملے کو عام حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو اس خوف سے نجات دلا دی جو ان کے دل و دماغ پر ایک بوجھ بنا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے رفاہِ عامہ کے لیے پانچواں حصہ بھی قبول کر لیا۔ مخزوم کے قبیلے نے اپنے دونوں گرفتار شدگان کی رہائی کے لیے فدیہ بھیجا لیکن ان کے آزاد کردہ غلام حکم نے اسلام قبول کرتے ہوئے مدینے میں رہنے کا فیصلہ کر لیا اس لیے عثمان تنہا مکہ لوٹ گیا۔

شعبان کے چاند میں ایک اور وحی نازل ہوئی جو عبادت کے حوالے سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے ابتدائی لفظوں میں رسول اللہ ﷺ کی اس خواہش کا ذکر ہے جو وہ نماز کی سمت کے بارے میں رکھتے تھے۔ مسجدِ نبوی میں قبلے کی سمت کا تعین یروشلم کی جانب دیوار میں محراب سے کیا جاتا تھا۔ جب شہر سے باہر ہوتے تو دن کے وقت رُخ کا فیصلہ سورج کے ذریعے اور رات کو ستاروں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ وحی کے الفاظ یہ تھے "یہ تمہارا منہ کا بار بار آسمان کی جانب اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد الحرام کی طرف رُخ پھیر دو اور جہاں کہیں بھی تم ہو، اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔" (۴)

اس وحی کے نزول کے بعد مسجد کی جنوبی جانب فوری طور پر ایک محراب بنا دی گئی جس کا رُخ مکہ کی جانب تھا۔ اس تبدیلی کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی جانب سے خوش دلی سے قبول کیا گیا۔ اس دن سے مسلمان نماز اور دوسری عبادات کے لیے اپنا رُخ کعبے کی جانب کرتے ہیں۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۲۲: ۳۹۔۴۰ ۲۔ قرآن ۲۲: ۳۹ ۳۔ قرآن ۲: ۲۱۷ ۴۔ قرآن ۲: ۱۴۴

Marfat.com

باب: ۴۲

عساکرِ اسلامی کا بدر کی جانب کُوچ

اب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا ساز و سامان سمیت شام سے واپس آنے کا وقت قریب آن پہنچا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت طلحہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما حنیف کے بیٹے عمر کے بھائی حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو حوراُ کی جانب روانہ فرمایا۔ یہ مقام مدینے سے مغرب کی سمت ساحلِ سمندر پر واقع تھا۔ اس دستے کی روانگی کا مقصد قافلے کے بارے میں تازہ اور مستند خبر حاصل کرنا تھا کہ جوں ہی قافلے کی آمد کی خبر آپ ﷺ کو ملے تو جنوب مغرب میں تیزی سے آگے بڑھ کر ساحل کے متوازی راستے پر آگے بڑھ کر قافلے کو روک لیں۔ جہینہ کے سردار نے آپ ﷺ کے اس جاسوسی دستے کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور انہیں قافلے کے گزر جانے تک اپنے گھر میں چھپائے رکھا لیکن رسول اللہ ﷺ اور اصحاب اس تمام زحمت سے بچ جاتے اگر انہیں یہ اطلاع مل جاتی کہ آپ ﷺ کے ان ارادوں کی خبر ابوسفیان کو پہنچ چکی ہے۔ یہ خبر دینے والا کوئی یہودی یا منافق ہی ہو سکتا تھا۔ ابوسفیان نے غفاری قبیلے کے ایک شخص ضمضم کو مکہ روانہ کیا تا کہ وہ ان کو بچانے کے لیے فوج لے کر نکل پڑیں اور خود تیز رفتاری سے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگا۔

لیکن ابوسفیان کو اس کی فوری اہمیت کا احساس نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتی وجوہات بھی انہیں مدینہ میں ہی رکنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ آپ ﷺ کی محبوب بیٹی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار پڑ گئی تھیں لیکن ذاتی مجبوری کو درمیان میں آنے کی بجائے آپ ﷺ نے کسی تاخیر کی بجائے قافلے کی خبر لانے والوں کا بھی انتظار نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جاسوسی دستے کی واپسی سے پہلے ہی آپ ﷺ مہاجرین اور انصار کی ایک فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ اس فوج کی کل تعداد تین سو پانچ تھی۔ اس وقت مدینے میں جنگی صلاحیت کے حامل ۷۷

Marfat.com

مہاجرین تھے جن میں تین کے سوا سب حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے داماد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی بیمار اہلیہ کی تیمارداری کی تاکید فرمائی اور بقیہ دو حضرت طلحہ اور حضرت سعید رضی اللہ عنہما تھے جو مسلمانوں کی فوج کے مدینہ سے نکلنے کے بعد گھر پہنچنے کے باعث اس میں شریک نہ ہو سکے۔

پہلی منزل جو نخلستان کی حدود میں ہی تھی، رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار قبیلۂ زہرہ کے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے چھوٹے بھائی حضرت عمیر رضی اللہ عنہ جن کی عمر صرف پندرہ سال تھی، پریشان اور چھپتے نظر آ رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ سے پریشانی کی وجہ دریافت کی؟ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''مجھے ڈر ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری کم عمری کی وجہ سے مجھے واپس بھیج دیں گے۔ جبکہ میری خواہش ہے کہ میں آگے جا کر شہادت کی فضلیت حاصل کروں۔'' پھر وہی ہوا جس کا انہیں ڈر تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے فوج کی صف بندی کی تو ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بہت کم سن ہیں اس لیے گھر واپس جائیں۔ لیکن حضرت عمیر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آپ نے فرمایا ''اچھا انہیں رک جانے دو اور مہم میں حصہ لینے دو۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''وہ اتنے کم عمر تھے کہ ان کی تلوار کی پیٹی مجھے اپنے ہاتھوں سے باندھنی پڑی۔''

تین سو پانچ اصحاب کے لشکر کے لیے صرف ستّر اونٹ تھے جن پر باری باری سوار ہو کر سفر کیا جاتا۔ ایک اونٹ تین یا چار صحابہ کے حصے میں آتا۔ ان کے علاوہ تین گھوڑے تھے جن میں سے ایک حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھا۔ سفید جھنڈا حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو دیا گیا کیونکہ ان کا تعلق قبیلۂ عبدالدار سے تھا جو آبائی طور پر جنگ میں قریش کا جھنڈا لے کر چلتے تھے۔ مقدمۃ الجیش کے پیچھے رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ کے آگے دو سیاہ پرچم تھے۔ ایک مہاجرین اور دوسرا انصار کے لیے۔ یہ پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اوس قبیلہ کے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھے۔ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کی غیر موجودگی میں نماز کی امامت ابن اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہما کے سپرد کی گئی۔ یہ وہی نابینا تھے جن کا ذکر صورۃ عبس میں کیا گیا تھا۔

ابھی ابوسفیان کا ایلچی ضمضم مکہ پہنچا بھی نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا۔ یہ ایسا خواب تھا جس نے انہیں ہیبت زدہ کر دیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ قریش پر تباہی آنے والی ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنا خواب بیان کیا کہ ''میں نے ایک شخص کو اونٹ پر سوار دیکھا۔ وہ وادی میں رکا اور اپنی پوری طاقت سے چیخ کر آواز دینے لگا ''نکلو باہر نکلو اے کفار، ایسی تباہی کا سامنا کرنے کے لیے جو تمہیں تین دن میں برباد کر دے گی۔ میں نے لوگوں کا مجمع اس کے گرد جمع دیکھا۔ پھر وہ مسجد الحرام میں داخل ہو گیا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ وہ ان کے درمیان سے اونٹ کو کعبے کی چھت پر لے

Marfat.com

گیا اور چیخ چیخ کر وہی الفاظ دہرائے۔ پھر اس کا اونٹ اسے ابوقبیس کی پہاڑی پر لے گیا۔ وہاں بھی اس نے لوگوں کو انہیں لفظوں میں آواز دی۔ تب اس نے ایک چٹان کو پہاڑ سے علیحدہ کیا اور ڈھلوان پر لڑھکا دیا۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے نیچے پہنچی تو اس کے ٹکڑوں سے مکہ کا کوئی گھر محفوظ نہ رہا۔“

عباس رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ سے اپنی بہن کے خواب کا ذکر کیا۔ ولید ان کا دوست تھا۔ ولید نے اس خواب کا ذکر اپنے والد سے کیا اور یوں یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ دوسرے دن عباس رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ابوجہل نے تمسخرانہ انداز میں آواز لگائی ”اے بنی عبدالمطلب اس نبیہ نے کب سے پیشین گوئی شروع کر دی ہے؟ کیا نبوت کا کھیل تمہارے مردوں کے لیے کافی نہیں تھا؟ کیا ضروری ہے کہ اب تمہاری عورتیں بھی یہ دھندا شروع کر دیں؟ عباس نے ابوجہل کو تو کوئی جواب نہ دیا لیکن دوسرے ہی دن ابوجہل کو اپنے سوال کا جواب مل گیا جب ابوقبیس کی چوٹیاں ضمضم کی آواز سے گونج اٹھیں۔ لوگ مسجد الحرام اور اپنے اپنے گھروں سے نکل دوڑے۔ ابوسفیان نے ضمضم کو خاصی رقم دی تھی اور اس نے اس کے عوض اپنا کردار بخوبی ادا کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ وہ کجاوے پر الٹے رخ بیٹھا تھا اور آفت کی علامت کے طور پر اونٹ کے نتھنے چیرے ہوئے تھے۔ اونٹ کے نتھنوں سے خون جاری تھا، پھٹے ہوئے کرتے کی دھجیاں باقی تھیں۔ اس نے چلا کر کہا ”اے اہلِ قریش، تجارت کے اونٹ، تجارت کے اونٹ، تمہارا سامانِ تجارت جو ابوسفیان کے ساتھ آ رہا تھا، محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے۔ بھاگو! مدد! مدد!!“

شہر میں ہیجان پھیل گیا۔ خطرے میں گھرا ہوا قافلہ سال کا سب سے مہنگا سامانِ تجارت لے کر آ رہا تھا۔ بہت سے لوگوں کے لیے اتنا بھاری نقصان ناقابلِ برداشت تھا۔ ایک ہزار افراد پر مشتمل فوج فوری طور پر اکٹھی کی گئی۔ کہا گیا کہ کیا محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی سمجھتے ہیں کہ اس قافلے کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کر سکتے ہیں جو انہوں نے حضرمی قافلے کے ساتھ کیا تھا؟ ان کی مراد عبدشمس کے حلیف عمرو سے تھی جو نخلہ کے مقام پر تیر سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ قبیلہ عدی کے سوا تمام قبائل نے اپنا ایک ایک دستہ فوج میں شامل کیا۔ ابولہب نے اپنی جگہ مخزوم کے ایک قرضدار کو بھیج دیا۔ بنی ہاشم اور بنی مطلب کا مفاد بھی اس قافلے سے وابستہ تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ اپنی عزت کی خاطر اس مہم میں شریک ہونا ضروری ہے، اس لیے طالب، اپنی جماعت کے ساتھ نکلے۔ یہ جماعت بنی ہاشم اور بنی مطلب کی نمائندہ تھی اور عباس ان کے ساتھ تھے، شاید اس نیت سے کہ صلح کروانے کا موقع مل سکے۔ ابولہب کی طرح قبیلہ جمح کے امیہ نے بھی اپنے بڑھاپے اور موٹاپے کے باعث گھر پر رہنے کا فیصلہ کیا لیکن جب وہ مسجد الحرام میں بیٹھا تھا تو عقبہ نے بخورات کا ایک برتن اس کے

Marfat.com

سامنے رکھ کر کہا ''اس کے ذریعے اپنے آپ کو خوشبودار بناؤ۔'' امیہ نے غصے میں اس پر لعنت بھیجی اور دوسروں کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اب مدینہ سے جنوب کو جانے والا راستہ چھوڑ کر بدر کا رُخ کر لیا تھا۔ بدر، سمندری ساحل پر شام سے مکہ جانے والی شاہراہ کی مغرب پر واقع تھا۔ یہ مقامِ بدر ہی تھا جہاں انہیں ابوسفیان کا سامنا کرنے کی توقع تھی۔ آپ ﷺ نے جُہینہ کے دو حلیفوں کو، جنہیں اس علاقہ سے بخوبی واقفیت تھی، کاروان کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے کے لیے آگے بھیج دیا۔ ان دونوں نے بدر پہنچ کر پانی کے ایک کنویں کے اوپر پہاڑی پر قیام کیا۔ جب یہ لوگ پانی لینے کے لیے کنویں کی جانب گئے تو انہوں نے دو لڑکیوں کی قرض چکانے کے بارے میں بات چیت سنی۔ ایک لڑکی دوسری سے کہہ رہی تھی کہ ''کاروان کل یا پرسوں آ جائے گا، میں ان کے لیے کام کر کے حاصل ہونے والی رقم سے تمہارا قرض اتار دوں گی۔'' جب انہوں نے یہ گفتگو سنی تو یہ خبر لے کر فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن اگر وہ تھوڑی دیر اور رک جاتے تو انہیں مغرب سے ایک اکیلا سوار کنویں کی جانب آتا ہوا نظر آ جاتا۔ یہ سوار ابوسفیان تھا جو یہ جائزہ لینے کے لیے کاروان سے آگے نکل آیا تھا کہ مکہ پہنچنے کے لیے بدر کی جانب سے نکلنے والا راستہ کس قدر محفوظ ہے۔ جب وہ کنویں کے نزدیک پہنچا تو اس نے گاؤں کے ایک آدمی کو روک کر پوچھا کہ اس نے کسی اجنبی کو اس طرف سے آتے جاتے تو نہیں دیکھا۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ اس نے دو سواروں کو دیکھا تھا جنہوں نے پہاڑی کے اوپر قیام کیا اور پھر پانی لینے کے لیے کنویں پر بھی آئے تھے۔ ابوسفیان پہاڑی کے اوپر گیا اور وہاں سے اونٹ کی مینگنیاں اٹھا کر انہیں مسلا۔ مینگنیوں سے کھجور کی گٹھلیاں برآمد ہونے پر اس کے منہ سے فوراً نکلا کہ ''واللہ! یہ تو یثرب کا چارہ ہے۔'' وہ سرعت سے اپنے کاروان کی جانب بھاگا اور کاروان کو اس راستے سے موڑ کر سمندری ساحل کے ساتھ پوری تیز رفتاری سے آگے بڑھ گیا۔ مقامِ بدر کاروان کے بائیں ہاتھ پر رہ گیا۔

اسی دوران دونوں مخبروں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دے دی کہ کل یا پرسوں تک یہ کاروان بدر کے مقام پر پہنچ جائے گا۔ شاہراہِ شام و مکہ پر بدر کا مقام خاصی اہمیت کا حامل تھا اور مسلمانوں کے پاس کافی وقت تھا کہ وہ اچانک ان پر جا پڑتے اور کاروان کو زیر کر لیتے۔

اس کے فوراً بعد یہ خبر بھی موصول ہو گئی کہ کاروان کی حفاظت کے لیے قریش کا ایک لشکر مکہ سے کوچ کر چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کے بعد آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا جائے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے مہاجرین کی نمائندگی کرتے ہوئے پیش

Marfat.com

قدمی کا مشورہ دیا تو بنی زہرہ کے حلیف مقداد رضی اللہ عنہ نے، جو حال ہی میں مدینہ آئے تھے، اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو ہدایت دی ہے آپ ﷺ اس پر عمل کیجیے، ہم آپ ﷺ سے وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ "جاؤ! تم اور تمہارا رب جنگ کرو۔" ہمارا فیصلہ تو یہ ہے کہ آپ اور آپ ﷺ کا ربّ جنگ کرے اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ اس میں شریک ہوں، آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں اور آپ ﷺ کے آگے اور پیچھے۔" بعد کے سالوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کی زبان سے ایسے الفاظ سنے تو ان کا چہرہ ایک ملکوتی نور سے دمک اٹھا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دُعائے خیر کی۔ یہ نہیں تھا کہ ان کے لیے اپنے اصحاب کا یہ جذبہ کوئی غیر متوقع تھا کیونکہ یہ مہاجرین تو ان کے ساتھ اپنا گھر چھوڑ کر نکل آئے تھے لیکن کیا انصار سے بھی ایسے ہی جذبات کی توقع رکھی جاسکتی تھی؟ یہ لشکر جب مدینہ سے روانہ ہوا تھا تو اس کا مقصد لشکر سے لڑنے کی بجائے کاروان کو پکڑنا تھا۔ لیکن اب نظر آ رہا تھا کہ ان کو کاروان کی بجائے لشکر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جب انصار نے عقبہ میں اطاعت کا حلف اٹھایا تھا تو انہوں نے عہد کیا تھا کہ آپ ﷺ جب تک یثرب کی حدود میں داخل نہیں ہوں گے وہ آپ کے تحفظ کے ذمہ دار نہیں ہوں گے لیکن جب آپ ﷺ ان کے پاس آجائیں گے تو وہ آپ ﷺ کا تحفظ اسی جذبے سے کریں گے جس طرح وہ اپنے بیوی بچوں کا کرتے ہیں۔ اب جبکہ رسول اللہ ﷺ یثرب میں نہیں تھے تو کیا انصار اسی طرح آپ کی مدد کو تیار ہوں گے جس کا عہد یثرب کی حدود کے حوالے سے کیا تھا؟ "اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ گو آپ کے مخاطب سب اصحاب تھے لیکن اس سوال کے مخاطب اصل میں انصار تھے، جن کے چند اصحاب کا نقطۂ نظر تو ان کی زبان کھلنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے قدموں پر کھڑے ہوئے اور کہا "یا رسول اللہ ﷺ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا مطلب ہم لوگوں سے ہے؟" آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ہمارا ایمان آپ ﷺ پر ہے اور جو کچھ بھی تعلیم آپ ﷺ نے ہم کو دی ہے اس پر ہمارا مکمل یقین ہے اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہمارے واسطے آپ ﷺ لائے ہیں وہ حق اور سچ ہے اور ہم نے اپنے آپ کو اس عہد کا پابند کر لیا ہے۔ ہم آپ ﷺ کا حکم سنیں گے اور اسے بجا لائیں گے۔ پس جو کچھ بھی مناسب سمجھیں ویسا ہی کریں، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ اس ذاتِ پاک کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اگر آپ ﷺ حکم دیں گے کہ وہ جو سامنے سمندر ہے اس کو پار کر لو

Marfat.com

اور آپ ﷺ اس میں چھلانگ لگا دیں تو ہم سب آپ ﷺ کے ساتھ سمندر میں کود جائیں گے۔ ایک فرد بھی ایسا نہ ہوگا جو پیچھے رہ جائے۔ ہم لوگوں میں کوئی ایک بھی دشمن سے مقابلہ کرنے سے خائف نہیں۔ ہم جنگ آزمودہ لوگ ہیں، لڑائی کے دھنی اور اعتماد کے قابل۔ ان شاء اللہ ہماری جنگی قوت کو اللہ آپ ﷺ کے سامنے اس طرح ثابت کر دے گا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ بس آپ ﷺ اللہ کے فضل کو شاملِ حال کر کے ہماری رہنمائی کیجیے۔''

رسول اللہ ﷺ اس بات کو سن کر مسرور ہوئے اور انہیں اس امر کا یقین ہو گیا کہ انہیں ایک وقت میں قریش کے لشکر یا قریش کے کاروان سے ہی مقابلہ درپیش ہوگا' دونوں سے نہیں۔ ''قدم بڑھاؤ اور خوش ہو جاؤ' کیونکہ اللہ بزرگ و برتر نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دو جماعتوں میں سے ایک۔ اور میں ابھی دیکھ رہا ہوں کہ دشمن میرے سامنے سرنگوں پڑا ہوا ہے۔''

اگرچہ وہ ہر سختی جھیلنے کو تیار تھے مگر پھر بھی اس بات کی قوی امید تھی کہ وہ کاروان پر حملہ کر سکیں گے۔ اور اس سے قبل کہ قریش کی فوج وارد ہو، وہ کاروان کو تاراج کر کے قیدیوں کو ساتھ لیے ہوئے مدینہ کی جانب رواں ہو چکے ہوں گے۔ لیکن جب وہ بدر سے ایک دن کی مسافت کے پڑاؤ پر پہنچے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آگے بڑھ کر ایک عمر رسیدہ شخص سے کچھ پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ مکہ کا لشکر ان کے نزدیک ہی تھا۔ پڑاؤ پر واپس آ کر آپ ﷺ نے رات ہونے کا انتظار کیا اور پھر اپنے تین بھائیوں حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم کو چند دوسرے اصحاب کے ساتھ یہ معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا کہ آیا لشکر نے، کاروان نے یا دونوں نے بدر کے کنویں سے پانی کھینچا تھا۔ کنویں پر اتفاق سے دو آدمی ایسے مل گئے جو اپنے اونٹوں پر قریش کے لیے پانی لاد رہے تھے۔ ان دونوں پر قابو پا کر انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس وقت آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ اصحاب نے نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے کی بجائے دونوں سے باز پرس شروع کر دی۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ وہ لشکر کے لیے سقائی کے فرائض انجام دے رہے تھے لیکن سوال کرنے والوں میں سے بعض نے یہ سوچنا زیادہ بہتر سمجھا کہ یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں اور یہ کہ انہیں ابوسفیان نے کاروان کے لیے پانی حاصل کرنے کو بھیجا تھا۔ ان دونوں کے منہ سے یہ بات نکلوانے کے لیے انہوں نے ان کی پٹائی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ ان کے منہ سے یہ سننے کے بعد انہیں چھوڑ دیا گیا۔ اس عرصہ میں رسول اللہ ﷺ نے نماز کی آخری رکعت ادا کر کے سلام پھیرا اور فرمایا ''جب انہوں نے سچا بیان دیا تو تم نے انہیں زد و کوب کیا اور جب انہوں نے جھوٹ بولا

Marfat.com

تو تم نے انہیں بری کر دیا۔ حقیقتاً وہ لشکرِ قریش ہی کے لوگ ہیں۔" پھر آپ ﷺ نے ان دونوں سے کہا "تم دونوں بتاؤ کہ قریش اس وقت کہاں ہیں۔" وہ بولے کہ "وہ لوگ اس پہاڑی کے پیچھے ہیں" اور عقنقل کی طرف اشارہ کر کے بتایا "جو وادی اس پہاڑی کے پرے ہے اس کے پرلے ڈھلوان پر ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ کتنے آدمی ہیں؟ جواب ملا کہ "بہت زیادہ۔" وہ اس سے زیادہ تفصیل نہ بتا سکے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ "کتنے جانور ذبح کیے جاتے ہیں؟" تو جواب ملا کہ "کسی دن نو اور کسی دن دس۔" "تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نو سو سے لے کر ایک ہزار افرادی قوت ہے۔" پھر پوچھا کہ "کون کون سے سردار ان کے ساتھ ہیں؟" انہوں نے پندرہ کے نام لیے جن میں عبدِ شمس، دونوں بھائی عتبہ اور شیبہ، خاندانِ نوفل سے حارث اور طعیمہ، عبدالدار کے نضر جس نے قرآن کے مقابلے میں فارس کی داستانیں گھڑی ہوئی تھیں۔ قبیلہ اسد سے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی نوفل، خاندانِ مخزوم کے ابوجہل، جماح خاندان سے امیہ اور عامر خاندان سے سہیل۔ ان ممتاز ناموں کو سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے مجمع میں واپس آ کر ان لفظوں میں تبصرہ فرمایا

"مکہ نے تمہارے لیے اپنے جگر کے بہترین ٹکڑے لقمے کے طور پر بھیج دیے ہیں۔"

جلد ہی ابوسفیان کو ایک ہزار قریشی لشکر کی خبر پہنچ گئی۔ اس عرصہ میں وہ ایسے مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں سے اس کے کاروان اور دشمنوں کے درمیان قریش کا لشکر حائل ہو چکا تھا۔ اس خبر کی تصدیق کے بعد اس نے قریش کے لشکر کو پیغام بھیجا کہ "تم لوگ اپنے آدمی، اپنے اونٹ اور اپنا مال بچانے کے لیے آئے ہو اور خدا نے انہیں بچا لیا ہے اس لیے اب تم لوگ واپس ہو جاؤ۔" یہ پیغام ان کے پاس اُس وقت پہنچا جبکہ قریش جحفہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ جحفہ کا جائے وقوع بدر سے قدرے جنوب میں ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ان کی پیش قدمی میں مزاحم ہوئی۔ سارا لشکر ایک خواب کی وجہ سے مایوسی کے عالم سے دوچار تھا۔ اور یہ خواب کیا تھا؟ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی ایک غیبی جھلک تھی۔ بنی مطلب کے ایک شخص جُہیم نے یہ خواب نیم بیداری کی کیفیت میں دیکھا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ "میں نے ایک آدمی کو گھوڑے کی پیٹھ پر سوار دیکھا جس کے پیچھے ایک اونٹ تھا۔ وہ آدمی رکا اور بولا "عتبہ، شیبہ اور ابوالحکم اور امیہ تو قتل کر دیئے گئے۔" پھر جُہیم نے دیگر قریش کے نام بتائے جن کے نام سوار نے خواب میں لیے تھے۔ اس کے بعد جہیم نے کیا دیکھا کہ اس سوار نے ایک خنجر اونٹ کے سینہ میں پیوست کر کے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اونٹ پڑاؤ کے خیموں میں خون برساتا پھرا تاوقتیکہ کوئی خیمہ بھی اس خون سے محفوظ نہ رہا۔" جب جہیم نے اس خواب کا تذکرہ ابوجہل سے کیا تو اس نے بڑے تضحیک آمیز لہجے میں بڑے فاتحانہ انداز سے کہا "لو! مطلب کی اولاد میں سے ایک اور نبی آ گیا۔" اس نے "ایک اور بھی"

Marfat.com

اس لیے کہا کہ بنی مطلب اور بنی ہاشم دونوں خاندانوں کو اکثر ایک ہی خاندان تصور کیا جاتا تھا۔ پھر اس تکدر اور افسردگی کی فضا کو رفع کرنے کی خاطر اس نے تمام لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”واللہ ہم لوگ واپس نہیں ہوں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ لیں۔ وہاں ہمارا قیام تین دن تک رہے گا۔ ہم وہاں اونٹ ذبح کریں گے، دعوتیں اڑائیں گے، شراب لنڈھائیں گے، مغنی ساز بجائیں گے اور ہمارا دل پرچائیں گے۔ سارے عرب کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے لشکر نے کس طرح پیش قدمی کی اور ہمارا اجتماع کتنا عظیم تھا۔ عربوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے ہمارا رعب اور دہشت بیٹھ جائے گی۔ بڑھے چلو بدر کی جانب۔“

اخناس بن شارق قبیلہ زہرہ کا حلیف تھا اور لشکر کے ہمراہ تھا۔ اس نے قبیلہ بنو زہرہ کے لوگوں پر زور دیا کہ ابوجہل کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ اس پر یہ لوگ جحفہ سے مکہ واپس ہو گئے۔ طالب بھی اپنے خاندان کے لوگوں سے واپس ہو گئے کیونکہ طالب کی قریش کے دوسرے لوگوں سے جو گفتگو ہوئی تھی اس میں انہوں نے کہا تھا ”اے ہاشم کے بیٹو! ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم ہمارے ساتھ آ تو گئے ہو لیکن تمہارے دل محمد ﷺ کے ساتھ ہیں۔“ لیکن عباس نے باقی ماندہ فوج کے ساتھ بدر جانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے ساتھ اپنے تین بھتیجے بھی لے گئے۔ ابوسفیان اور نوفل (سب سے بڑے بھائی حارث کے فرزند) عقیل بن ابوطالب۔

پہاڑی سے پرے، کچھ ہی دور شمال مشرق کی جانب مسلمان اپنا پڑاؤ اٹھا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بخوبی علم تھا کہ دشمن کے پہنچنے سے قبل ان کا بدر کے پانی پر پہنچ جانا ضروری تھا۔ آپ ﷺ نے فوری کوچ کا حکم دیا۔ روانگی کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اسے اللہ کی رحمت سمجھتے ہوئے خوشی کا اظہار فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل تھا اور اس کی جانب سے فتح کی ضمانت۔ بارش سے لوگ تازہ دم ہو گئے اور مٹی دب گئی۔ وادیٔ یلیل جہاں سے وہ گزر رہے تھے، کی ریت جم کر سخت ہو گئی لیکن دشمن کے لیے جسے ابھی عقنقل کی پہاڑی کی ڈھلوانوں پر چڑھ کر ادھر آنا تھا، ان کے لیے یہ ریتلے میدان رکاوٹ کا باعث تھے۔ عقنقل کی پہاڑی اب مسلمانوں کے بائیں جانب تھی جو بدر کی جانب سے وادیٔ یلیل کے عین مقابل تھی۔ جتنے بھی پانی کے کنویں تھے وہ قریبی ہلکی چڑھائیوں پر تھے اور جوں ہی وہ پہلے کنویں پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ٹھہر جانے کا حکم دیا۔ لیکن خزرج کے ایک صحابی جن کا نام حباب بن منذر رضی اللہ عنہ تھا، ان کے پاس آئے اور کہا کہ ”اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ جگہ جہاں ہم پہنچے ہیں اس کی آپ کو اللہ نے وحی کی ہے کہ جس سے نہ آگے بڑھیں اور نہ پیچھے ہٹیں، یا یہ صرف آپ کی ذاتی رائے یا جنگی مصلحت کا معاملہ ہے؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ محض رائے ہے۔ اس پر حباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”یہ جگہ ٹھہرنے کے لیے مناسب نہیں ہے بلکہ ہم کو آپ آگے لے

Marfat.com

چلیے حتیٰ کہ ہم لوگ ان بڑے کنوؤں پر پہنچ جائیں جو دشمن کے نزدیک تر ہیں۔ ہم کو وہاں پہنچ کر قیام کرنا چاہیے اور ان تمام کنوؤں پر قبضہ کر لینا چاہیے جو اس بڑے کنویں سے بھی بڑے ہیں۔ اور پھر وہاں ایک بڑا حوض تیار کر کے اپنے استعمال کے لیے بھر لینا چاہیے۔ اس کے بعد ہم دشمن سے نبرد آزما ہوں گے اور یہ پانی صرف ہمارے پاس ہوگا جبکہ دشمن کے پاس اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور حضرت حباب رضی اللہ عنہ کا منصوبہ تمام تفصیلات کے ساتھ عمل میں لایا گیا۔ آگے والے کنوؤں پر قبضہ کر کے حوض تیار کر لیا گیا اور سب نے اپنے اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔

پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں اجازت دیجئے کہ آپ کے لیے ایک محفوظ جگہ بنا دیں اور اس کے ساتھ ہی اونٹوں کو تیار کر کے پاس ہی کھڑا کر دیں۔ پھر ہماری ملاقات دشمن سے ہوگی اور اگر اللہ نے ہمیں قوت دی اور دشمن پر فتح عطا فرمائی تو یہی وہ خواہش ہے جس کی ہمیں تمنا ہے لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو پھر آپ سوار ہو کر ان لوگوں سے جا ملیں گے جن کو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو آپ ﷺ سے ایسی ہی محبت ہے جیسی ہم لوگوں کو جو یہاں موجود ہیں۔ وہ لوگ پیچھے رہ جانے والے نہ ہوتے اگر انہیں معلوم ہوتا کہ آپ جنگ کرنے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپ کی حفاظت فرمائے گا اور وہ آپ کو صحیح مشورہ بھی دیں گے اور آپ کی نصرت کے لیے جنگ بھی کریں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ کھجور کی شاخوں سے رسول اللہ ﷺ کی پناہ گاہ تیار کر دی گئی۔

اس شب اللہ تعالیٰ نے مومنین پر سکون اور راحت کی نیند غالب کر دی [1] اور جب صبح وہ بیدار ہوئے تو تازہ دم تھے۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور عیسوی سال ۶۲۳ کے مارچ کی ۱۷ تاریخ تھی۔ جو ہجری کلینڈر کے حساب سے ہجری کا دوسرا سال اور رمضان کی سترہ تاریخ۔ جوں ہی سویرا ہوا تو قریش کا لشکر پیش قدمی کرتا ہوا عقنقل پہاڑ کی چڑھائی طے کرنے لگا۔ جب یہ لوگ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے تو سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیمتی جھولوں سے مزین گھوڑوں اور اونٹوں کو وادیٔ یلیل کی ڈھلوانوں سے اترتے اور بدر کا رخ کرتے دیکھا تو آپ ﷺ نے اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ''یا اللہ یہ قریش اپنے ساز و سامان کے غرور اور اپنی دولت کے گھمنڈ کے ساتھ تیرے وجود کے منکر اور تیرے رسول کی تکذیب کرنے آئے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اپنی نصرت سے نواز جس کی تو نے ضمانت دی تھی۔ یا اللہ آج کی صبح ان کو تاخت و تاراج فرما۔''

قریش نے اپنا پڑاؤ ڈھلوان کے نیچے قائم کیا۔ ان کو نظر آیا کہ مسلمانوں کی تعداد اس تعداد سے کہیں

Marfat.com

کم ہے جس کے بارے میں انہیں خبر دی گئی تھی۔ قریش نے بنی جماح کے عمیر کو گھوڑے پر سوار کر کے مسلمانوں کی تعداد کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اسے یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ کہیں عقب میں ان کی مزید کمک تو موجود نہیں۔ اس نے واپس آ کر خبر دی کہ سوائے ان کے جو وادی میں ان کے مقابل ہیں کسی اور فوج کا کوئی نشان نہیں۔ عمیر نے قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''لیکن اے اہلِ قریش میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کوئی آدمی تمہارے کسی آدمی کو قتل کیے بغیر مارا جائے گا۔ اور اگر وہ تم لوگوں میں سے اتنے آدمی قتل کر دیتے ہیں کہ جتنی ان کی کل تعداد ہے تو پھر اس کے بعد زندگی میں کیا مزہ رہ جائے گا۔ سارے مکہ میں عمیر کی شہرت کچھ ایسی تھی کہ جیسے کسی غیب دان کی ہوتی ہے۔ بحیثیت غیب دان اس کی اس بات کا وزن بہت بڑھ گیا تھا۔ جوں ہی اس نے بات ختم کی تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے' بنی اسد کے حکیم نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پورے پڑاؤ کے درمیان سے گزرتے ہوئے بنی عبد شمس کے لوگوں کے درمیان پہنچ کر عتبہ سے کہا ''ابوالولید تم تو قریش کے سب سے بڑے ہو، ان کے ولی نعمت ہو' ان کے لیے قابلِ احترام ہو، وہ تمہارا کہا مانتے ہیں۔ کیا تم نہیں چاہو گے کہ یہ لوگ تمہیں زندگی کی آخری سانس تک تعریف و تحسین سے یاد کریں؟ عتبہ نے پوچھا ''وہ کیسے ممکن ہے؟'' حکیم نے کہا ''اپنے لوگوں کو واپس لے جاؤ اور اپنے حلیف عمرو کے انتقام کی ذمہ داری اپنے سر لے لو۔'' حکیم کی گفتگو کا مطلب یہ تھا کہ اس جنگ کا باعث نخلہ میں عمرو کا قتل ہے اور عتبہ عمرو کے وارثین کو خون بہا ادا کر دے۔ عمرو کا بھائی عامر درحقیقت اسی لیے قریش کی فوج کے ساتھ آیا تھا کہ میدانِ جنگ میں اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لے گا۔ حکیم نے جو کچھ عتبہ سے کہا وہ اس پر عمل کرنے کو راضی ہو گیا۔ لیکن عتبہ نے اس پر زور دیا کہ وہ یہی بات جا کر ابوجہل سے بھی کرے، کیونکہ یہ ابوجہل ہی تھا جو جنگ پر مصر تھا۔ اسی دوران اس نے لشکریوں سے خطاب کیا اور کہا ''اے اہلِ قریش! تم لوگوں کو محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کر کے کچھ نہیں ملے گا۔ اگر تم نے انہیں زیر کر بھی لیا تو تم میں سے ہر ایک ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کو حقارت سے دیکھتے رہو گے کیونکہ ان میں کسی نہ کسی نے تمہارے چچا یا رشتہ کے بھائی یا کسی قریبی عزیز کو قتل کیا ہو گا۔ اس لیے مناسب ہے کہ واپس ہو جاؤ اور محمد (ﷺ) کو باقی ماندہ عربوں کے سپرد کر دو۔ اگر وہ انہیں قتل کر دیں تو جو تم چاہتے ہو وہ پورا ہو جائے گا اور اگر وہ دوسروں کے ہاتھوں سے بچ گئے تو محمد (ﷺ) کو معلوم ہو جائے گا کہ تم لوگوں نے ان کے ساتھ تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کیا تھا۔''

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عتبہ کا ارادہ تھا کہ فوری طور پر عامر الحضرمی سے ملاقات کر کے اس کے بھائی کا خون بہا ادا کر دے۔ لیکن ابوجہل فوراً بھانپ گیا اور عتبہ کو موت سے خائف ہونے اور دشمن کے لشکر میں موجود

Marfat.com

اپنے بیٹے کی سلامتی کی فکرمندی کا طعنہ دیا۔ پھر وہ عامر کی طرف پلٹا اور کہا ''بھائی کے خون کا بدلہ لینے کا یہ سنہری موقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اٹھو اور اپنے بھائی کے انتقام کے عہد و پیمان کو پورا کرو۔'' عامر اچھل کر اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور جنون کے عالم میں اپنے کپڑوں کو پھاڑتے ہوئے چیخ چیخ کر رونے پیٹنے لگا ''افسوس ہے عمرو کے لیے! صد افسوس ہے عمرو کے لیے!'' اس نالہ آہ و بکا پر لوگوں کے دلوں میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور سب نے لڑ مرنے کا ارادہ کر لیا۔ اب عتبہ یا کسی اور کے لیے جنگ کی اس آگ کو سرد کرنا ممکن نہ رہا۔

سب جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ اس کیفیت سے ایک شخص نے فائدہ اٹھایا جو اس موقع کے انتظار میں تھا۔ سہیل اس اندیشہ سے کہ کہیں اس کا بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مکہ سے اس کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر فرار نہ ہو جائے، اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ بدر لایا تھا۔ قبیلہ جمح کے سردار امیہ نے بھی اپنے بیٹے علی کو جسے اس نے دباؤ ڈال کر اسلام سے ارتداد پر مجبور کر دیا تھا، اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ علی اپنے ایمان میں مذبذب تھے جبکہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایمان غیر متزلزل تھا۔ وہ پڑاؤ کے خیموں سے بچ بچا کر نزدیک کی ٹیکری کے عقب میں پہنچے اور پھر تیزی سے وادی کی ناہموار ریتلی زمین پر بھاگتے ہوئے مسلمانوں کے پڑاؤ میں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں کے چہرے پر مسرت آشکار تھی۔ پھر انہوں نے سرخوشی کے عالم میں اپنے دونوں بہنوئیوں ابوصبرہ اور ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما کو سلام کیا۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۸:۱۱

Marfat.com

باب: ۴۳

غزوۂ بدر

اب رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کو صف بستہ کیا اور پھر ان کے دل بڑھانے کے لیے اور صفوں کی درستگی کے لیے ہر صحابی کے سامنے سے گزرے۔ آپ ﷺ نے ایک تیر اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ ایک انصاری جو صف سے آگے بڑھ کر کھڑے تھے، آپ ﷺ نے ان کے پیٹ میں تیر کی نوک چبھوتے ہوئے فرمایا ''صف میں کھڑے ہو۔'' انصاری صحابی حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کو اللہ نے حق و انصاف کے ساتھ مبعوث کیا ہے پس مجھے اس اذیت کا بدلہ دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا پیٹ ان کے سامنے کھول دیا اور ان کو تیر پکڑاتے ہوئے فرمایا کہ ''لو بدلہ لے لو۔'' حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے فوراً جھک کر اس جگہ جہاں تیر چبھونے کی اجازت ملی تھی اپنے لب ثبت کر دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تجھے ایسا کرنے پر کس بات نے مائل کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ہم جس چیز کا سامنا کر رہے ہیں اس کو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ زندگی کے آخری لمحات میں جو آپ کے ساتھ گزر رہے ہیں، اگر وہ واقعی آخری لمحات ہیں، تو میرے ہونٹ آپ کے جسم سے مَس ہو جائیں۔'' آپ ﷺ نے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا مانگی۔

قریش نے اب پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں سے پرے قریش کی فوج اپنی اصل قوت سے کم نظر آ رہی تھی لیکن آپ ﷺ کو ان کی اصل تعداد کا علم تھا اور دونوں فوجوں میں زبردست فرق کا بھی بخوبی اندازہ تھا۔ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیمے میں تشریف لے گئے اور اللہ کے حضور اس نصرت کی دعا مانگی جس کا وعدہ کیا جا چکا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ پر ہلکی سی نیند کا غلبہ ہوا۔ اور جیسے ہی آنکھ

Marfat.com

کھلی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''خوش ہو جاؤ ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کی مدد تمہارے لیے آن پہنچی ہے۔ دیکھو جبرائیل آ گئے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ایک گھوڑے کی لگام ہے جس کے آگے آگے وہ چل رہے ہیں اور جنگ کے لیے مسلح ہیں۔'' (1)

عربوں کی تاریخ میں بہت سی ایسی لڑائیاں تھیں جو دو فوجوں کے آمنے سامنے صف آرا ہونے کے باوجود ٹل گئی تھیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو یقین تھا کہ یہ جنگ ہو کر رہے گی اور یہ بھاری فوج ''ان دو فوجوں میں سے ایک تھی'' جن کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ آسمان کی فضاؤں میں گدھ بھی اس خون فشانی سے آگاہ ہو گئے تھے جو اب جاری ہونے ہی والی تھی۔ وہ اس گھڑی کے منتظر تھے کہ مقتولین کی لاشوں سے اپنے بھوکے شکموں کی آگ بجھائیں۔ ان میں سے چند گدھ تو آسمان پر چکر لگا رہے تھے اور بعض دونوں لشکروں کے پیچھے پہاڑی ڈھلان پر منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔

قریش کی فوج کی نقل و حرکت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ حملے کے لیے تیار ہے۔ وہ بہت قریب پہنچ کر ٹھہر گئے تھے اور جو حوض مسلمانوں نے بنایا تھا اس حوض تک ان کی رسائی آسان ہو چکی تھی، اس امر کا قوی امکان تھا کہ ان کا پہلا حملہ اسی کنویں پر قبضے کے لیے ہو گا۔

بنی مخزوم کا اسود قریش کے لشکر کے آگے آگے اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ اور ظاہر تھا کہ وہ پانی سے سیراب ہونے کی غرض سے حوض کی طرف بڑھ رہا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس پر جو ایک ضرب لگائی تو اس کی ایک ٹانگ گھٹنے کے نیچے سے کٹ گئی، جبکہ دوسری ضرب نے اس کا کام تمام کر دیا۔ تب عتبہ جس پر ابوجہل کے طعنوں کا اثر باقی تھا، فوج کی صفوں سے باہر نکلا اور انفرادی جنگ کا مطالبہ کیا۔ اپنی خاندانی عظمت کو بلند کرنے کے لیے اس کا بھائی شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید آگے بڑھ کر اس کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ اس للکار کو فوراً ہی قبیلہ خزرف کے خاندان نجار کے حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ ان چھ انصار میں سے تھے جنہوں نے پہلے پہل رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے بھائی بھی آگے نکل آئے۔ مدینے میں ان کا ہی محلہ تھا جس کو رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصویٰ نے اپنے قیام کے لیے منتخب کیا تھا۔ تیسرے صحابی جنہوں نے اس للکار کا جواب دیا وہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان بیان کرنے میں اپنے سردار عبداللہ بن ابی کی سرداری کی پروانہ کی تھی۔

دعوتِ مبارزت دینے والے نے پوچھا ''تم کون ہو؟'' جب انصار نے اپنا تعارف پیش کیا تو عتبہ نے

Marfat.com

کہا ''آپ لوگ معزز ہیں، ہمارے ہم رتبہ ہیں۔لیکن ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہماری مبارزت کسی اور سے نہیں سوائے ہمارے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے۔'' پھر قریش کے نقیب نے چلا کر کہا ''اے محمد (ﷺ)! ہمارے مقابلہ میں ہمارے اپنے ہی قبیلہ کے ہم رتبہ لوگوں کو بھیجو۔'' رسول اللہ ﷺ کا ارادہ بھی یہی تھا لیکن انصار آپ کے ارادہ کے اظہار سے پہلے ہی میدان میں اتر آئے تھے۔اب وہ اپنے ہی گھرانے کی طرف متوجہ ہوئے کہ یہ انہی کے شایانِ شان تھا کہ وہ جنگ کی ابتدا کریں۔ دعوتِ مبارزت دینے والوں میں دو افراد تو پکی عمر کے تھے اور ایک جوان العمر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے عبیدہ رضی اللہ عنہ، اے حمزہ رضی اللہ عنہ سامنے آؤ اور اے علی رضی اللہ عنہ تیار ہو جاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ کے لشکر میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ بزرگ، تجربہ کار اور مطلب کے پوتے تھے۔ یہ عتبہ کے مقابلے پر آئے جبکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کا سامنا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو للکارا۔ مبارزت کے فیصلہ میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ شیبہ اور ولید تو فوراً واصلِ جہنم ہوئے جبکہ حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو خراش تک نہ آئی تھی۔لیکن جس لمحہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو زمین پر ڈھیر کیا تو اس نے گھما کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک پاؤں کٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ یہ تین کا تین سے مقابلہ تھا۔ پس حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے وار نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر وہ اپنے زخمی چچا زاد کو اپنے پڑاؤ پر اٹھا لائے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا خون کافی مقدار میں ضائع ہو چکا تھا اور ان کے کٹے ہوئے پیر کی ہڈی سے گودہ رس رہا تھا۔لیکن ان کے دل و دماغ پر ایک ہی خیال طاری تھا۔ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ ان کے قریب تشریف لائے تو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''اے اللہ کے رسول ﷺ کیا میں شہید نہیں ہوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم یقیناً شہید ہو۔''

دونوں مقابل فوجوں کے درمیان گھمبیر خاموشی کو قریش کی جانب سے چلنے والے ایک تیر نے توڑا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک آزاد کردہ صحابی مہلک زخم کھا کر زمین پر آ رہے۔ ایک دوسرے تیر نے خزرج کے ایک نوجوان صحابی حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے حلق کو چھلنی کر دیا۔ جب یہ تیر ان کو لگا تو وہ حوض پر پانی پی رہے تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے جو شخص ان سے مقابلہ کرتے ہوئے انعام کی امید میں آگے بڑھتا چلا جائے گا اور پیچھے نہ ہٹے گا اللہ اس کو سیدھا جنت میں داخل کرے گا۔'' جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے انہوں نے ان تک پہنچا دیئے جو دور تھے اور سن نہ سکتے تھے۔ قبیلۂ خزرج کے خاندان سلیمہ کے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس مٹھی بھر خرمے تھے جو وہ کھا رہے تھے۔ وہ پکار اٹھے کہ ''تعجب ہے تعجب! کیا میرے

Marfat.com

اور جنت کے درمیان صرف اتنی سی بات ہے کہ میں ان کفار کے ہاتھوں مارا جاؤں۔'' یہ کہتے ہوئے خرمے ایک طرف پھینکے، تلوار پر ہاتھ رکھا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے انتظار میں مستعد کھڑے ہو گئے۔

حضرت عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ہی مایوسی کے عالم میں کھڑے تھے۔ انہوں نے عتبہ کی للکار کو قبول کرنے میں پہل کی تھی لیکن انہیں افسوس ہوا کہ وہ یہ اعزاز نہ پا سکے تھے۔ اب وہ رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے ''اے اللہ! کے رسول وہ کون سا عمل ہے جسے اللہ اپنے بندے میں پا کر خوشی سے خندہ زن ہو جاتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جب بندہ زرہ بکتر کے بغیر اپنے آپ کو دشمن کی صفوں میں جھونک دیتا ہے۔'' یہ کلماتِ مبارک سنتے ہی حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ بکتر کے بند کھولنے شروع کر دیے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے زمین سے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر بآوازِ بلند ''اللہ تمہارے چہروں کو مسخ کرے!'' فرماتے ہوئے کنکریاں اس یقین کے ساتھ کفار کی طرف پھینکیں گویا یہ کنکریاں نہیں بلکہ ایک تباہی ہے جو کفار پر مسلط کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے عام حملے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کے لیے جو نعرۂ جنگ تجویز فرمایا تھا ''یا منصور اَمِت''[1] وہ سب کے حلق سے بلند ہوا اور مسلمان طوفان کی طرح آگے بڑھے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ بغیر زرہ بکتر کے اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ ان سب میں سے پہلے تھے جو دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے اپنی جان قربان کر دی۔ یہ دونوں شہید حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور وہ دونوں جو تیروں کے لگنے سے جان بحق ہوئے سب ملا کر کل تعداد پانچ ہو گئی۔ ان کے علاوہ اس دن جن کو شہادت نصیب ہوئی، دین کے ان وفاداروں کی تعداد نو تھی، ان میں سے ایک وہ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ[2] بھی تھے جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے اور جن کو رسول اللہ ﷺ واپس گھر بھیجنا چاہتے تھے۔

''جو تم نے پھینکا وہ تم نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکا۔''[3] یہ الفاظ اس وحی کے ہیں جس کا نزول جنگ کے فوراً بعد ہوا۔ اس روز ان کنکریوں کا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے پھینکا جانا ہی قدرتِ خداوندی کا کرشمہ نہ تھا جو آپ ﷺ کے دستِ مبارک سے ظاہر ہوا۔ ایک موقع پر جب قریش کی جانب سے شدید مزاحمت تھی تو ایک صحابی کے ہاتھ میں تلوار ٹوٹ گئی۔ ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر دوسرا ہتھیار لے لیں۔ یہ خاندان جحش کے ایک رشتہ دار حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھما دی اور فرمایا ''عکاشہ رضی اللہ عنہ اس سے لڑو۔'' انہوں نے اس کو حرکت دی اور گھمایا تو وہ ان کے ہاتھ میں ایک لمبی مضبوط تلوار بن گئی۔ وہ بدر کی لڑائی میں اس سے لڑتے رہے اور بعد کی جنگوں میں بھی۔ اس تلوار کا نام ''العون'' یعنی نصرتِ خداوندی پڑ گیا۔

Marfat.com

جس وقت مسلمانوں کو حملہ آور ہونے کا حکم دیا گیا تو حملہ کرنے والے تنہا نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ بخوبی جانتے تھے کیونکہ ان سے وعدہ کیا گیا تھا ''میں تمہاری نصرت ایک ہزار فرشتوں سے کروں گا۔''(۴) اور فرشتوں کو بھی اللہ کا پیغام مل چکا تھا ''جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں کو وحی کی ''سنو! میں تمہارے ساتھ ہوں اس لیے مسلمانوں کو استقامت عطا کرو۔ میں کافروں کے دلوں پر خوف طاری کردوں گا۔ یہ تمہارا کام ہے کہ تم ان کے سروں کو اڑا دینا اور ان کے جوڑ جوڑ کو چوٹ پہنچاؤ۔''(۵)

فرشتوں کی موجودگی کا احساس ہر ایک کو ہوا جس سے ایمان والوں نے قوت محسوس کی اور کافروں کے دل خوف سے بیٹھ گئے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی موجودگی چند ہی کو نظر آئی یا سنائی دی اور وہ بھی کمی بیشی کے ساتھ، کسی کو زیادہ، کسی کو کم۔ ایک قریبی بستی والے عرب قبیلہ کے دو آدمی ایک پہاڑی کی چوٹی پر جا بیٹھے تھے کہ لڑائی کی وجہ معلوم کریں اور مناسب سمجھیں تو لڑائی کے بعد مالِ غنیمت کی امید پر اس میں حصہ لیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس سے ایک بادل گزرا۔ ایک ایسا بادل جس میں سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی بھرپور آواز تھی۔ ان میں سے ایک گر کر فوراً ہی مر گیا۔ ''اس کا دل دہشت سے پھٹ گیا'' زندہ رہنے والے نے بعد میں اپنے اوپر طاری ہونے والی دہشت کے تجربے کی بنیاد پر دنیا کو بتایا۔

مسلمان مجاہدین میں سے ایک صحابی دشمن کا پیچھا کر رہے تھے کہ انہوں نے دشمن کا سر تن سے جدا ہوتے دیکھا، کسی غیر مرئی ہاتھ نے دشمن کا سر قلم کر دیا تھا۔ دوسرے لوگوں نے بھی جھلکیاں دیکھیں کہ فرشتے ایسے گھوڑوں پر سوار تھے جن کے سُم زمین کو چھوتے ہی نہ تھے۔ ان کے آگے آگے زرد عمامہ باندھے حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ جبکہ دوسرے فرشتوں کے سروں پر سفید عمامے تھے، جو ایک سرے سے کھل کر ہوا میں لہرا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں قریش کے پاؤں بالکل اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ سوائے چند ان ٹولیوں کے جہاں فرشتوں کا گزر نہیں ہوا تھا، ان ٹولیوں میں سے ایک ٹولی میں ابوجہل بے تکان لڑ رہا تھا کہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں زمین پر گرا دیا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر وار کیا جس سے ان کا کندھا کٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ دوسرے بازو سے لڑتے رہے جبکہ ان کا دوسرا ہاتھ ان کے پہلو میں لٹک رہا تھا۔ جب انہیں شدید تکلیف محسوس ہوئی تو وہ جھکے اور جھک کر اپنے کٹے ہوئے ہاتھ پر پیر رکھ کر جھٹکے سے علیحدہ کر دیا اور دشمن کا تعاقب جاری رکھا۔ ابوجہل ابھی تک زندہ تھا لیکن حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے دوسرے بھائی حضرت معوذ رضی اللہ عنہ اسے پہچانتے ہوئے اس پر کاری وار کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور عوف رضی اللہ عنہ کی طرح لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوئے۔

Marfat.com

اکثر و بیشتر قریش تو بچ کر بھاگ نکلے لیکن تقریباً ستر کو شدید مہلک زخم آئے یا لڑتے ہوئے اور بھاگتے ہوئے مارے گئے۔ قریباً اتنی ہی تعداد میں قیدی بھی ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا "یہ بات میرے علم میں ہے کہ بنی ہاشم اور دیگر کئی لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف لایا گیا ہے۔ وہ ہم سے لڑنے کا ارادہ نہ رکھتے تھے" آپ ﷺ نے چند ایک کا نام لے کر ذکر بھی کیا کہ اگر وہ گرفتار ہو جائیں تو ان کی جان بخشی کر دی جائے۔ آپ ﷺ کے لشکر کی اکثریت نے اپنے گرفتار شدگان کو قتل کرنے کی بجائے فدیہ کی غرض سے زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ چونکہ قریش مسلمانوں سے تعداد میں کہیں زیادہ تھے اس لیے اس کا امکان تھا کہ وہ دوبارہ منظم ہو کر پلٹ آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ سائبان میں تشریف لے جائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور کچھ انصار وہاں پہرے کے لیے موجود رہے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لیے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے جب ان کے ساتھی قیدیوں کو پڑاؤ کے اندر لانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات دیکھ کر ان سے فرمایا "اے سعد رضی اللہ عنہ! لگتا ہے یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ تمہارے لیے قابلِ نفرت ہے۔" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پرجوش انداز میں تائید کی اور کہا "یہ پہلی شکست ہے جس سے اللہ نے بت پرستوں کو دوچار کیا ہے اور میرے لیے بہتر یہ ہے کہ ان کو گرفتار کرنے کی بجائے موت کے گھاٹ اتار دوں۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہی تھی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان قیدیوں کو زندہ رکھنے کے حق میں تھے کہ توقع کی جا سکتی تھی کہ جلد یا بدیر یہ لوگ ایمان لے آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ لیکن دن کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سائبان میں واپس آئے تو انہوں نے اس وحی کے سبب آپ ﷺ کو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آبدیدہ پایا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ "ایک نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ قیدی بنا کر رکھے جب تک کہ سرزمین پر بھاری قتلِ عام نہ کر لے۔" "تم اس دنیا کے فائدے کی طلب میں ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت کے فائدے عطا کرنا چاہتا ہے۔ اللہ زبردست قوت والا اور علیم ہے۔" لیکن وحی نے پھر وضاحت کر دی کہ قیدیوں کی جان بخشی کے فیصلہ کو اللہ نے منظوری دے دی ہے اور اب اس کی تنسیخ کی ضرورت نہیں اور رسول اللہ ﷺ کو خود قیدیوں کے لیے ایک پیغام بذریعہ وحی یوں ملا "اے نبی! ان قیدیوں میں سے جو تمہاری قید میں ہیں کہو اگر اللہ کو معلوم ہے کہ تمہارے دلوں میں کسی قسم کی نیکی ہے تو وہ تم کو اس سے بہتر عطا کر دے گا جو تم سے لے لیا گیا ہے اور وہ تمہیں معاف کر دے گا۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"(۶)

البتہ وہاں ایک شخص ابو جہل ایسا تھا جس کو زندہ نہ رہنے دینا چاہیے تھا۔ عام خیال تھا کہ وہ مارا گیا ہے

Marfat.com

اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی لاش کو تلاش کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں واپس گئے اور اس کی لاش تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ انہیں وہ شخص مل گیا جس نے مکہ کے لوگوں میں اسلام کے خلاف نفرت بھڑکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ ابوجہل زخمی پڑا ہوا تھا اور اس میں ابھی اتنی جان تھی کہ وہ اپنے اوپر کھڑے ہوئے شخص کو پہچان سکے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے کہ جنہوں نے کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر باآوازِ بلند تلاوت کی تھی اور ابوجہل نے ان کے چہرے پر سخت ضرب لگا کر انہیں زخمی کر دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حیثیت قبیلۂ زہرہ کے حلیف کی تھی اور وہ مفلس بھی تھے کیونکہ ان کی والدہ کنیز رہ چکی تھیں۔ اب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک پاؤں ابوجہل کی گردن پر رکھا تو ابوجہل بولا ''کمتر چرواہے تو بہت اونچا ہو گیا ہے۔'' پھر اس نے پوچھا کہ ''آج لڑائی کا پلہ کس طرف جھکا؟'' اس کا مطلب یہ تھا کہ اگلی بار وہ مخالف سمت میں جھکے گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نصرت حاصل ہوئی ہے۔'' اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد سردارانِ قریش میں سے صرف ابوجہل ہی قتل نہ ہوا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھوں میں دو زرہیں، جن پر انہوں نے مالِ غنیمت کے طور پر قبضہ کیا تھا، تھامے ہوئے فربہ اندام امیہ کے قریب سے گزرے۔ امیہ کے پاس سواری نہیں تھی، ورنہ وہ بھی اوروں کی طرح بھاگ جاتا۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا علی تھا، جس کا ہاتھ وہ تھامے ہوئے تھا۔ امیہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ ایک زمانے میں وہ ان کا دوست ہوا کرتا تھا۔ ''مجھے اپنا قیدی بنا لو کیوں کہ میں قیمت میں زرہ بکتر سے کہیں زیادہ ہوں۔'' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور زرہ بکتر ایک طرف پھینکتے ہوئے ایک ہاتھ سے امیہ اور دوسرے ہاتھ میں اس کے بیٹے علی کا ہاتھ تھام لیا لیکن جب ہی وہ ان کو لیے ہوئے پڑاؤ کی جانب جا رہے تھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے سابق اذیت رساں آقا کو پہچان لیا اور زور سے چیخے ''امیہ! کفر کا سرغنہ! مجھے موت آجائے اگر اسے زندہ چھوڑ دیا جائے۔'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے غصے سے احتجاجاً کہا کہ وہ ان کے قیدی ہیں۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا نعرہ دہرایا ''مجھے موت آجائے اگر اسے زندہ چھوڑ دیا جائے۔'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سخت غصے میں کہا ''اے حبشی ماں کے بیٹے تم میری بات نہیں سنو گے۔'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس آواز کو، جس کی خوبی نے انہیں موذن کے رتبے سے نوازا تھا، اپنی پوری قوت سے بلند کرتے ہوئے کہا ''اے انصار اللہ! کفر کا سرغنہ امیہ! مجھے موت آجائے اگر یہ زندہ رہ جائے۔'' لوگ چہار جانب سے دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے دو قیدیوں کو اپنے گھیرے

Marfat.com

میں لے لیا۔ ایک تلوار چلی جو علی کو لگی اور وہ زخمی حالت میں زمین پر آ رہا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اُمیہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور کہا ''اگر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ، لیکن فرار کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ واللہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک طرف دھکا دیتے ہوئے مجاہدین نے قیدیوں کو اپنے گھیرے میں لے کر تلواروں سے ان کا کام تمام کر دیا۔ بعد میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے ''اللہ کی رحمت ہو بلال رضی اللہ عنہ پر، میری دو زرہیں بھی گئیں اور انہوں نے میرے دو قیدی بھی مجھ سے چھین لیے۔'' (۷)

رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ تمام مقتول کافروں کی لاشیں ایک گڑھے میں پھینک دی جائیں۔ جب عتبہ کی لاش گڑھے کی جانب کھینچ کر لائی جا رہی تھی تو اس کے بیٹے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ الم کی تصویر بن گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان پر ترس آیا اور ترحم بھری نگاہ سے ان کی طرف دیکھا۔ اس نگاہِ ترحم کو محسوس کرتے ہوئے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ یہ نہیں کہ مجھے اپنے باپ کو اس جگہ پر پھینکنے پر کوئی اعتراض ہے کہ جہاں وہ پھینکا گیا ہے لیکن مجھے معلوم تھا کہ میرا والد ایک صائب الرائے، صبر و ہمت کا مالک اور ایک نیک انسان تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ یہ صفات ان کو اسلام لانے میں مددگار ثابت ہوں گی لیکن جب میں نے ابھی دیکھا کہ ان پر کیا گزری اور ان کے کفر کو یاد کیا جس میں انہیں موت آئی ہے اور یہ کہ سب کچھ اس کے برعکس ہوا جس کی میں نے امیدیں باندھ رکھی تھیں تو اس خیال نے مجھے رنجیدہ کر دیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دُعائے خیر کی اور انہیں تسلی دی۔

پڑاؤ کے سکوت اور خاموشی میں جلد ہی ان آوازوں سے خلل پڑ گیا جب لوگوں نے ان کی حمایت میں جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی خاطر پناہ گاہ پر موجود تھے' مالِ غنیمت میں ان کے حصہ کا دعویٰ کیا جبکہ وہ لوگ جنہوں نے دشمن کا تعاقب کر کے انہیں گرفتار کیا تھا اور ان کے زرہ بکتر اور ہتھیاروں پر قبضہ کیا تھا اس پر راضی نہیں تھے کہ وہ اس سے دستبردار ہو جائیں لیکن اس سے قبل کہ رسول اللہ ﷺ حکم دیں کہ جو کچھ بھی مالِ غنیمت قبضہ میں لیا گیا تھا، اس کی مساوی تقسیم کر لی جائے اور لوگوں کے مابین ہم آہنگی اور میل ملاپ کو بحال کریں، وہ انتہائی احسن حل سادگی کے ساتھ فوراً ہی وحی ربانی نے پیدا کر دیا۔ ''یہ لوگ مالِ غنیمت کے بارے میں سوال کر رہے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ مالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔'' (۸) آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیدیوں سمیت جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے، سب کو لا کر پیش کیا جائے اور اس کو کسی کی ذاتی ملکیت تصور نہ کیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل فوراً عمل میں آئی۔

Marfat.com

قیدیوں میں سب سے ممتاز قبیلۂ عامر کا سردار سہیل تھا۔ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ دار اور ان کے پہلے شوہر کا بھائی تھا۔ باقی دوسرے قیدی جو رسول اللہ ﷺ سے قریبی تعلق رکھتے تھے، وہ ان کے چچا عباس، آپ ﷺ کے داماد یعنی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص اور ان کے چچا زاد عقیل اور نوفل تھے۔ آپ ﷺ نے ایک عام حکم صادر فرمایا کہ تمام قیدیوں سے اچھا سلوک روا رکھا جائے لیکن انہیں باندھ اور کس کر تو رکھنا ہی تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے چچا کی اذیت کے بارے میں سوچ سوچ کر رات بھر بے آرام رہے تاوقتیکہ آپ نے فرمایا کہ ان کی مشکوں کے بند ڈھیلے کر دیئے جائیں۔ دوسرے قیدیوں کو ان کے قریب ترین اعزا سے نسبتاً کم مشفقانہ سلوک ملا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اپنے بھائی ابوعزیز کے پاس سے گزرے تو ایک انصاری، جنہوں نے اسے گرفتار کیا تھا، اسے کس کر باندھ رہے تھے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ''اسے خوب کس کر باندھنا کیونکہ یہ امیر ماں کا بیٹا ہے اور عین ممکن ہے وہ اس کا بھاری تاوان دے کر اس کو چھڑا لے۔'' ابوعزیز بولا ''کیا تم مجھے ان غیروں کے حوالے کرو گے؟'' حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ''اب تم نہیں، میرے بھائی یہ ہیں۔'' اس کے باوجود بعد کے سالوں میں ابوعزیز اس اچھے سلوک کا ذکر کرتے تھے جو انصار نے ان کے ساتھ روا رکھا۔ وہ انہیں مکہ لے گئے اور وہاں سے ان کی ماں نے چار ہزار درہم فدیہ دے کر انہیں چھڑایا۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ آٹھ سو یا اس سے زاید زندہ بھاگنے والوں کی واپسی کا کوئی امکان نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بالائی مدینہ یعنی شہر کے جنوب کے لوگوں کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے روانہ کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس خوشخبری کے لیے زیریں مدینہ کے لوگوں کے پاس بھیجا۔ آپ ﷺ خود بدر میں اسلامی لشکر کے ساتھ ہی مقیم رہے۔ اس شب آپ ﷺ نے اس گڑھے پر جا کر، جہاں دشمنانِ اسلام کی لاشیں پھینکی گئی تھیں، لاشوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے گڑھے کے مکینو اور اپنے رسول کے قرابت دارو، تم نے قرابت کا جو مظاہرہ کیا وہ بُرا تھا۔ تم نے مجھے جھوٹا کہا جبکہ غیروں نے مجھے اپنایا۔ تم میرے مخالف ہو کر مجھ سے لڑے جبکہ غیروں نے فتح حاصل کرنے میں میری مدد کی۔ تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ سچ تھا، میں نے تو وہ سچ ہی پایا جس کا وعدہ مجھ سے میرے رب نے کیا تھا۔'' آپ کے بعض اصحاب کے کانوں تک آپ کی باتیں پہنچیں تو وہ آپ ﷺ کو مردوں سے باتیں کرتے دیکھ کر متعجب ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اس کا سننا، ان مردوں کے سننے سے بہتر نہیں ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ وہ مجھے جواب نہیں دے سکتے۔'' ﴿9﴾

دوسرے دن علی الصبح رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر اور مالِ غنیمت سمیت مدینہ کو روانہ ہوئے۔ قیدیوں

Marfat.com

میں سب سے گرانقدر قیدی، یعنی جن کے گھرانے ان کی رہائی کے لیے چار ہزار دینار ادا کرنے کے اہل تھے، وہ عبدالدار کے نضر اور عبدشمس کے عقبہ تھے۔ (۱۰) لیکن یہ دونوں اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھے۔ اگر انہیں مکہ واپس جانے کی اجازت دی جاتی تو یہ لوگ واپس پہنچتے ہی اپنی شیطانی حرکات شروع کر دیتے۔ امکان تھا کہ ان کی توقع کے برعکس بدر میں مسلمانوں کو جو فتح حاصل ہوئی تھی وہ ان کی سوچ پر کوئی مثبت اثر ڈالتی۔ یہ دونوں مستقل رسول اللہ ﷺ کی توجہ کا مرکز تھے، لیکن ان کے رویے سے کسی ایسی تبدیلی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ اب جبکہ لشکر مدینہ کی جانب کوچ کر رہا تھا تو یہ امر بالکل واضح ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء نہیں کہ انہیں زندہ باقی رہنے دیا جائے۔ ایک جگہ جہاں پر پہلا قیام کیا جانا تھا، رسول اللہ ﷺ نے نضر کو قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار نے یہ کام انجام دیا۔ بعد میں آنے والے ایک پڑاؤ پر عقبہ کا انجام بھی قبیلۂ اوس کے ایک صحابی کے ہاتھوں ویسا ہی ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی تین روزہ مسافت میں باقی ماندہ قیدیوں اور مالِ غنیمت کو صحابہ میں تقسیم کر دیا اور جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا ہر اس فرد کو برابر کا حصہ دیا گیا جس نے بھی اس مہم میں حصہ لیا تھا۔

اس وقت تک زید اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما مدینہ پہنچ چکے تھے اور سوائے یہودیوں اور منافقوں کے مدینہ کی ساری آبادی خوشی منا رہی تھی لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جو خوشخبری پہنچائی اس کے بدلہ میں انہیں ایک بری خبر سننے کو ملی کہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا ہے اور حضرت عثمان اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما انہیں دفن کر کے اسی وقت واپس ہوئے تھے۔ شہر کے اس حصہ سے بھی آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں کہ جہاں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے سیّدہ عفرا رضی اللہ عنہا کو ان کے دو بیٹوں کی شہادت کی خبر پہنچائی تھی۔ یہ دونوں حضرت عوف اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہما تھے۔ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر اور سیّدہ عفرا رضی اللہ عنہا کے گھر آتی جاتی رہیں تاکہ دونوں کے سوگ میں شریک رہ سکیں۔ سیّدہ عفرا رضی اللہ عنہا کے دکھ میں اس بات کی مسرت تو تھی کہ ان کے دونوں بیٹوں کو شہادت نصیب ہوئی لیکن ایک ماں کی حیثیت سے رنج بھی ایک فطری امر تھا۔ لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کو بتایا تھا کہ ان کے بیٹے کی شہادت حوض پر پانی پیتے ہوئے دشمن کا تیر گلے پر لگنے سے واقع ہوئی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ چند روز بعد مدینہ تشریف لائے تو حضرت ربیع رضی اللہ عنہا ان سے ملنے آئیں اور اپنے بیٹے کے بارے میں استفسار کیا۔ وہ اس خیال سے بہت آزردہ تھیں کہ ان کے جوان بیٹے کا قتل جنگ شروع ہونے سے پہلے ہو گیا تھا، قبل اس کے کہ وہ اسلام کی فتح کی خاطر کوئی وار کرتا۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ مجھے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ بتائیں گے کہ اگر وہ جنت الفردوس میں ہے تو میں

Marfat.com

اپنے نقصان کو صبر سے برداشت کرلوں اور اگر ایسا نہیں تو میں رو رو کر اس کی تلافی کرلوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے سوالوں کا پہلے ہی ایک اصولی جواب دے دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ایک مومن کو اس کی نیت اور عمل کا ثواب ملتا ہے، چاہے وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہی کیوں نہ ہو۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ (۱۱) لیکن اب آپ نے ایک ماں کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا ''اے حارثہ رضی اللہ عنہ کی ماں! فردوس میں کئی باغات ہیں اور بلاشبہ تیرا بیٹا فردوس کے سب سے اعلیٰ باغ میں فروکش ہے۔'' (۱۲)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ بخاری: ۶۴' ۱۰؛ ابن اسحٰق: ۴۴۴ ۲۔ ''اے وہ جس کو فتح و نصرت عطا ہو قتل کرو۔'' ۳۔ قرآن ۸: ۱۷

۴۔ قرآن ۸: ۹ ۵۔ قرآن ۸: ۱۲ ۶۔ قرآن ۸: ۷۰ ۷۔ ابن اسحٰق: ۹۔ ۴۴۸ ۸۔ قرآن ۸: ۱۱

۹۔ ابن اسحٰق: ۴۵۴ ۱۰۔ اصل تصنیف: صفحہ 98 ۱۱۔ بخاری: ۱' ۱ ۱۲، بخاری: ۵۶، ۱۴

Marfat.com

بَابْ: ۴۴

شکست خوردہ لشکر کی واپسی

قریشی لشکر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں مکہ واپس آیا۔ اس طرح کہ ایک شخص کسی ٹولی کے آگے ہوتا یا کسی کے پیچھے۔ خبر لے کر سب سے پہلے آنے والا خاندانِ بنی ہاشم کا ابوسفیان تھا۔ جس کا بھائی نوفل گرفتار ہو گیا تھا۔ نئے مذہب سے ابوسفیان کو سخت عناد تھا اور اس جذبہ کے تحت وہ اسلام اور اپنے چچا زاد بھائی محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف اشعار نظم کیا کرتا تھا۔ لیکن بدر میں اس کو جو تجربہ ہوا، اس نے اس کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سب سے پہلے اس کے دماغ میں بیت الحرام میں حاضری دینے کا خیال آیا اور اتفاق ایسا ہوا کہ اس کا چچا ابولہب اس بڑے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا جسے خیمۂ زم زم کہا جاتا تھا۔ اپنے بھتیجے کو دیکھ کر اس نے ابوسفیان کو آواز دی کہ آؤ، میرے پاس بیٹھو اور بتاؤ کہ کیا گزری۔ ابوسفیان بولا ''اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا اور ہم نے پیٹھ دکھائی، انہوں نے ہمیں مار بھگایا اور جس کو چاہا قیدی بنایا۔ میں اس کے لیے اپنے کسی آدمی کو موردِ الزام نہیں ٹھہراؤں گا، کیونکہ ہمارا مقابلہ نہ صرف دشمن سے تھا بلکہ ایسے آدمیوں سے بھی جو سفید پوش تھے اور ایسے چتکبرہ گھوڑوں پر سوار تھے جو زمین اور آسمان کے درمیان تھے اور ان سے نہ کوئی بچ سکتا تھا اور نہ ہی ان کے سامنے ٹھہرنے کی کسی میں تاب تھی۔''

اس وقت اُم الفضل رضی اللہ عنہا خیمے کے ایک گوشے میں بیٹھی تھیں اور ان کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلاموں میں سے ایک غلام حضرت ابورافعہ رضی اللہ عنہ بیٹھے تیر بنا رہے تھے۔ اُم الفضل رضی اللہ عنہا کی طرح انہوں نے بھی اپنے اسلام کو سوائے چند لوگوں کے راز میں رکھا ہوا تھا۔ لیکن جب حضرت ابورافعہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی فتح کی خبر سنی تو وہ اپنی خوشی کو قابو میں نہ رکھ سکے اور جب انہوں نے ابوسفیان کے منہ سے یہ سنا کہ ''سفید پوش

Marfat.com

سوار آسمان اور زمین کے درمیان'' تو وہ حیرانگی اور فتح مندی کے جذبے سے سرشار ہو کر بولے ''وہ فرشتے تھے۔'' ابولہب نے یہ سن کر غضب کے عالم میں ان کے چہرے پر ایسی ضرب لگائی کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ غلام نے بدلہ لینے کی کوشش کی لیکن وہ دبلے پتلے اور نحیف و کمزور تھے۔ بھاری بھرکم ابولہب ان پر ٹوٹ پڑا اور انہیں زمین پر گراتے ہوئے ان پر چڑھ کر پے در پے کئی وار کیے۔ اس پر ام الفضل رضی اللہ عنہا اپنی جگہ سے اٹھیں اور ایک لکڑی کی بلی اٹھائی۔ یہ بلی خیمے کے ستونوں کو سہارا دینے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ انہوں نے یہ بلی پوری جسمانی قوت سے اپنے دیور کے سر پر دے ماری۔ ضرب اتنی بھرپور تھی کہ ابولہب کے سر کی کھال اور گوشت پوست پھٹ کر کھوپڑی سے علیحدہ ہو گئے اور ایک گہرا لمبا گھاؤ پڑ گیا جس کے مقدر میں کبھی بھرنا نہ لکھا تھا۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے جوش سے کہا ''کیا تم اس سے ایسا سلوک کرو گے جب اس کی حفاظت کے لیے اس کا آقا موجود نہیں اور جیسے اس کی کوئی ہستی ہی نہیں؟'' زخم میں سڑن اور گلن پیدا ہو گئی اور ایک ہفتے کے اندر سارے جسم پر پیپ سے بھرے پھنسی پھوڑے نکل آئے جس کے نتیجے میں وہ واصلِ جہنم ہو گیا۔

جب جنگ کی مزید خبریں پہنچیں اور سوگوار اپنے مرنے والوں کا ماتم کر رہے تھے تو مجلسِ شوریٰ میں فوری طور پر فیصلہ کیا گیا کہ لوگوں کو ماتم سے روک کر صبر و ضبط کی تلقین کی جائے کیونکہ ''محمد (ﷺ) اور ان کے رفقا جب اس ماتم کے بارے میں سنیں گے تو وہ جشن منائیں گے۔ گرفتار شدگان کے اقربا پر زور دیا گیا کہ وہ اپنے فدیہ کی رقم یثرب بھیجنے میں تامل سے کام لیں۔ قریش کے ممتاز لوگوں کے قتل کے باعث بنوامیہ کا ابوسفیان جو لوگوں کی نظر میں قریش کی سرداری پر فائز ہو گیا تھا، نے ایک مثال قائم کرنے کے لیے اپنے دونوں بیٹوں، حنظلہ اور عمرو جن میں سے ایک قتل اور دوسرا قیدی بن چکا تھا' کے متعلق کہا ''کیا لازم ہے کہ میں دوگنا نقصان اٹھاؤں۔ ایک تو بیٹے کے خون کا اور دوسرا فدیہ کی رقم کا۔ حنظلہ تو قتل ہو گیا، کیا ضروری ہے کہ میں اب عمرو کا فدیہ ادا کروں؟ اسے انہی کے پاس رہنے دو، جب تک وہ اسے اپنے پاس رکھیں۔''

ابوسفیان کی آتش مزاج بیوی ان دونوں میں سے کسی کی ماں نہ تھی، نہ حنظلہ اور نہ عمرو کی لیکن جنگ شروع ہوتے ہی اس کا باپ عتبہ، چچا شیبہ اور بھائی ولید اپنی جان کھو بیٹھے تھے۔ بے شک وہ اپنی آنسو پی گئی تھی لیکن اس نے قسم کھائی جب قریش مسلمانوں سے انتقام لیں گے اور یہ انتقام ان پر فرض ہے تو وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جگر کو کچا چبائے گی کہ جس نے اس کے چچا کو قتل کیا اور اس کے باپ پر جان لیوا وار کیا۔

وہ کاروان جس پر ابوسفیان شام سے قیمتی مال لے کر خیریت سے مکہ پہنچ گیا تھا، اس کے بارے میں مجلسِ شوریٰ میں اتفاقِ رائے یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام نفع جو اس سے حاصل ہوا ہے' اس سے ایک ایسی فوج منظم کی

Marfat.com

جائے، ایسی طاقتور اور اسلحہ سے لیس فوج کہ جو یثرب کی تمام تر مدافعت کو کچل کر رکھ دے۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ اس مرتبہ عورتیں بھی لشکر کے ساتھ جائیں تاکہ وہ مردوں کی جنگجویانہ صلاحیتوں اور شجاعت کو برانگیخت کر سکیں۔ اس امر پر بھی اتفاق ہوا کہ اس مقصد کے لیے عرب کے طول وعرض میں اپنے حلیفوں کے پاس قاصد روانہ کیے جائیں اور انہیں یثرب پر حملے میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے۔ ان حلیفوں کو خبردار کیا جائے کہ نئے مذہب اسلام سے سارے عرب کو کیا کچھ خطرات درپیش ہیں۔

مجلسِ شوریٰ میں مرنے والوں کے لیے ماتم اور سوگ کا احترام تو سب نے کیا لیکن قیدیوں کے فدیہ کے بارے میں کیے گئے فیصلے کو زیادہ وقعت نہ دی گئی۔ تقریباً ہر خاندان کے آدمی اپنے گرفتار شدگان کو رہا کرانے کے لیے سودے بازی کی خاطر مدینہ جا رہے تھے۔ ابوسفیان اپنی بات پر قائم رہا لیکن جب اگلے حج کا زمانہ آیا تو اس نے قبیلہ اوس کے ایک عمر رسیدہ زائر کو یرغمال بنا لیا کہ وہ انہیں تب تک واپس نہیں جانے دے گا جب تک اس کا بیٹا عمرو اسے واپس نہیں مل جاتا۔ زائر کے گھرانے کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ ﷺ کو زائر کے عوض عمرو کی رہائی پر آمادہ کر لیا۔

Marfat.com

باب: ۴۵

جنگی قیدی

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ واپس پہنچنے کے بعد گرفتار شدگان حفاظتی دستے کی نگرانی میں ایک دن بعد مدینہ پہنچے۔ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا جو عفرا سے ملاقات کی خاطر گئی ہوئی تھیں جب گھر واپس آئیں تو اپنے رشتہ کے بھائی اور دیور سہیل کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ سہیل ان کے قبیلے کا سربراہ، حجرے کے ایک کونے اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر وہ ماضی میں پہنچ گئیں اور بھولے بسرے جذبات کچھ اس طرح عود کر آئے کہ درمیانی مدت کے تمام انقلابات ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انہوں نے باز پرس کے لہجہ میں کہا ''اے ابویزید! اتنی آسانی سے تم نے شکست قبول کر لی۔ تمہیں تو چاہیے تھا کہ عزت کی موت قبول کرتے۔'' رسول اللہ ﷺ اس وقت وہاں موجود تھے لیکن سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا ان کی موجودگی سے غافل تھیں۔ آپ نے بآوازِ بلند فرمایا ''سودہ!'' رسول اللہ ﷺ کی آواز میں جو سرزنش تھی اس نے سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو فوراً ایامِ جاہلیت کی سوچ سے نکال کر حال میں پہنچا دیا۔ یہ واپسی احساسِ ندامت سے بھرپور تھی۔ امید تھی کہ سہیل اسلام قبول کر لے گا۔ سہیل اور اس کے گرفتار شدہ ساتھیوں نے ایمان کے جذبے سے سرشار اس نئی پھیلتی ہوئی قوت کو دیکھ لیا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفقا پر بھروسہ کرتے ہوئے سہیل کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیا کہ وہ اس کے سامنے اسلامی فکر کو اجاگر کریں اور ایامِ جاہلیہ کی باتوں سے گریز کریں۔ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ پھر پشیمان سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کیا تم اللہ اور اس کے رسول کے خلاف پھر مشکلات کی آگ بھڑکاؤ گی؟''

قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی موت کے باعث ابوسفیان کی طرح سہیل بھی ایک ممتاز مقام

Marfat.com

حاصل کر چکا تھا۔ اس کے اثر و رسوخ کی وجہ سے امید کی جا سکتی تھی کہ اس کے قبیلے اور زیرِ اثر بہت سے لوگ جو مذہب کے بارے میں ڈانواں ڈول ہیں، اسلام میں داخل ہو جائیں گے لیکن مدینہ میں سہیل کا قیام مختصر یوں ہو گیا کہ بنی عمرو نے جلد ہی اپنے خاندان کا ایک آدمی اسے چھڑوانے کے لیے بھیج دیا۔ اس آدمی نے یہ پیش کش کی کہ وہ اپنے آپ کو تب تک یرغمال کے طور پر رکھے گا جب تک کہ اس کا سردار مکہ جا کر وہ رقم نہیں لے آتا جس کی ادائیگی پر اتفاق ہوگا۔

ہر ایک قیدی پر جنگ میں حصہ لینے والے تین یا اس سے زاید صحابیوں کا حق تھا۔ وہ انصاری صحابہ جن کے قبضہ میں عباس تھے وہ انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے حضور آئے اور عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول! ہمیں اجازت دیجئے کہ وہ فدیہ جو ہم اپنی ہمشیرہ کے فرزند سے لینے کے حق دار ہیں وہ ہم معاف کر دیں۔" ہمشیرہ سے ان کی مراد عباس کی دادی سلمیٰ تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم ایک درہم بھی معاف نہ کرنا۔" پھر اپنے چچا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "عباس اپنا فدیہ ادا کرو، اپنے دونوں بھتیجوں عقیل اور نوفل کا بھی اور اپنے حلیف عتبہ کا بھی، کیونکہ تم ایک امیر آدمی ہو۔" عباس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا "میں تو پہلے ہی سے مسلمان تھا۔ وہ لوگ زبردستی مجھے اس لشکر میں لے آئے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جہاں تک تمہارے اسلام کا تعلق ہے وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو اس کا اجر وہ ہی دے گا۔ لیکن ظاہری طور پر تم ہمارے خلاف لڑنے آئے تھے اس لیے اپنا فدیہ ادا کرو۔" لیکن جب عباس نے اپنے پاس رقم نہ ہونے کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "پھر وہ رقم کہاں گئی جو تم نے ام الفضل رضی اللہ عنہا کی تحویل میں چھوڑی تھی؟ تم دونوں تنہا ہی تھے جب تم نے ان سے کہا تھا 'اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو اس میں سے اتنا فضل اور عبداللہ کے لیے اور اتنا قثم اور عبیداللہ کے لیے۔"

یہ وقت تھا کہ جب اسلام حقیقتاً عباس کے دل میں گھر کر گیا۔ "میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔" عباس بولے "اس گفتگو سے کوئی واقف نہیں سوائے میرے اور میری زوجہ کے۔ اب مجھے علم ہوا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"[1] انہوں نے اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف عتبہ کا فدیہ ادا کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

قیدیوں میں سے ایک قیدی جس کو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں رکھا گیا تھا وہ آپ کے داماد ابوالعاص تھے۔ ان کا بھائی عمرو مکہ سے فدیہ کی رقم لے کر آیا جو آپ کی صاحبزادی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے بھیجی تھی۔ اس رقم کے ساتھ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سنگِ عقیق کا ایک ہار بھی بھیجا تھا۔ یہ ہار

Marfat.com

انہیں شادی کے موقع پر ان کی والدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ جوں ہی اس ہار پر رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی تو آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور چہرہ ماند پڑ گیا۔ شدتِ جذبات سے آپ نے فدیہ کے حصہ داروں سے فرمایا ''اگر تم مناسب سمجھو تو اس کے گرفتار شدہ شوہر کو رہا کر دو اور اس کا فدیہ واپس کر دو۔ اس کا فیصلہ میں تم لوگوں پر چھوڑتا ہوں۔'' وہ فوراً راضی ہو گئے اور ہار اور فدیہ کی رقم ابوالعاص کے ہاتھ ہی واپس روانہ کر دی گئی۔ یہ امید تھی کہ ابوالعاص قیامِ مدینہ کے دوران مسلمان ہو جائیں گے۔ لیکن وہ مسلمان نہ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے مکہ واپس جاتے ہوئے ان سے کہا کہ وہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں۔ ابوالعاص نے بڑے شکستہ دل سے ایسا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اللہ کی وحی نے یہ صاف صاف بتا دیا تھا کہ مسلمان عورت بت پرست کی زوجیت میں نہیں رہ سکتی۔

قبیلۂ مخزوم کا سردار ولید تو قتل ہو چکا تھا لیکن اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ولید قیدی بن چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس کے فدیے میں حصے دار تھے۔ اس نوجوان کے دو بھائی خالد اور ہشام اس کو فدیہ دے کر چھڑانے آئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ چار ہزار درہم سے کم لینے پر راضی نہ تھے اور خالد جو ولید کا سوتیلا بھائی تھا وہ اتنی رقم دینے پر تیار نہ تھا لیکن اس کے سگے بھائی ہشام نے اسے مطعون کیا اور طعنہ دیا کہ ''تو نے واقعی ثابت کر دیا کہ وہ تیری ماں کا بیٹا نہیں۔'' یہ طعنہ سن کر خالد راضی ہو گیا لیکن رسول اللہ ﷺ اس سودا بازی کے خلاف تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انہیں اس کے باپ کی مشہورِ عالم زرہ بکتر اور ہتھیاروں سے کم پر کسی صورت سودا نہیں کرنا چاہیے۔'' خالد نے ایک مرتبہ پھر منع کیا لیکن ایک مرتبہ پھر ہشام نے اسے رضامند کر لیا اور وہ اپنے باپ کے ورثہ کو مدینہ لے کر آئے لیکن ولید رہائی کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ مکہ جاتے ہوئے آنکھ بچا کر مدینے واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر رسمی طور پر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ ان کے بھائیوں نے سخت کوشش سے ان کا تعاقب کیا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ کیا واقعہ پیش آ چکا ہے تو اس توہین پر خالد نے حضرت ولید رضی اللہ عنہ سے کہا ''تو نے اسلام ہی لانا تھا تو فدیہ دینے سے پہلے ہی ایسا کیوں نہ کیا۔ ہمارے والد کے قیمتی ورثہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ایسا کیوں کیا؟ اگر تیرا مقصد یہ ہی تھا تو تمہیں محمد (ﷺ) کا پیروکار بننے سے کون سی شے روکے ہوئے تھی۔'' حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا کہ وہ ایسے انسان نہیں جو قریش کا یہ طعنہ سنتے کہ میں نے فدیہ کی رقم بچانے کی خاطر اسلام قبول کیا ہے۔'' پھر وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مکہ واپس چلے گئے تاکہ وہاں سے اپنا سامان وغیرہ واپس لے آئیں۔ انہیں بالکل امید نہیں تھی کہ ان کے بھائی ان کے خلاف کوئی غلط قدم اٹھائیں گے لیکن مکہ پہنچ کر ان کے بھائیوں نے انہیں عیاش

Marfat.com

اور سلمہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ قید کر دیا۔ یہ دونوں ابوجہل کے سوتیلے بھائی تھے اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اپنے باپ کی موت کے بعد انہیں قید کر کے ان پر پہرہ بٹھا دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اکثر قبیلہ سہم کے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ اور ان تینوں کی رہائی کی دعا کیا کرتے تھے۔

جبیر بن مطعم اپنے چچا زاد بھائی اور دو حلیفوں کو چھڑانے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی عزت سے اس کا خیر مقدم کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر آج مطعم زندہ ہوتا اور قیدیوں کی رہائی کے لیے آتا تو وہ بغیر کسی فدیہ کے قیدی ان کے حوالے کر دیتے۔ جبیر نے جو کچھ بھی مدینہ میں رہ کر مشاہدہ کیا وہ بہت متاثر کن تھا۔ ایک شام غروبِ آفتاب کے بعد وہ مسجد کے باہر رکا اور نماز میں جو کچھ پڑھا جا رہا تھا اس پر دھیان دیا۔ رسول اللہ ﷺ سورۃ الطور کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جس میں یومِ حساب اور دوزخ سے آگاہ اور خبردار کیا گیا ہے۔ سورۃ ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے "(اے رسول ﷺ) تم اپنے پروردگار کے حکم سے انتظار میں صبر کیے رہو۔ تم ہماری نگاہ میں ہو، تم جب سو کر اٹھا کرو تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کرو۔ اور کچھ رات کو بھی اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی۔" (۲)

جبیر نے کہا "یہ ہی وقت تھا جب ایمان نے میرے دل میں جڑ پکڑ لی۔" (۳) لیکن اس وقت اسے اس آواز پر کان رکھنے کی توفیق نہ ہوئی کیونکہ اس کے دل و دماغ بدر کی جنگ میں اپنے چہیتے چچا کے قتل کے غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مطعم کا بھائی طعیم بھی ان میں سے تھا جسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ جبیر نے اس قتل کا بدلہ لینے کو اپنی آن کا سوال بنایا ہوا تھا۔ اس بدلہ کے عہد میں کمزوری کے اندیشے کے پیشِ نظر وہ قیدیوں کا فدیہ ادا کرتے ہی مدینہ سے روانہ ہو گیا۔ جو بھی قیدیوں کو چھڑانے آئے تھے ان میں سے بیشتر رسول اللہ ﷺ سے ادب سے پیش آئے لیکن ایک مستثنیٰ قبیلہ جمح کا اُبی تھا۔ یہ امیہ کا بھائی اور عقبہ کا جگری دوست تھا، جو لڑائی کے بعد قتل کر دیئے گئے تھے۔ جب وہ اپنے بیٹے کو چھڑا کر لے جا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگا "اے محمد! میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کا نام عود ہے، میں اسے دن میں کئی بار راتب کھلاتا ہوں۔ میں اس پر سوار ہو کر تمہیں قتل کروں گا۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ وہ میں ہوں گا جو تجھے قتل کرے گا۔ ان شاء اللہ!!" (۴)

اسی دوران مکہ میں اُبی کے دو بھتیجے صفوان اور عمیر، غضب ناک تلخی سے اس نقصان کے متعلق گفتگو کر رہے تھے جو قریش کو ان کے سرداروں کی موت سے پہنچا تھا، جنہیں بدر کے گڑھے میں پھینک دیا گیا تھا۔ صفوان امیہ کا بیٹا تھا اور اپنے باپ کے قتل کے بعد وہ بنی جمح کا سردار بننے کی توقع رکھتا تھا۔ اس کا عم زاد عمیر وہی تھا جو

Marfat.com

گھوڑے پر سوار بدر میں مسلمانوں کے لشکر کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے ان کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ صفوان بولا: ''واللہ اب زندگی میں کوئی مزہ نہیں رہا کہ وہ سب لوگ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔'' عمیر نے بھی اتفاق کیا اور وہ اپنی بات میں دوسروں کی نسبت حقیقت سے زیادہ قریب اس لیے تھا کہ اس کا بیٹا بھی جنگ میں قید ہونے والوں میں سے تھا۔ لیکن قرض کے بوجھ تلے دبے ہونے کے باعث وہ اس کو رہا کرانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اپنی مشکلات کے باعث زندگی سے اس قدر عاجز تھا کہ اس طرح کے اجتماعی مقصد کے لیے جان دینے کو تیار بیٹھا تھا۔ وہ کہنے لگا: ''ایک تو میری گردن پر قرضہ ہے جس کو ادا کرنے کی مجھ میں سکت نہیں اور دوسرے یہ بیوی بچے ہیں کہ جن کو میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا، ورنہ میں گھوڑے پر سوار ہوتا اور جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر دیتا۔'' صفوان بولا ''تیرا قرضہ میرے ذمے اور تمہارا خاندان میرا خاندان۔ جب تک وہ زندہ رہیں گے میں ان کی خبر گیری کروں گا اور جو کچھ بھی انہیں ضرورت ہو گی، میں مہیا کروں گا۔'' عمیر نے فوراً ہی یہ پیش کش قبول کر لی اور ان دونوں نے قسم کھائی کہ وہ اس راز کو اپنے سینوں میں اس وقت تک پوشیدہ رکھیں گے جب تک ان کا مقصد حاصل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد عمیر نے اپنی تلوار کو صیقل کیا اور اسے زہر میں بجھانے کے بعد اپنے بیٹے کو چھڑانے کے بہانے مدینہ روانہ ہو گیا۔

جب وہ زیریں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر موجود تھے۔ جب انہوں نے عمیر کو تلوار سے مسلح دیکھا تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے عمیر کو آواز دی اور فرمایا کہ جماحی کو آنے دو۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند انصاری صحابہ کو جو اس وقت ان کے ساتھ تھے کہا کہ ''تم لوگ بھی جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے پاس رہو اور اس بدمعاش سے چوکنا رہنا۔ اس پر کسی صورت بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔'' عمیر نے رسول اللہ ﷺ کو ''یومِ بخیر'' کہا۔ کافروں کے سلام کا یہی طریقہ تھا۔ جواباً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ نے ہم کو ایک دوسرے کا خیر مقدم کرنے کا تم سے بہتر طریقہ دیا ہے۔ اے عمیر! یہ سلام ہے اہلِ جنت کا سلام۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس سے مدینہ آنے کا سبب دریافت کیا۔ عمیر نے اپنے بیٹے کی اسیری کی وجہ بیان کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ''تو پھر یہ تلوار کس لیے؟'' عمیر بولا ''تلواروں پر اللہ کی لعنت۔ ان سے ہمیں کیا بھلائی ملی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے سچ سچ بتاؤ تم کس نیت سے آئے ہو؟'' عمیر نے جب پھر اپنے بیٹے کی رہائی کا بہانہ دھرایا تو رسول اللہ ﷺ نے لفظ بہ لفظ وہ مکالمہ جو حجر (خانہ کعبہ کا ایک گوشہ) میں صفوان اور اس کے دوران ہوا تھا اس کے سامنے بیان کر دیا۔ اور آخر میں فرمایا ''اچھا تو صفوان نے اپنے ذمہ تمہارے قرض کی

Marfat.com

ادائیگی اور تمہارے بیوی بچوں کی کفالت لے لی ہے کہ تو مجھے قتل کر سکے لیکن اللہ تیرے اور تیرے عزائم کے درمیان آ گیا ہے۔'' عمیر چیخ کر بولا ''یہ آپ کو کس نے بتایا؟ واللہ ہمارے ساتھ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے جبرائیل نے بتایا۔'' عمیر بولا ''ہم لوگوں نے آپ کو جھوٹا کہا جب آپ آسمان سے ہمارے لیے اچھی خبریں لائے۔ پس ساری تعریف کا مستحق اللہ ہی ہے کہ جس نے مجھے اسلام کی ہدایت بخشی۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان چند لوگوں سے جو اس وقت وہاں موجود تھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنے بھائی کو مذہب کی تعلیم دو اور اسے قرآن پڑھ کر سناؤ اور اس کے بیٹے کو اس کی خاطر آزاد کر دو۔''⑤

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ مکہ واپس جانے کے خواہشمند تھے تاکہ وہ دوسروں کو بشمول صفوان، اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلاسکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں کئی لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا لیکن صفوان نے انہیں غدار قرار دیتے ہوئے ان سے کسی قسم کا بھی تعلق نہ رکھنے کا عہد کیا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ چند ہی ماہ بعد ہجرت کر کے مدینہ واپس آ گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ کے داماد ابوالعاص نے مکہ واپس آ کر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ اس نے ان کے والد سے انہیں مدینہ بھیجنے کا وعدہ کیا ہے تو دونوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ ان کی بیٹی امامہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مدینہ جائے گی۔ ان کا بیٹا علی ایامِ طفولیت میں ہی انتقال کر چکا تھا اور وہ اب تیسرے بچے کی امید سے تھیں۔ جب سفر کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو ابوالعاص نے حفاظت کے طور پر اپنے بھائی کنانہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ ان لوگوں نے اپنے منصوبہ کو راز میں رکھا تھا لیکن اس کے باوجود وہ روانہ دن کی روشنی میں ہوئے تو ان کے اس طرح نکلنے پر مکہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ حتیٰ کہ چند قریشیوں نے فیصلہ کیا کہ ان کا تعاقب کیا جائے اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو قبیلہ عبد شمس کے حوالے کر دیا جائے جن سے شادی کی وجہ سے ان کی نسبت تھی۔ جب یہ قریشی ان لوگوں کے قریب پہنچے تو قبیلہ فہر کا ہبار نامی ایک شخص اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آگے پہنچ کر ان کے گرد چکر لگاتے ہوئے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا پر نیزہ لہرانے لگا۔ آپ اپنی بچی کے ساتھ اونٹ کے ہودے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس اثنا میں باقی قریش بھی پہنچ گئے تو کنانہ گھوڑے سے نیچے اتر کر اپنی کمان سنبھالتے ہوئے گھٹنا ٹیک کر قریشیوں کے مقابل بیٹھ گیا اور ترکش کو ریت پر خالی کرتے ہوئے بولا ''تم میں سے اگر کوئی بھی میری طرف آیا تو خدا کی قسم میں اس کے جسم میں تیر اتار دوں گا۔'' جوں ہی کنانہ نے کمان کھینچی تو وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ اس کے بعد آپس کے مختصر مشورے کے بعد ان کا سردار ابوسفیان اور دیگر ایک دو لوگ گھوڑوں سے

Marfat.com

اترے اور کنانہ کی جانب بڑھتے ہوئے کہا کہ کمان ڈھیلی کر دو اور اس معاملے کو بات چیت سے طے کرو۔ کنانہ کے راضی ہونے پر ابوسفیان نے اس سے کہا "یہ بڑی سخت غلطی ہے کہ تم اس عورت کو سب کے سامنے یوں نکال لائے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم کس تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے ہیں۔ جو کچھ محمد (ﷺ) نے ہمارے ساتھ کیا وہ تم بھی جانتے ہو۔ اس کے باوجود تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا مطلب یہی نکالا جائے گا کہ ہم ذلیل وخوار ہو کر ہمت ہار چکے ہیں۔ دنیا ہمیں نامرد کہے گی۔ اپنی جان کی قسم ہم زینب (رضی اللہ عنہا) کو اس کے باپ سے دور رکھنا نہیں چاہتے۔ نہ ہی اس طرح کے اقدام سے انتقام کی آگ بجھ سکتی ہے۔ زینب (رضی اللہ عنہا) کو مکہ واپس لے چلو اور جب طعن وتشنیع کی زبانیں خاموش ہو جائیں اور یہ خبر عام ہو جائے کہ ہم تعاقب میں جا کر زینب (رضی اللہ عنہا) کو واپس لائے ہیں تو پھر چپکے سے اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا دینا۔"

کنانہ نے تجویز قبول کر لی اور مکہ واپس چلے گئے۔ مکہ واپس آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا اسقاطِ حمل ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ہبار نے نیزہ لہرانے کی جو حرکت کی تھی وہ اس سے دہشت زدہ ہو گئی تھیں۔ جب ان کی صحت بحال ہوئی اور کچھ وقت گزر گیا تو کنانہ ان کی بیٹی سمیت انہیں رات کی تاریکی میں مکہ سے نکال کر اپنی حفاظت میں مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع وادیٔ یَجج تک چھوڑ آئے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق حضرت زید رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے جو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بحافظت مدینہ لے آئے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ طبری: ۱۳۴۴ ۲۔ قرآن: ۵۲،۹۔۴۸ ۳۔ بخاری: ۲۵،۵۲ ۴۔ واقدی: ۲۵۱

۵۔ ابن سعد: ۴، ۱۴۷ ابن اسحٰق: ۳۔۴۷۱

Marfat.com

باب:۴۶

بنی قینقاع

ایک عرصہ سے یہ بات تو کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ یہودی رسول اللہ ﷺ سے کیے گئے معاہدے کو اپنے اوپر لاگو نہیں سمجھتے اور ان میں سے اکثر موحد مسلمانوں کے مقابلہ میں بت پرست کفار کو ترجیح دیتے ہیں۔ نازل ہونے والی آیات میں یہودیوں میں سے بعض متقی اور سچے لوگوں کا ذکر بھی تھا لیکن اب جو آیات کثرت سے نازل ہو رہی تھیں ان میں یہودیوں کی اکثریت کے خلاف تنبیہات آ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کو تاکید کی گئی کہ یہودیوں سے خبردار رہیں: ''وہ جو کچھ بھی تمہیں نقصان پہنچانے کے لیے کر سکتے ہیں وہ کریں گے۔ اور تمہارے لیے مصیبت کھڑا کرنا انہیں بہت پسند ہے۔ ان کا جو بغض ان کے منہ سے نکل آتا ہے وہ اس سے کہیں کمتر ہے جو بغض ان کے سینوں میں ہے۔''[1]

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہودیوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے قریش سے زیادہ سے زیادہ تعاون کو اپنی حکمتِ عملی کا مرکز بنا لیا تھا۔ اس طرح وہ نخلستانِ یثرب کو اس حالات میں واپس لانا چاہتے تھے کہ جیسا وہ پہلے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی نقل و حرکت کی روداد باقاعدگی سے مکہ بھیجی جاتی تھی اور اگر قریش ان کے خلاف لشکر کشی کرتے ہوئے یہودیوں کے ان چھوٹے چھوٹے قلعوں تک بڑھ آئیں جو مدینہ کے جنوب میں تھے، یعنی مسجدِ نبوی سے آدھے دن کی مسافت پر، تو بات یقینی معلوم ہوتی تھی کہ مکہ کی فوج کو فیصلہ کن مرحلہ پر یہودیوں کی طاقتور امدادی فوج سے خاصی تقویت حاصل ہو جاتی۔

''اگر تم کو بھلائی چھو کر بھی گزر جائے تو ان کو تکلیف ہوتی ہے اور جب تم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔''[2] اس وحی کی عملی تصدیق یہودیوں نے فتح بدر کے بعد اپنے ردِعمل سے کر دکھائی تھی۔ جب فتح بدر کی خبر پہنچی تھی تو قینقاع، نضیر اور قریظہ اپنی مایوسی اور خوف کو چھپانے میں ناکام رہے۔ خاص طور پر کعب

Marfat.com

بن اشرف کا رویہ قابلِ توجہ تھا۔ اس کا باپ تو قبیلہ طائی کا تھا لیکن کعب اپنی ماں کی وجہ سے اپنے آپ کو بنی نضیر کا فرد قرار دیتا تھا۔ وہ بنی نضیر میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ اس کی ایک وجہ تو اس کی دولت اور مضبوط شخصیت تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مشہور شاعر بھی تھا۔ جب اسے حضرت زید اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے بدر کے میدان میں قریش کے نامی گرامی سرداروں کے مارے جانے کی خبریں ملیں تو وہ پکار اٹھا "واللہ اگر محمد (ﷺ) نے یہ سب آدمی قتل کر دیئے ہیں تو زمین کی پشت سے بہتر زمین کا پیٹ ہے۔" جب اس خبر کی تصدیق ہو گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی بدر سے واپسی سے قبل ہی نخلستان چھوڑ کر مکہ چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور دیگر مقتولین کا مرثیہ لکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے قریش کو اکسایا کہ اپنا قول پورا کرتے ہوئے اپنی عزت کو چار چاند لگانے اور بدلہ لینے کے لیے ایک ناقابلِ تسخیر فوج اکٹھی کر کے یثرب پر چڑھائی کا بندوبست کریں۔

کعب کی سرگرمیوں کی اطلاع مدینہ پہنچیں۔ لیکن اس وقت ایک دوسرے قبیلہ کے خلاف کارروائی کی فوری ضرورت پیش آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو یہودی قبیلہ بنی قینقاع کی دغا بازی اور منافرت کا خاص طور پر واضح علم تھا۔ چونکہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس قبیلہ کی سربرآوردہ شخصیت تھے اور وہ ان کے طور طریقوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ مزید برآں یہ وہی قبیلہ تھا جو منافق ابن اُبی کا بھی حلیف تھا۔ اس کے علاوہ بنی قینقاع کی موجودگی دیگر یہودی قبائل کے مقابلہ میں اس لیے بھی زیادہ کھٹکتی تھی کہ یہ لوگ شہر سے زیادہ قریب تھے۔ جب کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ جو قبیلہ اوس کے حلیف تھے، وہ شہر سے قدرے فاصلہ پر آباد تھے۔

حال ہی میں رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم ہوا تھا کہ "اگر تم کو کچھ لوگوں سے بدعہدی کا اندیشہ ہے تو اس کے معاہدے کو علانیہ ان کے منہ پر دے مارو۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (۳) لیکن وحی میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ "اگر وہ امن پر مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔" (۴) پس رسول اللہ ﷺ اس بات پر راضی نہیں تھے کہ کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے جو پھر واپس نہ ہو سکے۔ اس لیے اگر نرمی سے کام چل جائے تو بہتر ہے۔ اسی لیے وہ بدر سے واپسی کے کچھ ہی دن بعد یہ سوچ کر بنی قینقاع سے ملاقات کے لیے مدینہ کے جنوب میں ان کے بازار تشریف لے گئے کہ شاید بدر کے معجزنما واقعات نے ان کے دلوں کو نرم کر دیا ہو اور وہ اپنا رویہ بدلنے پر تیار ہو گئے ہوں۔ آپ ﷺ نے انہیں خبردار کیا کہ وہ لوگ اپنے اوپر اس عذابِ الٰہی کو دعوت نہ دیں جو ابھی قریش پر نازل ہو چکا ہے۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ "اے محمد (ﷺ) بدر کی لڑائی کے بارے میں کسی خوش فہمی میں نہ رہنا۔ کیونکہ وہاں تمہارا مقابلہ ان لوگوں سے تھا جو جنگ آزما نہیں تھے۔ واللہ اگر تمہارا مقابلہ ہم سے ہوا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہی وہ

Marfat.com

لوگ ہیں جن سے تم کو ڈرنا چاہیے۔" رسول اللہ ﷺ یہ سن کر واپس تشریف لے آئے اور یہودی یہ سمجھ بیٹھے کہ انہوں نے میدان مار لیا ہے۔

چند ہی دن گزرے تھے کہ اسی بازار میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی معاملات کو ایک انتہا تک پہنچا دیا۔ ایک مسلمان خاتون جو بازار میں فروخت یا کوئی شے تبدیل کرنے کے لیے لائی تھیں' ایک یہودی سنار نے ان کی شدید تذلیل کی۔ ایک انصار جو اتفاقاً وہاں موجود تھے، وہ اس خاتون کی مدد کو دوڑے، جھگڑا بڑھا اور یہودی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس پر تمام یہودی اس نوجوان انصار پر چڑھ دوڑے اور انہیں شہید کر دیا۔ شہید کا گھرانا انتقام کی خاطر انصار کو بنی قینقاع کے خلاف اکسانے لگا۔ دونوں جانب کا خون بہنے کے باعث دوررس نتائج کے پیشِ نظر یہ معاملہ بآسانی طے کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ یہودی رسول اللہ ﷺ سے ثالثی کی درخواست کرتے لیکن یہودیوں نے اس طرح کی صورتِ حال میں معاہدے پر عمل کرنے کی بجائے اپنے تئیں ان دراندازوں کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے ایک طرف اپنے پرانے حلیف خزرج کے ابن اُبی اور عبادہ بن صامت کو پیغام بھیجا اور دوسری جانب اپنے لوگوں کو اپنی مضبوط گڑھیوں میں قلعہ بند کر لیا۔ ان گڑھیوں میں کھانے پینے اور دیگر سامانِ ضرورت بہ افراط موجود تھا۔ یہ لوگ سات سو آدمیوں کی فوج اکٹھی کر سکتے تھے جو مسلمانوں کی اس تعداد سے دوگنی بلکہ دوگنی سے بھی زیادہ تھی جو مسلمان بدر میں اتار سکے تھے۔ انہیں بھروسہ تھا کہ کم از کم اتنے ہی آدمی ابن ابی اور عبادہ بھی فراہم کر دیں گے اور اپنے حلیفوں کی آمد پر وہ اپنی گڑھیوں سے باہر آ کر رسول اللہ ﷺ کو جتلا دیں گے کہ ان کے الفاظ محض دھمکی نہیں تھے۔

لیکن ان کی تمام تر توقعات کے برعکس یہ دھمکی ان کے لیے خواری کا باعث بن گئی۔ چند ہی گھنٹے گزرنے پائے تھے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی تعداد سے کہیں زیادہ فوج کے گھیرے میں دیکھ کر مایوسی کے سمندر میں ڈوب گئے۔ مسلمانوں کے لشکر نے یہودیوں کو غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا۔ ہوا یوں کہ ابن اُبی جب عبادہ سے مشورہ کرنے گیا تو عبادہ اس بات پر اڑ گئے کہ رسول اللہ ﷺ سے کیے گئے معاہدے کے بعد سابقہ تمام معاہدے ساقط ہو چکے ہیں اس لیے وہ بنی قینقاع سے متعلق کسی بھی ذمہ داری سے آزاد ہو چکے ہیں۔ جہاں تک ابن ابی کا تعلق ہے اس کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ ان تمام روابط کو یک لخت ختم کر دے جو اس نے ایک مقصد کی خاطر سالہا سال سے طاقتور اتحادیوں سے استوار کیے تھے۔ لیکن اس جیسے فرد کے لیے یہودیوں کی طرح یہ بھی ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے ہموطنوں کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عقیدت کو بھی نظر انداز کر دیتا۔ اس نے

Marfat.com

بارہا اپنے پیروکاروں کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عقیدت کا مشاہدہ کیا تھا اور اس پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ رسول اللہ ﷺ سے وفاداری کا عہد پرانی وفاداریوں پر غالب آ چکا ہے۔ دو سال قبل اگر اس طرح کی صورتِ حال پیش آتی تو وہ محصور یہودیوں کی باہر سے مدد کر کے کسی بھی محاصرے کو توڑ سکتا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ اب جب رسول اللہ ﷺ نے یہ قدم اٹھایا ہے تو وہ اپنے طور پر ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔ بنو قینقاع فصیلوں کے اندر انتظار کرتے رہے اور جب دو ہفتے تک کوئی ان کی مدد کو نہ آیا تو ان کی امیدیں مایوسی میں بدل گئیں اور مجبوراً غیر مشروط ہتھیار ڈال دیئے۔

اب ابن اُبی پڑاؤ پر آیا اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ''اے محمد (ﷺ) میرے حلیفوں سے اچھا سلوک کرو۔'' آپ ﷺ نے اس کی بات ٹال دی۔ اس نے اپنا مطالبہ دہرایا تو آپ ﷺ نے اس کی جانب سے منہ پھیر لیا۔ اس پر ابن اُبی نے آپ کی زرہ پکڑ کر آپ کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا ''ہٹاؤ اپنا ہاتھ۔'' ''خدا کی قسم! میں اپنا ہاتھ نہ ہٹاؤں گا جب تک کہ آپ سے حسنِ سلوک کا وعدہ نہ لے لوں۔ چار سو زرہ بکتر اور تین سو غیر زرہ بکتر والوں نے میری پشت پناہی کر کے مجھے ہر سرخ و سیاہ سے محفوظ رکھا۔ کیا آپ ایک ہی صبح میں ان کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے؟'' ⑤

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تیری خاطر میں نے ان کی جان بخشی کی۔ لیکن اللہ کی وحی نے ان کے بارے میں حکم دیا تھا کہ: ''اے رسول اللہ جن لوگوں سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا پھر وہ لوگ اپنے عہد کو بار بار توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں ڈرتے تو اگر لڑائی میں تم کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائے تو ان کو ایسا عبرت کا نمونہ بناؤ کہ ان کے پیچھے والے خوف کھائیں اور انہیں ہوش آ جائے۔'' ⑥

یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ بنی قینقاع کو ان کے تمام مال و اسباب سے محروم کر کے انہیں شہر بدر کر دیا جائے' آپ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ انہیں اپنی حفاظت میں نخلستان سے باہر لے جائیں۔ بنی قینقاع نے مدینہ سے نکل کر شمال مغرب میں وادیٔ القرایٰ میں آباد یہودیوں میں پناہ لی اور ان کی مدد سے آخر کار ملک شام کی سرحد پر آباد ہو گئے۔ یہ لوگ پیشہ کے اعتبار سے دھات (لوہا، تانبہ اور پیتل) کے کاریگر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان جلاوطنوں کے اسلحہ میں سے اپنا اور ریاست کا شرعی حصہ منہا کرنے کے بعد بقیہ انصار اور مہاجرین میں تقسیم کر کے انہیں مالدار کر دیا۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۳:۱۸۸ ۲۔قرآن: ۳:۱۲۰ ۳۔قرآن ۸:۵۸ ۴۔قرآن ۸:۶۱ ۵۔اصل تصنیف صفحہ ۱۱۲ ۶۔قرآن ۸:۵۷

Marfat.com

باب:۴۷

اموات اور شادیاں

بدر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو پہلے کام کیے ان میں ایک سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے جانا تھا۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اس وقت آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد خاندان میں یہ پہلا بڑا سانحہ تھا، اس لیے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بہن کی جدائی پر بہت افسردہ تھیں۔ وہ قبر کے پاس والد کے پہلو میں بیٹھی تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی عبا کے کونے سے ان کے آنسو خشک کرنے کے ساتھ ساتھ تسلی کے کلمات فرما رہے تھے۔ اس سے قبل آپ ﷺ نے مردوں کا ماتم کرنے کی جو ممانعت فرمائی تھی اس سے غلط فہمی پیدا ہو چکی تھی۔ جب آپ ﷺ قبرستان سے واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی دی جو مستورات کو غصہ بھری آواز میں بدر کے شہدا اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی موت پر گریہ کرنے سے منع کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عمر انہیں گریہ کرنے دو۔'' آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ ''جو کچھ دل اور آنکھوں سے نکلتا ہے وہ اللہ اور اس کی رحمت کی جانب سے ہے اور جو کچھ زبان اور ہاتھ سے صادر ہوتا ہے وہ شیطان کی جانب سے ہے۔''[1] آپ ﷺ کے فرمان سے مراد ہاتھوں سے سینہ کوبی و چہرہ نوچنا اور زبان سے مراد ایسا بین اور شور و غوغا تھا جو عورتیں اجتماعی طور پر ایک سماجی عمل کے طور پر کرتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں میں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے کم عمر تھیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خاندان میں تو اس خیال کا اظہار فرما چکے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے لیے بہترین شوہر ہیں لیکن اس بارے میں کوئی رسمی تقریب نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما، دونوں نے ان سے رشتہ کی خواہش کی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو ٹال دیا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ

Marfat.com

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتے کے لیے کسی دوسرے سے کوئی وعدہ کیا جا چکا ہے بلکہ آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ مجھے آسمان سے مقرر کردہ وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ یہ میدانِ بدر سے واپسی کے بعد کے ہفتے تھے کہ جب آپ ﷺ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا وقت آن پہنچا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حوصلہ افزا گفتگو کی تا کہ وہ رشتہ کا رسمی مطالبہ کر سکیں۔ ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی غربت کی وجہ سے کچھ جھجک تھی۔ انہیں اپنے والد کے ورثہ سے کچھ نہیں ملا تھا کیونکہ اسلام کی رو سے کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہو سکتا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک معمولی قسم کا چھوٹا سا گھر بنا لیا تھا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی خواہش میں کوئی شبہ نہیں تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اس امر کے لیے تیار کر لیا تھا۔ جب منگنی کی رسم کی تکمیل ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ ولیمہ کی تاکید فرمائی۔ ایک دنبہ ذبح کیا گیا اور انصار میں سے چند لوگوں نے اناج کا نذرانہ پیش کیا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جو دولہا اور دولہن دونوں کے رشتہ دار تھے ان کی مدد کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد کے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ پر بہت احسانات تھے۔ ابوطالب نے انہیں ابوجہل اور اس کے خاندان کے دیگر افراد کے مظالم سے پناہ دی تھی۔ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے گھر گئیں تا کہ شادی کے لیے گھر تیار کریں اور کھانا پکا دیں۔ دریا کی تہہ سے نرم ریت لا کر مکان کے فرش پر بچھا دی گئی۔ حجلۂ عروسی بھیڑ کی کھال کا تھا اور اس پر یمن سے آیا ہوا دھاری دار غلاف بچھایا گیا۔ تکیہ کے لیے چمڑے کے گدے میں کھجور کے ریشے بھر دیئے گئے۔ انہوں نے کھانے کے علاوہ مہمانوں کے لیے کھجور اور انجیر کے علاوہ مشکیزوں میں خوشبو سے معطر پانی بھی مہمانوں کو پیش کیا۔ اس بات پر عمومی اتفاق تھا کہ یہ ولیمہ اس دور کی بہترین ضیافتوں میں سے ایک تھا۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر سے رخصت ہوئے تو یہ دوسرے مہمانوں کے لیے اشارہ تھا کہ اب دولہا دلہن کو اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی واپسی تک زوجہ کے پاس نہ جانے کی ہدایت فرمائی اور جب آخری مہمان بھی رخصت ہو گیا تو آپ ﷺ واپس تشریف لائے۔ امِ ایمن رضی اللہ عنہا ابھی تک وہاں موجود تھیں اور گھر کو درست کرنے میں مصروف تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں بعض ایسے خصوصی تعلقات رکھتے تھے جن میں متعلقہ شخص کے علاوہ کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک خصوصی تعلق اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا سے بھی تھا۔ جب آپ ﷺ نے گھر میں آنے کی اجازت مانگی تو دروازہ پر وہی آئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا ''میرا بھائی کہاں ہے؟'' امِ ایمن رضی اللہ عنہا نے سوال کیا ''میرے ماں باپ آپ پر فدا، کون ہے آپ کا بھائی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''علی بن ابو طالب۔'' اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا بولیں ''وہ آپ

Marfat.com

کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں، ابھی تو آپ نے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ وہی ہے جو میں نے کہا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا سے تھوڑا سا پانی لانے کو کہا۔ پانی آنے پر آپ نے پانی منہ میں بھر کر اسی برتن میں کلی کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سامنے بٹھا کر تھوڑا سا پانی اپنے ہاتھ میں لے کر ان کے کندھوں، سینے اور بازوؤں پر چھڑکا۔ پھر آپ ﷺ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو طلب کیا۔ وہ اپنے والد کے رعب واحترام میں لڑکھڑاتی ہوئی آہستہ آہستہ قریب آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان پر بھی یہ پانی چھڑکا اور ان دونوں کے لیے اور ان کی اولاد کے حق میں دعا فرمائی۔ (۴)

بدر سے واپسی کے سال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان کو دو سانحوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلا سانحہ ان کی صاحبزادی سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کا انتقال تھا۔ وہ مہاجرینِ حبشہ میں سے تھے اور وہاں سے واپس آنے کے بعد ان کا سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ سال کی عمر میں ہی بیوہ ہوگئیں۔ وہ خوبصورت بھی تھیں اور شائستہ وسلیقہ مند بھی۔ انہوں نے اپنے والد کی طرح لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی موت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انتہائی غمزدہ کیا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کی پیش کش کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کچھ سوچنے کا کہا اور پھر کچھ دنوں بعد انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ انہوں نے فی الوقت شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انکار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مایوسی اور کسی قدر افسوس بھی ہوا۔ لیکن وہ تہیہ کر چکے تھے کہ اپنی بیٹی کے لیے ایک اچھا شوہر تلاش کر کے رہیں گے اس لیے وہ اپنے بہترین دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کے سامنے رشتہ پیش کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ٹال مٹول سے کام لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جذبات مزید مجروح ہوئے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کم از کم صاف جواب تو دے دیا تھا۔ حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ غور طلب اس لیے تھا کہ ان کی پہلے ہی ایک زوجہ تھیں جن سے وہ بہت مانوس تھے۔ جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تنہا تھے اور ان کی زوجہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیال میں ان کو اپنی رائے بدلنے پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ اگلی بار جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھے تو اپنی شکایت کو زبان پر لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دیکھو عمر! میں تم کو عثمان سے بہتر داماد اور عثمان کو تم سے بہتر خسر دکھلا دوں گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیاس کر لیا کہ دونوں صورتوں میں بہترین شخصیت آپ کی ذات ہی ہو سکتی ہے، جو سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے لیں گے اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بہن اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے کر ان کے خسر بن جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال کے زیرِ اثر مسکراتے ہوئے کہا ''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' اس کے بعد

Marfat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنی خاموشی کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ وہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے رشتہ کی خواہش کریں گے اور یہ کہ اس بات کو پیشگی افشا نہ کیا جائے۔

پہلے اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور پھر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کی وفات کو چار ماہ گزرنے اور سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجروں کے ساتھ ایک اور حجرے کی تعمیر مکمل ہوگئی تو سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی بھی شادی بھی انجام پا گئی۔ بدر کے واقعہ کو ابھی ایک سال نہیں ہوا تھا۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی آمد سے رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کی ہم آہنگی میں کسی قسم کا فرق نہ پڑا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو خوش ہوئیں کہ ان کو قریباً ہم عمر ساتھی مل گیا اور دونوں نوجوان بیویوں کے مابین ایک دیرپا دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا۔ جبکہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا جو بہ لحاظ عمر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک ماں کی طرح تھیں انہوں نے نووارد کو بھی اپنی مادرانہ شفقت میں لے لیا جو ان سے تقریباً بیس سال چھوٹی تھیں۔

یہ زمانہ تھا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برادرِ نسبتی اور سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ماموں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ خولہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ سے بہت قرب حاصل تھا۔ تمام اصحاب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے زاہد اور گوشہ نشین تھے۔ اسلام سے پہلے بھی وہ تارکِ دنیا تھے اور زہد و عبادت میں مشہور تھے۔ جب سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے تو نفسانی خواہشات کے خاتمے کے لیے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت چاہی تا کہ باقی زندگی درویش کی طرح در بدر گھوم کر گزاریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تم کو میری ذات میں ایک اچھا نمونہ نہیں ملتا۔ میں عورتوں کے پاس جاتا ہوں، گوشت کھاتا ہوں، روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ وہ میری امت میں سے نہیں جو مردوں کو خصی کرے یا خود خصی ہونا چاہے۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ کو احساس تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کو پوری طرح نہیں سمجھا اس لیے ایک اور موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا ''کیا تمہیں میری ذات میں کوئی نمونہ نہیں ملتا؟'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پرجوش لہجے میں اثبات میں جواب دیا اور دریافت کیا کہ ان سے کوئی ایسی غلطی ہو گئی ہے جو آپ ﷺ نے یہ پوچھنا ضروری سمجھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم روزانہ روزہ رکھتے ہو اور نوافل میں رات بھر جاگتے ہو۔'' انہوں نے کہا کہ ہاں واقعی ایسا کرتا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو بارہا روزے اور شب بیداری کے فضائل بیان کرتے سنا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ایسا نہ کرو، کیونکہ تمہاری آنکھوں کے بھی تم پر حقوق ہیں اور تمہارے جسم کے بھی، تمہارے گھر والوں کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ پس نماز بھی

Marfat.com

پڑھو اور آرام بھی کرو، روزہ رکھو بھی اور روزہ نہیں بھی رکھو۔"(۳)

ازلی مذہب کی حیثیت سے زندگی کی سب سے ابتدائی نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرنے کی اہمیت کے بارے میں وحی نے بہت زور دیا ہے۔ "اس نے تم کو سماعت عطا کی ہے، بصارت بخشی ہے، دل دیا ہے، علم دیا ہے تا کہ تم شکر گزار بنو۔"(۴) "اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔"(۵) "(اے رسول ان لوگوں سے) کہو کیا کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے دن طاری کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں رات لا کر دے تا کہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو، کیا تم کو سوجھتا نہیں؟ یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن کو اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ تا کہ تم شکر گزار بنو۔"(۶)

انسان کے لیے فطری مسرتیں جن میں اللہ تعالیٰ کے شکر کا تقدس شامل ہو، عبادت کا درجہ رکھتی ہیں اور اپنے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے حسی مسرتوں اور نماز کا تذکرہ اسی ضمن میں فرمایا ہے۔ "خوشبو اور عورتوں کی محبت میرے اندر ودیعت کی گئی ہے اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔"(۷)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی تدفین سے پہلے رسول اللہ ﷺ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ خولہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا بوسہ لیا اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رخسار پر آپ کے آنسو بہتے ہوئے دیکھے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے جنازے میں جب ایک بوڑھی عورت نے مرنے والے کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کلمات کہے کہ "خوش ہو جاؤ اے ابو سائب جنت تمہاری ہے" تو رسول اللہ ﷺ نے مڑ کر پوچھا "تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟" اس عورت نے احتجاجاً کہا "اے رسول اللہ ﷺ! یہ ابوالسائب ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا "خدا کی قسم! ہم ان کے بارے میں کوئی بات نیکی اور بھلائی کے سوا نہیں جانتے۔" پھر یہ واضح کرنے کے لیے کہ آپ کا سوالیہ انداز کسی طرح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ تھا بلکہ محض اس بوڑھی عورت کے بارے میں تھا کہ جس نے ایسی بات کہہ دی جس کا حق اسے حاصل نہ تھا، آپ ﷺ اس کی جانب مڑے اور فرمایا کہ "تمہارے لیے یہ کہنا کافی ہوتا" وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتے تھے۔"(۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہادت کا مرتبہ نہ ملنے کے باعث

Marfat.com

ان کے دل میں اُن کے لیے احترام کا جذبہ متزلزل ہو گیا تھا۔ ''جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال اس حال میں ہوا کہ وہ میدانِ جنگ میں شہید نہیں ہوئے تو ان کے لیے میرا جذبۂ احترام اتنا کم ہو گیا کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ میں نے کہا اس شخص کو دیکھو دنیاوی اشیاء سے احتراز کرنے میں ہمارے درمیان کتنا متشدد تھا لیکن شہادت کی بجائے عام موت مرا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ حیثیت تب تک ہی رہی جب تک انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فطری وفات پاتے ہوئے نہ دیکھا اور تب انہوں نے اپنے آپ کو ملامت کیا کہ بعض اقدار کے حقیقی شعور کی ان میں کتنی کمی تھی اور اپنے جی میں کہا ''ہم میں سے بہترین بھی معمول کی موت مرتے ہیں۔'' اس سے ان کی مراد فطری موت تھی اور اس حقیقت کے ادراک کے بعد ان کے دل میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا حقیقی مرتبہ واپس آ گیا۔ ﴿۹﴾

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ابن سعد: ۸، ۲۴ ۲۔ابن سعد: ۸، ۱۲۔۱۵ ۳۔ابن اسعد: ۱/ ۳، ۲۸۹ ۴۔قرآن ۱۶: ۷۸ ۵۔قرآن ۳۰: ۲۱

۶۔قرآن ۲۸: ۷۱۔۷۳ ۷۔ابن سعد ۲۱، ۱۱۲ ۸۔ابن سعد ۱/ ۳، ۹۰۔۲۸۹ ۹۔ابن سعد ۱/ ۳، ۹۰۔۲۸۹

Marfat.com

باب: ۴۸

اصحاب الصُفّہ

مسجدِ نبوی میں ستونوں کی لمبی قطار کے سائبان کا ایک حصہ ان اصحاب کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا جن کے پاس نہ رہنے کی جگہ تھی اور نہ کوئی ذریعہ آمدن۔ ایک پتھر کا تخت جوان کی سہولت کے لیے وہاں رکھ دیا گیا تھا، اس پتھر کی نسبت سے انہیں اصحاب الصفہ کہا جاتا تھا۔ چونکہ مسجد رسول اللہ ﷺ کی رہائش کی توسیعی حیثیت رکھتی تھی اس لیے آپ ﷺ اور آپ کے اہلِ بیت اپنے آپ کو ان اصحاب، جن کی مفلسی کا آپ روز مشاہدہ کرتے تھے، کا میزبان سمجھتے تھے۔ اسلام کا پیغام اور رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک اور ان کی امت کے بارے میں جو خبریں سارے عرب میں پھیل رہی تھیں ان کی کشش سے یہ اصحاب ایک ایک اور دو دو کر کے کھنچے چلے آ رہے تھے۔ خصوصاً جنگِ بدر کی فتح اس ضمن میں اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہ سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد سے متصل اس رہائش گاہ کے مکینوں کو شاید ہی ایک وقت پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''ایک آدمی کے لیے جو کھانا ہوتا ہے اسے دو آدمی بہ فراغت کھا سکتے ہیں اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے اور چار کا آٹھ کے لیے۔'' (1) جس طرح آپ ﷺ کو نفیس عطر اور خوشبوؤں سے لگاؤ تھا اسی طرح آپ معمولی سی ناگوار بُو اور خصوصاً اپنے یا کسی کے سانس کی بدبو کے معاملے میں بھی حساس تھے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلا کام جو آپ ﷺ کرتے وہ یہ تھا کہ کھجور کی ہری شاخ کی مسواک استعمال کرتے۔ اسی طرح سفر کے دوران حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر اعتماد کیا جاتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے لیے ایک عمدہ مسواک تیار رکھیں گے۔ اصحاب بھی مسواک کے استعمال اور کھانے کے بعد منہ صاف کرنے میں آپ ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی حساس طبع میں بھوک وغیرہ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس معاملے میں آپ ﷺ دوسروں سے اس سختی کی توقع نہیں فرماتے تھے۔ بعض کھانے جو شرعاً جائز تھے لیکن آپ کو طبعاً پسند نہیں تھے،

Marfat.com

آپ ﷺ ان کے بارے میں اپنے اصحاب کی ہمت افزائی فرماتے۔ مثلاً ایک خاص قسم کی گوہ جو مکہ میں نہیں پائی جاتی لیکن یثرب اور دیگر مقامات میں عام طور پر کھائی جاتی تھی۔ بعض اوقات آپ ﷺ اپنی پسند ناپسند کی بجائے دوسروں کی عزت افزائی کے لیے بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ اسی طرح ایک بار ایک انصاری صحابی کے ہاں سے بھنے ہوئے گوشت کا تحفہ آیا لیکن جوں ہی آپ نے اس میں سے لقمہ لیا تو آپ ﷺ کو لہسن کی بُو محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ کھینچ لیا تو آپ ﷺ کی وجہ سے وہاں موجود اصحاب نے بھی ہاتھ روک لیے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ ''کس شے کی کمی ہے؟'' اصحاب نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے ہاتھ کھینچا اس لیے ہم نے بھی ہاتھ روک لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ جن سے مَیں بے تکلف ہم کلام ہوتا ہوں تم ان سے بات نہیں کرتے۔'' (۴) اصحاب سمجھ گئے کہ آپ کی مراد فرشتوں سے ہے۔ اس موقع پر چونکہ کھانا تیار تھا اس لیے ضروری تھا کہ وہ ضائع نہ ہو۔ تاہم ایسے کھانے جن میں لہسن اور پیاز وغیرہ کی تیز بُو ہوتی تھی آپ ﷺ ان کو مسجد میں آنے سے پہلے کھانے کی ہمت شکنی فرماتے تھے۔ (۳)

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا شادی سے پہلے ایک طرح سے اصحابِ صفہ کی میزبان تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کی حیثیت سے جو کچھ قربانیاں انہوں نے دی تھیں، اب شادی کے بعد ان کی مشقت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ان کی مدد کے لیے درکار ہاتھوں کی کمی تو کبھی نہ تھی۔ اپنی بہن اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے علاوہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا بھی ساتھ ہی تھیں اور وہ ہر ممکن حد تک خدمت کے لیے تیار ہوتی تھیں۔ اِم سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے اپنا دس سالہ بیٹا حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی پیش کیا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے لحاظ سے نہ صرف محنتی اور مستعد تھے بلکہ بڑے غیور اور ہوشمند بھی تھے۔ جبکہ اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا اور ان کے دوسرے شوہر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پس منظر میں رہتے ہوئے ہر وقت مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے اس حد تک منسلک کر لیا تھا کہ وہ تقریباً گھر کے فرد کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ حال ہی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مکہ واپسی کے بعد اپنے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو تحفتاً آپ کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا تھا لیکن انہوں نے آزادی کے باوجود اپنی خدمت گزاری میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ ان کے علاوہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوہ خولہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں رہتے ہوئے خدمت گزاری میں مستعد رہتی تھیں۔ لیکن اب اپنے گھر میں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی ایسا نہ تھا جو ان کا ہاتھ بٹا سکتا۔ اپنی انتہائی غربت کو ہلکا کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی کھینچتے اور بھرتے تھے یا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی پیس کر کچھ حاصل کر لیتی تھیں۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں اتنی چکی پیستی ہوں کہ میرے

Marfat.com

ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اتنا پانی کھینچا ہے کہ میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے۔ تمہارے والد کو اللہ نے چند قیدی دیئے ہیں، ان سے جا کر کہو کہ ان میں ایک خدمت گار تمہیں دے دیں۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بادلِ نخواستہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں تو آپ ﷺ نے پوچھا ''میری پیاری بیٹی کیسے آنا ہوا؟'' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''میں آپ کو سلام کرنے حاضر ہوئی تھی۔'' اپنے والد کے احترام کا رعب اس قدر تھا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سوال کیے بغیر ہی واپس لوٹ آئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''کیا جواب لے کر آئی ہو؟'' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ''مجھے تو بات کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی۔'' اس پر دونوں نے اکٹھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا لیکن رسول اللہ ﷺ کے خیال میں دوسرے ضرورت مندوں کی نسبت ان دونوں کی ضرورت کم تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر میں تمہیں دے دوں تو اصحابِ صفہ کو بھوک کی اذیت سے گزرنا پڑے گا۔ ان کے طعام و قیام کے لیے میرے پاس ضرورت کے مطابق وسائل نہیں۔ اس لیے ان قیدیوں کو ہدیہ کرنے کی بجائے ان کو فروخت کر کے وہ رقم اصحابِ صفہ پر خرچ کی جائے گی۔''

دونوں کسی قدر مایوسی کے عالم میں گھر لوٹے۔ لیکن اسی شب جب وہ سونے کے لیے لیٹ چکے تھے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز سنی جو گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ دونوں ان کے لیے خیر مقدمی کلمات کہتے ہوئے بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جہاں پر ہو وہیں رہو۔'' پھر آپ ﷺ ان دونوں کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور سوال کیا ''تم نے مجھ سے جو مطالبہ کیا تھا کیا اس سے بہتر چیز تم کو نہ بتاؤں؟'' جب دونوں نے اثبات میں جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ کلمات جو جبرائیل علیہ السلام نے مجھے سکھائے تم ان کو ورد کیا کرو۔ سبحان اللہ دس مرتبہ ہر نماز کے بعد، الحمد للہ دس مرتبہ اور اللہ اکبر دس مرتبہ اور جب سونے لگو تو ان میں ہر ایک کو تینتیس بار پڑھا کرو۔'' بعد کے سالوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے ان کلمات کی تعلیم دی میں نے اس کے بعد سے اس تسبیح کا ناغہ نہیں کیا۔ (۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھر رسول اللہ ﷺ کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن آپ ﷺ کو پسند تھا کہ آپ کی بیٹی ان سے اور بھی قریب قیام پذیر ہوں۔ شادی کے چند ماہ بعد قبیلۂ خزرج کے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ جو دور سے آپ ﷺ کے رشتہ دار بھی تھے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور قریب رکھنے کے خواہش مند ہیں۔ میرا یہ مکان بنو نجار کی نسبت سب سے زیادہ قریب ہے، یہ آپ ہی کا ہے۔ میں اور میرا سارا مال و اسباب سب کے سب اللہ اور اس کے رسول کے لیے

Marfat.com

ہیں۔ مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ آپ اسے قبول کر لیں بہ نسبت اس کے کہ آپ انکار فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعائے خیر دی اور ان کا تحفہ قبول کر کے اپنی بیٹی اور داماد کو اپنے پڑوس میں آباد کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کی فیاضی کے علاوہ مدینے میں دیگر اصحاب کے فیاضانہ اقدامات سے بہت مسرت حاصل ہوتی تھی لیکن اسی زمانے میں ایک ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا جو آپ ﷺ کے لیے مایوسی کا باعث بن گیا۔ رسول اللہ ﷺ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے تھے۔ بدر کی جانب کوچ کرتے وقت آپ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنی جگہ ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے واپس کر دیا تھا۔ اسی سال کے آخر میں ایک یتیم بچہ جو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں تھا، آپ ﷺ کے پاس آیا اور ایک پھلدار کھجور کے درخت کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور شکوہ کیا کہ اس کے سرپرست نے اس پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے جواباً کہا کہ کھجور کا درخت ان کی ملکیت ہے اور پھر حقائق سے معلوم ہوا کہ کھجور کا درخت واقعی ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی ملکیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مقدمہ کی سماعت کر کے فیصلہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دیا۔ یتیم جو اس درخت کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا اس فیصلہ پر بہت رنجیدہ اور متاسف ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس یتیم بچے کی کیفیت کو محسوس کر کے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے یہ درخت آپ ﷺ کو ہدیہ کرنے کو کہا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارادہ تھا کہ وہ یہ درخت یتیم کو دے دیں گے لیکن حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم خود ہی یہ درخت اس یتیم کو دے دو تو تمہیں جنت میں ایسا ہی درخت مل جائے گا۔'' لیکن اس سارے معاملے میں شرعی قانون کے شعور نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اس حد تک سخت کر دیا تھا کہ انہوں نے ایک بار پھر انکار کر دیا۔ جب نوبت یہاں تک آن پہنچی تو ایک انصاری صحابی ثابت بن الدحداحہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول اگر میں اس درخت کو خرید کر اس یتیم کو دے دوں تو کیا ایسا ہی درخت مجھ کو جنت میں مل جائے گا'' آپ ﷺ نے فرمایا ''یقیناً ملے گا۔'' چنانچہ وہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ایک درخت کے بدلے انہیں کھجور کے باغ کی پیش کش کر دی۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے پیش کش قبول کر لی اور حضرت ابن الدحداحہ رضی اللہ عنہ نے وہ درخت یتیم کو دے دیا۔ (۵) رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ سن کر بہت خوشی کا اظہار کیا لیکن ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل پر آپ کو افسوس بھی تھا۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ مسلم بن الحجاج القشیری: ۳۶،۱۷۶ ۲۔ ابن سعد: ۱/۲،۱۱۰ ۳۔ بخاری: ۴۶،۲۴ ۴۔ ابن سعد: ۸،۱۶۰ ۵۔ واقدی: ۵۰۵

Marfat.com

باب:۴۹

متفرق جھڑپیں

غزوۂ بدر اور اس سے پیشتر کی مہمات کا ایک مثبت نتیجہ یہ بھی نکلا کہ جہینہ اور بحر احمر کے دیگر قبائل مدینہ کے مضبوط حلیف بن گئے جس سے بحیرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ ملکِ شام جانے والا راستہ مکہ کے کاروانوں کے لیے تقریباً بند ہو گیا۔ اس سے یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ کیا قریش کی قوت کو کم کرنے کے لیے شمال میں بھی ان کے سفر کو مشکل بنایا جا سکتا ہے؟ یہ ہی نہیں بلکہ وہ مشرق اور مغرب کی جانب بھی سفر کرنے کے قابل ہی نہ رہیں؟ اس طرح کی خطرناک صورتحال کا قریش نے کبھی اندازہ بھی نہ کیا تھا۔ لیکن اب تمام صورتِ حال ان کے سامنے تھی اور انہوں نے ممکنہ نتائج کی پیش بندی کے لیے اقدامات شروع کر دیئے تھے۔ انہوں نے سُلیم اور غطفان قبائل کے ساتھ، جہاں سے ان کے قافلوں کو گزرنا پڑتا تھا' تعلقات کو مضبوط کرنے کے اقدامات کر کے عراق جانے کے لیے خلیجِ فارس پر شمال مشرقی گزرگاہ کو محفوظ کر لیا۔ یہ قبائل مکہ اور مدینہ کے مشرق میں نجد کے وسیع میدانوں میں بسے ہوئے تھے۔ مکہ سے روانہ ہونے والے کاروان اپنی ساتویں منزل اس سرسبز اور زرخیز خطے میں کرتے تھے جہاں قبیلہ سُلیم آباد تھا۔ قریش نے اب خاص طور پر اس قبیلہ کو اکسایا کہ یثرب کی مشرقی حدود پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو پریشان کریں اور جہاں بھی مسلمانوں کا دفاع کمزور دیکھیں تو اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

آنے والے مہینوں میں رسول اللہ ﷺ کو نخلستان کی مشرقی سرحدوں پر تین اچانک حملوں کے منصوبہ کی خبر ملی۔ ان میں سے دو حملے بنو سُلیم نے اور ایک حملہ غطفان قبیلے نے کرنا تھا۔ ان تینوں مواقع پر آپ نے پیش بندی کے طور پر ان کے علاقوں پر چڑھائی کر دی لیکن تینوں مواقع پر ان لوگوں کو فوج کشی کی خبر مل گئی

Marfat.com

اوران کے اکٹھا ہونے کی جگہ پر پہنچنے سے پہلے ہی ان کی فوجیں وہاں سے غائب ہوگئیں لیکن ان میں سے ایک مہم غیر معمولی طور پر کامیاب ثابت ہوئی۔ یہ مہم ثعلبہ اور محارب قبائل کے خلاف تھی اور رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ثعلبہ کے ایک قبائلی جو اسلام قبول کر چکے تھے، ان کی راہبری میں وہ غائب ہو جانے والے قبائلی لشکر کا پیچھا ان کے پوشیدہ قلعوں تک کریں گے۔ جب مسلمانوں کا لشکر میدانی مقام سے محارب کے علاقے میں چڑھا تو اچانک زوردار بارش شروع ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ وہ بارش سے بچنے کے لیے کسی محفوظ جگہ تک پہنچتے چند اصحاب اور خود رسول اللہ ﷺ بھی پانی سے شرابور ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے باقی لوگوں سے دور ہو کر اپنے بھیگے ہوئے کپڑوں کو اتار کر انہیں خشک کرنے کے لیے درخت پر لٹکا دیا اور خود ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے لیٹے تو آپ پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ آپ کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے کے لیے کچھ آنکھیں آپ اور آپ کے لشکر پر نگران رہتی تھیں۔ چنانچہ جب آپ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک آدمی ننگی تلوار لیے ان کے سر پر کھڑا ہے۔ یہ آدمی قبیلہ محارب کا سردار دعثور کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ یہ وہی سردار تھا جو مسلمانوں پر ایسے چھاپوں کی منصوبہ بندی کا ذمہ دار تھا جن کی آگاہی آپ ﷺ کو پہلے مل چکی تھی۔ دعثور نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: ''اے محمد (ﷺ)! آج کے دن تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟'' رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا ''اللہ!!'' جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام سفید لباس میں ملبوس ان دونوں کے بیچ میں آ گئے اور انہوں نے دعثور کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر زور سے پیچھے دھکیل دیا۔ دعثور کے ہاتھ سے تلوار دور جا گری اور رسول اللہ ﷺ نے تلوار پر قبضہ کر لیا۔ دعثور کی آنکھوں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام اوجھل ہو گئے لیکن اس کو معلوم ہو گیا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے فرشتے کو دیکھا ہے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھ سے تجھے کون بچائے گا؟'' دعثور نے جواب دیا ''کوئی نہیں'' اور اس کے ساتھ ہی اس کی زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہو گیا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلوار اس کے حوالے کر دی جس سے دعثور جذبہ مومنیت سے سرشار ہو گئے۔ دونوں پڑاؤ میں واپس آئے جہاں انہیں اسلام کی تعلیم دی گئی۔ اس کے بعد وہ اپنے قبیلے میں واپس گئے اور اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی۔

جب مسلمانوں کی فوج نجد سے مدینہ واپس لوٹی تو انہی دنوں کعب بن اشرف مکہ سے واپس لوٹا تھا اور بنی نضیر کی گڑھی میں رہ رہا تھا۔ وہ نظم جو اس نے قریش کو بدر کا انتقام لینے پر اکسانے کے لیے کہی تھی، اس کے علاوہ بھی اس نے اپنی شاعری کے ذریعے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجو میں انتہائی گستاخانہ نظمیں لکھی تھیں۔ عربوں میں ایک اچھا شاعر ایک جمِ غفیر کے برابر حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے اشعار فوراً لوگوں کی

Marfat.com

زبان پر چڑھ جاتے۔ اگر یہ اشعار اچھے خیالات پر مبنی ہوتے تو شاعر نیکی کی طاقت بن جاتا اور اگر برے خیالات پر مبنی ہوتے تو بدی کی طاقت۔ ایسی بدی کی قوت کو کچلنا ضروری ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ ''یا اللہ! تو مجھے ابن اشرف کی بدی سے جسے وہ شہرت دیتا ہے' ان اشعار سے جو وہ گاتا اور سناتا ہے جیسے بھی تیری مشیت ہو مجھے نجات دلا۔'' پھر آپ ﷺ نے اس موقع پر موجود اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''تم میں سے کون ہے جو ابن اشرف کے خلاف میرا ساتھ دے کیونکہ اس نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔'' جن صحابی نے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا وہ قبیلہ اوس کے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا تعلق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے قبیلے سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کہا کہ وہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کر لیں۔ چار مزید رضا کاروں نے اپنی خدمات پیش کیں لیکن ان سب کو اندازہ تھا کہ فریب کے بغیر یہ کام انجام دینا ممکن نہیں جبکہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ رسول اللہ جھوٹ اور فریب سے کتنے متنفر ہیں۔ پس یہ لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور اپنی تدبیر کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں اجازت ہے کہ اس کام کے لیے وہ جو چاہیں کریں کیونکہ جنگی حکمتِ عملی میں فریب دہی جائز ہے اور کعب نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہی ہوا ہے۔

کعب بن اشرف کو بہانے سے پھسلا کر اس کی گڑھی سے باہر لا کر اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ قبیلہ نضیر کے یہودی انتہائی برہم اور حواس باختہ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر پہنچے کہ یہودی سرداروں میں سے بڑا سردار بغیر کسی وجہ کے فریب سے قتل کر دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ ان میں سے اکثر اسلام دشمنی میں کعب جیسے ہی جذبات رکھتے ہیں اور ان لوگوں نے اسلام کا وجود مجبوراً ہی برداشت کیا ہوا ہے لیکن ان یہودی سرداروں کو بتانا ضروری تھا کہ مخالفانہ خیالات کو تو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن مخالفانہ اقدامات کو نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ ایسے ہی رہتا جیسے اس کے دوسرے ہم خیال تو اس کو قتل نہ کیا جاتا لیکن اس نے ہمیں نقصان پہنچایا، ہمارے خلاف اشعار نظم کیے اور تم میں سے جو بھی اس حد تک دشمنی کرے گا تو اس کی سزا موت ہو گی۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعوت دی کہ مستقبل میں ایسی صورتِ حال سے بچنے کے لیے وہ پہلے سے موجود معاہدے کے علاوہ ایک خاص معاہدہ اور کر لیں۔ یہودیوں نے اس مشورے کو تسلیم کرتے ہوئے ایک اور معاہدہ کر لیا۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ واقدی: ۱۹۲

Marfat.com

باب: ۵۰

جنگ کی تیاریاں

اہالیانِ مکہ کو بحرِ احمر کے ساتھ ساتھ شمال میں چلنے والی شاہراہ کے چھن جانے پر بہت افسوس ہوا۔ اب جو ایک متبادل راستہ باقی تھا تو اس میں دشواری یہ تھی کہ نجد کے میدانوں میں پانی کے کنویں نسبتاً دور تھے۔ مگر اب چونکہ موسمِ گرما ختم ہونے کے قریب آ رہا تھا تو کاروانوں کے سفر میں آسانی پیدا کرنے کے لیے یہ کیا جا سکتا تھا کہ پانی لاد کر ساتھ چلنے والے اونٹوں کی تعداد کو بڑھا دیا جائے۔ انہوں نے ایک بیش قیمت تجارتی قافلہ عراق بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اس کاروان میں چاندی کی سلاخوں اور چاندی کے برتنوں کو خصوصی اہمیت حاصل تھی جس کی قیمت تقریباً ایک لاکھ درہم تھی۔ یہ کاروان صفوان کی سرداری میں روانہ ہونا تھا۔ مدینے کے کچھ یہودی اس کاروان کے بارے میں خفیہ خبر رکھتے تھے۔ ایک انصاری صحابی کو ان سے اس بارے میں سُن گن مل گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی قائدانہ صلاحیتوں پر بھروسہ تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی قیادت میں ایک سو سواروں کا دستہ تیار کیا کہ وہ قردہ کے مقام پر اس کاروان کا راستہ روکیں۔ یہ مقام کاروان کے راستے میں پانی کی فراہمی کا بڑا ذریعہ تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت اس دستے کی تعداد کم تھی تا کہ چھاپہ مارنے کا کام منظم اور مستعدی سے کیا جا سکے۔ اس دستے کے اچانک اور غیر متوقع سخت حملے نے صفوان اور اس کے کاروان کو تتر بتر کر دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کا دستہ فاتح بن کر مدینہ اس طرح لوٹے کہ نہ صرف مکہ والوں کے بھاری ساز و سامان سے لدے ہوئے اونٹ بلکہ کچھ قیدی بھی ان کے ساتھ تھے۔

جس تباہی کا سامنا قردہ میں کرنا پڑا، اس نے اس تیاری میں مزید شدت اور تیزی پیدا کر دی جو مدینے پر ایک ناقابلِ مزاحمت حملے کے لیے جاری تھی۔ رجب کا محترم مہینہ گزر گیا اور اس کے ساتھ ہی ۶۲۵ء کا

Marfat.com

آدھا موسمِ سرما بھی رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد والے مہینے میں سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا عقد ہوا۔ پھر رمضان کا مہینہ آ گیا اور ماہِ صیام میں تمام مومنین کو اللہ تعالیٰ نے مسرتوں سے اس طرح نوازا کہ دخترِ رسول، سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک بیٹا تولد ہوا۔ نوزائیدہ بچے کے کان میں رسول اللہ ﷺ نے اذان کے کلمات قرأت کیے اور بچے کا نام الحسن یعنی ''خوبصورت'' رکھا۔ چاند پورا ہو گیا تھا اور اس کے ایک دو دن بعد فتح بدر کے جشن کا دن آن پہنچا تھا۔ اس ماہ کے اختتامی ایام میں ایک گھوڑ سوار نے جو تین دن میں مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچا تھا، رسول اللہ ﷺ کو ایک سربمہر خط پیش کیا۔ یہ خط ان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا جس میں خبر دی گئی تھی کہ قریش نے تین ہزار افراد پر مشتمل فوج تیار کر لی ہے اور کسی بھی وقت مدینہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ فوج میں سات سو آدمی زرہ پوش، دو سو گھوڑ سوار اور اونٹوں کی تعداد عام نفری کے برابر ہے۔ اس تعداد میں عورتوں کی سواری اور بار برداری کے اونٹ شامل نہیں تھے۔

جب تک یہ خط مدینہ پہنچتا، قریش نے مدینہ کی جانب پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ لشکر کا سالار، ابوسفیان اپنی بیوی ہندہ کے علاوہ ایک اور بیوی اور اسی طرح صفوان بھی دو بیویاں ساتھ لایا تھا جبکہ دیگر سردار ایک ایک بیوی ساتھ لائے تھے۔ جبیر بن معطم مکہ میں ہی رہ گیا لیکن اس نے فوج کے ساتھ اپنے وحشی نامی حبشی غلام کو بھیجا۔ یہ غلام نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا اور اپنے ہموطنوں کی طرح اس کا نشانہ شاذ و نادر ہی خطا ہوتا تھا۔ جبیر نے اس کو کہا کہ ''اگر تو محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو میری طرف سے قتل کر کے میرا انتقام پورا کر دے تو آزاد ہوگا۔'' ہندہ کو اس کی خبر ہوئی تو لشکر کی ہر منزل پر وہ وحشی کو خطاب کر کے کہتی کہ ''جا اور اس کام کو پورا کر۔ اے ابوظلمت! اپنی پیاس بجھا اور پھر اپنی کارگزاری پر فخر و ناز کر۔'' ہندہ نے اسے صاف بتا دیا تھا کہ اسے اپنے آقا جبیر اور ہندہ کے انتقام کی پیاس بجھانے کے نتیجے میں دونوں سے بے بہا انعام ملے گا۔

مہاجرین اور انصار کے لیے دشمن کا سامنا کرنے کے لیے اب صرف ایک ہفتہ تھا۔ اس محدود وقت میں انہیں مدینہ شہر کے گرد ایسا حصار قائم کرنا تھا جس کے اندر مدینہ کے علاوہ مضافات کے لوگ اور مویشی بھی پناہ لے سکیں۔ یہ انتظام بخوبی ہو گیا یہاں تک کہ کوئی گھوڑا، اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری اس حصار سے باہر نہ رہے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ مکہ والوں کا جنگی منصوبہ کیا ہے۔ خبر آئی کہ انہوں نے مکہ سے مغرب میں ہو کر سمندر کے ساحل کے ساتھ والا راستہ پکڑا تھا اور کچھ سفر طے کرنے کے بعد سمندر سے ہٹ کر اپنا رخ مشرق یعنی مدینہ کی جانب کر لیا۔ پھر انہوں نے مدینہ سے تقریباً پانچ میل دور مغرب میں مختصر قیام کیا۔ اس کے بعد انہوں نے چند میل تک مدینہ کے شمال و مشرق کی سمت پیش قدمی کی اور اس کے بعد کوہِ احد کے نیچے والے میدانوں کی ان

Marfat.com

زمینوں پر پڑاؤ ڈالا جہاں کاشتکاری کی جاتی ہے۔ یہ جگہ مدینہ کے شمال میں تھوڑی بلندی پر واقع ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے نگران سپاہی بھیجے جو دوسری صبح کو واپس ہوئے اور خبر لائے کہ دشمن کی تعداد اتنی ہی ہے کہ جتنی خط میں تحریر کی گئی تھی۔ قریش کے ساتھ ثقیف کے ایک سو آدمی اور کنانہ اور دوسرے اتحادیوں کے دستے بھی تھے۔ تین ہزار سے زاید اونٹ اور دو سو گھوڑے شہر کے شمالی علاقے میں موجود چراگاہیں اور فصلیں کھا رہے تھے اور بہت جلد گھاس کے ایک پتے کا نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ فوج کے رنگ ڈھنگ سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ فوجی کارروائی کے لیے تیار ہے۔ اس کے باوجود اس رات شہر کا چوکسی کے ساتھ پہرہ دیا گیا اور اوس وخزرج کے دونوں سعد یعنی ابن معاذ اور ابن عبادہ رضی اللہ عنہما نے اصرار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر پہرہ دینے کا فرض نبھایا۔ ان کے ساتھ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ اور ایک طاقتور حفاظتی دستہ بھی تھا۔

رسول اللہ ﷺ ابھی تک ہتھیار بند نہیں ہوئے تھے لیکن انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ ایک انتہائی مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہیں جس میں سے نہ تیر پار ہو سکے اور نہ جسے تلوار کاٹ سکے۔ آپ ایک مینڈھے پر سوار ہیں، آپ کی تلوار آپ کے ہاتھ میں ہے لیکن اس میں ایک بال پڑا ہوا ہے۔ آپ نے ایسی گائیں بھی دیکھیں جو آپ کی ملکیت تھیں اور جنہیں آپ کی آنکھوں کے سامنے قربان کر دیا گیا۔

دوسری صبح آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اپنا خواب بتانے کے بعد اس کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ''یہ ناقابلِ تسخیر زرہ بکتر ''مدینہ'' ہے اور تلوار میں پڑنے والے بال سے مراد وہ وار ہے جو مجھ پر کیا جائے گا۔ گائیں جو قربان کی گئیں وہ میرے اصحاب میں سے ہیں جو شہید ہوں گے اور وہ مینڈھا جس پر میں سوار ہوں وہ ان دشمنوں کا سردار ہے جسے ان شاء اللہ ہم قتل کریں گے۔'' (1)

آپ ﷺ کا خیال تھا کہ شہر سے باہر نکلنے کی بجائے محصور ہو کر قریش کا مقابلہ کیا جائے لیکن آپ اس فیصلہ پر عمل کرنے سے پہلے دوسروں کی رائے جاننا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ نے شہر کے حصار یا شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کے لیے مشاورت طلب کی۔ ابن ابی سب سے پہلے گویا ہوا ''ہمارا شہر ایسی دوشیزہ کی مانند ہے جس کو آج تک کسی نے تاراج نہیں کیا۔ ہم جب بھی اس شہر سے نکل کر دشمن پر حملہ آور ہوئے تو ہمیشہ سخت نقصان اٹھایا۔ جبکہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہمیں نقصان پہنچانے کے لیے کوئی اس شہر میں داخل ہوا ہو اور بغیر نقصان اٹھائے واپس گیا ہو۔ پس اے اللہ کے رسول! ان کو وہیں رہنے دو کہ جہاں وہ ہیں۔ جب تک وہ وہاں رہیں گے بدبختی میں مبتلا رہیں گے اور جب واپس جائیں گے تو بے نیلِ مرام واپس ہوں گے اور انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔''

Marfat.com

مہاجرین اور انصار میں سے معمر اور بزرگ اصحابِ رسول بھی ابن ابی کے مشورہ کی جانب مائل نظر آئے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ میں ہی ٹھہرو اور عورتوں اور بچوں کو گڑھیوں میں بھیج دو۔'' آپ کے اس فیصلے پر فوراً ہی یہ ردِ عمل سامنے آیا کہ نوجوانوں کی اکثریت دشمن پر چڑھائی کے لیے بیتاب ہے۔ نوجوانوں میں سے ایک بولا ''ہمیں اپنی راہنمائی میں دشمن کے خلاف جنگ کے لیے لے چلیے۔ انہیں یہ کہنے کا موقع نہ دیجئے کہ ہم ان سے خائف ہیں یا ہم ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہیں۔'' اجتماع کے مختلف گوشوں سے دبی دبی زبان میں ان الفاظ کی تائید کی سرسراہٹ سنی گئی اور دیگر اصحاب نے بھی زیادہ تر اسی طرف رجحان ظاہر کیا۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی بیان ہوئی کہ چونکہ قریش نے ان کی کھڑی فصلوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا تو بے عملی کی صورت میں اگر انتقامی کارروائی سے گریز کیا گیا تو نجد کے قبائل کا تو ذکر ہی کیا خود قریش کی جسارت مزید بڑھے گی۔ حمزہ، سعد بن عبادہ اور دیگر تجربہ کار اصحاب رضی اللہ عنہم بھی باہر نکل کر حملہ کرنے والوں کی جانب جھکنے لگے۔ ان میں سے ایک صحابی نے کہا ''بدر میں تو آپ کے ساتھ صرف تین سو آدمی تھے اور اللہ نے آپ کو ان پر قدرت عطا فرمائی۔ اب تو ہم لوگ تعداد میں بہت ہیں اور جس موقع کے لیے انتظار کرتے اور اللہ کے حضور دست بدعا رہے ہیں' اس نے وہ ہمارے دروازے پر بھیج دی ہے۔'' (۲) اس کے بعد اجتماع میں سب سے سن رسیدہ صحابی بولنے کے لیے اٹھے۔ یہ قبیلہ اوس کے حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے ان دلائل کا اعادہ کرتے ہوئے جو اس سے قبل قلعہ بند ہو کر مدافعت کے خلاف کہے گئے تھے ایسی بات کہی کہ جس کا تعلق ان کی اپنی ذات سے تھا۔ ان کے فرزند حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان چند مسلمانوں میں تھے جو بدر میں شہید ہوئے تھے۔ آپ نے کہا ''گزشتہ رات جب میں محوِ خواب تھا تو میں نے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ انتہائی خوبصورت چہرہ مہرہ اور میں نے دیکھا کہ کس طرح اس کی تمام تمناؤں کو پورا کیا گیا تھا۔ ہر طرح کے میوے تھے اور باغ میں نہریں جاری تھیں اور اس نے مجھ سے کہا ''آیئے اور ہمارے ساتھ مل جائیں۔ میرے رب نے جو کچھ وعدے فرمائے تھے وہ میں نے سب سچے پائے۔ میں ضعیف ہوں اور مجھے اپنے مالک سے ملنے کی تمنا ہے۔ پس اے اللہ کے رسول میرے حق میں دعا فرمائیں کہ وہ مجھے شہادت عطا کرے اور مجھے اپنے بیٹے سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنت میں پہنچا دے۔'' (۳) رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ آپ کی یہ دعا زیرِ لب ہی تھی کیوں کہ ان کی دعا لفظوں میں روایت نہیں ہوئی۔ بعد میں ایک انصاری صحابی بولنے کے لیے اٹھے۔ یہ قبیلہ خزرج کے مالک بن سنان رضی اللہ عنہ تھے۔ ''اے اللہ کے رسول ہمارے سامنے اب دو بھلائیاں ہیں۔ یا تو اللہ ہم کو ان پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ہم ان پر غالب آ جائیں گے۔ وگرنہ ہمیں شہادت نصیب ہوگی۔ مجھے اس کی کوئی فکر نہیں کہ ان دونوں میں سے کیا ہو

Marfat.com

گا کیونکہ دونوں صورتوں میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔''(۴)

اب یہ واضح ہو گیا کہ صرف ان باتوں سے ہی نہیں جو اجتماع میں کہی گئیں ہیں بلکہ ان کی تائید میں عمومی پسندیدگی سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لوگوں کی اکثریت شہر کی فصیل کے اندر محصور ہونے کے خلاف تھی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ باہر نکل کر حملہ کیا جائے۔ بعد میں سب لوگ نمازِ جمعہ کے لیے جمع ہوئے۔ نماز جمعہ کے خطبہ کا موضوع جہاد تھا اور اس سرگرمی اور جدوجہد پر مبنی تھا جس کی جہاد میں ضرورت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فتح ان کی ہی ہوگی اگر وہ ثابت قدم رہے۔ پھر آپ نے دشمن کے مقابلے کے لیے تیار ہونے کا حکم فرما دیا۔

نماز کی ادائیگی کے بعد دو صحابی رسول ﷺ سے بات کرنے کے لیے ٹھہر گئے۔ ان دونوں کو ایک فوری اور اہم فیصلہ درپیش تھا۔ ان میں ایک تو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ تھے جو ابو عامر کے بیٹے تھے۔ وہی ابو عامر جس نے ''ابراہیمی'' لقب اختیار کیا ہوا تھا اور جس کے بارے میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا کہ وہ اس وقت احد کے نیچے دشمن کے لشکر میں موجود ہے۔ یہ دن حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شادی کا دن تھا۔ ان کی شادی کا دن کئی ہفتے پہلے طے پا چکا تھا۔ ان کی منگنی چچا زاد بہن جمیلہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی جو ابن ابی کی بیٹی تھیں۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شادی ملتوی کرنے پر بھی آمادہ نہ تھے اور جنگ میں بھی حصہ لینا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مشورہ دیا کہ شادی کر لیں اور رات مدینہ میں گزاریں کیونکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے تو لڑائی شروع نہیں ہوگی۔ اس لیے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے پاس کافی وقت ہوگا کہ وہ صبح ہونے کے بعد لڑائی سے پہلے میدانِ جنگ میں پہنچ جائیں۔ ان کے لیے جنگ کا میدان ڈھونڈنا کوئی مشکل نہیں ہوگا۔

دوسرے صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے جو قبیلہ خزرج بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ وہی تھے جو تقریباً تین سال قبل بت پرست کے طور پر حج کرنے گئے تھے لیکن منیٰ کی وادی میں عقبۂ ثانی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت فرما کر داخلِ اسلام ہوئے تھے۔ اب دو تین رات قبل حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا جو خیثمہ رضی اللہ عنہ کے اس خواب سے مختلف نہ تھا جو انہوں نے مشاورتی اجتماع میں بیان کیا تھا۔ آپ کے خواب میں ایک آدمی ظاہر ہوا، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پہچان لیا کہ وہ انصاری صحابی حضرت مبشر رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''اب صرف کچھ ہی دن رہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ گے۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''تم کہاں ہو؟'' حضرت مبشر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''جنت میں۔ ہم یہاں جو چاہیں کرنے کو آزاد ہیں۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ ''کیا تم بدر میں شہید نہیں ہو گئے تھے؟''

Marfat.com

جواب ملا کہ ”ہاں ایسا ہی ہوا تھا لیکن مجھے دوبارہ زندگی عطا ہوئی۔“ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کو اپنا خواب بتا چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ابو جابر یہی تو شہادت ہے۔“⑤ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس بات کو جانتے تھے لیکن دل میں یہ خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ بھی اس کی تصدیق فرما دیں۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر گئے تاکہ جنگ کی تیاری کریں اور بچوں سے رخصت لے لیں۔ ان کی زوجہ کا انتقال کچھ عرصہ قبل ہوا تھا اور ان سے ایک بیٹا جابر رضی اللہ عنہ تھا جو ابھی سنِ رشد کو پہنچا تھا اور اس کے علاوہ سات بیٹیاں تھیں جو اپنے بھائی سے عمر میں بہت چھوٹی تھیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ مسجد سے پہلے ہی واپس آ چکے تھے اور اپنے ہتھیار درست کر رہے تھے۔ وہ بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لیے اس بار رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں جنگ کے لیے بہت زیادہ مشتاق تھے لیکن ان کے والد کے دل میں کچھ اور ہی خیال تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ”بیٹا یہ مناسب نہیں کہ ہم بغیر کسی مرد کے انہیں تنہا چھوڑ دیں۔ ان کی مراد اپنی بیٹیوں سے تھی۔ یہ جوان اور بے سہارا ہیں، میں ان کے بارے میں فکرمند ہوں لیکن اس کے باوجود میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ضرور جاؤں گا اور اللہ میری دعا قبول کر لے تو عین ممکن ہے کہ شہادت میرے نصیب میں ہو۔ اس لیے میں ان کو تمہاری سرپرستی میں چھوڑ جاؤں گا۔“

پھر نمازِ عصر کی ادائیگی کے لیے لوگ جمع ہوئے۔ اس وقت تک بالائی مدینہ سے بھی لوگ پہنچ کر مسجد میں جمع ہو گئے تھے۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ لے کر اپنے مکان میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے جنگ کے لیے زرہ زیب تن کرنے اور تیار ہونے میں آپ کی مدد کی۔ گھر کے باہر جمع ہونے والوں میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان والوں کی سرزنش کرتے ہوئے کہا ”تم لوگوں نے سوائے اس کے کہ آسمان سے کوئی حکم آئے، رسول اللہ ﷺ کو ان کی مرضی کے خلاف باہر جانے پر مجبور کیا۔ اس لیے فیصلہ ان پر چھوڑ دو اور انہیں دوبارہ اپنے طور پر فیصلہ کرنے دو۔“ جب رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر آئے تو آپ نے خود کے اوپر عمامہ باندھا ہوا تھا اور سینہ بند کے نیچے زرہ زیب تن فرمانے کے علاوہ کمر پر تلوار لٹکانے والا چمڑے کا کمربند تک باندھا ہوا تھا اور ان کی میان میں تلوار اور پشت پر ڈھال لٹکی ہوئی تھی۔ اس وقت تک بہت سے لوگوں کو اپنے طرزِ عمل پر ندامت محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے جیسے ہی رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو انہوں نے کہا ”اے اللہ کے رسول! ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم آپ کے فیصلے کی مخالفت کریں۔ اس لیے آپ کی نظر میں جو بہتر ہو اسی پر عمل فرمائیں۔“ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ زرہ بند ہونے کے بعد زرہ اتار دے تاوقتیکہ اللہ اس کے اور اس کے

Marfat.com

دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ کردے۔ اس لیے اب اس کی فکر کرو جو میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔ اگر تم نے ثابت قدمی دکھائی تو فتح یقینی ہے۔" (۶) پھر آپ ﷺ نے تین نیزے طلب کیے اور ان پر پرچم باندھے۔ آپ ﷺ نے اوس کا علم حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا حضرت حباب رضی اللہ عنہ کو دیا جنہوں نے بدر کے کنوؤں کے بارے میں مشورہ دیا تھا۔ مہاجرین کا پرچم حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور ایک مرتبہ پھر اپنی عدم موجودگی میں مسجد میں فرائضِ پنجگانہ کی ادائیگی کے لیے حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کو متعین کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے گھوڑے "سَکب" (۷) پر سوار ہوئے اور اپنی کمان طلب کر کے اسے اپنے کاندھے پر ڈال کر ہاتھ میں نیزہ تھام لیا۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسرا کوئی صحابی سواری پر نہ تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے تھے۔ آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے چلنے والوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ واقدی: ۲۰۹ ۲۔ واقدی: ۲۱۱۔۲۱۰ ۳۔ واقدی: ۲۱۳۔۲۱۲ ۴۔ واقدی: ۲۱۳۔۲۱۲ ۵۔ واقدی: ۲۶۶

۶۔ واقدی: ۲۱۴ ۷۔ بمعنی آبِ رواں

Marfat.com

باب ۵۱:

لشکرِ اسلام کا احد کی جانب کوچ

جس وقت لشکر مدینہ اور احد کے درمیانی مقام شیخین پر پہنچا تو آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور سب نے نماز ادا کی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فوج کا معائنہ کیا۔ یہی موقع تھا جب آپ ﷺ کو مجاہدین میں آٹھ نوعمر لڑکوں کی موجودگی کا علم ہوا جو اپنی کم سنی کے باوجود جہاد میں شرکت کی توقع پر لشکر کے ساتھ آ گئے تھے۔ ان آٹھ لڑکوں میں سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بیٹا اسامہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ دونوں تیرہ تیرہ برس کے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں اور ان کے چھے دوستوں کو فوراً مدینہ واپس جانے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے احتجاج کیا اور انصار میں سے ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کو باور کرایا کہ اوس کے قبیلہ حارس کا پندرہ سالہ رافع رضی اللہ عنہ بڑوں سے کہیں بہتر تیر انداز ہے۔ پس رافع رضی اللہ عنہ کو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس پر نجدی قبائل سے تعلق رکھنے والے یتیم نوجوان سمرہ رضی اللہ عنہ نے، جن کی ماں نے رافع رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے ایک شخص سے عقد کر لیا تھا، دعویٰ کیا کہ وہ کشتی میں رافع رضی اللہ عنہ کو زیر کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں جو کچھ کہہ رہے ہو اس کو کر کے دکھاؤ۔ رافع رضی اللہ عنہ نے اپنی کارکردگی دکھائی جبکہ سمرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا دعویٰ سچ کر دکھایا۔ ان دونوں کو لشکر میں ٹھہرنے کی اجازت مل گئی اور دوسرے بچوں کو ان کے گھر والوں کے پاس بھیج دیا گیا۔

قریش مکہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ مسلمان باہر نکل کر ان کا مقابلہ کریں گے اور اس طرح انہیں اپنی کثیر تعداد اور خاص طور پر سوار دستے کی کارکردگی دکھانے کا موقع ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس فرق کا بخوبی اندازہ تھا۔ اس لیے آپ نے شہر سے نکلنے کے باوجود فیصلہ کیا کہ دونوں فوجوں کے درمیان اس فرق کو دور کرنے

Marfat.com

کے لیے وہ ایسی جگہ کا انتخاب کریں گے جہاں لشکرِ اسلام کو جنگی نقطۂ نظر سے فائدہ بھی ہو اور قریش کا جنگی منصوبہ بھی قابلِ عمل نہ رہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہیں ایک ایسے فرد کی تلاش تھی جو ان راستوں کو اچھی طرح جانتا ہو۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں چھان بین کی اور چونکہ انہیں قبیلہ بنی حارثہ کے علاقے سے گزرنا تھا اس لیے انہوں نے اس قبیلہ کے ایک شخص کی خدمات قبول کر لیں جو اس علاقے کی اونچ نیچ سے ماہرانہ واقفیت رکھتا تھا۔

اسی شب مدینہ میں ایک روز قبل سیّدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی سیّدہ جمیلہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تھی ۔ان کے بارے میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب غزوۂ احد میں نبی اکرم ﷺ اکیلے رہ گئے تھے، یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض لوگ پہاڑ کی دوسری طرف مدینہ منورہ والے حصے میں آ گئے (یعنی میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ گئے) پھر وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی طرف اس وقت واپس پلٹے جب سیّدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان بن حرب کے درمیان مقابلہ ہو رہا تھا۔ جب سیّدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ اُس پر غالب آنے لگے تو شداد بن اسود نے انہیں دیکھ لیا اور ان پر حملہ آور ہوا یہاں تک کہ انہیں شہید کر دیا۔ حالانکہ حنظلہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو قتل کرنے ہی والے تھے۔ جب اس واقعہ کا علم نبی کریم ﷺ کو ہوا تو آپ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا، تمہارے ساتھی حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں نے غسل دیا ہے۔ تم ان کی بیوی سے اس بارے میں دریافت کرو۔ ان کی زوجہ نے بتایا کہ جب حنظلہ رضی اللہ عنہ اعلانِ جنگ سن کر گھر سے باہر نکلے تو ان پر غسل فرض تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اسی وجہ سے فرشتوں نے انہیں غسل دیا ہے۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کی ہدایت تھی کہ لشکر صبح ہونے کے فوراً بعد شیخین سے کوچ کر دے۔ ابن ابی رات اپنے قریبی ساتھیوں سے مشاورت میں لگا رہا تھا۔ صبح جب خیمے اکھاڑنے کا وقت آیا تو وہ اپنے تین سو منافق اور شک و شبہ میں مبتلا ساتھیوں کو لے کر مدینہ لوٹ گیا۔ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بہت خفت محسوس ہوئی لیکن وہ اسلامی لشکر کے ساتھ ہی رہے۔ ابن ابی نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کوئی بات تک نہ کی اور جب بعض انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سے تعرض کیا تو اس نے جواب دیا ''کہ انہوں نے میری بات نہ مانی اور نوجوانوں اور بے وقعت لوگوں کی باتوں میں آ گئے ۔ میری عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ ہم ایسی جگہ پر جائیں ضائع کریں جو جنگی اعتبار سے بالکل ناقص ہے۔'' ایک اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ (جابر رضی اللہ عنہ کے والد) اس کے پیچھے گئے اور جانے والوں کو پکارا ''میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ اپنی قوم اور اپنے رسول کو دشمن کے سامنے چھوڑ کر مت جاؤ۔'' لیکن ادھر سے جواب ملا ''اگر ہم جانتے کہ جنگ ہو گی تو ہم تمہارا ساتھ نہ چھوڑتے

Marfat.com

کی جانب پیش قدمی کی۔ اس وقت جبکہ ابھی تک اندھیرے کا پردہ تھا وہ اپنے داہنے جانب ہو کر آتش فشانی چٹانوں کے پار ہو کر اپنا راستہ بناتے ہوئے کوہِ احد کی تنگ گھاٹی کے جنوب مشرقی سرے تک پہنچ گئے۔ پھر مڑتے ہوئے انہوں نے گھاٹی کی شمال مغربی سمت میں پیش قدمی کی۔ یہاں تک کہ سویرے کے دھندلکے میں قریش کا فوجی پڑاؤ نظر آ گیا۔ وہ اس سے ذرا بائیں جانب اور تھوڑے سے نشیب میں چلتے رہے یہاں تک کہ وہ پورے طور پر کوہِ احد اور دشمن کے درمیان آ گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا منصوبہ پہاڑی ڈھلوانوں کی بلندی پر اپنا پڑاؤ قائم کرنا تھا۔ جب مقصد حاصل ہو گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ لشکر وہیں پر رک جائے اور سوار اپنی سواریوں سے اتر جائیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذانِ فجر دی اور نمازی صفیں ترتیب دے کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ ان کی پشت پر احد کا پہاڑ تھا۔ جنگ کے لیے بھی ان کی یہی ترتیبِ صف آرائی تھی کیونکہ اب دشمن ان کے اور مکہ کے بیچ میں تھا۔ نماز کی امامت فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں آپ نے نصیحت اور تاکید فرمائی کہ ''بلاشبہ آج کے دن تم لوگ جس فرضِ منصبی کی تکمیل کے لیے یہاں موجود ہو وہ ہر قسم کی دولتِ دنیا اور آخرت کی دولت سے بھرپور ہے۔ ہر اُس شخص کے لیے جو شعور رکھتا ہے کہ اس کو کس صورتِ حال کا سامنا ہے اور اس نے اپنی پوری کوشش اور دل و جان کو خلوص کے ساتھ اس جانب مرکوز کیا ہوا ہے۔''⁽²⁾ جب آپ ﷺ کا خطبہ تمام ہوا تو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ خدمت میں حاضر ہو کر سلام کے لیے آگے بڑھے۔ وہ ابھی مدینہ سے وارد ہوئے تھے۔

اب رسول اللہ ﷺ نے بہترین تیر اندازوں کا انتخاب کیا اور ان میں سے زید اور سعد رضی اللہ عنہما کو جو قبیلہ زہرہ کے حوالے سے آپ کے رشتہ دار تھے اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو اپنے حفاظتی دستے میں رکھنے کے علاوہ بقیہ پچاس تیر اندازوں کو حکم دیا کہ فوج کے پڑاؤ کی بائیں جانب پہاڑی پر مورچہ سنبھال لیں۔ آپ ﷺ نے ان تیر اندازوں پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ ''اپنے تیروں کی بارش سے دشمن کے گھڑ سوار دستے کو ہم سے دور رکھنا۔ انہیں ہمارے عقب سے حملہ کرنے کا موقع نہ دینا۔ جنگ کے زور کا رخ ہمارے مخالف ہو یا موافق، تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا! اگر تم دیکھو کہ ہم دشمن کو لوٹ رہے ہیں تو اس لوٹ میں شرکت کی کوشش نہ کرنا اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے تو تب بھی ہماری مدد کو نہ دوڑنا۔''⁽³⁾

رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری زرہ پہننے کے بعد ایک تلوار ہاتھ میں لی اور اسے ہوا میں لہراتے ہوئے فرمایا ''کون اس تلوار کو لے گا اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس کا حق بھی ادا کرے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے

Marfat.com

بڑھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے رخ موڑ لیا اور اپنے کلمات دہرائے کہ "کون اس تلوار کو لے گا اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس کا حق بھی ادا کرے۔" زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کہا کہ "وہ لیں گے اس کو۔" لیکن رسول اللہ ﷺ نے رخ موڑ لیا اور وہی کلمات تیسری بار دہرائے۔ قبیلہ خزرج کے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "اس کا حق یہ ہے کہ تم اس سے دشمن پر اس وقت تک وار کرتے رہو جب تک اس کی دھار باقی ہے۔" حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا "اسے میں لوں گا اور اس کا حق ادا کروں گا۔" رسول اللہ ﷺ نے تلوار انہیں دے دی۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ ایک بہادر انسان تھے اور میدانِ جنگ میں ان کی ایک شان ہوتی تھی۔ ان کے سرخ عمامے سے سب واقف تھے اور خزرج والے اسے "دستارِ موت" کہا کرتے تھے۔ جب وہ اسے باندھ لیتے، جیسا کہ انہوں نے اس موقع پر کیا، تو لوگ جان جاتے کہ اب وہ کشتوں کے پشتے لگا دیں گے۔ سر پر عمامہ لپیٹنے اور تلوار سونتنے کے بعد جس اندازِ تفاخر سے وہ صفوں میں سے گزر رہے تھے اس کو دیکھتے ہوئے کسی کو ان کے دشمن کو تہہ تیغ کرنے کے پختہ ارادے کے بارے میں شک نہ رہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے انداز کو دیکھ کر فرمایا کہ "یہ وہ انداز ہے جسے اللہ ناپسند کرتا ہے سوائے ایسے وقت کہ جیسا اب ہے۔"[۴]

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ واقدی: ۲۷۳ ۲۔ واقدی: ۲۲۱ ۳۔ ابن اسحٰق: ۵۶۰ ۴۔ ابن اسحٰق: ۵۱۶

Marfat.com

باب: ۵۲

جنگِ احد

میدانِ احد پر سورج چڑھ کر اوپر آ گیا تھا۔ قریشی لشکر صف بستہ ہو کر جنگ کے لیے تیار تھا۔ فوج کے دونوں بازوؤں پر ایک ایک سو گھڑ سوار تھے۔ داہنے بازو کی قیادت خالد بن ولید کے پاس اور بائیں بازو والے رسالے کی کمان عکرمہ بن ابوجہل کے پاس تھی۔ لشکر کے قلب میں ابوسفیان تھا۔ ابوسفیان نے قلب سے پیش قدمی کا حکم دیا۔ ابوسفیان کے آگے آگے قبیلہ عبدالدار کا طلحہ قریش کا علم لیے چل رہا تھا۔ طلحہ کے جلو میں اس کے دو بھائی اور چار بیٹے چل رہے تھے تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ اپنی باری لے لیں۔ طلحہ اور اس کے بھائیوں نے آج اپنے قبیلے کا نام سربلند کرنے کا عزم کیا ہوا تھا۔ بدر کی لڑائی میں ان کے دو علم برداروں نے بڑے شرمناک طریقے سے اپنے آپ کو قیدی بنوا لیا تھا اور قریش کا لشکر جب احد کی جانب بڑھ رہا تھا تو ابوسفیان بدر کے ذلت آمیز واقعے کو بیان کرنے سے باز نہ آیا تھا۔ دوسری جانب لشکرِ اسلام میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے آگے اسلامی علم لیے کھڑے تھے، انہوں نے اپنے مقابل اپنے قبیلہ کے لوگوں کو پہچان لیا۔

جوں ہی دونوں لشکر ایک دوسرے کے اتنے نزدیک آ گئے کہ ایک دوسرے کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں تو ابوسفیان نے اپنی پیش قدمی روکی اور علم بردار کے آگے آ کر چلایا ''اے اوس اور خزرج کے لوگو تم میدان سے ہٹ جاؤ اور میرے رشتہ داروں کو میرے حوالے کر دو۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے کیونکہ تم سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔'' لیکن انصار نے کڑک دار آواز میں اسے دشنام سے نوازا۔ ابوسفیان کے خوار ہونے کے بعد قریش کے لشکر سے جو آدمی آگے آیا اسے دیکھ کر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو بہت دکھ ہوا کیونکہ یہ ان کا باپ تھا۔ اس نے کھل کر سامنے آتے ہوئے کہا ''قبیلہ اوس کے لوگو! میرا نام ابوعامر ہے!'' اسے یہ باور کرنا مشکل ہو گیا کہ اس کا سابقہ اثر اور رعب و دبدبہ اب خاک میں مل چکا تھا۔ اس نے قریش کو باور کرایا تھا کہ جوں ہی وہ میدان میں پہنچ کر اپنی موجودگی کی اطلاع دے گا تو اس کے قبیلے کے لوگ ٹوٹ کر اس سے آن ملیں گے۔ لیکن

Marfat.com

اس کی بجائے اس کے قبیلے کے لوگوں نے اس کا استقبال صرف بددعاؤں ہی نہیں بلکہ پتھروں سے کیا اور وہ مایوسی اور بدحواسی میں واپس ہوگیا۔ مکہ کی فوج کو ایک مرتبہ پھر آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اگلی صفوں سے قریب ہی ہندہ کی سرکردگی میں موجود عورتیں دف اور ڈھولوں کی تال پر گاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں:

''اے عبدالدار کی اولاد! آگے بڑھو
اپنے عقب کی نگرانی کرتے ہوئے بڑھے چلو
وار کرو تلوار سے اور کاٹ دو تیز دھار سے۔''

جب عورتوں نے محسوس کیا کہ وہ دشمن کے پڑاؤ سے بہت قریب پہنچ گئی ہیں تو وہ وہاں پر رک گئیں اور ڈھول کی تھاپ پر مردوں کو آگے بڑھنے کا موقع دیتے ہوئے ہندہ نے وہ نغمہ گانا شروع کر دیا جو اس سے پہلے کسی دوسری ہندہ نامی عورت نے ماضی کے کسی میدانِ جنگ میں گایا تھا:

تم آگے بڑھو، تو ہم آغوش ہو جائیں گی
تمہارے لیے نرم و گداز غالیچہ بچھائیں گی
تم نے پیٹھ موڑی تو تم کو چھوڑ جائیں گی
چھوڑ جائیں گے اور کبھی نہ منہ لگائیں گی

جب دونوں فوجیں بالکل مقابل آ گئیں تو رسول اللہ ﷺ کے تیر اندازوں نے خالد کے رسالہ پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ اتنی بلند ہوئی کہ عورتوں کے گانے، ڈھول اور دف کی آوازیں معدوم ہو گئیں۔ مکہ کے لشکر سے طلحہ گھوڑے پر سوار آگے بڑھا اور بلند آواز میں نبرد آزمائی کے لیے للکارا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صف سے آگے بڑھے اور ایک ضرب سے اسے زمین پر گرا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک ہی ضرب نے اس کی خود کو کاٹ کر اس کی کھوپڑی کے ٹکڑے کر دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً جان لیا کہ یہ فوجی دستے کا سردار تھا جو خواب میں آپ نے دیکھا تھا کہ وہ مینڈھے پر سوار تھے، یہ اس کی تعبیر تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی بزرگی کا اعلان ''اللہ اکبر'' سے کیا۔ آپ ﷺ کے نعرہ تکبیر کی صدا دشمن کی صفوں میں گونج گئی لیکن مینڈھے کی علامت صرف ایک ہدف تک محدود نہ تھی کیونکہ اب طلحہ کے بھائی نے علم اٹھا لیا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے بھی کاٹ کر پھینک دیا۔ پھر قبیلہ زہرہ کے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے طلحہ کے دوسرے بھائی کی گردن میں تیر پار کر دیا۔ طلحہ کے چاروں بیٹوں کو ایک ایک کر کے علی، زبیر اور قبیلہ اوس کے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کر دیا۔ ان میں سے دو کو نیم مردہ حالت میں ان کی ماں سلافہ کے پاس لے جایا گیا جو لشکر کے

Marfat.com

عقب میں تھی۔ جب لوگوں نے اسے بتایا کہ انہیں کس نے زخمی کیا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ وہ ایک دن عاصم (رضی اللہ عنہ) کی کھوپڑی میں شراب پی کر اپنے انتقام کی پیاس بجھائے گی۔

اس سے قبل کسی خاتون کو مسلمانوں کے ساتھ آنے کی اجازت نہ تھی لیکن قبیلہ خزرج کی ایک خاتون نصیبہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ ان کے لیے اس موقع پر جنگ سے دور رہنا خلافِ فطرت ہوگا۔ ان کے شوہر اور دو بیٹے بھی جنگ میں شریک تھے لیکن یقیناً نصیبہ رضی اللہ عنہا کے فیصلے کی وجہ ان کے شوہر اور بیٹوں کی موجودگی نہیں تھی۔ کیونکہ دیگر عورتوں کے شوہر اور بیٹے بھی لشکر میں موجود تھے اور وہ عورتیں گھر بیٹھنے پر ہی قانع تھیں۔ لیکن نصیبہ رضی اللہ عنہا ان دو عورتوں میں سے ایک تھیں جو عقبہ ثانیہ کے موقع پر ستر افراد کے ہمراہ مدینہ تشریف لے گئی تھیں۔ اس بار بھی یہ بات ان کو اپنی فطرت کے مطابق معلوم نہیں ہو رہی تھی کہ ایسے موقع پر وہ کسی سے پیچھے رہ جائیں۔ پس وہ صبح سویرے اٹھ گئیں اور اپنے مشکیزے کو پانی سے بھر کر میدانِ جنگ کی جانب چل کھڑی ہوئیں تا کہ میدانِ جنگ میں کم از کم زخمیوں کو پانی تو پلا سکیں۔ اس کے ساتھ وہ تلوار، کمان، ترکش اور تیر لانا نہیں بھولی تھیں۔ راستے میں پوچھ گچھ کرتی ہوئی کہ مسلمانوں کے لشکر نے کون سا راستہ لیا ہے وہ کسی دقت اور دشواری کے بغیر کوہِ احد کے نیچے اس مقام پر پہنچ گئیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ جنگ شروع ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اور بلند مقام پر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دیگر مقرب اصحاب رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھے۔ نصیبہ رضی اللہ عنہا کو وہاں پہنچے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ انہی خیالات کے زیرِ اثر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا بھی پانی کا مشکیزہ لیے ہوئے وہاں پہنچ گئیں۔ فوج کے عقب میں اس جماعت میں بدو قبیلہ مزینہ کے دو افراد بھی آن ملے۔ یہ دونوں حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے اور انہیں قریش مکہ کے حملے کا علم نہ تھا۔ یہ دونوں اسی صبح مدینے پہنچے تھے اور آدھے شہر کو خالی پا کر حقیقتِ حال معلوم ہونے پر احد کی جانب روانہ ہو گئے۔ میدانِ جنگ میں پہنچ کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور تلواریں سونت کر میدانِ جنگ میں کود گئے۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سرخ عمامے کی خوب لاج رکھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بعد میں بتایا کہ "جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے تلوار طلب کی اور انہوں نے مجھے اس سے روک دیا تو مجھے جی ہی جی میں سخت اذیت ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ میں ان کے والد کی بہن صفیہ کا بیٹا ہوں، میں قریش ہوں۔ میں نے کسی دوسرے سے پہلے تلوار کا مطالبہ کیا تھا اور انہوں نے مجھے ایک طرف کر دیا اور تلوار حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ واللہ! میں دیکھوں تو سہی کہ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کیا معرکہ انجام دیتے ہیں۔" پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل آنے والے ہر شخص کو کاٹ دیا۔ ان کی تلوار دشمن کو اس طرح

Marfat.com

کاٹتی چلی جارہی تھی جیسے وہ فصل کی کٹائی کر رہے ہوں اور ان کے ہاتھ میں تلوار کی بجائے درانتی ہو۔'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ دیکھنے کے بعد میرا جی رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر مطمئن ہو گیا کہ ''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔''

ہندہ ایک بھاری تن و توش کی بارعب عورت تھی اور مردوں کے درمیان ان کو لڑائی کا جوش دلا رہی تھی۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ اسے بھی مرد سمجھتے ہوئے اس کو کاٹنے کے لیے آگے بڑھے۔ قریب تھا کہ ان کی تلوار اس پر چل جاتی لیکن وہ بال بال بچ گئی۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اس کے سر پر تھی کہ وہ ایک دم سے چیخ پڑی۔ جب ان کو اندازہ ہوا کہ وہ عورت ہے تو انہوں نے اپنا رخ اس کے بازو والے مردوں کی جانب کر لیا۔ اب وہ ان ماؤں اور بیویوں سے جا ملی جو فوج کے عقب میں موجود تھیں اور جہاں غلاموں کو پڑاؤ کا تحفظ کرنے کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ جب وہ پیچھے جا رہی تھی تو حبش کا وحشی غلام آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے اس معرکے میں ایک ہی فرد کی فکر تھی ورنہ اس کے علاوہ میدان جنگ کے دیگر لشکریوں کے برعکس اس کا خون سرد تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو پہچاننے میں کسی غلطی کا امکان نہیں تھا۔ ان کی منفرد شخصیت، ان کا غیر معمولی طاقتور جثہ، ان کا اسلوب جنگ اور سر پر نمایاں شتر مرغ کے پروں کی کلغی نے انہیں خوب ممتاز کیا ہوا تھا۔ وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دور سے دیکھا اور معرکہ کارزار کے کنارے کنارے چلتے ہوئے ایک ایسی جگہ پر پہنچ گیا جہاں نہ صرف وہ محفوظ تھا بلکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے قریب ہو کر اپنے نیزے کی مہارت کا بھرپور وار بھی کر سکتا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اب عبدالدار علم برداروں میں سے آخری علم بردار سے نبرد آزما تھے۔ آپ نے اس پر وار کرنے کے لیے تلوار بلند کی تو اس لمحے ان کی زرہ جسم کے ایک حصے سے ہٹ گئی۔ وحشی نے جسم کے اسی حصے پر انتہائی پھرتی سے نشانہ باندھ کر اپنا نیزہ پھینکا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ لڑکھڑا کر چند قدم آگے بڑھے۔ ان کے تلوار کے وار نے علم بردار کو ختم کر دیا تھا لیکن وہ خود بھی زخمی ہو کر زمین پر گرے اور شہادت کی آغوش میں جا پہنچے۔ وحشی نے ان کا جسم ٹھنڈا ہونے کا انتظار کیا اور پھر آگے بڑھ کر اپنا نیزہ کھینچ کر پوری رفتار سے بھاگتے ہوئے اپنے پڑاؤ پر واپس آ گیا۔ اس نے کہا کہ ''میں جس کام کے لیے آیا تھا وہ انجام دے دیا ہے۔ میں نے اپنی آزادی کی خاطر ان کو قتل کر دیا ہے۔''

وہ احساسِ شکست جو مکہ کی فوج میں سرایت کر رہا تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اس میں کوئی فرق نہ پڑا۔ ان کے سات علم بردار قتل کیے جانے کے بعد ایک حبشی غلام نے علم اٹھایا ہوا تھا لیکن جلد ہی اسے بھی قتل کر دیا گیا اور کچھ دیر کے لیے تو علم زمین پر ہی پڑا رہا اور کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہ ہوا حالانکہ اب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نمایاں کلغی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ حضرت ابودجانہ، حضرت زبیر اور دیگر مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم

Marfat.com

ایک جان ہو کر ایسے لڑ رہے تھے جیسے وہ لشکرِ اسلام کے اس نعرے کی تجسیم بن گئے ہوں "اَمِتْ، اَمِتْ" جس کا مطلب تھا "مارو، مارو۔" ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج ان کے مقابل کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سفید کلغی، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا سرخ عمامہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا شوخ زرد عمامہ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا سبز عمامہ فتح کے پھریرے بن کر لشکرِ اسلام کے مجاہدین کو قوت عطا کر رہے تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کے وار سے ابوسفیان بال بال بچا تھا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ کے قلب میں بے جگری سے تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے اور قریب تھا کہ ابوسفیان کو کاٹ کر رکھ دیں کہ قبیلہ لیث کے ایک فرد نے دونوں کے درمیان آ کر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے جسم میں نیزہ اتار دیا۔ آپ زمین پر گرے تو اس نے دوسرا وار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔

جنگ کا معرکہ ڈھلوان کے اس مقام پر جہاں رسول اللہ ﷺ موجود تھے، سے دور ہوتے ہوئے مکی فوج کو دھکیلتے ہوئے ان کے پڑاؤ کی جانب بڑھ رہا تھا اور اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے لیے لڑائی کا مشاہدہ کرنا دشوار ہو رہا تھا لیکن اتنا صاف ظاہر تھا کہ لشکرِ اسلام فتح کے قریب ہے۔ اچانک آپ ﷺ کی نگاہ لڑائی کے میدان سے ہٹ کر فضا میں ایسے مبذول ہو گئی جیسے کوئی فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو دیکھ رہا ہو۔ آپ نے اپنے گرد موجود اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا "تمہارا ساتھی (آپ کی مراد حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے تھی) فرشتے اسے غسل دے رہے ہیں۔" (1) بعد میں جب آپ ﷺ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی بیوی جمیلہ رضی اللہ عنہا سے وضاحت طلب انداز میں فرمایا کہ "میں نے مشاہدہ کیا کہ فرشتے آسمان و زمین کے درمیان چاندی کے ظروف میں بادلوں سے پانی لے لے کر حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دے رہے ہیں۔" (2) تو جمیلہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خواب کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جہاد میں شرکت میں دیر نہ ہو جانے کے ڈر سے غسلِ جنابت نہیں کیا تھا۔

مسلمانوں کی پیش قدمی مسلسل جاری رہی حتیٰ کہ ایک جگہ پر دشمن کی صفیں کلی طور پر درہم برہم ہو گئیں، ان کے پڑاؤ کا راستہ کھلا ہو گیا اور باڑھ سامنے آ گئی۔ وہ غول جو لوٹ مار اور تاراجی کے لیے تیار کھڑا تھا ایک طوفانی لہر کی طرح آگے بڑھا۔ دوسری جانب وہ پچاس تیرانداز جنہیں رسول اللہ ﷺ نے چن کر متعین کیا تھا وہ بائیں ہاتھ کی جانب ذرا فاصلہ پر تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور ان تیراندازوں کے درمیانی فاصلہ پر زمین ڈھلوان پر تھی اور یہ ڈھلوان وہاں ختم ہوتا تھا جہاں میدان میں جنگ ہو رہی تھی۔ پھر چڑھائی اس مرتفع تک جاتی تھی جہاں یہ پچاس تیرانداز بٹھائے گئے تھے۔ ان تیراندازوں کو دشمن کی ٹوٹتی صف نظر آئی اور انہیں اپنے وہ ساتھی بھی نظر آئے جو ان کے خیال میں دشمن کے پڑاؤ سے مالِ غنیمت لوٹ کر دولت مند بنتے جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ان سے نہ رہا گیا اور لالچ کے مارے لوٹ مار میں حصہ لینے کی خاطر دوڑ پڑے۔ ان کے کمانڈار حضرت

Marfat.com

عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی تمام کوششیں رایگاں گئیں۔ انہوں نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی یاددہانی کرائی کہ کسی حالت میں اپنی جگہ نہ چھوڑنا، مگر سب عبث ثابت ہوا۔ ان کا جواب تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تو نہیں کہا کہ ہمیشہ کے لیے وہاں بیٹھ جانا اور یہ کہ اب جنگ تو ختم ہوگئی اور کفار میں بھگدڑ مچ گئی ہے۔ ان میں سے تقریباً چالیس تیر انداز بھاگتے ہوئے ڈھلوان سے نیچے دشمن کے پڑاؤ کی جانب دوڑے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخلص تیر اندازوں کی خطرناک حد تک قلیل تعداد باقی رہ گئی۔

ابھی تک مکہ کی فوج میں سے اس کے رسالے نے کوئی کارروائی انجام نہیں دی تھی۔ قلب میں دونوں فوجیں ایسی گتھم گتھا تھیں کہ اگر گھوڑوں کو جنگ میں استعمال کیا جاتا تو دشمن کے ساتھ ساتھ خود ان کے اپنے آدمی بھی مارے جاتے اور تیر اندازوں کی موجودگی میں مسلمانوں کے عقب میں جانا بھی خطرناک تھا۔ لیکن خالد نے نئی صورتِ حال کو فوراً بھانپ لیا اور اسے اندازہ ہوگیا کہ اب وہ لمحہ آن پہنچا ہے جس کا وہ منتظر تھا۔ وہ اپنے سوار دستے کو دوڑا کر برق رفتاری سے وہاں پہنچ گیا جہاں تیر انداز متعین تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے طور پر تیر اندازی کا بھرپور مظاہرہ کیا، پھر اسے عبث جان کر اپنی کمانیں پھینک دیں اور آخر دم تک تلواروں اور نیزوں سے مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے سب شہید ہوگئے۔ ان دس وفاداروں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا اور خالد چکر کاٹ کر مسلمانوں کی فوج کے بڑے حصے کی پشت پر آ گیا۔ عکرمہ نے اس کی تقلید کی اور یوں مکی رسالے نے مسلمانوں کے عقب سے حملہ کر کے غیر محفوظ صفوں میں تباہی مچا دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اس نئے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے مڑے۔ ساتھ ہی کچھ کفار جو درہم برہم ہو چکے تھے وہ بھی پلٹ پڑے اور معرکے میں شریک ہوگئے۔ لڑائی کا پانسہ ایک دم میں پلٹ چکا تھا۔ قریش کے جنگی نعرے، ''عزیٰ کی جے'' اور ''ہبل کی جے'' سارے میدان میں گونجنے لگے۔ عقب میں بہت سے مسلمان جو رسالے کے ہاتھوں شہید ہونے سے بچ گئے تھے وہ ہمت ہار کر پہاڑیوں کی طرف بھاگے جہاں ان کے خیال میں انہیں پناہ مل سکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس پکارا لیکن ان کے دماغ میں بھاگنے کے سوا کوئی خیال نہ تھا۔ ان کے کان اس آواز کو سننے سے معذور ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت میدان میں جمی ہوئی تھی۔ لیکن بدلتی صورتِ حال میں اس جوش و جذبے سے محروم ہو چکی تھی جس کے نتیجے میں فتح سامنے نظر آ رہی تھی۔ دشمن کی تعداد کی برتری بھی اب بھاری پڑ رہی تھی اور مسلمان قدم بہ قدم پیچھے دھکیلے جا رہے تھے۔ جنگ کا زور مسلسل احد کے پہاڑ کی طرف یعنی رسول اللہ ﷺ کی سمت بڑھ رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اور دو عورتوں سمیت ان کے ساتھیوں نے کفار کے بڑھتے ہوئے دستوں پر تیروں

Marfat.com

کی بوچھاڑ کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کی جماعت میں مزید اضافہ قلب کی اس فوج کی آمد سے بھی ہوا جن کے دل و دماغ پر اب صرف رسول اللہ ﷺ کے تحفظ کی فکر غالب تھی۔ ان میں سب سے پہلے پہنچنے والوں میں مزنیہ کے دو اصحاب حضرت وہب اور حضرت حارث رضی اللہ عنہما تھے۔ مکی سواروں کا ایک مختصر دستہ بائیں جانب سے بڑھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صدا دی "کون ہے اس دستے سے نبرد آزما ہونے والا؟" حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے لپک کر جواب دیا "میں ہوں یا رسول اللہ" اور پھر اس مہارت اور تیزی سے تیر برسائے کہ گویا دشمن پر تیراندازوں کی ایک پوری جماعت تیر برسا رہی ہو۔ دشمن کا گھڑسوار دستہ پسپا ہو گیا۔ جب گھڑسواروں کا دوسرا دستہ حملے کے لیے آگے بڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے صدا دی "کون ہے اس دستے کے لیے؟" "میں ہوں وہب، یا رسول اللہ!" حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور پھر اس شان سے لڑے کہ گویا ایک فرد کی بجائے جماعت لڑ رہی ہو۔ دشمن کا دستہ ایک بار پھر پسپا ہو گیا۔ اس کے بعد دشمن کا تیسرا دستہ ان کی صفوں کے قریب آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صدا دی "ان کے مقابل کون آئے گا؟" حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے پھر جواب دیا "میں آؤں گا، یا رسول اللہ ﷺ!" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اٹھو اور خوش ہو جاؤ کہ جنت تمہاری ہے۔" حضرت وہب رضی اللہ عنہ جھومتے ہوئے اٹھے اور یہ کہتے ہوئے اپنے میان سے تلوار نکالی کہ "واللہ نہ میں پناہ دیتا ہوں نہ پناہ مانگتا ہوں۔" حضرت وہب رضی اللہ عنہ اس دستے کے بیچ میں کود پڑے اور مارتے کاٹتے ہوئے دوسری جانب نکل گئے۔ وہب رضی اللہ عنہ کی شجاعت و مہارت کا منظر ایسا قابلِ دید تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی تیراندازی روک کر پلک جھپکائے بغیر حیرت اور ستائش کے عالم میں اس منظر میں کھو گئے۔ "اے اللہ ان پر رحم فرما" آپ ﷺ نے فرمایا۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ پلٹ کر پھر کفار کی صف میں گھس گئے اور تلوار کے جوہر دکھاتے رہے تا آنکہ دشمن نے انہیں چاروں جانب سے گھیر کر شہید کر دیا۔ بعد میں ان کے جسم پر زخموں کا شمار کیا گیا تو تلوار کے زخموں کے علاوہ صرف نیزوں کے ہی بیس زخم ایسے تھے جن میں سے کوئی بھی جان لیوا ہو سکتا تھا۔ ہر وہ فرد جس نے انہیں لڑتے دیکھا اس منظر کو کبھی فراموش نہ کر سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد میں کہا کرتے تھے کہ "تمام شہادتوں میں وہ شہادت جس کی مجھے ہمیشہ تمنا رہی وہ مزنی کی شہادت تھی۔"[۳۰] اور بنوزہرہ کے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا دس سال بعد کہنا تھا کہ میرے کانوں میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کی آواز گونج رہی ہے جس میں آپ حضرت وہب رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دے رہے ہیں۔"

مسلمان جیسے جیسے چڑھائی کی جانب دھکیلے جا رہے تھے معرکہ آرائی کا اصل ہنگامہ قریب سے قریب تر آتا گیا۔ دونوں فوجوں کے نعرۂ جنگ کے علاوہ انفرادی چیخ و پکار بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ مبارز طلبی کی

Marfat.com

للکاریں، تیر نشانے پر لگانے کی شرطیں اور نیزہ زنی کے دعوے کیے جا رہے تھے۔ ''میرا یہ وار سنبھالو، میں فلاں ابن فلاں ہوں۔'' حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے ایک خاص لقب 'ابن خراشہ' اختیار کیا۔ خراشہ ان کے دادا تھے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ دعویٰ کرنے والوں کی شناخت غیر معروف سی تھی۔ انصار میں سے ایک یہ نعرہ لگاتے سنا گیا ''یہ وار سنبھالو، میں انصاری نوجوان ہوں۔'' اس دن خود رسول اللہ ﷺ نے کم از کم ایک موقع پر فرمایا ''میں ابن العواتک ہوں۔''④ جس کے معنی تھے ''میں عاتکاؤں کا بیٹا ہوں۔''⑤ اس سے مراد آپ ﷺ کے جد کی معروف خواتین تھیں لیکن اب ایک ایسی دعوتِ مبارزت دعوت میدان میں نکلی جس کے تشخص میں کسی غلطی کا امکان نہ تھا۔ یہ سوار دشمن کی صفوں سے یہ کہتا ہوا نکلا ''میرے سامنے کون آئے گا میں عتیق کا بیٹا ہوں۔'' یہ عبد الکعبہ تھا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا بیٹا اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا واحد سگا بھائی تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے سے یہ واحد فرد تھا جو اب تک اسلام میں داخل نہ ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تیر کمان پرے پھینکے اور تلوار سونت کر حملہ کے لیے بڑھنے ہی والے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تیزی پر سبقت لیتے ہوئے انہیں روک دیا اور فرمایا ''اپنی تلوار نیام میں رکھو، اپنی جگہ واپس جاؤ اور ہمیں اپنی موجودگی سے فائدہ پہنچاؤ۔''⑥ مسلمانوں کے عقب سے گھوڑ سواروں کے ایک اور دستے نے حصار توڑا اور عبد الکعبہ کے آگے آ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کون اپنی جان ہمارے ہاتھ بیچے گا۔''⑦ پانچ انصاری صحابہ نے اپنی تلواریں بے نیام کر لیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے اور جنگ کرتے کرتے ایک کے سوا سب شہید ہو گئے۔ یہ ایک بھی کاری زخم کھائے ہوئے تھے لیکن ان کی جگہ لینے کے لیے دوسرے وفادار تیار تھے۔ علی، زبیر، طلحہ، ابو دجانہ اور دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم جو جنگ میں شروع ہی سے سب سے آگے آگے تھے، انہوں نے لڑتے ہوئے دشمن کے درمیان سے ہو کر اپنے پڑاؤ کی طرف راستہ نکالا۔ یہ سب ابھی رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ نہ پائے تھے کہ دشمن کی جانب سے پھینکا ہوا ایک تیز دھار کا پتھر اڑتا ہوا آیا اور رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک کو لگا۔ آپ کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا اور دندان مبارک ٹوٹ گیا، روئے مبارک سے خون بہہ نکلا۔ خون روکنے کے لیے آپ ﷺ نے ضبط و تحمل سے جو کچھ ہو سکتا تھا وہ کیا اور علی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطمینان دلایا کہ زخم زیادہ شدید نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی جانب سے اطمینان پا کر وہ معرکۂ کارزار میں واپس لوٹ گئے سوائے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جو خون بہہ جانے سے بے حد کمزوری کے باعث بے ہوش ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حالت دیکھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنے عم زاد کی خبر لو لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تب تک ہوش میں آ چکے تھے۔ جبکہ زہرہ قبیلے کے حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور خزرج کے حضرت حارث بن سمیہ رضی اللہ عنہ ان کی جگہ میدانِ جنگ میں

Marfat.com

چلے گئے۔ اس نئی کمک پہنچنے کے بعد حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہم نے دشمن پر ایسی چڑھائی کی کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ کچھ دیر کے لیے تو ان کی صفیں ان انصاری صحابہ کی لاشوں سے بھی پیچھے ہٹ گئیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر اپنی جانیں تک نثار کر دی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان پر نظر ڈالی اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ ان میں سے ایک صحابی جن میں ابھی جان کی رمق باقی تھی رینگ کر آپ ﷺ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دو صحابہ کو انہیں اٹھا لانے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے آپ کے قریب پہنچ کر اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سکون کی خاطر اپنے پاؤں کو جنبش نہ دی یہاں تک کہ وہ اپنے رخسار آپ کے قدموں پر رکھے ہوئے اپنے رب سے جا ملے۔ ''جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے'' (۸) آپ ﷺ نے فرمایا۔ اور دس سال گزر جانے کے بعد وہ ان واقعات اور خاص طور پر ان بابرکت لمحات اور مقام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ''کیا ہی ہوتا اگر مجھے میرے اصحاب کے ساتھ ہی پہاڑ تلے چھوڑ دیا جاتا۔'' (۹)

دشمن نے ایک مرتبہ پھر بتدریج اس زمین پر قبضہ جما کر پیش قدمی شروع کر دی جہاں سے تھوڑی دیر پیشتر اسے دھکیل کر پیچھے کر دیا گیا تھا۔ اس چھوٹے سے دستے کے پاس جو رسول اللہ ﷺ کو اپنے حفاظتی حصار میں لیے ہوئے تھا، اب تیروں کا ذخیرہ بھی ختم ہو رہا تھا۔ اور وہ وقت قریب آ رہا تھا کہ جب تیراندازی کی بجائے تلوار بازی کی ضرورت پڑنے والی تھی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر دشمن کی پیش قدمی یوں ہی جاری رہی تو تلواروں کو جلد ہی نیاموں سے باہر نکلنا پڑے گا۔ ایک فیصلہ کن دست بدست لڑائی جس میں ایک مسلمان کو چار کافروں کا سامنا کرنا تھا اب شروع ہی ہونے والی تھی۔ لیکن اچانک ایک اکیلا گھڑسوار پہلو سے نکلا اور سیدھا وہاں پہنچ گیا جہاں رسول اللہ ﷺ کھڑے تھے اور چلایا ''محمد کہاں ہیں؟'' ''میں زندہ نہ رہوں اگر وہ زندہ بچ جائیں۔'' یہ ابن قمیہ تھا۔ اس کا تعلق قریش کے ان گھرانوں سے تھا جو مکہ سے باہر بسے ہوئے تھے۔ یہ اب تک مسلمانوں کی کثیر تعداد کو شہید کر چکا تھا۔ ایک تیز اچٹتی ہوئی نظر ڈالتے ہوئے ابن قمیہ کی عقابی نگاہ نے اپنے ہدف کو پہچان لیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ دیتے ہوئے اس نے اس زور سے اپنی تلوار کا وار کیا کہ کوئی زرہ اس وار کو روک نہ سکتی تھی۔ لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں کھڑے تھے، انہوں نے اپنے آپ کو تلوار کے وار کے آگے کر کے عمر بھر کے لیے اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں کی قربانی تو دے دی لیکن ان کی قربانی تلوار کا رخ بٹانے اور زور گھٹانے میں کامیاب ہو گئی۔ تلوار کا پھل رسول اللہ ﷺ کے خود کے اوپری حصے سے بال برابر خطا کر گیا اور خُود کے پہلو کو چھوتا ہوا کنپٹیوں کو زخمی کر کے خُود کے دو حلقوں کو رخسارِ مبارک میں چبھو گیا۔ بے شک وار کا زور تو

Marfat.com

ختم ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود زرہ سے ڈھکے ہوئے شانوں پر تلوار کے ٹکرانے اور سر کی چوٹ نے لمحاتی طور پر آپ کو بے حس کر کے زمین پر گرا دیا۔ آپ پر حملہ آور جس تیزی سے آیا تھا ویسی ہی تیزی سے واپس چلا گیا لیکن دیگر کفار نے حملے کی خاطر گھیرا تنگ کر دیا۔ مخزوم کے شماس رضی اللہ عنہ (۱۰) نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ کر ایسی معرکہ آرائی کا مظاہرہ کیا، ایسی تلوار چلائی کہ جیسے ان میں کوئی غیر مرئی قوت حلول کر گئی ہو۔ ان کی اس بے جگری اور مہارت کے باعث رسول اللہ ﷺ نے انہیں زندہ ڈھال سے تعبیر کیا۔ شماس رضی اللہ عنہ تب تک ڈھال بنے رہے جب تک کہ ان کے جسم کے ٹکڑے نہ ہو گئے۔ ان کے گرتے ہی ایک اور صحابی نے ان کی جگہ سنبھال لی جبکہ نصیبہ رضی اللہ عنہا اپنی نیام سے تلوار نکال کر ان کا ساتھ دے رہی تھیں۔

اسی اثنا میں ایک آواز کی زوردار گونج سنائی دی۔ غالباً یہ خود ابن قمیہ کی ہی آواز تھی کہ ''محمد قتل ہو گئے۔'' یہ نعرہ پورے میدانِ جنگ میں گونج گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ عزیٰ اور ہبل کی ستائش کے نعرے لگنے شروع ہو گئے۔ احد کی چوٹیاں اس صدا سے گونج اٹھیں اور وہ مسلمان جنہوں نے راہِ فرار اختیار کی تھی خود ملامتی اور افسوس سے سرنگوں ہو گئے۔ بہت سے جانباز جو ابھی تک میدان میں برسرِ پیکار تھے، ان کے حوصلے پست ہو گئے اور جتنی جلد لڑائی سے جان چھڑا سکتے تھے' اس سے جان چھڑانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن بہت سے تھے جو اس کیفیت سے بے نیاز تھے۔ ان میں ایک حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ تھے جن کے نام پر ان کے بھتیجے کا نام رکھا گیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے۔ حضرت نضر رضی اللہ عنہ کی بیٹی انس رضی اللہ عنہا کی بہن وہی خاتون تھیں جن کے بیٹے کی شہادت بدر میں ایک تیر لگنے سے ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ فردوس میں پہنچ گیا جو جنت میں اعلیٰ ترین باغ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دو صحابی ملے جو زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، نہ وہ لڑنا چاہ رہے تھے اور نہ ہی انہیں دوسروں کی طرح پہاڑ پر چڑھ کر اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ ''یہاں کیوں بیٹھے ہو؟'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پکارا۔ جواب ملا کہ ''اللہ کے رسول ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ''تو پھر تم زندہ رہ کر کیا کرو گے' اٹھو اور ان کی طرح اپنی جان نذر کر دو۔'' (۱۱) پھر وہ اس طرف چل پڑے جہاں جنگ کا معرکہ زوروں پر تھا۔ وہاں انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو پایا جنہوں نے بعد میں رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہیں زور سے پکار کر کہا تھا ''جنت! مجھے اس کی خوشبو کوہِ احد کی دوسری جانب سے آ رہی ہے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ''اے اللہ کے رسول جس طرح انہوں نے جنگ لڑی ویسی جنگ مجھ سے نہ ہو سکی۔'' جنگ ختم ہونے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نعش پر اسّی سے زیادہ زخم تھے اور اس طرح مسخ ہو چکی تھی کہ کسی سے بھی پہچانی نہ گئی سوائے ان کی بہن کے جنہوں نے ان کی انگلی سے ان کی شناخت کی۔ (۱۲)

Marfat.com

اب وہ مسلمان جنہوں نے میدان سے نکل کر اوپر بلندی پر پناہ ڈھونڈی تھی ان کے لیے جنگ سے چھٹکارا اس طرح آسان ہو گیا کہ کفار میں فتح کو نزدیک پا کر لڑنے مرنے کا جذبہ ماند پڑ گیا۔ مقتولوں کی تعداد کا اندازہ تو دشوار تھا لیکن انہیں یہ یقین ہو چکا تھا کہ انہوں نے بدر کے میدان میں مرنے والوں کا انتقام اس ہستی کو قتل کر کے لے لیا ہے جو اس سارے جھگڑے کی بنیاد تھی اور یہ کہ انہوں نے یقینی طور پر نئے مذہب کا خاتمہ کر کے عملی طور پر سابق مذہب کو پھر قائم کر دیا ہے۔ ہبل کی جے اور عزیٰ کی جے۔ قریش کے تیز و تند حملے میں ایک دم سے جو نرمی آئی تو اس کا سب سے زیادہ اثر قریباً بیس اصحاب کے اس گروہ پر سب سے زیادہ نمایاں تھا جو رسول اللہ ﷺ کو اپنے حلقے میں لیے ہوئے تھے۔ مکہ والوں کو بھی معلوم تھا کہ یہ وہ باوفا ہیں جو قید کی ذلت کی بجائے شجاعت کی موت کو ترجیح دیں گے۔ ان کا اصل مقصد حل ہو چکا تھا۔ نئے مذہب کا بانی مارا جا چکا تھا اس لیے اب مرنے مارنے کی بجائے فتح کا جشن منانے کے لیے زندہ رہنا ہی بہتر تھا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ جو فوراً ہوش میں آ چکے تھے دشمن کے وہاں سے ہٹتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور اصحاب کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ آپ ﷺ انہیں ساتھ لے کر ایک تنگ گھاٹی کے دہانے پر پہنچے جس میں داخل ہو کر محفوظ جگہ پر پہنچنا آسان تھا۔ اس مقام سے دشمن کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھی جا سکتی تھی۔ لیکن اب رسول اللہ ﷺ کو رخسار کا زخم اذیت دے رہا تھا۔ خُود سے ٹوٹ کر جو دو کڑیاں گوشت کے اندر گھس گئی تھیں ان کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہونے کی وجہ سے رکنا پڑا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایک کر کے دونوں کڑیوں کو اپنے دانتوں میں جکڑ کر باہر نکالا تو زخم سے تیزی سے خون جاری ہو گیا۔ قبیلہ خزرج کے حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ زخموں پر رکھا اور خون کو چوس کر نگل لیا۔ یہ وہی صحابی تھے جنہوں نے مدینے میں کہا تھا کہ ہمارے سامنے دو میں سے ایک احسن ہے اور سوائے حضرت شماس رضی اللہ عنہ کے، جو شاید شہید ہو چکے تھے، موجود لوگوں میں سب سے زیادہ زخمی وہی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو کوئی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جس کے خون میں میرا خون شامل ہو گیا ہے تو وہ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو دیکھے۔ اس فضلیت میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کیا گیا کیوں کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے رخسار سے دو کڑیاں دانتوں کے زور سے نکالی تھیں تو ان کے اپنے دو دانت بھی اکھڑ گئے تھے اور ان کے منہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس کسی کے خون میں میرا خون مل گیا اس کے اوپر جہنم کی آگ حرام ہے۔'' (۱۳)

جیسے ہی یہ مختصری جماعت تنگ گھاٹی سے نکل کر بالائی سطح پر پہنچی تو ان اصحاب نے جنہوں نے میدانِ جنگ سے بھاگ کر اوپر پناہ لے لی تھی، انہوں نے انہیں دیکھ لیا اور نیچے اتر کر ان سے آن ملے۔ حضرت کعب

Marfat.com

بن مالک رضی اللہ عنہ دوسروں سے آگے تھے اور انہیں یہ دیکھ کر حیرانی سی ہوئی کہ بالکل رسول اللہ ﷺ کے قدوقامت اور طور واطوار جیسی ہستی سست رفتار سے چلی آ رہی ہے۔ وہ اور قریب آئے اور خود کے سوراخوں سے وہ بے مثال چمکدار آنکھیں نظر آئیں جو رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کی نہیں ہوسکتی تھیں۔ وہ فوراً پلٹے اور اپنے پیچھے آنے والوں کو چلا کر خوشخبری دی ''جشن مناؤ! اللہ کے رسول تو یہ سامنے ہیں۔'' آپ ﷺ نے انہیں خاموش رہنے کا فرمایا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں اعلان تو روک دیا لیکن سینہ بہ سینہ یہ خبر فوراً سب مسلمانوں تک پہنچ گئی۔ اصحاب تصدیق کے لیے دوڑتے ہوئے آگے بڑھے۔ مسرت کی لہر نے شکست کو جیسے فتح میں بدل دیا۔

لیکن حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا نعرہ ہائے مسرت قریش کے ایک شخص کے کانوں تک پہنچ چکا تھا جو عین اس جگہ پر رک گیا تھا جہاں سے نکل کر یہ سب اوپر چل دیئے تھے۔ یہ امیہ کا بھائی اُبی تھا جس نے اپنے گھوڑے عود پر بیٹھ کر قسم کھائی تھی کہ وہ اس گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرے گا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس نے جس کو قتل کرنے کا عہد کیا تھا وہ مر چکا ہے تو اس کی تصدیق کے لیے وہ اس جگہ پر پہنچا تھا کہ اگر جان باقی ہو تو اپنا عہد پورا کرے۔ جیسے ہی اس نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی پکار سنی تو گھوڑا دوڑاتا ہوا رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کے عقب میں پہنچ گیا۔ وہ اس کا سامنا کرنے کے لیے پلٹے تو اُبی نے للکارا ''اے محمد اگر آج تم بچ نکلو تو واللہ میں زندہ نہ رہوں۔'' صحابہ نے فوراً رسول اللہ ﷺ کو اپنے نرغے میں لے لیا اور ان میں کچھ اُبی کی للکار کا جواب دینے کے لیے اس پر حملہ کرنے ہی والے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں رک جانے کا حکم فرمایا۔ وہ اصحاب جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حلقہ میں لیا ہوا تھا انہوں نے بعد میں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جھٹک کر اپنے آپ کو اس حلقہ سے ایسے نکالا جیسے ان لوگوں کی حیثیت اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی مکھی سے بھی زیادہ نہ ہو۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت حارث بن الصمہ رضی اللہ عنہ سے نیزہ لیا اور اصحاب سے آگے نکل کر کھڑے ہو گئے۔ کسی کو اپنی جگہ سے ہلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اصحاب ہیبت کے عالم میں آپ کے باعزم و باجمال چہرے کو دیکھتے رہ گئے۔ جیسا کہ بعد میں ایک صحابی نے بتایا ''جب رسول اللہ ﷺ کسی کام کا ارادہ کر لیتے تھے تو پھر اس بارے میں ان کی سرگرمی کی دوسری مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔''[4] اُبی تلوار سونت کر آگے بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ اس کی تلوار بلند ہوتی رسول اللہ ﷺ نے اپنا نیزہ اس کی گردن میں گھونپ دیا۔ وہ بیل کی طرح ڈکرایا، ڈگمگایا اور گرتے گرتے اپنا توازن سیدھا کرتا ہوا ڈھلوان پر گھوڑا دوڑاتا ہوا ایسا بھاگا کہ سیدھا قریش کے پڑاؤ پر جا کر دم لیا۔ وہاں اس کا بھتیجا صفوان اور خاندان کے دوسرے لوگ جمع تھے۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے بے قابو آواز میں دہائی دی ''محمد (ﷺ) نے مجھے قتل کر دیا۔'' لوگوں نے اس کے زخم پر نظر ڈالی اور معمولی زخم

Marfat.com

سمجھتے ہوئے خاص توجہ نہ دی لیکن اُبی کو یقین تھا کہ وہ اس زخم سے بچ نہیں سکے گا اور ہوا بھی ایسا۔ اُبی نے بے قابو آواز میں کہا "اس نے مجھ سے کہا وہ مجھے مار دے گا اور خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتا تو میں مر جاتا۔" قریش کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود محمد (ﷺ) زندہ رہ سکتے ہیں۔ اُبی ویسے بھی اپنے ہوش میں نہ تھا اور پھر خُود سے چہرہ چھپا ہونے کی وجہ سے کسی کی پہچان ویسے بھی آسان نہیں ہوتی۔

جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ تنگ وادی سے نکل کر اوپر پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ چٹانوں کے درمیان رکے ہوئے پانی سے اپنی ڈھال بھر لائے اور اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ ٹھہرے ہوئے پانی کے تعفن کی وجہ سے آپ ﷺ نے پیاس کے باوجود اسے پینے سے گریز کیا اور تھوڑا سا پانی لے کر خون آلودہ چہرے کو صاف فرمانے کے بعد دشمن کی یلغار سے محفوظ رہنے کے لیے مزید بلندی کی جانب چلنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ نے چٹان سے نکلی ہوئی نکڑ پکڑ کر اپنے آپ کو اوپر اٹھانے کی کوشش فرمائی لیکن انتہائی نقاہت کے باعث ایسا نہ کر سکے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے زخموں کو بھولتے ہوئے اس نکڑ کے نیچے جھک گئے اور رسول اللہ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر لے کر مطلوبہ اونچائی تک پہنچا دیا۔ آپ ﷺ نے اس دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا "جو کسی شہید کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہے تو طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔"(۱۵)

پھر آپ اپنے اصحاب کے ہمراہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جو عارضی کیمپ کا کام دے سکے۔ سورج انتہائی بلندی پر پہنچ چکا تھا اس لیے ظہر کی نماز ادا کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر نماز کی امامت فرمائی، صحابہ نے بھی آپ ﷺ کی تقلید کی۔ اس کے بعد لوگ آرام کی خاطر دراز ہو گئے۔ کئی ایک گہری نیند سوئے اور فرحت آمیز نیند سے لطف ہوئے۔ اس تمام عرصہ میں صحابہ کی جماعت باری باری مناسب مقام سے نیچے میدان کو نگاہ میں رکھے ہوئے پہرہ دیتی رہی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن اسحٰق: ۵۶۸ ۲۔ واقدی ۲۷۴ ۳۔ واقدی: ۲۷۵ ۴۔ واقدی: ۲۸۰

۵۔ ابن سعد: ۱/۱، ۴۔۳۲ یہ نام دس سے زیادہ ہیں ہاشم کی ماں اور لوی کی ماں کے۔ عاتکہ، طاہرہ یعنی پاک کا ہم معنی

۶۔ واقدی: ۲۵۷ ۷۔ ابن اسحٰق: ۵۷۲ ۸۔ بخاری: ۵۲، ۲۲ ۹۔ واقدی: ۲۴۵ ۱۰۔ اصل تصنیف، صفحہ ۸۲

۱۱۔ واقدی: ۲۸۰ ۱۲۔ بخاری: ۵۶، ۱۲ ۱۳۔ واقدی: ۲۴۷ ۱۴۔ واقدی: ۲۵۱ ۱۵۔ ابن ہشام: ۵۷۱

Marfat.com

بابُ: ۵۳

انتقام

اب قریش اپنے مقتولوں اور زخمیوں کو سنبھالنے میں مصروف تھے۔ ان کا نقصان زیادہ نہیں ہوا تھا۔ تین ہزار میں سے تیئس مارے گئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے دشمن کے مقتولوں کی گنتی کی تو ان کی تعداد 65 نکلی۔ ان میں سے اکثر کو وہ جانتے بھی نہ تھے۔ ان مقتولوں میں مہاجرین کی تعداد صرف تین تھی۔ بنو ہاشم کے حضرت حمزہ، عبدالدار کے حضرت مصعب اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہم۔ چند لاشیں اور زخمی ان کی نگاہ سے محفوظ رہے جن میں حضرت شماس رضی اللہ عنہ ہنوز زندہ لیکن حرکت کرنے سے معذور تھے۔ قریش رسول اللہ ﷺ کے جسد کو تلاش کرنے میں ناکام رہے۔ اسی تلاش کے دوران وحشی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گیا۔ ان کے پیٹ کو چاک کیا اور ان کا کلیجہ نکال کر ہندہ کے پاس لا کر پوچھا کہ "تیرے باپ کے قاتل کے قتل کے عوض مجھے کیا ملے گا؟" ہندہ نے جواب دیا "مالِ غنیمت میں میرا حصہ تمہارا ہے۔" "یہ لو حمزہ کا کلیجہ" وحشی نے ہندہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ پیش کیا۔ ہندہ نے کلیجے کو دانتوں سے کاٹا اور ایک ٹکڑا منہ میں ڈالا اور قسم پوری کرنے کے لیے تھوڑا سا نگل کر باقی تھوک دیا۔ "مجھے بتاؤ، اس کی لاش کہاں ہے؟" ہندہ نے وحشی سے پوچھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش پر پہنچ کر اس نے ان کے کان، ناک اور جسم کے مختلف حصوں سے گوشت کاٹنے کے بعد ہار، آویزے، پازیب اور دیگر زیورات اتار کر انعام میں وحشی کو دے دیے۔ ہندہ نے دوسری عورتوں کو بھی مسلمانوں کی لاشوں کی بے حرمتی کی ترغیب دی اور ان کے اعضا سے انتقام کے ہار بنانے کے بعد ایک چٹان کے اوپر چڑھ کر فتح کا نغمہ گایا۔ قریش کے ایک دو مردوں نے بھی اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لیے مسلمانوں کی لاشوں کا مُثلہ کیا۔ ان کے اس شرمناک عمل پر بدوی حلیفوں نے ناراضی کا اظہار کیا۔ جب ابوسفیان، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر نیزے کی انی چبھوتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ "او باغی لے اس کا مزہ چکھ" تو اس کے قریب سے کنانہ کے ایک

Marfat.com

قبیلے کا سردار گزرا۔ اس نے بلند آواز میں جسے ابوسفیان سن سکتا تھا کہا ''اے بنی کنانہ! کیا ایسا شخص قریش کا سردار ہوسکتا ہے جو اپنے ایک مردہ رشتہ دار کے ساتھ ایسا سلوک کرے؟'' ابوسفیان پشیمان ہو کر بولا ''کچھ نہیں ہوا، بس جانے دو، مجھ سے بھول ہوگئی۔'' (1)

اسی دوران ابوعامر اپنے بیٹے حنظلہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر آیا اور اس کا ماتم کرتے ہوئے کہا ''کیا میں نے تمہیں اس شخص سے خبردار نہیں کیا تھا؟'' اس کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی جانب تھا۔ ''تو اپنے باپ کا بڑا فرض شناس بیٹا تھا۔ تو زندہ تھا تو خوش کردار تھا اور اب موت بھی ان کے ساتھ نصیب ہوئی ہے جو اپنے چمن کے بہترین پھول تھے۔ اگر اللہ نے اس شہید کو (اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش کی جانب اشارہ کیا) یا محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو اجر سے نوازا تو میری دعا یہی ہے کہ وہ تمہیں بھی نیک جزا دے۔'' (2) پھر اس نے ہندہ اور دوسری عورتوں کی جانب غصے سے نگاہ کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا ''اے قریش حنظلہ کی لاش کا مثلہ نہ کرو۔ کیا ہوا اگر یہ میری اور تمہاری مخالفت میں لڑتا ہوا مارا گیا۔'' انہوں نے اس کی خواہش کا احترام کیا۔

اب یہ سمجھ لیا گیا کہ اُبی کو غلط فہمی نہیں ہوئی تھی اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر سمیت میدان سے اوپر کسی بلند مقام پر تھے لیکن لڑائی ختم ہوچکی تھی۔ پہاڑ کے اوپر جاکر لڑنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ غلاموں کو پڑاؤ اٹھانے کا حکم دیا جاچکا تھا۔ اس لیے جب وہ اپنے مقتولوں کو دفن کرچکے اور دشمنوں کی لاشوں سے جی بھر کر انتقام کی آگ ٹھنڈی کرچکے تو انہوں نے مسلمانوں کی زرہیں اور وہ سب کچھ جو مالِ غنیمت کے طور پر سمیٹا جاسکتا تھا اپنے اونٹوں پر لادا اور روانگی کے لیے تیار ہوگئے۔ لیکن اس سے قبل ابوسفیان اپنی بھوری گھوڑی پر سوار ہوا اور احد کے نیچے اس جگہ پر جو اس مقام سے قریب تر تھی جہاں رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ موجود تھے بلند آواز میں چلایا ''جنگ کا پانسہ پلٹتا رہتا ہے، اور یہ جنگ کے بدلے جنگ تھی، ہُبل کی جے! اپنے دین کو غالب اور سرفراز کر۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''عمر جاؤ اور اس کو جواب دو'' ''اللہ اعلیٰ و اجل بلند و برتر ہے۔ تم ہماری برابری نہیں کرسکتے۔ ہمارے شہدا جنت میں ہیں اور تیرے مقتول دوزخ میں جل رہے ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑی چٹان کے کنارے پر گئے جس کے نیچے ابوسفیان کھڑا تھا اور اسے اسی طرح جواب دیا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی تھی۔ ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز پہچان لی اور پکار کر کہا ''عمر! میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد (ﷺ) کو قتل نہیں کردیا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ''اللہ کی قسم ہرگز نہیں، وہ یہ سب کچھ سن رہے ہیں۔'' ابوسفیان نے کہا ''میں تمہاری زبان سے نکلے ہوئے لفظوں کو ابن قمیّہ کے مقابلے میں سچ سمجھتا ہوں۔'' پھر وہ رخصت ہونے کے لیے واپس مڑا لیکن پھر

Marfat.com

رخ بدل کر پلٹا اور کہنے لگا ''تمہارے مقتولوں میں سے چند لاشوں کا مثلہ کیا گیا ہے لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں اس سے خوش ہوں اور نہ ناراض۔ نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ ہی اس سے روکا۔'' پھر یہ کہتا ہوا وہاں سے چل نکلا کہ ''اگلے سال ہمارا مقابلہ بدر کے میدان میں ہوگا۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو یہ کہنے کے لیے چٹان پر بھیجا ''ہم دونوں کی ملاقات پکی۔''(۳)

ابوسفیان اپنی گھوڑی پر سوار میدان کا فاصلہ طے کر کے دوسرے سرے پر اپنی فوج سے جا ملا جو اس کی منتظر تھی اور سب جنوب کی سمت روانہ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اتنی دور سے یہ اندازہ کرنا مشکل ہوا کہ ان کی فوج کا رخ کدھر ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ زہرہ کے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ میدان میں اتر کر ان کا پیچھا کریں اور معلوم کریں کہ ان کے عزائم کیا ہیں۔ ''اگر ان کے گھوڑے آگے آگے ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اور وہ اونٹوں پر سوار ہوں تو سمجھ لینا کہ وہ مکہ واپس جا رہے ہیں لیکن اگر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹ ان کے آگے ہوں تو وہ مدینہ جا رہے ہوں گے اور اس کی قسم جس کے اختیار میں میری جان ہے اگر ان کا ارادہ مدینے کا ہے تو میں ان سے پہلے وہاں پہنچ کر ان سے جنگ کروں گا۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس تنگ وادی میں جہاں اس وقت سے جب یہ لوگ احد پہنچے تھے، رسول اللہ ﷺ کا گھوڑا اسکب بندھا ہوا تھا، اس پر سوار ہو کر مکہ والوں کا پیچھا کر کے ان کے اتنا قریب پہنچ گئے جہاں سے وہ قریش کی فوج کی ترتیب دیکھ سکتے تھے۔ پھر وہ عجلت میں یہ خوشخبری لے کر واپس لوٹے کہ ان کے سوار اونٹوں کی پیٹھ پر ہیں اور برابر میں چلنے والے گھوڑوں پر کوئی سوار نہیں۔ جیسا کہ خالد کے ساتھ فیصلہ کن حملے میں شریک عمرو نامی ایک شخص نے بعد میں بتایا ''ہم نے سنا تھا کہ ابن ابی فوج کا ایک تہائی حصہ لے کر مدینہ واپس ہو گیا ہے اور یہ کہ اوس اور خزرج کے کچھ لوگ بھی مدینہ میں رہ گئے تھے اور ہمیں یہ بھی یقین نہیں تھا کہ پسپا ہونے والے دوبارہ حملہ آور نہیں ہوں گے۔ ہم میں بہت سے زخمی بھی تھے اور تقریباً سبھی گھوڑے بھی تیروں سے چھلنی تھے اس لیے ہم واپس چلے گئے۔''(۴)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ابن اسحٰق: ۵۸۲ ۲۔واقدی: ۲۷۴ ۳۔ابن اسحٰق: ۵۸۳ ۴۔واقدی: ۲۹۹

Marfat.com

باب: ۵۴

شہدائے اُحد کی تدفین

اب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ اُحد کی بلندی سے اتر کر نیچے میدان میں آئے۔ حضرت حارث بن الصمہ رضی اللہ عنہ کو پہلے آگے بھیج دیا گیا تھا کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش تلاش کریں لیکن جب انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش کی حالت دیکھی تو واپس جا کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دینے کی بجائے مبہوت ہو کر وہیں کھڑے رہ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے روانہ کیا گیا تو انہوں نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو دہشت زدہ حالت میں کھڑے دیکھا۔ دونوں ایک ساتھ واپس آئے اور جب رسول اللہ ﷺ نے خود جا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش کا مشاہدہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے زندگی میں اتنا غصہ کبھی نہیں آیا جتنا اب آ رہا ہے۔ آئندہ اللہ نے مجھے قریش پر فتح نصیب کی تو میں ان کے تیس مردوں کا مثلہ کروں گا۔"(۱) لیکن فوراً ہی وحی نازل ہوئی "اگر تم لوگ بدلہ لو تو اتنا ہی کہ جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔"(۲) یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف انتہائی غم و غصے کے عالم میں دی گئی دھمکی پر کبھی عمل نہیں فرمایا بلکہ ہر جنگ میں واضح طور پر مردے کا مثلہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔ جہاں تک خود اس جنگ کا تعلق ہے تو آپ ﷺ نے اصحاب سے فرمایا کہ انسانی چہرے کا احترام کریں کیونکہ وہ اللہ سے سب سے بڑھ کر مماثل جسم کا حصہ ہے اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنے پیکر میں پیدا کیا ہے۔(۳)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی نعش حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش سے زیادہ دُور نہیں تھی اور ان کی نعش کا بھی مثلہ کیا گیا تھا لیکن جب رسول اللہ ﷺ اس مقام سے ہٹ کر دیگر شہدا کی تلاش میں چلے تو ان کے سامنے ایک بالکل ہی مختلف منظر تھا۔ ان میں جو نعش ان کے اقرباء کے قریب تھی وہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کی نعش تھی۔ قریش کے کسی

Marfat.com

مرد نے ان کو ہاتھ لگانے کی جسارت نہ کی تھی۔ دوپہر کی گرمی کے باوجود ان کے بال گیلے تھے اور وہ ایسے لیٹے ہوئے تھے جیسے فرشتوں نے غسل دے کر آرام سے لٹا دیا ہو۔ ان کے پاس سے جو بھی گزرا وہ شکر کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ اس شہید کا حسن و جمال اور سکون ایک ایسے معجزے کا حامل تھا جو مسلمان سوگواروں کو ان کے شہید عزیز و اقرباء کی جنت میں موجودگی کا یقین دلا رہا تھا۔

قریب ہی حضرت خثیمہ اور حضرت ابن الدحداحہ رضی اللہ عنہما کی نعشیں بھی پڑی تھیں۔ حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ وہی تھے جن کے شہید بیٹے نے خواب میں ظاہر ہو کر اپنے والد سے جلد ملاقات کی خواہش کی تھی اور حضرت ثابت بن الدحداحہ رضی اللہ عنہ وہ تھے جنہوں نے یتیم بچے کو کھجور کا درخت ہدیتاً دے دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی نعش دیکھ کر فرمایا کہ "کھجوروں کے درخت جو خوشوں کے وزن سے لٹک گئے ہوں، ان کی کتنی وافر تعداد ہے جو جنت میں ابن الدحداحہ رضی اللہ عنہ کو مل گئی ہے۔"(۴)

قبیلہ اوس کے اصحاب اپنے شہدا کی نعشوں کو تلاش کر رہے تھے تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان کا ایک آدمی جس کا نام حضرت اسیرم رضی اللہ عنہ تھا اور جسے صرف ایک دن پہلے انہوں نے اسلام میں داخل نہ ہونے پر ملامت کی تھی۔ ان سے جب کبھی اسلام کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتے "جو کچھ تم کہتے ہو اگر میں جان گیا کہ سچ ہے تو میں اسے قبول کرلوں گا۔" وہ نہ صرف میدانِ جنگ میں موجود تھے بلکہ شدید زخموں سے چُور تھے۔ انہوں نے پوچھا "تم یہاں کیسے؟" کیا اپنے خاندان کی محبت میں آئے ہو یا اسلام کی خاطر؟ انہوں نے جواب دیا "یہ اسلام کی خاطر ہے۔ بس میرے دل میں اللہ اور اس کے رسول پر یقین پیدا ہوا اور میں مسلمان ہو گیا۔ پھر آج صبح ہی میں نے تلوار تھامی تا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو جاؤں اور میں لڑتا رہا حتیٰ کہ مجھ پر وار ہوا اور میں زمین پر آ رہا۔" وہ مزید کچھ نہ کہہ سکے۔ اصحاب آپ کے پاس تب تک رکے رہے جب تک دم میں دم رہا۔ پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس بارے میں بتایا تو آپ نے ان کو یقین دلایا کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔ بعد کے سالوں میں حضرت اسیرم رضی اللہ عنہ ایک ایسی ہستی کے طور پر مشہور ہوئے جو نمازِ پنجگانہ میں سے ایک نماز ادا کیے بغیر ہی شہادت کے صدقے سیدھے جنت میں داخل ہو گئے۔

شہدا میں سے ایک ایسے اجنبی کی نعش بھی ملی جن کے بارے میں پہلے پہل کچھ معلوم نہ ہوا لیکن بعد میں ایک صحابی نے پہچان لیا کہ وہ یہودی قبیلے ثعلبہ کے ایک ذی علم ربی مخیریق کی نعش ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اسی صبح مخیریق نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو طلب کر کے ہدایت کی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جو عہد کیا تھا اس کی پابندی کریں اور بت پرستوں کے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ دیں۔ جب یہودیوں نے احتجاج کیا

Marfat.com

کہ یہ یومِ سبت ہے تو انہوں نے کہ ''تم لوگ سبت کی پابندی صحیح طور پر نہیں کرتے۔'' اس کے بعد انہوں نے لوگوں سے حلف لیا اور کہا تم گواہ رہنا کہ صرف اور صرف محمد (ﷺ) ان کے وارث ہیں اور یہ کہ ''اگر آج میں قتل ہو جاؤں تو میرے تمام مال و اسباب کے وارث محمد (ﷺ) ہوں گے اور وہ اس کو ایسے ہی استعمال کریں گے جیسا اللہ کا حکم ہوگا۔'' اس کے بعد اپنی تلوار اور دوسرے ہتھیار سنبھالتے ہوئے احد کی جانب روانہ ہو گئے۔ جہاں انہوں نے مرتے دم تک جنگ کی۔ اس کے بعد خیرات کا بڑا حصہ جو مدینہ میں تقسیم کیا جاتا تھا کھجور کے ان باغات کی آمدن سے حاصل ہوتا تھا جن کی وراثت مخیریق نے رسول اللہ ﷺ کو سونپ دی تھی۔ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ ''یہودیوں میں سے بہترین تھا۔''

جیسے ہی یہ امر واضح ہو گیا کہ مکہ والے جس راستہ سے آئے تھے، مدینہ سے ہٹ کر اسی راستہ سے مکہ واپس جا رہے ہیں تو مدینہ سے عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان افواہوں کی تصدیق کے لیے نکل پڑیں جو ان تک پہنچی تھیں۔ سب سے آگے آگے سیّدہ صفیہ، سیّدہ عائشہ اور سیّدہ امِ ایمن رضی اللہ عنہن تھیں۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو قریب آتا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ پریشان ہو گئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا ''اپنی والدہ کے معاملے میں میری مدد کرو۔ انہیں واپس لے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ کیا گیا سلوک دیکھ لیں۔'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ''آپ کو رسول اللہ ﷺ نے واپس جانے کا حکم دیا ہے۔'' لیکن سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو میدان میں پہنچنے سے پہلے ہی تمام خبر مل چکی تھی۔ انہوں نے کہا ''میں واپس کیوں جاؤں۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے لیکن یہ معاملہ اللہ کی راہ میں ہوا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آئے ہمیں صدقِ دل سے قبول ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ان شاءاللہ صبر و تحمل سے کام لوں گی۔'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ نے فرمایا ''ٹھیک ہے ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔'' سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی نعش پر آئیں، ایک نظر ڈالی اور ان کی مغفرت کی دعا کی، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ وہاں موجود سب اصحاب نے اس آیت کے سیاق و سباق کا اعادہ کر کے اپنے قلب کو سکون دیا۔ یہ آیت اس وحی کا حصہ ہے جو بدر کے بعد نازل ہوئی تھی۔

> ''اے ایمان والو (مصیبت میں) صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردہ مت کہو۔ وہ حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔ اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور کمائی کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش

Marfat.com

کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو یہ کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ انہیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی جانب سے بڑی عنایات ہوں گی۔ اس کی رحمت ان پر سایہ فگن ہو گی اور ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔'' (5)

اس کے بعد سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنی بہن سیّدہ اُمیمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی نعش پر پہنچیں اور فاتحہ پڑھی۔ جلد ہی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں آن پہنچیں۔ دونوں نے اپنے شہدا کے لیے آنسو بہائے اور ان کے ساتھ مل کر آنسو بہانے سے رسول اللہ ﷺ کا دل بھی ہلکا ہو گیا۔ اس کے بعد سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ اس اثنا میں ان کی پھوپھی زاد بہن حمنہ رضی اللہ عنہا آتی دکھائی دیں اور جب انہیں بتانا پڑا کہ ان کے بھائی، چچا اور شوہر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں تو ان کے غم کی کیفیت دیدنی تھی۔ جس وقت جنگ اپنے شباب پر تھی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر، جو آپ ﷺ کے خیال میں اب بھی جھنڈا لیے کھڑے تھے، پکارا تو اس شخص نے جواب دیا تھا کہ ''میں مصعب رضی اللہ عنہ نہیں ہوں۔'' تو آپ نے جان لیا تھا کہ وہ فرشتہ ہے اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ یا تو شہید ہو چکے ہیں یا شدید زخمی ہو کر گر پڑے ہیں۔ آپ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی نعش پر کھڑے ہو کر ان آیات کی تلاوت فرمائی:

''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے گئے عہد کو سچ کر دکھایا۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور کوئی آنے والے وقت کا منتظر ہے۔ انہوں نے اپنی بات ذرا بھی نہیں بدلی۔'' (6)

رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ سب شہدا کی نعشوں کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش کے قریب رکھ دیا جائے اور قبریں کھودی جائیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک عبا میں لپیٹ دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے ہر شہید کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ اس روز جنازے کی بہتر نمازیں پڑھی گئیں۔ جیسے جیسے قبریں تیار ہوتی گئیں ان میں دو یا تین شہدا کو دفن کر دیا جاتا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، ان کے بھانجے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ابن اُمیمہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کو ایک ساتھ دفن کیا گیا۔ ہر تدفین پر رسول اللہ ﷺ خود امامت فرما رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو تلاش کرو۔ اس دنیا میں وہ ایک دوسرے کے جگری دوست تھے اس لیے دونوں کو ایک ہی قبر میں لٹانا۔'' لیکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی بیوی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بہن، ہند رضی اللہ عنہا ان دونوں کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کی

Marfat.com

نعش بھی لے کر روانہ ہو چکی تھیں۔ان کا ارادہ انہیں مدینہ لے جانے کا تھا لیکن ان کے اونٹ نے میدانِ جنگ کے سرے پر پہنچ کر آگے چلنے سے انکار کر دیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا حکم تھا۔اس طرح وہ مجبوراً ان نعشوں کو احد کے میدان میں واپس لے آئیں۔ان تینوں کو ایک ہی قبر میں ڈال دیا گیا اور جب تک تدفین مکمل نہ ہوئی آپ ﷺ وہیں کھڑے رہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے ہند رضی اللہ عنہا! وہ سب کے سب جنت میں اکٹھے ہیں۔عمرو، تمہارا بیٹا خلاد اور تمہارا بھائی عبداللہ۔ہند رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ سے دُعا کیجئے وہ مجھے بھی ان سے ملا دے۔''

اکثر و بیشتر شہدا کے عزیز و اقارب کے برعکس مزینہ قبیلے کے صحابی کا کوئی عزیز وہاں موجود نہ تھا کیونکہ ان کا بھتیجا شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہید ہو چکا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ ان کی نعش کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پہلو میں کھڑے ہو کر فرمایا ''اللہ تم سے ایسے ہی خوش ہو جیسا تم سے میں خوش ہوں۔''(۷) صحابہ نے ان کو سبز دھاری کی اس عبا میں لپیٹ دیا جو وہ پہنے ہوئے تھے۔جب ان کو قبر میں لٹایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے عبا کو کھینچ کر ان کا چہرہ ڈھک دیا۔اس سے ان کے پاؤں کھل گئے تو آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ میدانِ جنگ سے ایک صحرائی جھاڑی لا کر ان کے پاؤں پر پھیلا کر ان پر مٹی ڈالیں۔آپ نے کئی شہدا کے بارے میں چہرہ اور پیر ڈھکنے کی ہدایت فرمائی۔

جب آخری قبر تیار ہو گئی تو آپ نے اپنا گھوڑا منگوایا اور اس پر سوار ہو کر صبح جس راستے سے آئے تھے اس پر واپس چل دیئے۔جب آپ وہاں پہنچے جہاں آتش فشانی چٹانوں کی قطار شروع ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے اصحاب کو ایک صف میں کھڑا ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کو کہا۔سب اصحاب نے مکہ کی جانب رخ کر کے دو صفیں ترتیب دیں، خواتین ان کے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔سب ملا کر چودہ خواتین تھیں۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہوئے دعا فرمائی کہ ''اے اللہ میں تجھ سے رحمت و برکت کی التجا کرتا ہوں۔تیرے فضل اور درگزر کا خواستگار ہوں۔یا اللہ میں تیری بارگاہ میں ابدی سعادت کا متمنی ہوں جس میں نہ کبھی کمی ہوتی ہے اور نہ ختم ہوتی ہے۔یا اللہ مجھے خوف وخطر کے ایام میں اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھ اور تنگدستی اور افلاس کے دنوں میں کشادگی اور افراط سے نواز۔''(۸)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ابن اسحٰق: ۵۸۴ ۲۔قرآن: ۱۶:۱۲۶ ۳۔احمد ابن حنبل: ۱:۲۵۱۔ مسلم: ۳۲،۴۵ ۴۔واقدی: ۵۰۵

۵۔ابن اسحٰق: ۷۔۱۵۳ ۶۔قرآن: ۳۳:۲۳ ۷۔واقدی: ۲۷۷ ۸۔واقدی: ۳۱۵

Marfat.com

باب: ۵۵

غزوۂ اُحد کے بعد

جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ مسجد میں پہنچتے ہی مغرب کی نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے اور اتنی گہری نیند سوئے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عشا کی اذان کی آواز نہ سن سکے۔ بعد میں آنکھ کھلنے پر آپ ﷺ نے اکیلے ہی نمازِ عشاء ادا کی۔ انصار کے دونوں سعد، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور اوس و خزرج کے دیگر سرداروں نے رات مسجد کے دروازہ پر باری باری پہرہ دے کر گزاری۔ انہیں خدشہ تھا کہ قریش مدینہ پر حملہ کے لیے واپس نہ لوٹ آئیں۔ دوسری صبح جب نماز ادا کی جا چکی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دشمن کا تعاقب کرنے کے لیے اکٹھا ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا ''ہمارے ساتھ صرف وہی جائیں گے جو کل احد کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔''

جب سردار اپنے قبائل میں واپس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ بیشتر صحابہ خود یا ان کی خواتین ان کے زخموں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی میں مصروف ہیں۔ احد میں شاید ہی کوئی ایسے صحابی تھے جو زخمی نہ ہوئے ہوں۔ ان میں بیشتر ایسے تھے جو زخموں سے چور چور تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی طلبی کا اعلان سنتے ہی وہ اپنے زخموں کی جیسے تیسے مرہم پٹی کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن حضرت مالک اور حضرت شماس رضی اللہ عنہما کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ اپنی جگہ سے ہل سکیں۔ حضرت مالک رضی اللہ عنہ انتہائی نقاہت کے عالم میں تھے اور ان کا گھرانا ان کی دیکھ بھال میں لگا ہوا تھا جبکہ حضرت شماس رضی اللہ عنہ کا کوئی رشتہ دار مدینہ میں موجود نہ تھا اس لیے انہیں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں منتقل کیا گیا تھا لیکن امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے قبیلے کا فرد قرار دیتے ہوئے ان کی نگہداشت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ ان کے زندہ رہنے کا کوئی امکان نظر نہ آ رہا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت کر دی کہ ان کے پیچھے اگر ان کا انتقال ہو جائے تو انہیں مدینہ کی بجائے احد میں ان کے ساتھی شہدا کے ساتھ دفن کیا جائے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے تیار ہو گئے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ کی جسمانی حالت یہ تھی کہ دایاں کندھا، جو اس وار کو جس کا ہدف آپ ﷺ کا سر تھا، اپنے اوپر لینے کے باعث مشکل سے ہی ہلنے کے قابل تھا لیکن جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کوچ کے بارے میں پوچھنے آئے تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ آپ ﷺ مسجد کے دروازے پر گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ کا خود چہرے پر گرا ہوا تھا اور آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو زخموں کے باعث معذوری کی حالت میں تھے، فوراً واپس پلٹے تا کہ تیار ہو کر آپ ﷺ کے ہمراہ چل سکیں۔

بنی سلمہ کے جو اصحاب آپ کی معیت میں روانہ ہوئے ان میں سے چالیس زخم خوردہ تھے۔ ان میں سے بعض تو ایسے تھے جن کے جسم پر تلوار، نیزے یا تیر کے دس دس گھاؤ تھے۔ جب آپ ﷺ نے وقتِ مقررہ پر صفوں کا معائنہ کیا تو ان کی حالت دیکھ کر بہت مسرور ہوئے کہ اصحاب کی روحانی قوت کس طرح جسمانی قوتوں پر غالب آ چکی ہے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی ''یا اللہ بنی سلمہ پر رحم و کرم فرما!'' تمام قبائل میں سے صرف ایک صحابی ایسے تھے جنہوں نے جنگِ احد میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ان کا نام جابر رضی اللہ عنہ تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا صبح کا اعلان سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی تھی کہ ''اے اللہ کے رسول! میں جنگِ احد میں شریک ہونے کا بڑا مشتاق تھا لیکن میرے باپ نے مجھے اپنی سات جوان بہنوں کا ذمہ دار بنا کر پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اور یوں اللہ نے میری تمنا کے باوجود شہادت کے لیے میرے والد کو مجھ پر ترجیح دی۔ اب آپ مجھے اپنے ساتھ لے چلیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔

لشکر کا پہلا پڑاؤ مدینہ سے آٹھ میل کی دوری پر ہوا۔ اس وقت دشمن روحاء پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ یہ مقام ان کی منزل سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ سنا تو آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اس علاقہ میں دور تک پھیل جائیں اور جس قدر ممکن ہو لکڑیاں اکٹھی کر کے ہر صحابی اپنے طور پر ڈھیر تیار کرے۔ رات ہونے تک انہوں نے پانچ سو سے زیادہ ڈھیر تیار کر لیے۔ جوں ہی اندھیرا ہوا تو ہر صحابی نے اپنے ڈھیر کو آگ لگائی۔ پانچ سو الاؤ کی روشنی دور دور تک پھیل گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بڑی فوج ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے۔ اس تاثر کی توثیق بنوخزاعہ کے ایک شخص جو بت پرست ہونے کے باوجود مسلمانوں کے بارے میں مثبت جذبات رکھتا تھا، نے کر دی۔ اس نے ابوسفیان کو غلط بیانی کرتے ہوئے بتایا کہ مدینہ کا پورا شہر ان کے تعاقب میں نکل آیا ہے اور اب ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل ہیں جو احد کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اب یہ سب لوگ اپنے حلیفوں سمیت تمہارے تعاقب میں نکل آئے ہیں۔ اس نے کہا ''بخدا! تم کو یہاں سے ہلنے کا

Marfat.com

موقع بھی نہیں ملے گا قبل اس کے کہ تمہیں ان کے رسالے کے گھوڑوں کی عیال نظر نہ آ جائے۔" بعض قریش واپس جا کر مدینہ پر حملہ کرنے کی فکر میں تھے۔ لیکن یہ صورتِ حال دیکھ کر انہوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ جتنی سرعت کے ساتھ ممکن ہو مکہ واپس جایا جائے۔ لیکن ابوسفیان نے رخصت سے پہلے ایک پیغام ان سواروں کے ذریعے رسول اللہ ﷺ تک بھیجا جو سامانِ خورد ونوش کی فراہمی کے لیے مدینہ جا رہے تھے۔ پیغام کچھ یوں تھا "محمد (ﷺ) کو جا کر بتا دینا کہ ہم لوگوں نے ان کے اور ان کے ساتھیوں کے خلاف جو عزم کر رکھا ہے اس کو حاصل کرنے تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ہماری دشمنی جاری رہے گی جب تک ہم ان کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیں اور باقی بچنے والوں کو صفحہ زمین سے نہ مٹا دیں۔" ابوسفیان نے اس پیغام رسانی کے صلے میں یہ بھی کہا کہ "اس پیغام رسانی کے عوض عکاظ کے بازار میں تمہارے اونٹ کو کشمش کی کھیپ سے بھر دوں گا۔" جب ان سواروں نے ابوسفیان کا پیغام رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا تو آپ نے اس کے جواب میں حال ہی میں نازل ہونے والی وحی کی آیت تلاوت کی کہ "ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ اور اصحاب نے پیر، منگل اور بدھ تک پڑاؤ ڈالے رکھا۔ ہر رات روشنی کے الاؤ جلائے جاتے۔ یہ دن ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو آرام وسکون اور کھانے پینے میں فراغت کی سخت ضرورت تھی۔ گزشتہ موسم میں پھلوں کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے تیس اونٹوں پر خرمہ لاد دیا تھا۔ ان کے علاوہ قربانی کے دوسرے اونٹ بھی تھے۔ جمعرات کو آپ ﷺ مدینے واپس تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے مدینہ سے کوچ کرتے ہی حضرت شماس رضی اللہ عنہ نے دم توڑ دیا تھا اور انہیں احد لے جا کر دفن کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی عدم موجودگی میں حضرت مالک رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن ان کے گھر والوں نے انہیں مدینہ ہی میں دفن کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے واپسی پر ان کی میت کو بھی احد لے جا کر دفن کرنے کا حکم فرمایا۔

احد سے واپسی کے بعد ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رات گئے تک اپنے زخم کو داغنے میں مصروف رہے تھے۔ جبکہ ان کا باپ اس جنگ میں ان کی شمولیت پر اعتراض کرتا رہا۔ اس نے کہا "خدا کی قسم! ایسا لگتا تھا کہ جو کچھ بھی ہونے والا ہے مجھے اس کی پہلے سے خبر تھی۔" بیٹے نے جواب دیا "اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے حق میں جو بہتر تھا وہی کیا۔" ابن ابی اپنے موقف کو سچ ثابت کرنے کے لیے مصر ہوا کہ "جو لوگ قتل ہوئے اگر وہ ہمارے ساتھ ہوتے تو قتل ہونے سے بچ جاتے۔" ابن ابی کی زبان اس وقت بھی بند نہ ہوئی جب اس کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینے سے باہر گیا ہوا تھا۔ اسی طرح یہودی بھی یہ کہنے سے باز نہ آئے کہ "محمد (ﷺ) صرف تاج وتخت حاصل کرنے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ کسی نبی کو کبھی بھی

Marfat.com

ایسی شکست کا سامنا نہیں ہوا۔ وہ خود بھی زخمی ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کروایا۔''

منافقین اور یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ اور اصحاب کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ ''مشعلوں والی مہم'' کی واپسی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں آیا تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شر انگیزی پھیلانے والوں کی گردن اڑانے کی اجازت طلب کی لیکن آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا ''اللہ خود اپنے دین کو غالب کرے گا اور وہی اپنے رسول کو قوت بخشے گا'' آپ ﷺ نے مزید فرمایا ''اے خطاب کے فرزند! آج کے بعد قریش ہم پر کبھی غالب نہیں ہوں گے۔ اور ہم اس گوشے کی زیارت حاصل کریں گے۔''(۴) اس گوشے سے مراد خانہ کعبہ میں داخل ہو کر حجر اسود کو بوسہ دینا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ تو پورا نہ ہو سکا لیکن ابن ابی چوٹ کھانے سے نہ بچ سکا۔ اس نے مسجدِ نبوی میں نمازِ جمعہ کے موقع پر ایک باعزت مقام سنبھالا ہوا تھا۔ مدینے میں ایک عرصے سے اس کے مقام اور مرتبے کے پیشِ نظر صحابہ نے بھی اس مقام پر قابض ہونے کو گوارا کیا ہوا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کا خطبہ دینے کھڑے ہوتے تھے تو ابن ابی اپنے مخصوص مقام پر کھڑا ہو کر لوگوں سے کہتا ''اے لوگو! یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے واسطے سے اللہ تم پر رحمتیں نازل کرے اور تمہیں قوت عطا فرمائے۔ تم ان کی مدد کرو اور ان کی توقیر کرو۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے سنو اور اس کی تعمیل کرو۔'' اس کے بعد وہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا۔ لیکن ''شمعوں کی مہم'' سے واپسی کے بعد جمعہ کی نماز کے موقع پر ابن ابی حسبِ سابق مقررہ الفاظ کہنے کو اٹھا تو اس کے دائیں بائیں بیٹھے انصاری صحابہ نے اسے اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا ''دشمنِ خدا بیٹھا رہ، جو کچھ تو کر چکا ہے اس کے بعد تو کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا۔'' اس پر ابن ابی جماعت چھوڑ کر صفوں سے الٹا سیدھا راستہ بناتا ہوا باہر چل دیا۔ دروازے پر ایک صحابی نے اسے کہا ''واپس جاؤ اور رسول اللہ ﷺ سے مغفرت کی درخواست کرو۔'' لیکن ابن ابی نے کہا ''واللہ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔''

آنے والے دنوں میں جنگِ احد کے بارے میں آیات کا نزول ہوتا رہا۔ ان آیات سے آشکار ہوتا رہا کہ دونوں قبیلوں کے ایک خاصے حصے نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی سنجیدگی سے لشکر کا ساتھ چھوڑ دینے کا سوچا ہوا تھا لیکن اللہ نے انہیں حوصلہ دیا اور انہیں قدم جما کر لڑنے کا عزم عطا کر دیا۔ ان دونوں خاندانوں میں بنی سلمہ خزرج کے تھے جبکہ دوسرا بنی حارثہ کا قبیلہ تھا جو اوس کی ضمنی شاخ تھے۔ ان دونوں قبائل کے افراد نے دشمن کے تعاقب میں روانہ ہونے والی فوج کا ساتھ نہ دینے کا فیصلہ کیا تھا اور نازل شدہ آیات ''یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ پر ہی

Marfat.com

بھروسہ کرنا چاہیے۔'' (۳) اتر نے کے بعد اعتراف کیا کہ یہ آیات ان کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے کمزور لمحات پر تاسف نہ کیا۔ کیوں کہ اللہ نے ان کی کمزوری کو قوت میں بدل دیا تھا جو ان کی ذاتی قوت سے کہیں بہتر تھی۔ دوسری آیات ان کے حوالے سے نازل کی گئی تھیں جو گھوڑ سوار رسالے کے بعد باقی رہ جانے والوں اور خصوصی طور پر ان صحابہ کے بارے میں تھیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر زور دیا تھا کہ شہر کی بجائے میدان میں جا کر دشمن سے جنگ کرنا چاہیے تاکہ انہیں شہید ہونے کا موقع مل سکے۔ ''(مسلمانو!) کیا تم یہ سمجھے ہو کہ یوں ہی جنگ میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے ہیں اور اس کی خاطر صبر کرتے ہیں۔ تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب موت سامنے نہ آئی تھی۔ لو وہ اب تمہارے سامنے آ گئی اور تم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔'' (۴) لیکن ان آیات میں یہ وضاحت بھی تھی کہ جنہوں نے احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کی تھی انہوں نے میدانِ جنگ میں اپنی غلطی کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اس کفارے کا ایک حصہ وہ شدید رنج والم تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی خبر سننے کے بعد ان کو گھیر لیا تھا۔ (۵) ان کے حوالے سے اس بات کو واضح کر دیا گیا تھا کہ قدیم تہذیبوں کے بچے کھچے کھنڈرات جو نظر آتے ہیں اور جو کچھ آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا ہے اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ عرب میں رائج نظام اب گزر جانے والا ہے اور اسلام کی فتح و نصرت قریب ہے۔ ''تم سے پہلے بہت سے دور گزر چکے ہیں۔ زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے اللہ کے احکام اور ہدایات کو جھٹلایا۔ یہ لوگوں کے لیے ایک کھلی اور صریح تنبیہ ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ دل شکستہ نہ ہو اور غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔'' اگر تم سچے مومن ہو تو تمہی غالب آؤ گے۔'' (۶)

اس وحی میں مستقبل کے لیے ایک اور حوالہ بھی تھا۔ ''محمد (ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں اس کی جزا ملے گی۔'' (۷)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۳: ۱۷۳ ۔ ۲۔ واقدی: ۳۱۷ ۔ ۳۔ قرآن ۳: ۱۲۲ ۔ ۴۔ قرآن: ۳: ۱۴۲-۱۴۳

۵۔ قرآن: ۳: ۱۵۲-۱۵۵ ۔ ۶۔ قرآن: ۳: ۱۳۷-۱۳۹ ۔ ۷۔ قرآن: ۳: ۱۴۴

Marfat.com

باب: ۵۶

انتقام کے شکار

دو ماہ یا کچھ زیادہ عرصہ تک کوئی ایسی بات نہ ہوئی جو امن میں خلل انداز ہوتی۔ لیکن اس کے بعد خبر آئی کہ بنی اسد بن خزیمہ نخلستانِ مدینہ پر دھاوا بولنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مکہ میں رہائش پذیر خاندانِ جحش اور بنی اسد کے دیگر قبائل کے برعکس نجد کے اس طاقتور اور دور دور تک پھیلے ہوئے قبیلے کے قریشِ مکہ سے بڑے گہرے اور قریبی تعلقات قائم تھے۔ قریشِ مکہ نے انہیں بھڑکا کر ان کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ احد کے میدان میں مسلمانوں کی شکست سے انہیں فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ان خبروں کے بعد پورے عرب کو یہ جتلانا ضروری تھا کہ احد کے بعد مسلمانوں کی طاقت میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ یہ جنگ بھی مسلمانوں کی قوت میں اضافے کا سبب بنی ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ایک سو پچاس صحابہ پر مشتمل ایک دستہ روانہ کیا جس میں سب مجاہدین پوری طرح ہتھیاروں سے لیس گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کی کمان رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ قبیلہ بنی اسد کا علاقہ وسطی ریگستان کے شمال میں پھیلا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جتنا بھی ان کے بس میں ہو سکے ان کے پڑاؤ پر اچانک اور بھرپور حملہ کیا جائے۔ یہ لوگ ہدایت کے بالکل مطابق عمل کرنے میں کامیاب رہے۔ مختصر سی محاذ آرائی اور خون ریزی کے بعد بدوی پسپا ہو کر بکھر گئے اور مسلمان تین گلہ بانوں اور اونٹوں کا بڑا گلہ ساتھ لے کر مدینہ لوٹے۔ اس فوجی مہم نے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کی جو اسلام کی بھرپور اور بڑھتی ہوئی قوت کی توثیق کا بھرپور مظہر تھی۔

اسی زمانے میں مدینہ کے جنوب سے بھی ایک حملے کی خبر ملی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے وجدان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام کے خلاف عناد کی یہ حرکت ایک غیر معمولی شیطان صفت شخصیت میں مرکوز ہے۔ یہ

Marfat.com

شخص قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ لحیانی کا سردار تھا۔ آپ کے خیال میں اس شخص سے چھٹکارا پانے کے بعد یہ خطرہ ٹالا جا سکتا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انس رضی اللہ عنہ خزرجی کو اس کے قتل کی ہدایت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے اس کا حلیہ بتا دیں تا کہ میں اس کو بخوبی پہچان سکوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تم اس کو دیکھو گے تو اس کا چہرہ تمہیں شیطان کی یاد دلائے گا اور اس بارے میں یقینی علامت یہ ہے کہ اس کا چہرہ دیکھ کر تمہارے جسم میں تھرتھری پیدا ہو جائے گی۔'' جیسا آپ ﷺ نے فرمایا ویسا ہی ہوا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس آدمی کو قتل کرنے کے بعد سلامتی سے واپس آ گئے۔

مدینہ پر حملے کا منصوبہ تو ختم ہو گیا لیکن اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ اپنے ایک سردار کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے ہذیل کے کچھ لوگوں نے ان چھ صحابہ کو اپنے حملے کا نشانہ بنایا جو تبلیغ کے لیے ہذیل کے پڑوس میں واقع دو چھوٹے قبیلوں کے پاس جا رہے تھے۔ یہ جھڑپ رجیع کے مقام پر ہوئی۔ اس مقام پر قافلے پانی لینے کے لیے اترتے تھے اور یہ مکہ سے زیادہ دور نہ تھا۔ جھڑپ میں تین صحابی شہید ہوئے اور تین کو قیدی بنا لیا گیا۔ ایک صحابی فرار ہونے کی کوشش کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ شہید ہونے والے صحابہ میں قبیلہ اوس کے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے احد میں قریش کے دو علم برداروں کو قتل کیا تھا۔ ان مقتولوں کی ماں نے قسم کھائی تھی کہ وہ ان کی کھوپڑی میں شراب پیے گی۔ ہذیل کے آدمی حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی نعش کو اس عورت کے ہاتھ فروخت کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھے لیکن حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی نعش کو شہد کی مکھیوں کے ہجوم نے رات ہونے تک اپنے تحفظ میں لیے رکھا اور پھر رات گئے ایک سیلاب آیا اور ان کی نعش بہا لے گیا۔ اس طرح اس عورت کی قسم پوری نہ ہو سکی۔ باقی دو اصحاب، قبیلہ اوس کے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور خزرج کے حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ دونوں قریش کے ہاتھوں فروخت کر دیئے گئے۔ بدر کے مقتولوں کا بدلہ لینے کا کوئی بھی موقع قریش کے لیے خوشی و مسرت کا سامان رکھتا تھا۔ حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کو بنی نوفل کے ایک حلیف نے خرید کر اپنے قبیلے کے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے تحفہ کر دیا کہ وہ اپنے باپ کے قتل کے بدلے میں ان کو شہید کر دے۔ اسی طرح صفوان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو خریدا اور ان دونوں اصحاب کو حرام مہینے گزرنے کے انتظار میں قید میں رکھ دیا گیا۔

ماہِ صفر کا چاند نظر آیا تو ان دونوں کو مقدس حدود سے باہر نکال کر تنعیم کے مقام پر لے جایا گیا۔ قیدی بننے کے بعد سے دونوں کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔ اس کے بعد بنی نوفل کے لوگ دیگر افراد کے ساتھ حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کو تھوڑے فاصلہ پر لے گئے۔

Marfat.com

حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ نے یہ جان کر کہ اب وہ انہیں ستون سے باندھنے لگے ہیں ان سے نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ کہا جاتا ہے کہ موت کی سزا پانے والے مسلمان کا موت سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کے عمل کا حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ سے ہی ہوا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے آپ کو ستون سے باندھ کر لالچ دیا کہ ''اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے۔'' آپ نے جواب دیا ''میں اسلام سے منحرف نہیں ہوں گا چاہے اس کے بدلے مجھے روئے زمین کی تمام دولت مل جائے۔'' لوگوں نے پوچھا ''کیا تم خواہش نہیں کرتے کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہوتے اور تم اپنے گھر آرام سے بیٹھے ہوتے۔'' آپ نے جواب دیا ''مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کو کانٹا چبھ جائے اور میں گھر بیٹھا رہوں۔'' ان لوگوں نے بہت اصرار کیا ''اے خُبیب رضی اللہ عنہ اسلام چھوڑ دے! تو نے ایسا نہ کیا تو ہم یقینی طور پر تمہیں قتل کر دیں گے۔'' حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''اللہ کی راہ میں میرا قتل بالکل معمولی بات ہے۔'' آپ نے مزید کہا کہ ''جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تم نے میرے چہرے کو کعبے کی مخالف سمت میں پھیر دیا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ جدھر بھی رخ کرو ذاتِ الٰہی حاضر و موجود ہے۔'' (1) پھر آپ نے صدا دی ''یا اللہ! یہاں کوئی نہیں جو میرا اسلام تیرے رسول تک پہنچائے۔ تو ہی میرا اسلام ان تک پہنچا دے۔'' ادھر ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کی حالت میں ایسا تغیر ہونا شروع ہوا جیسا نزولِ وحی کی حالت میں ہوتا تھا۔ پھر وہاں موجود اصحاب نے آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے ''اس پر اللہ کا کرم اور سلامتی ہو۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ جبرائیل ہیں جو مجھے خُبیب رضی اللہ عنہ کا سلام پہنچا رہے ہیں۔'' (2)

قریش اپنے ساتھ چالیس لڑکوں کو لائے تھے جن کے باپ بدر میں مارے گئے تھے۔ انہوں نے ہر لڑکے کے ہاتھ میں نیزہ دیا اور کہا ''یہ وہی شخص ہے جس نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔'' لڑکوں نے حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کے بدن میں نیزے اتار دیئے لیکن ان کی جان نہ لے پائے۔ اس پر ایک شخص نے لڑکوں میں سے ایک کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالتے ہوئے حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کو مہلک زخم لگایا۔ ایک اور شخص نے بھی ایسا ہی کیا لیکن اس کے باوجود حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ ایک گھنٹہ تک زندہ رہے اور کلمہ کا ورد کرتے رہے۔ ان کے ساتھی صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بعد میں شہید کر دیا گیا۔ انہوں نے ستون سے باندھے جانے سے قبل دو رکعت نماز ادا کی اور حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کی طرح ہی قریش کی ترغیب کو ٹھکرانے کے بعد شہادت پائی۔ قبیلہ زہرہ کا حلیف اخنس بن شریق جو دوسرے لوگوں کے ساتھ تنعیم گیا تھا یہ سب کچھ دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ''کوئی باپ اپنے بیٹے سے بھی ایسی محبت نہیں کرتا جیسی محبت محمد (ﷺ) کے پیروکار محمد (ﷺ) سے کرتے ہیں۔''

Marfat.com

بدر کے معرکے میں دوبدو مبارزطلبی میں عتبہ کے ہاتھوں شہید ہونے والے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک بیوہ چھوڑی تھیں جو ان کے مقابلے میں بہت کم عمر تھیں۔ ان کا نام زینب رضی اللہ عنہا تھا اور وہ قبیلہ عامر کے خزیمہ کی بیٹی تھیں۔ وہ بڑی فیاض طبع تھیں اور اسلام سے قبل ہی اُم المساکین کے لقب سے مشہور ہو چکی تھیں۔ بیوگی کا ایک سال گزر جانے کے باوجود ابھی تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں شادی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے قبول کر لیا۔ مسجد کے ساتھ ہی ان کے لیے حرم رسول اللہ ﷺ میں چوتھا حجرہ تعمیر کر لیا گیا۔ اس نئے رشتہ کی وجہ سے ہی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے قبیلے کے معمر سردار ابو براء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب ان کے سامنے اسلام پیش کیا گیا تو انہوں نے واضح کر دیا کہ انہیں اسلام سے کوئی دشمنی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے خواہش ظاہر کی کہ چند مسلمانوں کو ان کے قبیلہ میں بھیجا جائے جہاں وہ لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں اس کے نتیجے میں پڑوس کے قبائل ان پر چڑھائی نہ کر دیں۔ بنی عامر قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھے۔ ان کا علاقہ سلیم اور غطفان کے دوسرے قبائل کے جنوب میں تھا اور نخلستانِ یثرب ان قبائل کے بارے میں ہمیشہ چوکنا رہتے تھے۔ لیکن ابو براء نے وعدہ کیا کہ بنی عامر کے سردار کی حیثیت سے وہ تحفظ کی جو ضمانت دے رہے ہیں اس کی کوئی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے چالیس ایسے صحابہ کا انتخاب کیا جو تقویٰ اور علم کی بنیاد پر اسلام کے بہترین نمائندہ تھے۔ بنوخزرج سے تعلق رکھنے والے جن صحابی کو ان کا سربراہ بنایا ان کا نام منذر بن عمر رضی اللہ عنہ تھا۔ ان صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو انہوں نے ہجرت کے موقع پر اپنی معیت میں رکھا تھا۔

مدینے والے اس بات سے بے خبر تھے کہ ابو براء کی سربراہی ان کے اپنے قبیلہ میں متنازعہ تھی۔ ان کا بھتیجا، جو ان کی جگہ سربراہی کا دعوے دار تھا اس نے رسول اللہ ﷺ کے خط کو لے کر آگے نکلنے والے صحابی کو شہید کر دیا اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو باقی صحابہ کے قتل کا حکم دیا۔ جب پورے قبیلے نے یک آواز ہو کر ابو براء کے تحفظ کی ضمانت پر قائم رہنے کا عزم ظاہر کیا تو اس بھتیجے نے اپنے قبیلے سے مایوس ہو کر قبیلہ سُلیم کے دو قبیلوں کو جن کی مدینہ کے ساتھ آویزش چل رہی تھی، کو بھڑکانے والا پیغام بھیج کر انہیں صحابہ کے قتل پر آمادہ کر لیا۔ یہ دونوں قبیلے وہی تھے جو کچھ ہی دن پہلے مدینہ کے خلاف حملہ کرنے کی سازش میں ملوث تھے۔ انہوں نے فوراً ہی سواروں کا دستہ روانہ کیا اور وفد میں شامل صحابہ، جن کو اپنے تحفظ کے بارے میں کوئی شک اور گمان تک نہ تھا' بے خبری میں اپنے پڑاؤ میں شہید ہو گئے۔ صرف دو صحابی زندہ بچے جو اونٹ چرانے کے لیے چراگاہ میں گئے ہوئے

Marfat.com

تھے۔ ان میں ایک حضرت حارث بن الصّماہ رضی اللہ عنہ جو احد میں بڑی بے جگری سے لڑے تھے اور دوسرے کنانہ کے قبیلے ضمرہ سے تعلق رکھنے والے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ۔ جیسے ہی یہ صحابہ اونٹوں کو چراگاہ سے لے کر واپس لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے پڑاؤ کے قریب گدھوں کا ہجوم زمین کے قریب اس طرح منڈلا رہا ہے جیسے کسی میدانِ جنگ میں جنگ ختم ہونے پر منڈلایا کرتا ہے۔ ان کا ماتھا ٹھنکا اور جب وہ پڑاؤ میں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے ساتھی خون میں غلطاں پڑے ہوئے ہیں اور سُلیمی گھوڑوں پر سوار ان کی لاشوں کے گرد جمع ہو کر کسی بحث میں ایسے الجھے ہوئے ہیں کہ انہیں نووارادوں کی آمد تک کی خبر بھی نہیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ کسی طرح بچ کر مدینہ پہنچ کر اس سانحہ کی خبر دی جائے لیکن حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے کہا "میں ان میں سے نہیں جو اس لڑائی سے پہلوتہی کرے جس میں منذر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جا چکا ہو۔" یہ کہتے ہوئے آپ نے آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کر دیا اور اس سے پہلے کہ حضرت حارث اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہما کو گرفتار کیا جائے آپ نے ان کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ لوگ ان دونوں کو شہید کرنے کے بارے میں بالکل آمادہ نظر نہ آ رہے تھے۔ حالانکہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بتاؤ ہم تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے خواہش ظاہر کی کہ وہ اس کے سوا کچھ نہیں چاہتے کہ انہیں ہتھیار دے کر حضرت منذر رضی اللہ عنہ کی نعش کے قریب لے جا کر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ تن تنہا ان سب سے نبرد آزما ہو سکیں۔ ان کی خواہش مان لی گئی اور انہوں نے بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہونے سے پہلے دشمن کے مزید دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔

ان لوگوں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے ان سے وفد میں شامل تمام اصحاب کے نام دریافت کیے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ تمام شہدا کی نعشوں پر گئے اور فرداً فرداً ان کے نام و مقام کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہیں کسی فرد کی نعش غائب تو نہیں لگ رہی۔ آپ نے بتایا کہ ان نعشوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی نعش نظر نہیں آ رہی۔ "تم لوگوں میں اس کا کیا مقام تھا"؟ انہوں نے پوچھا تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ ہم میں سے بہترین تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اولین اصحاب میں سے تھا۔ سوال کرنے والے نے پوچھا "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس کے ساتھ کیا گزری۔" پھر انہوں نے اپنے ایک آدمی، جس کا نام جبار تھا، کو بلایا اور جبار نے بیان کیا کہ کس طرح اس نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اس کے بیان کے مطابق اس نے پیچھے سے نیزہ ان کے شانوں کے درمیان پیوست کر دیا تھا، نیزے کی انی سینے سے پار ہو کر دوسری جانب سے باہر نکل آئی اور ان کی آخری سانس کے ساتھ یہ الفاظ ادا ہوئے "فُزتُ وَاللہ"

Marfat.com

خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ جبار حیران ہوا کہ اس نعرۂ فتح و نصرت کا کیا مطلب؟ نیزے کا وار اس نے کیا تھا اور فتح کا نعرہ تو اس کا حق تھا۔ حیران و ششدر ہو کر اس نے نیزہ ان کے سینے سے کھینچا اور مزید حیرت و استعجاب کے عالم میں یہ منظر دیکھا کہ ایک نظر نہ آنے والا ہاتھ ان کے جسم کو بلندی پر اٹھا لے گیا، یہاں تک وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ جب جبار کو یہ بات سمجھائی گئی کہ فتح کا مطلب جنت کا حصول ہے تو وہ اسی وقت اسلام لے آیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ واقعہ بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ عامر رضی اللہ عنہ کو "علییون" (۳) کی جانب لے گئے ہیں جو بلند ترین جنتوں میں سے ایک ہے۔ (۴)

سُلیم کے لوگ اپنے قبیلوں میں واپس گئے اور اس واقعہ کو بار بار بیان کیا۔ اسی واقعہ سے ان میں قبولیتِ اسلام کا دور شروع ہو گیا۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ جنہیں آزاد چھوڑ دیا گیا، انہیں بتایا گیا کہ اس قتلِ عام کے لیے بنی عامر نے اکسایا تھا۔ اس لیے جب وہ مدینہ واپس جا رہے تھے تو راستے میں انہوں نے بنی عامر کے دو آدمیوں کو یہ سوچ کر موت کے گھاٹ اتار دیا کہ وہ اپنے مقتول ساتھیوں کا بدلہ لے رہے ہیں۔ لیکن یہ دونوں اشخاص بالکل بے گناہ اور ابو براء کی وفاداری میں مسلمانوں کو تحفظ دینے سے اتفاق کرنے والوں میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اصرار کے ساتھ ان کے قریبی اقرباء کو خون بہا ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن اسحٰق: ۱۱۵ ۲۔ واقدی: ۲۶۰ ۳۔ واقدی: ۳۴۹ ۴۔ قرآن ۸۳: ۱۹۔۱۸

Marfat.com

باب: ۵۷

بنی نضیر

یہودی قبیلہ بنی نضیر ایک عرصے سے بنی عامر کا حلیف تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ خون بہا کے سلسلہ میں ان سے مدد لی جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنی نضیر کے پاس گئے اور خون بہا کا معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے اس بارے میں آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق عمل کا اظہار کیا اور پھر کچھ دیر انتظار کی درخواست کی تاکہ کھانا تیار ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دعوت قبول کر لی۔ یہودیوں کے چند افراد وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ ان میں ان کا سردار حی بھی ان کے ساتھ اس بہانے سے اٹھا گیا کہ وہ کھانے کے بندوبست کے لیے ہدایات دینے جا رہا ہے۔ اس وقت جبکہ سب قلعہ نما گڑھیوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے تو جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی نے نہ دیکھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ یہودی آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنا رہے ہیں اس لیے آپ ﷺ کو فوراً یہاں سے نکل کر مدینہ چلے جانا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ ایک لفظ ادا کیے بغیر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ جو لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے یہی سمجھا کہ آپ تھوڑی دیر تک واپس تشریف لے آئیں گے لیکن جب کچھ وقت گزر گیا اور آپ ﷺ واپس نہ لوٹے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرے حاضرین کو تجویز پیش کی کہ ان سب کو بھی رخصت ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے یہودیوں سے اجازت طلب کی اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کے مکان پر پہنچے۔ آپ ﷺ نے ان کو بتایا کہ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ بعد میں آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنی نضیر کے پاس بھیجا اور انہیں سمجھایا کہ وہاں جا کر کیا کہنا ہے۔ وہ فوراً بنی نضیر کی گڑھیوں میں گئے۔ انہیں دیکھ کر کچھ سردار ان کے خیر

Marfat.com

مقدم کے لیے باہر نکل آئے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ ''اللہ کے رسول نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ 'تم لوگوں نے مجھے قتل کرنے کا جو منصوبہ بنایا اس کی وجہ سے تم نے اس عہد کو جو تم نے مجھ سے کیا تھا اسے توڑ دیا ہے۔'' پھر انہوں نے یہودیوں کی سازش کی جو تفصیلات انہیں رسول اللہ ﷺ نے بتائی تھیں، بیان کرتے ہوئے انہیں اس پیغام کا لُبِ لباب ان لفظوں میں پہنچایا ''میں تم لوگوں کو دس دن کی مہلت دیتا ہوں کہ میرے علاقے سے نکل جاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ''ان دس دنوں کے بعد تم میں سے کوئی یہاں نظر آیا تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔'' یہودی بولے ''اے ابن مسلمہ! ہم نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ قبیلہ اوس کا آدمی ہمارے پاس اس قسم کا پیغام لائے گا۔'' ابن مسلمہ نے کہا ''ہاں! اب دل بدل چکے ہیں۔''

یہودیوں میں سے بیشتر نے پہلے ہی نکل جانے کی تیاریاں شروع کر رکھی تھیں لیکن ابن ابی نے انہیں پیغام بھیج کر زور دیا کہ اپنی رہائش مت ترک کرو، ہم تمہاری مدد کو آئیں گے۔ حیّ نے بمشکل انہیں آمادہ کر لیا کہ وہ اس دھمکی کے مقابلے میں ڈٹے رہیں۔ اسے یقین تھا کہ طاقتور گھریلو اتحادی بنو قریظہ تو گھر کی بات تھے لیکن ان کے علاوہ ان کے بدو حلیف اس نازک موقع پر انہیں مایوس نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس نے مدد حاصل کرنے کے انتظامات مکمل کرنے کے بعد اپنے بھائی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ''ہم نہ اپنی گڑھیوں سے دستبردار ہوں گے اور نہ ہی اپنے ساز و سامان سے۔ اس لیے جو آپ نے کرنا ہے وہ کر گزریں۔''

''اللہ اکبر''، رسول اللہ ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے اصحاب نے بھی مل کر زور سے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا کہ ''یہودیوں نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔'' پھر آپ نے فوری طور پر ایک فوج اکٹھی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جھنڈا دیتے ہوئے بنی نضیر کی گڑھیوں کی جانب چل دیئے۔ ان کی بستیاں شہر سے قدرے جنوب میں تھیں۔ سب نے ایک وسیع صحن میں عصر کی نماز ادا کی جو یہودیوں نے اس لیے خالی کر دیا تھا کہ وہ ان کی دفاعی حدود سے باہر تھا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گڑھیوں کی جانب فوج کی راہنمائی فرمائی۔

قلعہ کے پشتہ پر تیر انداز اور فلاخن باز تعینات تھے۔ ان کے پاس پتھروں کا انبار تھا تا کہ اگر دیوار پر حملہ ہو جائے تو وہ ان پتھروں کو برسا سکیں۔ رات گئے تک دونوں فریق ایک دوسرے پر تیروں اور پتھروں کا تبادلہ کرتے رہے۔ جس سرعت سے اسلامی لشکر حملہ آور ہوا تھا اس نے یہودیوں کو حیران کر دیا تھا۔ لیکن ان کے خیال میں ابن ابی اور بنی قریظہ کی جانب سے کمک جلد ہی پہنچنے والی تھی اور دو تین دن میں غطفان کے اتحادی بھی ان کے ہاں پہنچنے والے تھے۔ اس اثنا میں مسلمانوں کے لشکر میں مدینہ کی جانب ان اصحاب کی آمد چشمے کی

Marfat.com

طرح جاری تھی جو فوری طور پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکل نہیں سکے تھے۔ نمازِ عشا تک اسلامی لشکر کی تعداد میں اتنا اضافہ ہو چکا تھا کہ دشمن کو چاروں جانب سے مکمل طور پر گھیرے میں لیا جا چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عشا کی نماز لشکر کے ساتھ ادا فرمائی اور اس کے بعد پڑاؤ کی نگرانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے اپنے دس اصحاب کے ہمراہ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام رات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے رہے حتیٰ کہ نمازِ فجر کا وقت ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ صبح دوبارہ ان سے آن ملے۔

دن گزرتے رہے اور بنی نضیر کو اس کمک کے نہ آنے کے سبب، جس کے بارے میں انہیں پورا یقین تھا، مایوسی نے گھیرنا شروع کر دیا۔ بنی قریظہ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑنے سے انکار کر دیا۔ بنی غطفان کی خاموشی ایک معمہ تھی۔ دوسری جانب ابن ابی کو بھی مجبور ہو کر یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اب صورتِ حال اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے اور وہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہا۔ جیسے جیسے محصور یہودیوں کی امیدیں ٹوٹنے لگیں ان کے مابین انتشار بڑھنے لگا۔ یہ قبیلہ عرصہ دراز سے باہمی تلخیوں کے باعث تار تار ہو رہا تھا۔ اب جب وہ بیرونی دنیا سے پوری طرح کٹ کر رہ گئے تھے اور کہیں سے مدد کی کوئی صورت بھی نظر نہ آ رہی تھی تو صورتِ حال بالکل ہی ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ دس دن یا کچھ اوپر کے بعد یہ صورتِ حال اور بھی زیادہ سنگین ہو گئی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ کھجور کے ان درختوں کو کاٹ دیا جائے جو قلعہ کی دیواروں کے پار سے نظر آتے تھے۔ یہ ایک قربانی تھی کیونکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ سارا علاقہ اب آپ کا اپنا علاقہ تھا۔ لیکن یہ اذنِ الٰہی سے کیا جا رہا تھا، اللہ کی اجازت گویا اللہ کا حکم تھا جو پورا کیا گیا۔ [1] دشمن کی مدافعتی قوت پر اس کا فوری اثر بھی فوراً ہی ظاہر ہو گیا۔ انہیں اپنی کھجوروں کی فصل پر بڑا ناز تھا جو ان کی سالانہ آمدن کا اصل ذریعہ تھے۔ اگر انہیں اپنی زمین سے مجبوراً دستبردار ہونا بھی پڑا تو کم از کم وہ یہ تو کہہ سکیں گے کہ یہ درخت ان کی ملکیت ہیں۔ وقت آنے پر انہیں دوبارہ اپنے قبضے میں لیا جا سکتا تھا۔ ان سے قریش وعدہ کر چکے تھے کہ وہ نخلستان سے اسلام کو اکھاڑ پھینکیں گے لیکن اگر کھجور کے درختوں کو کاٹ دیا گیا تو دوبارہ ان کے اگنے میں برسہا برس چاہئیں۔ گو ابھی چند ہی درخت کاٹے گئے تھے لیکن کیا معلوم کہ بربادی کا یہ سلسلہ کہاں پر جا کر رکے۔ حیی نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ وہ بستیاں چھوڑ کر چلے جانے کو تیار ہیں لیکن آپ ﷺ نے جواب بھیجا کہ اب آپ ﷺ اس امر پر راضی نہیں کہ وہ اپنا ساز و سامان بھی ساتھ لے کر نکلیں۔ آپ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ اپنی بستی چھوڑ دو اور اسلحہ، زرہ اور خود کے سوا صرف وہی کچھ لے جاؤ جو کچھ تمہارے اونٹوں پر لادا جا سکے۔

حیی نے پہلے تو انکار کیا لیکن اس کے قبیلہ والوں نے اس کو یہ شرط ماننے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے اپنی

Marfat.com

دو ہفتہ پہلے روک دی جانے والی تیاری پھر شروع کر دی۔ انہوں نے جاتے ہوئے اپنے گھروں کے دروازے اور چوکھٹے تک اونٹوں پر لاد لیے۔ جب تیاری مکمل ہوگئی تو ان کا کاروان شام کی شاہراہ پر شمال کی جانب روانہ ہوگیا۔ کسی نے اس شان وشوکت والا کاروان اپنی زندگی میں پہلے نہیں دیکھا ہوگا۔ جوں جوں ان کا کاروان اپنا راستہ بناتا ہوا مدینے کے بازاروں کے بیچ میں سے ہوتا ہوا گزرا تو اونٹوں نے قطار کی شکل اختیار کرنا شروع کر دی۔ ان میں سے ہر اونٹ حیرت انگیز نقشہ پیش کر رہا تھا۔ نہ صرف یہ کہ اونٹوں کی جھول اور ان کا سامانِ آرائش حیرت و استعجاب کا باعث تھا، ان پر لدا ہوا سامان بھی مال و دولت کی فراوانی کا نمونہ تھا۔ ہودوں پر پڑے ہوئے پردوں کو جان بوجھ کر ہٹا دیا گیا تھا تاکہ لوگ ان کی خواتین کو ریشم، اطلس، چاندنی اور مخمل کے لباس میں ملبوس دیکھ سکیں۔ خواتین نے سبز وسرخ مخملیں لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ ان میں سے بیشتر نے جو بیش قیمت طلائی زیورات پہنے ہوئے تھے وہ یاقوت، زمرد اور ہر قسم کے قیمتی جواہرات سے مزین تھے۔ لوگ جانتے تھے کہ بنی نضیر بڑے متمول تھے لیکن اس وقت تک سوائے ان کے اپنے لوگوں کے کسی دوسرے نے ان کی امارت کا اگر مشاہدہ کیا بھی تھا تو وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا جو اس وقت آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ ان کا کاروان شہنائی اور دف کی موسیقی کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ وہ یہ جتانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اگر انہوں نے کھجوروں کے باغ پیچھے چھوڑے بھی ہیں تو کیا غم کہ ان کے لیے اسی قسم کے عمدہ باغات وہاں بھی ہیں، جہاں وہ چلے جا رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے یہودی خیبر میں اپنی زمینوں پر اتر گئے اور وہاں آباد ہوگئے جبکہ باقی دور شمال کی سمت چلے گئے اور فلسطین کے ایک علاقے میں آباد ہوگئے۔

اس کے بعد نازل ہونے والی وحی کے مطابق بنی نضیر کی کل زمین جسے وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں آگئی۔ اس کی تقسیم غریب اور ضرورتمندوں میں کر دی گئی۔ خصوصاً ان غریب اور مفلوک الحال مہاجرین میں، جن کو اپنے گھروں سے دربدر کر دیا گیا تھا۔ [۴] صرف دو انصاری صحابہ کو ان کی غربت اور افلاس کے پیشِ نظر اس میں سے حصہ دیا گیا۔ مہاجرین کو اس زمین میں خاص حصہ دینے سے رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف انہیں خود کفیل کر دیا بلکہ انصار کو بھی ان کے بوجھ سے نجات مل گئی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۵:۵۹ ۲۔ قرآن ۸:۵۹

Marfat.com

باب: ۵۸

صلح اور جنگ

۶۲۶ء کے نئے سال کی آمد کے فوراً بعد آنے والے مہینوں میں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ایک اور بیٹے کی ولادت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو حسن رضی اللہ عنہ نام اتنا پسند تھا کہ آپ نے چھوٹے بھائی کا نام حسین رضی اللہ عنہ رکھا۔ یہ حسن رضی اللہ عنہ کی تصغیر تھا یعنی ننھا حسن رضی اللہ عنہ۔ قریب قریب اسی دوران آپ ﷺ کی زوجہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا ام المساکین کا عقد کے آٹھ ماہ بعد ہی بیماری کے باعث انتقال ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنی صاحبزادی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی لحد کے قریب سپردِ خاک کر دیا۔ اس کے بعد میں آنے والے مہینوں میں ان کے پھوپھی زاد بھائی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ انہیں جنگِ احد میں جو زخم آیا تھا وہ بہ ظاہر تو مندمل ہو گیا لیکن اندر ہی اندر پکنے کے بعد پھٹنے سے موت کا باعث بن گیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے دمِ آخر تک ان کے پاس رہے، ان کے لیے دُعا فرمائی اور ان کی آنکھیں بند کیں۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ اپنی ازدواجی زندگی میں بہت ہی مخلص اور باوفا جوڑا تھا۔ ان کی زوجہ نے ان سے عہد لینے کی کوشش کی تھی کہ ان میں سے اگر کسی کا پہلے انتقال ہو گیا تو دوسرا عمر بھر شادی نہیں کرے گا لیکن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر انہیں پہلے موت آ گئی تو ان کی زوجہ کو دوسری شادی کر لینی چاہیے۔ انہوں نے دعا کی ''یا اللہ میرے مرنے کے بعد ام سلمہ کو ایسا شوہر عطا فرما جو مجھ سے بہتر ہو۔ ایسا شوہر جو انہیں دکھ نہ پہنچائے اور افسردہ نہ کرے۔'' ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے چار ماہ بعد رسول اللہ ﷺ ان کی بیوہ کے پاس تشریف لائے اور شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے جواب دیا ''مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کے شایانِ شان شریکِ حیات نہیں ہوں۔'' انہوں نے کہا ''میں ایسی عورت ہوں جس کی عمر کا بہترین حصہ گزر چکا ہے اور جو یتیم

Marfat.com

بچوں کی ماں ہے۔ اس کے علاوہ میں طبعاً بہت حاسد ہوں۔ اور آپ اے رسول اللہ ﷺ، آپ کی ایک سے زاید ازواج پہلے ہی سے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جہاں تک عمر کا تعلق ہے تو میری عمر تم سے زیادہ ہے۔ اور رہی حسد کی بات تو اس کے لیے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ اسے تم سے دور کر دے۔ اسی طرح تمہارے یتیم بچوں کی نگہداشت اللہ اور اس کا رسول کریں گے۔'' چنانچہ ان کا عقد رسول اللہ ﷺ سے ہو گیا اور انہیں رہائش کے لیے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا حجرہ دے دیا گیا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جو عذر اپنی عمر کے بارے میں کیا تھا اس کے باوجود ان کا شباب باقی تھا۔ ان کی عمر انتیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ جس زمانہ میں انہوں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تھی ان کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ جہاں تک ان کے حسد اور رشک کا معاملہ تھا، ان کا خدشہ کسی حد تک درست تھا کہ انہیں اس شادی میں امتحان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور یہ اندیشہ صرف ان کی ذات تک ہی محدود نہیں تھا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو کسی مشکل کے بغیر قبول کر لیا تھا اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بھی۔ لیکن ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ مختلف تھا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت قریباً چودہ سال تھی اور ان کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ انہوں نے انہی کے ساتھ مل کر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی تیاریاں کی تھیں لیکن انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی سوکن ہو سکتی ہیں۔ اب جبکہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی نئی شادی اور انتہائی خوبصورت بیوی کا تذکرہ ہو رہا تھا تو وہ اندیشے کا شکار ہو رہی تھیں۔ انہوں نے کہا ''جو کچھ لوگوں نے مجھے ان کی خوبصورتی کے بارے میں بتایا تو میں بہت غمگین ہو گئی۔ میں نے اپنے آپ کو اس پر آمادہ کیا کہ میں انہیں قریب سے جا کر دیکھوں اور جیسا کہ میں نے ان کے بارے میں سنا، وہ اس سے بھی کہیں زیادہ حسین تھیں۔ میں نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا ''نہیں'' ایسا کچھ بھی نہیں جیسا لوگ کہتے ہیں۔ بس رقابت کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ بعد ازاں انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ربط ضبط پیدا کیا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے جانچ سکیں اور انہوں نے کہا ''میں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو قریب سے دیکھا ہے۔ وہ واقعتاً حسین ہیں لیکن اتنی بھی نہیں جیسا تم خیال کرتی ہو۔'' میں نے انہیں پھر دیکھا اور جان کی قسم سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی بات ٹھیک تھی لیکن پھر بھی رقابت کے جذبے میں مبتلا تھی۔'' (1)

اب میدانِ بدر میں محاذ آرائی کا وقت قریب آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے اُحد سے رخصت ہوتے ہوئے جو دعوتِ مبارزت دی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول کر لیا تھا۔ لیکن یہ جو سال آیا تو خشک سالی ساتھ لے کر آیا۔ ابوسفیان کو معلوم تھا کہ اگر بدر گئے تو راستے میں اونٹوں اور گھوڑوں کے لیے سبز گھاس کا ایک تنکا بھی

Marfat.com

دستیاب نہ ہوگا۔ انہیں تمام تر چارہ مکہ سے ساتھ لے کر جانا پڑے گا۔ جبکہ ذخیروں کا حال پہلے ہی سے برا تھا۔ لیکن ابوسفیان اس دعوتِ مبارزت سے پہلوتہی کو اپنی ذلت سمجھتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ محمد (ﷺ) خود اس مبارزت سے انحراف کریں لیکن یثرب سے جو کچھ اطلاعات آ رہی تھیں ان کے مطابق وہاں اس معرکے کے لیے تیاریاں مکمل تھیں۔ ابوسفیان سوچ رہا تھا کہ کسی طرح مدینہ والوں کی روانگی کو روکا جائے۔ اس بارے میں اس نے سہیل اور قریش کے چند سرداروں سے مشورہ کیا اور سب نے مل کر ایک منصوبہ ترتیب دیا۔

اتفاق سے غطفان قبیلے کا ممتاز فرد نعیم جو سہیل کا دوست تھا، ان دنوں مکہ میں موجود تھا۔ ان لوگوں نے اسے اعتماد میں لینے کا ارادہ کیا۔ وہ قریش کے قبیلے سے تعلق نہ رکھنے کے باعث غیر جانبداری کے روپ میں ان کے منصوبے کو بروئے کار لاسکتا تھا۔ قریش نے نعیم کو اس امر پر تیار کرلیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو بدر کی جانب کُوچ سے روکنے میں کامیاب ہوجائے تو اسے بیس اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ نعیم راضی ہوگیا اور فوری طور پر مدینے کا رخ کیا۔ وہاں اس نے قریش کی افواج کی تعداد اور فوج کا ہیبت ناک نقشہ کھینچا۔ اس نے مدینے کے مختلف حلقوں یعنی مہاجرین، انصار، یہودیوں اور منافقین میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کی گفتگو کا لبِ لباب یہ ہوتا تھا کہ ابوسفیان کے مقابلے میں نکلنے کا نتیجہ انتہائی خطرناک ہوگا۔ وہ خطرے کی سنگینی کا تاثر دینے کے ساتھ ساتھ یہ مشورہ دینا نہ بھولتا تھا کہ ''ابوسفیان کا مقابلہ کرنے کے لیے یہیں ٹھہرے رہو اور باہر نہ نکلو۔ بخدا میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر تم بدر چلے گئے تو تم میں سے ایک بھی زندہ بچ کر نہ آسکے گا۔'' یہودی اور منافقین مکہ میں جنگی تیاریوں کی خبریں سن کر بغلیں بجانے لگے اور انہوں نے ہر طرف ان خبروں کو پھیلانے کا کام بڑے موثر طور پر انجام دیا۔ لیکن مسلمان بھی نعیم کی ان باتوں کے منفی تاثر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان میں سے اکثر سوچ میں پڑ گئے کہ شاید بدر میں فوج لے کر جانا غلطی ہی ہو۔ لوگوں کے اس رجحان کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی اور انہیں اندیشہ ہوا کہ جیسے ان کے ساتھ بدر تک کوئی بھی نہیں جائے گا۔ لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ان پر زور دیا کہ کسی طرح بھی قریش کو دیئے ہوئے وعدے سے پیچھے نہ ہٹا جائے۔ انہوں نے کہا ''اللہ اپنے دین کی نصرت کرے گا اور وہی اپنے رسول ﷺ کو قوت عطا کرے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ''میں ضرور جاؤں گا چاہے مجھے تنہا ہی کیوں نہ جانا پڑے۔''

ان چند الفاظ نے نعیم کے اونٹوں کی امید پر پانی پھیر دیا۔ عین اس وقت جب وہ کامیابی کو سامنے دیکھ رہا تھا اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا لیکن اس مہم کی ناکامی نے اسے اس سوچ پر مجبور کر دیا کہ مدینے میں کوئی ایسی طاقت ہے جو اس کی اثر اندازی کی قوت سے بہت بالا ہے۔ اس احساس نے اس کے دل میں اسلام کا بیج

Marfat.com

ڈال دیا۔ ابتدائی منصوبے کے مطابق ہی رسول اللہ ﷺ پندرہ سو شتر سوار اور دس گھوڑ سوار اصحاب کے ساتھ مدینے سے روانہ ہو گئے۔ کئی اپنے ساتھ تجارت کا سامان بھی لے گئے کہ بدر کے میلے میں کاروبار کر لیں گے۔

ادھر ابوسفیان نے قریش سے کہا ''چلو ہم بھی چلتے ہیں اور ایک یا دو راتیں راستے میں گزار کر واپس آ جائیں گے۔ اگر محمد (ﷺ) مدینے سے باہر نہ نکلے تو انہیں خبر مل جائے گی کہ ہم تو نکل کھڑے ہوئے تھے لیکن چونکہ وہ مقابلے پر نہ آئے اس لیے ہم واپس لوٹ آئے۔ یہ بات ہمارے حق میں اور ان کے خلاف جائے گی۔'' لیکن اس کے برعکس جو کچھ سامنے آیا وہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب بدر میں گئے اور انہوں نے وہاں آٹھ دن گزارے۔ دیگر لوگ جو اس میلے میں شریک ہوئے انہوں نے چہار جانب یہ خبر پھیلا دی کہ قریش اپنے وعدے سے پھر گئے لیکن محمد (ﷺ) اور ان کے پیروکار اپنے عہد پر ثابت قدم رہے اور قریش سے مقابلہ کے لیے بدر پہنچ گئے۔ جب مکہ میں ان کے دشمن کی عظیم اخلاقی فتح اور قریش کی اخلاقی شکست کی خبر پہنچی تو صفوان اور دیگر قریش نے ابوسفیان کو ملامت کی کہ بدر میں ایک دوسرے مقابلے کی تجویز ہی کیوں دی تھی۔ لیکن اس کوفت نے انتقام کی تیاریوں کے لیے مہمیز کا کام دیا جس کا منصوبہ وہ نئے مذہب کے بانی اور اس کے پیروکاروں پر ایک کاری ضرب لگانے کے لیے تیار کر رہے تھے۔

بدر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تو امن اور چین سے گزارا۔ پھر پانچویں اسلامی مہینے (جون ۶۲۶ء) کے شروع میں خبر آئی کہ قبیلہ غطفان کے کچھ قبائل نخلستان پر حملہ آور ہونے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فوراً چار سو اصحاب کو ساتھ لے کر صحرائے نجد کی جانب روانہ ہو گئے۔ لیکن پہلے کی طرح جیسے ہی آپ ان کے سر پر پہنچے تو دشمن غائب ہو گیا۔ اسی مہم کے موقع پر جب دشمن سے مقابلہ ہونے والا تھا تو وحی کے ذریعے ''نمازِ خوف'' پڑھنے کی تعلیم دی گئی۔ یعنی کس طرح ایک فوج کو نماز پنجگانہ مختصر پڑھنی چاہیے۔ اور خطرات کے موقع پر اس کی ادائیگی میں کس طرح تبدیلیاں کرنی چاہیں اور یہ کہ نماز ادا کرتے وقت لشکر کا کچھ حصہ نگہبانی کا فرض ادا کرے جبکہ دوسرا حصہ نماز ادا کرے۔ (۲)

ایک انصاری صحابی جو لشکر کے ہمراہ تھے ان کا نام جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا۔ بعد کے آنے والے سالوں میں انہوں نے ایک واقعہ کا ذکر کیا جو پڑاؤ میں پیش آیا تھا۔ ''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ایک صحابی ایک پرندہ پکڑ لائے جس کے ابھی بال و پر پورے نہیں نکلے تھے۔ اس پرندے کے ماں یا باپ میں سے کوئی آیا اور اس نے اپنے آپ کو اس آدمی کے ہاتھوں میں گرا دیا جن میں انہوں نے یہ بچہ پکڑا تھا۔ میں نے لوگوں کے چہرے پر حیرت و استعجاب کے تاثرات دیکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا تم کو اس پر تعجب ہو

Marfat.com

رہا ہے کہ تم نے اس کا بچہ پکڑ لیا ہے اور اس نے محبت اور ترحم کے انتہائی جذبے سے مغلوب ہو کر خود کو بچے کے اوپر گرا دیا لیکن میں تم کو بتاتا ہوں کہ تمہارا رب تم پر اس سے زیادہ رحیم ہے جتنی یہ چڑیا اپنے بچے پر۔'' آپ ﷺ نے صحابی سے فرمایا کہ اس بچے کو وہیں پر رکھ دو جہاں سے اسے اٹھایا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سو گنا رحیم ہے اور اس نے اپنی رحمت کا صرف ایک حصہ نیچے بھیجا ہے جو جن وانس اور مویشی اور شکاری درندے سب کے حصے میں آیا ہے۔ جبکہ رحم کا بقیہ ننانوے حصہ اس نے اپنی ذات کے لیے مخصوص کیا ہوا ہے جس کے تحت وہ اپنے بندوں پر قیامت کے روز رحم و کرم سے فیصلہ فرمائے گا۔''(۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ مدینہ واپس ہوتے ہوئے جبکہ فوج کا بیشتر حصہ آگے جا چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ چند اصحاب کے ساتھ پیچھے سفر کر رہے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ بوڑھا بھی تھا اور لاغر بھی اس لیے لشکریوں سے پیچھے رہ گیا لیکن زیادہ دیر نہ گزری کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آن لیا اور دریافت فرمایا کہ وہ کس وجہ سے اتنا پیچھے رہ گیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''اے اللہ کے رسول میرا اونٹ زیادہ تیز نہیں چل سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو بٹھاؤ۔ پھر آپ نے اپنا اونٹ بھی بٹھایا اور فرمایا کہ ''مجھے اپنی چھڑی دو۔'' میں نے چھڑی انہیں دے دی اور انہوں نے چھڑی لے کر اونٹ کو دو چار ٹھونکے دیئے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ اب اس پر سوار ہو جاؤ۔ ہم اپنی راہ پر چل دیئے اور اس ذات کی قسم جس نے اپنے رسول کو برحق بھیجا میرا اونٹ اس تیزی سے چلنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کے اونٹ سے بھی آگے نکل گیا۔

راستے میں اللہ کے رسول ﷺ سے میری باتیں ہوئیں اور وہ مجھ سے فرمانے لگے ''جابر کیا تم اس اونٹ کو میرے ہاتھ بیچو گے؟'' میں نے عرض کی ''یہ آپ کے لیے حاضر ہے۔'' آپ نے فرمایا ''نہیں میں ایسے نہیں لوں گا بلکہ اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے اندازِ تکلم سے اندازہ ہو گیا کہ وہ مول تول کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے ان سے کہا کہ آپ قیمت بتائیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں اسے ایک درہم میں لوں گا۔'' میں نے کہا ''ایسا نہیں کیونکہ یہ تو بہت ہی کم قیمت ہے۔'' انہوں نے کہا ''چلو دو درہم لے لو۔'' میں نے کہا ''نہیں۔'' پھر آپ قیمت بڑھاتے گئے حتیٰ کہ وہ چالیس درہم تک پہنچ گئے یعنی ڈھائی تولہ سونے کی قیمت۔ میں اس قیمت پر راضی ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا ''جابر کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟'' میں نے جواب دیا کہ ''جی ہو چکی ہے۔'' آپ ﷺ نے پوچھا ''کسی کنواری سے ہوئی ہے یا شادی شدہ سے؟'' میں نے جواب دیا ''میری بیوی کی شادی پہلے کسی سے ہو چکی تھی۔'' آپ نے فرمایا ''کنواری سے کیوں نہ کی تاکہ تم اس سے خوش کن انداز میں پیش آتے اور وہ تم سے۔'' میں نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے اور انہوں نے میری سرپرستی میں اپنی سات بیٹیاں چھوڑی تھیں۔ اس لیے میں نے مادرانہ صفت کی عورت سے شادی کی تا کہ وہ انہیں اپنے پاس لے کر بیٹھے، ان کے بال سنوارے اور ان کی نسوانی ضروریات کا خیال رکھے۔'' رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم نے صحیح فیصلہ کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ہم صرار پہنچیں گے' جو مدینہ سے صرف تین میل دور تھا' تو وہاں پہنچ کر اونٹوں کی قربانی دیں گے اور دن وہاں گزاریں گے۔ تمہاری بیوی کو تمہاری آمد کی خبر مل جائے گی اور وہ گدے تکیوں کو جھاڑنا شروع کر دے گی۔ میں نے جب کہا کہ ''ہمارے پاس گدے نہیں ہیں'' تو آپ نے فرمایا کہ وہ آ جائیں گے اور جب تم گھر واپس پہنچ جاؤ تو وہ کچھ کرنا جو کیا جانا چاہیے۔

واپس پہنچنے کے بعد دوسری صبح میں نے اپنا اونٹ لیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر بٹھا دیا۔ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ اونٹ کو وہیں چھوڑ دو اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ مجھے ڈھائی تولہ سونا وزن کر دیں۔ آپ نے وزن سے بھی زیادہ جتنا بھی ترازو میں تھا وہ مجھے دے دیا۔ میں سونا لے کر چلنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے واپس بلایا اور فرمایا ''اپنا اونٹ واپس لے جاؤ۔ یہ تمہارا ہی ہے اور اس کے عوض دی گئی قیمت بھی۔''⑤

انہی مہینوں کے دوران حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ملاقات کے لیے آئے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کرنا تھا اور کچھ مدد کی درخواست بھی۔ ان کا مالک قبیلہ قریظہ کا یہودی تھا اور مدینے کے جنوب میں واقع اپنی جائداد پر اتنی سختی سے کام کراتا تھا کہ آپ کو اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے کا موقع میسر نہ آ سکتا تھا۔ اسی وجہ سے بدر یا احد میں شامل ہونا تو ایک طرف رسول اللہ ﷺ یا کسی دوسرے کی قیادت میں گذشتہ چار سال سے جاری مہمات میں بھی حصہ لینے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ کیا موجودہ صورتِ حال سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا؟ انہوں نے اپنے مالک سے پوچھا تھا کہ انہیں آزادی حاصل کرنے کی کیا قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ اس نے جو قیمت بتائی وہ سو تولے سونا اور کھجور کے تین سو درختوں کا لگانا تھا۔ آزادی کی یہ قیمت ان کے گمان سے بھی بڑھ کر تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے مالک سے اقرار نامہ کر لیں کہ وہ اسے مطلوبہ سونا بھی دے دیں گے اور درخت بھی لگا دیں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ سلمان کو کھجور کے پودے فراہم کریں۔ اصحاب نے تعمیل کی۔ کسی نے تیس پودے فراہم کیے اور کسی نے بیس۔ اس طرح جب تعداد پوری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''سلمان جاؤ ان کے لیے گڑھے کھودو اور جب یہ کام کر چکو تو مجھ کو اطلاع دو۔ میں اپنے ہاتھوں سے ان درختوں کو لگاؤں گا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی زمین

Marfat.com

تیار کرنے میں مدد کی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے تین سو کھجوروں کے پودے لگائے۔ ہر پودے نے جڑ پکڑی اور خوب بارآور ہوئے۔

اب رہی بقایا قیمت کی بات تو ایک سونے کی کان سے نکلی ہوئی سونے کی ایک ڈلی جو مرغی کے انڈے کے حجم کے برابر تھی، کسی نے رسول اللہ ﷺ کو نذر کی تھی۔ آپ نے یہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو دی اور فرمایا کہ یہ ادا کر کے اپنی آزادی خرید لو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ مجھے جتنی قیمت ادا کرنی ہے اس کو یہ کہاں تک پوری کرے گی؟ ان کا خیال تھا کہ آزادی کی قیمت کا اندازہ کم لگایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی ڈلی ان کے ہاتھ سے لے کر دہن مبارک میں رکھی اور اس پر زبان پھیری۔ پھر سلمان رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا "یہ لے جاؤ اور اس سے پوری قیمت ادا کر دو۔" حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے وزن کر کے سو تولے سونا اپنے یہودی مالک کو دیا اور اس طرح بندۂ آزاد ہو گئے۔ (٦)

مدینہ میں ایک اور مہینہ امن کا گزرا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی قیادت میں ایک ہزار صحابہ کا لشکر لے کر شام کی سرحد کے قریب واقع دومۃ الجندل نامی ایک نخلستان تک چڑھائی فرمائی۔ یہ علاقہ لوٹ مار کرنے والے جنگجوؤں سے بھرا ہوا تھا جن میں سے زیادہ تر لوگ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے کئی مرتبہ مدینے جانے والے سامانِ رسد کے قافلوں کو لوٹ لیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ فرض کرنے کی بھی وجوہات تھیں کہ ان لوگوں نے قریش سے کسی قسم کا اقرار نامہ اس ضمن میں تیار کر لیا تھا کہ جب اسلام کے خلاف سب اطراف سے حملے کا وقت آئے تو شمال کی سمت سے یہ لوگ بھی چڑھائی کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب اس حملے کے بارے میں ہمیشہ سوچتے رہتے تھے۔ اگرچہ اس مہم کا فوری نتیجہ تو اس کے علاوہ کچھ نہ نکلا کہ لٹیروں کو تتر بتر کر کے جنوبی نخلستان میں چرنے والے ریوڑوں کو قبضہ میں لے لیا گیا۔ لیکن اس کا ایک مطلوبہ اثر یہ بھی ہوا کہ شمالی قبائل عام طور پر دبک گئے اور ان کے فہم و شعور میں یہ احساس واضح ہو گیا کہ عرب میں ایک نئی اور تیزی سے بڑھتی ہوئی قوت ایک حقیقت بن چکی ہے۔ وہ دن گئے جب آپس کی نااتفاقیوں اور ناچاقیوں کی وجہ سے یثرب بیرونی حملوں کی زد میں تھا۔ اب نااتفاقی اور ناچاقی کی جگہ ایک انتہائی مستحکم، متحد اور وسعت پذیر حکومت نے لے لی ہے جو دور دراز تک حیران کن سرعت سے حملہ آور ہونے کی اہلیت رکھتی ہے۔ اس قوت سے اس لیے بھی ڈرنا ضروری تھا کہ اس کے نزدیک دفاع کی یقینی صورت آگے بڑھ کر حملہ کرنے میں تھی۔

یہ تو ایک ظاہری تاثر تھا ہی لیکن وہ لوگ جن کی نظریں معاملات کو گہرائی میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتی تھیں وہ دیکھ رہے تھے کہ اس قوت کی بنیاد ایک ایسے اتحاد پر ہے جو ایک معجزے کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

وحی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو بتا دیا تھا کہ "اگر تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے تو ان کے قلوب کو متحد نہ کر سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑ دیئے۔" (۷) اس اتحاد کو حقیقت کا روپ دینے کی ایک بڑی وجہ رسول اللہ ﷺ کا وجودِ مسعود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود کو ایسا پرکشش اور طاقتور بنا دیا تھا کہ کوئی ایسا شخص جس کے دل میں نیکی کا ذرا سا بھی عنصر موجود تھا اس کے لیے خیر کی اس قوت کی مزاحمت ممکن نہ تھی۔ "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کے بیٹے، باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔" (۸) لیکن رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ ایک مطالبے سے زیادہ اس محبت کی توثیق کی حیثیت رکھتے تھے جو ان لفظوں میں اپنا اظہار کرتی تھی کہ "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔"

امن کا زمانہ رسول اللہ ﷺ کے لیے آرام کا زمانہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے آپ کو ایک معیار کے طور پر اس طرح پیش کیا کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک تہائی حصہ عبادت کے لیے اور ایک تہائی گھر بار اور بیوی بچوں کے لیے رکھا۔ ایک تہائی حصہ طعام اور شب باشی کے لیے ہوتا تھا۔ جہاں تک عبادات کا تعلق تھا اس کی بجا آوری زیادہ تر رات کو ہوتی تھی۔ مغرب اور فجر کی نمازوں کے علاوہ اسی طریقہ پر نوافل پڑھے جاتے۔ قرآن کا بھی حکم تھا کہ اس کی آیات کی دیر تک تلاوت کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے حمد و استغفار کی مختلف دعاؤں اور درود کی سفارش بھی کی۔ شروع میں نزولِ وحی ہوا تو طویل نماز ہائے شب کا معمول بن گیا تھا۔ لیکن امت کے وہ لوگ جن تک یہ ہدایت پہنچی تھی وہ روحانی طور پر اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ مدینے میں بھی برگزیدہ اصحاب موجود تھے لیکن حالیہ وقتوں میں اسلام جس سرعت سے پھیلا اس کے بعد ابتدائے اسلام کے اعلیٰ روحانی مدارج کے اصحاب کی تعداد بہت کم ہو گئی تھی۔ قرآن میں ان اصحاب کا ذکر "طائفة من الذین معك" کے الفاظ میں ان آیات میں کیا گیا ہے کہ طویل شب بیداری سے متعلق پابندی اور لازم کے احساس کو ہلکا کیا جائے۔ "تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی۔ اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو، پڑھ لیا کرو۔" (۹)

تاہم مخصوص اصحاب نے رات کے بیشتر حصے میں عبادت جاری رکھی۔ رات کے آخری تیسرے حصہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس وقت اللہ کی رحمت خاص ہوتی ہے "ہر رات جب اس کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے ہمارا پروردگار جو رحمان، رحیم و اکبر و عظیم ہے، اس کی رحمتیں نیچے اتر کر قریب

Marfat.com

ترین آسمانوں میں آ جاتی ہیں اور وہ فرماتا ہے ”مجھے کون پکارتا ہے کہ میں اس کی حاجت روائی کروں؟ وہ کون ہے جو نماز میں کھڑا مجھ سے مدد مانگ رہا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ مجھ سے طالبِ مغفرت کون ہے کہ میں اس کی مغفرت کردوں۔“ (10) اسی دوران یہ آیات بھی نازل ہوئیں ”رات کے وقت ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے۔ اور (عذاب) کے خوف اور (رحمت) کی امید پر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال کے بدلہ میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے ڈھکی چھپی رکھی ہے۔ اس کو تو کوئی شخص جانتا ہی نہیں۔“ (11)

روزمرہ کی چوبیس گھنٹہ کی گردش کے دوران تین قسم کے واجبات، عبادات، روزگار اور گھریلو زندگی کے معاملات میں برابر کی تقسیم اندازاً ہی کی جا سکتی تھی۔ جہاں تک گھریلو زندگی کا تعلق تھا رسول اللہ ﷺ کا خود اپنا ایک بھی کمرہ نہیں تھا۔ وہ ہر شام برائے شب باشی اس زوجہ کے حجرہ میں چلے جاتے جس کی باری ہوتی تھی اور اس طرح آئندہ کے چوبیس گھنٹے اس حجرہ میں گزارتے۔ دن کے وقت ان کی بیٹیوں کے کئی کئی چکر لگتے۔ ان کی پھوپھی صفیہ ان سے ملنے آتیں یا وہ خود ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ اکثر ملنے چلی آتیں۔ حسن رضی اللہ عنہ کی عمر اب ڈیڑھ سال کی ہوگئی تھی اور حسین رضی اللہ عنہ آٹھ مہینہ کے تھے مگر پاؤں چلنے لگے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ننھی نواسی امامہ سے بھی پیار تھا جو تقریباً ہمیشہ اپنی ماں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ آیا کرتی تھی۔ ایک یا دو دفعہ رسول اللہ ﷺ اس بچی کو مسجد میں اپنے کاندھے پر سوار کیے ہوئے لائے۔ جب تک آپ تلاوتِ قرآن کرتے رہے وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ جب آپ رکوع و سجود میں جاتے تو اسے زمین پر بٹھا دیتے اور جب قیام کی حالت میں ہوتے تو اسے کندھے پر بٹھا لیتے۔ (12) ایک اور بچہ جس سے آپ کو بہت پیار تھا وہ پندرہ سالہ اسامہ رضی اللہ عنہ تھا۔ زید اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کا بیٹا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ لڑکا بہت عزیز تھا۔ ایک تو اس کے دونوں ماں باپ کی وجہ اور ایک خود ان کی اپنی وجہ سے بھی، اس گھر کے پوتے کی حیثیت سے وہ اکثر گھر میں یا اس کے دروازوں کے آس پاس پائے جاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ عصر کے وقت زیادہ تر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے جاتے جیسا کہ مکہ میں آپ کا معمول تھا۔ آپ کے گھریلو اور باہر کے تقاضے باہم یکجا تھے۔ آپ اسلامی ریاست کے معاملات کے بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات کرنا پسند فرماتے تھے۔ بالکل اسی طرح آپ ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور اپنے دونوں دامادوں، حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے تبادلۂ خیالات اور مشورہ فرماتے تھے لیکن کام کے حوالے سے خطرہ تھا کہ ریاست کے معاملات ان کی پوری زندگی پر غالب آ جائیں گے۔ مدینہ میں کوئی ایسی آواز نہ تھی

Marfat.com

جوان کے ہم پلہ ہو کر مسائل کو حل کرنے، تنازعات کو سلجھانے اور سوالات کے جوابات دینے کی اہل سمجھی جا سکتی۔ سوائے وہ لوگ جن کے دماغوں میں غرور اور تکبر بھرا ہوا تھا' وہ لوگ بھی جو آپ کو اللہ کا رسول نہ مانتے تھے، ضرورت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی مدد طلب کرتے۔ یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور ان جھگڑوں کے ذمہ دار اکثر پرجوش مسلمان ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک بار ایسا ہوا کہ ایک انصاری صحابی نے ایک یہودی کو ان کی مخصوص قسم کھاتے ہوئے سنا اور محض اس بات پر اسے تھپڑ مار دیا۔ مسلمان نے اس یہودی سے کہا ''کیا تو پھر ایسی قسم کھاتا ہے کہ 'قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر برگزیدہ کیا، جب کہ اللہ کے رسول اس وقت ہمارے درمیان موجود ہیں۔'' یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو آپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ نے صحابی کی سرزنش فرمائی۔ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے ''اے موسیٰ! میں نے تمام لوگوں پر ترجیح دے کر تجھے منتخب کیا کہ میری پیغمبری کرے اور مجھ سے ہم کلام ہو۔''(۱۳) قرآن نے یہ بھی کہا تھا ''اللہ نے آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران علیہم السلام کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا۔''(۱۴) لیکن یہ اندازہ کرتے ہوئے کہ اس صحابی کے ذہن میں کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا ''یہ نہ کہو کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے بہتر ہوں۔''(۱۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایک اور موقع پر بے جا عقیدت و جوش کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ''تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں نوح علیہ السلام سے بہتر ہوں۔''(۱۶) وحی نے پہلے ہی اسلامی عقیدے کی حیثیت سے اس بات کی صراحت کر دی تھی ''ہم رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔''(۱۷)

ان معاملات کے علاوہ جن کا تعلق ملت کی مجموعی فلاح، اس کی داخلی ہم آہنگی اور بقیہ عربوں سے تعلقات کے حوالے سے تھا، مشکل سے ہی کوئی دن گزرتا ہوگا جب ایک یا اس سے زیادہ صحابی خاص ذاتی معاملات کے بارے میں آپ سے مشورہ یا مدد طلب کرنے نہ آتے ہوں۔ یہ مدد مالی بھی ہو سکتی تھی اور روحانی بھی۔ مثلاً ایک موقع پر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ بنی عتیم کے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نامی صحابی کو لے کر آئے جو مدینے میں ہی سکونت پذیر تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اپنا مسئلہ لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اس معاملے میں جواب اعلیٰ ترین مقام سے ملنا چاہیے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ غم کی تصویر بنا ہوا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ معاملہ کیا ہے اور انہوں نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حنظلہ رضی اللہ عنہ منافق ہو گیا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا مطلب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''یا رسول اللہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو آپ کی زبان مبارک سے دوزخ اور جنت کا ذکر سن کر ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ہم

Marfat.com

ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب ہم آپ کی مجلس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ہماری حالت یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنی بیویوں، بچوں، جائداد اور پیسے میں سب کچھ فراموش کر دیتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مقصود یہ ہے کہ روحانی حقیقتوں کے شعور کی مسلسل کوشش کرتے رہیں اور روزمرہ زندگی کی روش بدلے بغیر روحانی حقائق کے تسلسل کو قائم رکھا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم مسلسل اور پیہم اس حال میں رہو جیسے تم ذکر الٰہی کے دوران یا میرے سامنے ہوتے ہو تو کیا جب تم بستر یا سفر پر ہوتے ہو تو تمہارا کام فرشتے آ کر کریں گے؟ لیکن پھر بھی اے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اب یہ حال ہے اور اب وہ حال، ابھی یہ اور ابھی وہ۔'' (۱۸)

رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کے مطالبات جن کا ذکر ہوا، ٹالے نہیں جا سکتے تھے لیکن اس امر کی ضرورت بڑھتی جا رہی تھی کہ کسی طریقے سے ان کی ذات کو تحفظ فراہم کیا جائے اور تحفظ کی یہ صورت جس انتہائی غیر متوقع واقعہ کی صورت میں ظاہر ہوئی اس نے آپ کی غیر مثالی حیثیت کی حتمی توثیق کر دی۔ ہوا یوں کہ ایک دن آپ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کسی معاملے پر بات کرنے کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھولا اور دروازے پر کھڑے ہو کر آپ کو بتایا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ گھر پر نہیں ہیں اور آپ سے اندر آنے کی درخواست بھی کی۔ آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ گھر پر نہیں ہیں تو آپ ﷺ گھر کے اندر جانے سے انکار فرماتے ہوئے واپس تشریف لے گئے۔ آپ کی تشریف آوری کا مقصد غالباً دونوں میاں بیوی کے درمیان صلح کرانا تھا۔ حضرت زید اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی دونوں کی باہمی رضا و رغبت سے نہ ہوئی تھی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کر چکے تھے۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ گھر واپس آئے تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان سے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور ایک بار پھر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے بارے میں اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ ''اپنی زوجہ کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اس سے قبل ایک دوسرے موقع پر آپ فرما چکے تھے کہ ''اللہ کے نزدیک تمام حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔'' (۱۹)

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ اگلے دن وہی تجویز لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے اصرار کیا کہ وہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے ازدواجی تعلق ختم نہ کریں لیکن زید اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی خوشگوار ماحول میں نہ ہوئی تھی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ اب اس رشتہ کو مزید برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔ اس لیے

Marfat.com

آخر کار انہوں نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے باہمی اتفاقِ رائے کے بعد انہیں طلاق دے دی۔ لیکن اس طلاق نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ بن جانے کے قابل نہ بنایا۔ اگرچہ قرآن نے صرف یہی واضح کیا تھا کہ صلبی اولاد کی بیویوں سے نکاح ممنوع ہے لیکن عرب کا ایک اٹل سماجی قانون یہ تھا کہ صلبی اولاد اور متبنیٰ بیٹوں میں کسی لحاظ سے فرق روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ بھی اس شادی کا استحقاق نہ رکھتے تھے کہ آپ کی چار بیویاں پہلے سے موجود تھیں اور اسلامی قانون میں زیادہ سے زیادہ بیویوں کی تعداد چار ہی تھی۔

اس بات کو چند ماہ گزرنے کے بعد ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے محوِ گفتگو تھے کہ وحی کی کیفیت نے آپ کو مغلوب کر لیا۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی اور آپ اپنی پہلی حالت میں واپس آئے تو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے الفاظ یہ تھے ''کون جائے گا زینب رضی اللہ عنہا کے پاس یہ خوشخبری دینے کہ اللہ نے آسمان میں ان کی شادی مجھ سے کر دی ہے۔'' سیّدہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا جو سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ کی حیثیت سے ایک مدت سے رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کا رکن سمجھی جاتی تھیں، قریب ہی تھیں۔ وہ عجلت میں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یہ حیرت انگیز خبر سنی اور فوراً اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں سجدہ ریز ہو گئیں۔ پھر انہوں نے اس خوشخبری کے انعام کے طور پر پاؤں کے کڑے اور کنگن اتار کر سلمیٰ رضی اللہ عنہا کو دے دیے۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی جوانی تو ختم ہو چکی تھی۔ ان کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی۔ لیکن ان کا غیر معمولی حسن اب بھی باقی تھا۔ اس کے علاوہ وہ بہت پرہیز گار خاتون تھیں۔ روزے کثرت سے رکھتی تھیں۔ شب بیدار اور رات کو دیر دیر تک عبادت میں مصروف رہتیں۔ بڑی فیاض اور غریب پرور تھیں۔ چمڑے کی ہنر مند کاریگر کی حیثیت سے جوتے اور دیگر اشیا بنانے سے جو کچھ کماتیں وہ غریبوں اور خیراتی کاموں میں صرف کر دیتیں۔ ان کے ساتھ کسی رسمی شادی کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی کہ ان کے عقد کا اعلان نازل ہونے والی آیات میں کر دیا گیا تھا۔ ایک ایسا عقد جو پہلے سے ہی ہو چکا تھا۔ ''ہم نے ان کا عقد تم سے کر دیا۔''[30] اب صرف زوجہ کو شوہر کے پاس لانا باقی تھا جو بلا تاخیر انجام دے دیا گیا۔

نزول شدہ آیات میں یہ بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ آئندہ سے متبنیٰ بیٹوں کو ان کے حقیقی باپ کے نام سے بلایا جائے۔ اس دن سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو 'زید بن محمد' کی بجائے 'زید بن حارثہ' کہا جانے لگا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لوگ پینتیس سال سے جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنا بیٹا بنایا تھا 'زید بن محمد' کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ لیکن اس تبدیلی سے ان کو متبنیٰ کرنے میں کوئی فرق آیا اور نہ ہی بیٹا بننے اور بنانے والے کے

Marfat.com

باہمی محبت و سلوک میں۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر ساٹھ کے قریب ہونے والی تھی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنے پچاسویں سال میں تھے۔ یہ محض اس بات کی یاددہانی تھی کہ بیٹا بننے اور بیٹا بنانے والے کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہ تھا۔ اس بات کی آگے واضح طور پر صراحت کر دی گئی کہ "محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں۔"(۴۱)

اسی دور میں بیک وقت جن دوسری آیات کا نزول ہوا ان میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیروکاروں میں نبوت کے خصائص کی بنیاد پر بہت فرق ہے۔ ان کے پیروکاروں کو اجازت نہیں کہ وہ آپ ﷺ کو اس طرح نام لے کر پکاریں جیسے وہ ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نئی شادی کی بنا پر چار سے زاید بیویاں رکھنے کی اجازت صرف رسول اللہ ﷺ کو ہی دی ہے اور باقی امت کے لیے یہ اجازت عام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی ازواج کو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا لقب عطا کیا گیا اور ان کا مرتبہ و مقام ایسا کر دیا گیا کہ اللہ کی نظر میں یہ گناہِ عظیم سنگین جرم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آنے کے بعد ان کو کسی دوسرے شخص کے عقد میں دیا جائے۔ اگر کسی مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں سے کسی کی نوازش درکار ہوتی، جیسا کہ عام طور پر ان سے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کروائی جاتی تھی، تو حکم تھا کہ ایسی درخواست بھی پردے کے پیچھے سے کی جائے۔ مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا گیا:

"اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، نبی (ﷺ) کے گھر بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت دیکھتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ۔ مگر جب کھانا کھا لو تو منتشر ہو جاؤ۔ باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبی (ﷺ) کو تکلیف دیتی ہیں مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔"(۴۲)

اصحابِ رسول ﷺ کو اس بات کا ادراک کرانا ضروری تھا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جس حد تک محبت و عقیدت رکھتے تھے اس کی بنیاد پر ان کی خواہش ہوتی کہ جتنی دیر تک ممکن ہو وہ آپ ﷺ کے حضور بیٹھے رہیں۔ جو صحابی بھی رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر ہوتے ان کا جی نہ چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر جائیں اور نہ ہی ان کے ٹھہرنے پر ان پر الزام لگایا جا سکتا تھا۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ کسی صحابی سے کلام کرتے تو اس سے مخاطب ہو کر وہ اس طرح سے پوری توجہ ان پر مرکوز کر کے کلام فرماتے کہ مخاطب اپنے دل میں یقین کر لیتا کہ اس کا مقام اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ اس سے جتنا فائدہ حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ جب آپ ﷺ کسی صحابی کا ہاتھ تھام لیتے تو اس کا ہاتھ چھوڑنے میں پہل نہ فرماتے۔ لیکن جن قرآنی آیات کا

Marfat.com

نزول اس وقت ہوا ان میں دعائیہ کلمات کو ایک نئے انداز سے متعارف کیا گیا۔ ان کلمات کی بدولت یہ ممکن ہو گیا کہ وہ اصحاب جو آپ سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لیے اپنی حاضری کو ضروری سمجھتے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بوجھ بننے کی بجائے ان دعائیہ کلمات کو ادا کر کے اپنی محبت کا اظہار بھی کر سکیں اور رسول اللہ ﷺ کی روحانی تجلیات سے بھی فیض یاب ہو سکیں۔ ''اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو، جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔''[۲۳] ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے کہا ''آپ پر جب کوئی ایک مرتبہ درود و سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔''[۲۴]

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ابن سعد: ۸، ۶۶
۲۔قرآن ۴: ۱۰۱۔۱۰۲
۳۔واقدی: ۴۸۷
۴۔مسلم: ۴۹، ۴
۵۔ابن اسحٰق: ۶۶۴
۶۔ابن اسحٰق: ۲۔۱۴۱
۷۔قرآن: ۸: ۶۳
۸۔مسلم: ۱، ۱۶
۹۔قرآن ۷۳: ۲۰
۱۰۔بخاری: ۲۱، ۱۲
۱۱۔قرآن: ۳۲: ۱۷۔۱۶
۱۲۔ابن سعد: ۸، ۲۶
۱۳۔قرآن: ۸: ۴۴
۱۴۔قرآن: ۳: ۳۳
۱۵۔بخاری: ۶۵ سورہ ۷
۱۶۔بخاری: ۶۵ سورہ ۳۷
۱۷۔اصل تصنیف: صفحہ ۱۰۲
۱۸۔مسلم: ۴۹، ۲
۱۹۔ابوداؤد: ۱۳، ۳
۲۰۔قرآن: ۳۳: ۳۷
۲۱۔قرآن: ۳۳: ۴۰
۲۲۔قرآن: ۳۳: ۵۳
۲۳۔قرآن ۳۳: ۵۶
۲۴۔الدارمی: ۲۰، ۵۸

Marfat.com

بَابٌ: ۵۹

جنگِ خندق

بنی نضیر کے وہ یہودی جو خیبر میں جا کر بس گئے تھے انہوں نے اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ ان یہودیوں کی تمام امیدوں کا مدار قریش کی ان فوجی تیاریوں پر تھا جو رسول اللہ ﷺ کے خلاف آخری اور فیصلہ کن حملے کے لیے کی جا رہی تھیں۔ یہ اسلامی لحاظ سے پانچویں سال کا اختتام اور مسیحی سن کے لحاظ سے ۶۲۷ء کے نئے سال کے قریب کا زمانہ تھا۔ حیّ اور خیبر کے دیگر یہودی سرداروں کے مکہ کے خفیہ دورے نے ان تیاریوں کو اپنے عروج پر پہنچا دیا تھا۔ ''ہم شانہ بشانہ تمہارے ساتھ ہیں'' انہوں نے ابوسفیان سے کہا ''ہم محمد (ﷺ) کو جڑ سے اتار پھینکیں گے۔'' ابوسفیان نے جواب دیا: ''ہم ان کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں جو محمد (ﷺ) کے خلاف ہمارے معاون ہیں۔'' یہودی، ابوسفیان، صفوان اور قریش کے دوسرے سرداروں کو اپنے ہمراہ لے کر کعبہ کے اندر گئے۔ سب نے مل کر بڑے تقدس کے ساتھ اللہ کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ وہ ایک دوسرے سے تعاون میں کوتاہی نہ کریں گے حتیٰ کہ ان کو اپنے مقصد کے حصول میں مکمل کامیابی نہ حاصل ہو جائے۔

اس کے بعد قریش کو خیال گزرا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ یہودیوں سے نئے مذہب کے بانی کے بارے میں ان کی رائے پوچھ لیں کہ وہ اس بارے میں حق پر ہیں یا نہیں۔ ابوسفیان بولا ''اے اہلِ یہود تم پر آسمانی کتاب کا نزول ہوا اور تم لوگوں کو اس کا علم ہوگا، ہمیں بتاؤ کہ محمد (ﷺ) کے بارے میں ہمارا موقف کیسا ہے؟ کیا ہمارے دینی عقائد ان کے دین سے بہتر ہیں؟'' یہودیوں نے جواب دیا ''تم لوگوں کا مذہب ان سے بہت بہتر ہے اور تم لوگ ان کے مقابلہ میں حق وصداقت سے قریب تر ہو۔''

دونوں اتحادیوں نے ان باہمی بنیادوں پر اپنے منصوبے کو تشکیل دیا۔ یہودیوں نے مدینے سے

Marfat.com

شکایتیں رکھنے والے صحرائے نجد کے بدویوں کو شورش پر آمادہ کرنے کا ذمہ لیا اور یہ طے پایا کہ جہاں انتقام کا جذبہ حاوی نہ ہو وہاں رشوت کے ذریعے کام چلایا جائے۔ اس منصوبے کے نتیجے میں بنی اسد فوراً تیار ہو گئے۔ جبکہ بنی غطفان سے وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ اس اتحاد میں شامل ہو جائیں تو خیبر کے کھجوروں کی آدھی فصل ان کو دی جائے گی۔ ان کی رضامندی کے باعث غطفان کے اشجع، مرہ فزارہ قبیلوں کی شمولیت سے اسلام دشمن فوج کی تعداد میں دو ہزار کا اضافہ ہو گیا۔ اسی طرح یہودی بنی سُلیم سے سات سو آدمیوں کا دستہ حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ یہ تعداد مزید بھی بڑھ سکتی تھی لیکن جب سے معونہ کا قتلِ عام ہوا تھا تو ایک مختصر لیکن قبیلے کے اندر روز افزوں اسلام کی حامی جماعت پیدا ہونے کے باعث اس تعداد میں اضافہ ممکن نہ ہو سکا۔ جبکہ سُلیم کے جنوب میں واقع بنی عامر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے گئے معاہدے پر پورے خلوص کے ساتھ قائم رہے۔

قریش کے لشکر کی تعداد اپنے قریب ترین اتحادیوں کو شامل کر کے چار ہزار کے قریب تھی۔ ان کے علاوہ جنوبی علاقوں میں بسے ہوئے اکا دکا امدادی فوجی دستے بھی تھے۔ سب نے مل کر مکہ سے کوچ کر کے مغربی ساحلی شاہراہ پر جو مدینہ کی طرف جاتی تھی، سفر کرنا تھا۔ یہ وہی راستہ تھا جس پر چل کر انہوں نے احد پر چڑھائی کی تھی۔ دوسرا لشکر جس میں وحدت کا کافی فقدان تھا، اس نے مدینہ کو مشرق کی جانب یعنی نجد کے میدان سے حصار میں لینا تھا۔ دونوں لشکروں کی افرادی قوت کا تخمینہ اس قریشی لشکر سے تین گنا زیادہ تھا جس نے مسلمانوں کو احد کے میدان میں شکست دی تھی۔ اب مقابلہ دس ہزار کے لشکر سے تھا اس لیے مسلمانوں کے لیے فتح کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ مزید برآں احد میں دو ہزار گھوڑ سوار فوج کی بجائے اب قریش کے ساتھ تین ہزار گھوڑ سوار تھے اور انہیں امید تھی کہ غطفان والے بھی اتنا رسالہ فراہم کر دیں گے۔

منصوبے کے مطابق وہ مکہ سے روانہ ہوئے اور اسی کے آس پاس، بہت ممکنہ حد تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اشارے پر، بنی خزاعہ کے کئی گھوڑ سوار بھی تیز رفتاری سے مدینے کے لیے روانہ ہو گئے تا کہ رسول اللہ ﷺ کو حملہ آور فوج کی تعداد اور تفصیلات سے خبردار کر دیں۔ یہ گھوڑ سوار چار دن میں مدینہ پہنچ گئے۔ اس طرح اب آپ ﷺ کے پاس حملے کے مقابلے کے لیے ایک ہفتہ باقی تھا۔ آپ ﷺ نے فوری طور پر پورے نخلستان کو آنے والے خطرے سے ہوشیار کیا اور اپنے اصحاب کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ فتح ان کا ہی مقدر ہے اگر وہ صبر و تحمل اور خوفِ خدا سے کام لیں اور حکم کی اطاعت کریں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے احد کی طرح مشاورت کی دعوت دی۔ اس مجلسِ مشاورت میں اصحاب نے اپنی اپنی آرا کا اظہار کیا کہ دفاع کا بہترین منصوبہ کیا ہو سکتا ہے۔ آخر میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا ''اے اللہ کے رسول ﷺ! فارس میں ہمیں

Marfat.com

جب بھی گھوڑ سوار رسالہ کا خطرہ لاحق ہوتا تھا تو ہم لوگ اپنے گرد خندق کھود کر اپنے آپ کو محصور کر لیا کرتے تھے۔ اس لیے ہمیں ابھی سے خندق کھودنا شروع کر دینی چاہیے۔'' سب اصحاب نے اس تجویز کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس لیے بھی کہ وہ اُحد کی ناخوشگوار جنگی حکمتِ عملی کو دہرانا نہیں چاہتے تھے۔

وقت کم تھا اور تمام تر کوششیں بروئے کار لاتے ہوئے خندق کی کھدائی میں لگ جانا تھا۔ تاکہ دفاعی منصوبہ کے تحت خندق کے طول و عرض میں کوئی فروگذاشت رہ جانے سے کوئی خطرناک خلا نہ رہ جائے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہ تھا کہ تمام اطراف میں خندق کھودی جاتی۔ شہر کے سرے پر کئی مقامات پر قلعہ نما حویلیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا جو مناسب تحفظ فراہم کرتی تھیں۔ شمال مغرب کی جانب کچھ چٹانوں کے تودے بجائے خود دفاعی دیوار بنے ہوئے تھے۔ اس وقت ضرورت تھی تو ان کو ایک دوسرے سے جوڑنے کی۔ ان میں سے قریب ترین سلع پہاڑ تھا جس کو دفاعی خندق کے اندر رکھنا تھا کیونکہ اس کے مقابل کھلی جگہ لشکر کے پڑاؤ کے لیے مناسب ترین تھی۔ خندق کی موجودگی سے پڑاؤ کی حد بندی شمال کی جانب ہو جاتی تھی اور پہاڑی کی چوٹیوں سے اترتی ہوئی زمینی ڈھلان ہلالی شکل میں مدینہ شہر کی مشرقی فصیل سے آ کر ایک نقطہ پر ختم ہوتی تھی۔ یہاں پر جو خندق بنائی گئی تھی وہ دوسری خندقوں سے نہ صرف طویل بلکہ سب سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ جو اس فنِ جنگ کی حکمت کے موجد کا درجہ رکھتے تھے انہیں پورا پورا علم تھا کہ خندق کا کتنا چوڑا اور گہرا ہونا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ وہ بنی قریظہ کے ہاں مزدوری کر چکے تھے اس لیے انہیں معلوم تھا کہ ان کے پاس خندق کھودنے کے ضروری آلات بھی موجود ہیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ مشترکہ خطرے کے سدِ باب کے لیے انہیں یہ آلات دینے میں اعتراض بھی نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے وفاداری نہ ہونے کے باوجود ان کی اکثریت کی رائے تھی کہ ان کے ساتھ ان کا معاہدہ سیاسی مفاد کا حامل ہے اس لیے اس کو نبھانا چاہیے۔ انہوں نے کھدائی کے آلات کے ساتھ کھجور کے ریشوں سے بنی ہوئی مضبوط ٹوکریاں بھی مہیا کیں جو مٹی ڈھونے کے کام آ سکتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کی ہر ٹولی کو خندق کے مختلف حصوں کی ذمہ داری سونپی اور اس کھدائی میں خود بھی شریک ہوئے۔ ہر صبح نماز کے فوراً بعد یہ کام شروع ہو جاتا اور شام کا اندھیرا پھیلنے پر کام روکا جاتا۔ اولیں صبحوں میں سے ایک صبح جب آپ ﷺ اصحاب کے ہمراہ کھدائی کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے وہ اشعار پڑھے جو مسجدِ نبوی کی تعمیر کی یاددہانی کراتے تھے۔

یا اللہ حیات تو بس حیاتِ آخرت ہی ہے
پس مغفرت فرما، مہاجرین کی اور انصار کی

Marfat.com

سب اصحاب آپ ﷺ کی آواز سے آواز ملا کر نغمہ زن ہو گئے۔ یہ اشعار بھی پڑھے گئے۔

یا اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے

اے معبود رحم فرما انصار اور مہاجرین پر

اصحاب ایک دوسرے کو مسلسل یاد دلا رہے تھے کہ وقت بہت کم ہے اور دشمن بہت جلد ان کے سر پر ہو گا۔ اس دوران کوئی سستی دکھلاتا تو فوراً مذاق کا نشانہ بن جاتا۔ لیکن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی ذات تعریف و تحسین کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ وہ نہ صرف قوی الجثہ تھے بلکہ برسوں سے بنی قریظہ کے لیے زمین کی کھدائی اور بار برداری جیسے بھاری کام کے عادی رہے تھے۔ دیگر اصحاب کہتے ''یہ اکیلا دس آدمیوں کے برابر ہے۔'' اصحاب کے درمیان محبت پر مبنی ایک رقابت چل پڑی۔ مہاجرین دعویٰ کرتے ''سلمان رضی اللہ عنہ ہم میں سے ہے'' کیوں کہ انہوں نے ہدایت کی تلاش میں بہت دنوں وطن سے بے وطنی اختیار کی ہوئی ہے۔ جبکہ انصار کہتے ''سلمان رضی اللہ عنہ ہم میں سے ہے اور ان پر ہمارا حق زیادہ ہے۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سلمان رضی اللہ عنہ ہم میں سے ایک ہیں یعنی اہل بیت میں سے۔'' (1)

کھدائی کے بعد جو بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں برآمد ہوئی تھیں اور گولے کی طرح پھینکنے کے کام آ سکتے تھے انہیں خندق کے مدینہ والے حصے میں ڈھیر کر دیا گیا۔ اصحاب ٹوکریوں میں مٹی بھر کے لے جاتے اور واپسی پر ان میں پتھر بھر کر خندق کے کنارے پر ڈال دیتے۔ بہترین پتھر کوہِ سال کے تلے مل جاتے تھے۔ تمام اصحاب کمر تک برہنہ تھے اور جن کے پاس ٹوکریاں نہیں تھیں وہ اپنے کپڑوں کو گرہ دے کر جھولیاں بنا لیتے۔ پہلی صبح تو بہت سے لڑکے بھی ان کے پیچھے گئے۔ انہیں خندق کھودنے کے کام میں حصہ لینے کا اشتیاق تھا۔ سب سے کم عمر بچے کو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے گھر واپس کر دیا گیا تھا۔ لیکن دوسرے بہت سوں کو کھدائی میں حصہ لینے اور مٹی پھینکنے کے کام میں مدد کی اجازت دے دی گئی۔ انہیں خبردار کر دیا گیا تھا کہ جیسے ہی دشمن نظر آئے وہ فوراً پڑاؤ سے نکل آئیں۔ وہ لڑکے جنہیں احد سے واپس گھر بھیج دیا گیا تھا ان میں حضرت اسامہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے دوست اب پندرہ سال کے ہو گئے تھے۔ ان سب کو مردوں کی صفوں میں مل کر نہ صرف کام کرنے کی اجازت دے دی گئی بلکہ جنگ شروع ہونے پر لڑنے کی اجازت بھی مل گئی۔ ان میں ایک بنی حارثہ قبیلے اوس کے حضرت براء رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے بعد کے سالوں میں ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انہیں اب تک یاد ہے کہ خندق پر رسول اللہ ﷺ کھڑے تھے اور وہ کس قدر حسین و جمیل تھے۔ ایک سرخ قبا کمر بستہ تھی۔ ان کے سینے پر مٹی بکھری ہوئی تھے۔ بال اس قدر لمبے تھے کہ شانوں کو

Marfat.com

چھوتے تھے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ان سے زیادہ حسین و جمیل کوئی نہیں دیکھا۔ لیکن صرف حضرت براء رضی اللہ عنہ کو ہی جمالِ نبوت اور اس منظر کے عام حسن کا احساس نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی اپنے اردگرد نگاہ فرماتے تو ماحول کی پاکیزگی، سادگی اور فطرت سے قربت کے احساس سے مسرور ہوتے۔ فطرت سے وہ قربت جو انسان کا اولیں ورثہ ہے۔ آپ نے ایک نغمہ شروع کیا اور سب نے آواز ملا دی:

''یہ حسن، نہ کہ وہ حسن جو خیبر کا ہے

خالص ہے اور معصوم ہے یہ، میرے مالک، سبحان اللہ! (۴)

رسول اللہ ﷺ کی حالت یہ تھی کہ ابھی مہاجرین کے ساتھ اور ابھی انصار کے ساتھ۔ کبھی کدال ہاتھ میں ہے، کبھی بیلچہ اور کبھی مٹی اٹھائے لیے جا رہے ہیں۔ لیکن وہ جہاں بھی ہوں سب کو معلوم تھا کہ کسی بھی غیر معمولی افتاد کی اطلاع انہیں ہر حال میں پہنچائی ہے۔ مشقت اور سخت کوشی کے باوجود ہنسی خوشی کے لمحات بھی آئے۔ بنی ضمرہ کے ایک نومسلم جو اصحابِ صُفہّ میں سے تھے، کافی متقی اور پرہیزگار تھے لیکن ان کے حلیہ بشرہ کی وجہ سے لوگ ان سے زیادہ مانوس نہیں تھے۔ ان کے والدین نے ان کا نام جعیل، یعنی ننھا بھنورا رکھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام ایک عمدہ نام سے بدل دیا تھا، عمرو یعنی زندگی، روحانی فلاح، دین۔ عمرو کو خندق کی کھدائی کرتا دیکھ کر ایک مہاجر نے برجستہ یہ شعر کہہ دیا:

انہوں نے اس کو جعیل سے بدلا اور عمرو کر دیا

اس روز انہوں نے اس غریب کا دل بڑھا دیا

انہوں نے یہ شعر عمرو کو سنایا اور دیگر سننے والوں نے اس کا نغمہ بنا لیا۔ ایسا نغمہ جس کو سن کر دل خوش ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ لفظ عمرو اور مدد تک اصحاب کا ساتھ خاصا زور دے کر ادا کرتے۔ پھر آپ نے اصحاب کو ایک دوسرے نغمے کی طرف لگا دیا:

''اے آقا و مالک اگر تیرا کرم نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے

نہ صدقات ادا کرتے نہ تیرے حضور نماز ادا کر پاتے

پس ہم کو متانت سے سرفراز فرما

دشمنوں نے ہمیں ستایا اور گمراہ کرنا چاہا

لیکن ہم نے انکار کر دیا'' (۵)

مدد کے لیے سب سے پہلے پکار حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جانب سے آئی۔ وہ کھدائی کرتے کرتے ایک

Marfat.com

ایسی چٹان پر آن پہنچے تھے جس پر ان کا کوئی اوزار اثر انداز نہ ہو رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے تھوڑا سا پانی لانے کو کہا اور پھر اس میں لعاب ڈال کر دعا فرمائی اور پانی کو چٹان پر چھڑک دیا۔ چٹان کا یہ حال ہوا کہ اصحاب نے اس چٹان کو بیلچے سے ریت کے تودے کی مانند نکال پھینکا۔ (۴) دوسرے دن ایک مہاجر صحابی کو مدد کی ضرورت پیش آئی۔ وہ کئی بار کوشش کے باوجود ایک چٹان کو اپنی جگہ سے ہلانے یا گزند پہنچانے میں ناکام رہے تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کدال لی اور چٹان پر ایک زوردار ضرب لگائی۔ ضرب لگتے ہی بجلی کی چمک پیدا ہوئی جو شہر کے اوپر سے ہوتی ہوئی جنوب کی جانب نکل گئی۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اور ویسی ہی چمک احد کے اوپر سے ہوتی ہوئی شمال کی جانب نکل گئی۔ اب جو تیسری ضرب لگائی تو چٹان ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی اور اس ضرب سے نکلنے والی چمک کا رخ مشرق کی جانب تھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے تینوں بار بجلی کی سی چمک کا مشاہدہ کیا اور جان گئے کہ ان میں ضرور کوئی معنویت پوشیدہ ہے۔ وہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے اس چمک کی تعبیر کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ''سلمان کیا تم نے اسے تین بار دیکھا؟'' پہلی چمک کی روشنی میں مجھے یمن کے محلات نظر آئے۔ دوسری چمک میں مجھے ملکِ شام کے محلات دکھائی دیئے اور تیسری چمک میں میں نے کسریٰ (۵) اور مدائن کے سفید محلات دیکھے۔ پہلی کے ذریعے اللہ نے میرے لیے ملکِ یمن کے دروازے کھول دیئے۔ دوسری کے ذریعے اس کی پاک ذات نے شام اور مغرب کی مملکتیں زیرِ نگیں کر دیں اور تیسری چمک کے ذریعہ (فتح) مشرق کی بشارت دی۔'' (۶)

خندق کی کھدائی کرنے والوں میں بیشتر اصحاب کو معمول کے مطابق خوراک میسر نہیں تھی۔ اس پر کھدائی جیسی سخت جسمانی مشقت نے ان کی بھوک کی شدت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ جس دن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لیے پکارا تھا تو وہ آپ ﷺ کی جسمانی حالت دیکھ کر دہل گئے تھے۔ اسی شام انہوں نے اپنی زوجہ سے پوچھا کہ کیا وہ ان کے لیے کچھ کھانا تیار کر سکتی ہیں۔ زوجہ نے جواب دیا کہ ہمارے پاس ایک بھیڑ اور تھوڑے سے جو ہیں۔ دوسرے دن انہوں نے بھیڑ ذبح کر کے جو کے دانے پیسے اور روٹیاں تیار کر دیں۔ اس کے بعد جب خندق کی کھدائی کرتے کرتے اندھیرا ہو گیا اور مزید کام مشکل ہو گیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت کھدائی سے رخصت ہونے والے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کھانے کی دعوت پیش کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور اپنی انگلیوں کو میری انگلیوں میں پھنسا لیا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ اکیلے دعوت میں

Marfat.com

تشریف لائیں لیکن آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ وہ عام دعوت کا اعلان کر دیں ''چلو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر لبیک کہو۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے منہ سے انا للہ و انا الیہ راجعون کا کلمہ نکلا، یہ کلمہ وہ ہے جو مسلمانوں کو مصیبت و آفت کے لمحے میں ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کو اس دعوتِ عام سے مطلع کرنے کے لیے فوراً گھر پہنچے۔ زوجہ نے پوچھا ''کیا تم نے ان سب کو بلایا ہے یا اُنہوں نے؟'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ''نہیں انہوں نے بلایا ہے۔'' زوجہ نے کہا ''پھر سب کو آنے دو کیوں کہ وہ ہی بہتر جانتے ہیں۔'' طعام رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا اور آپ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی۔ طعام پر اللہ کا پاک نام (بسم اللہ الرحمن الرحیم) پڑھا اور کھانا شروع کر دیا۔ آپ کے ساتھ دس اصحاب اور بیٹھے تھے۔ جب سب کے شکم سیر ہو چکے تو اٹھ کر تشریف لے گئے اور دس مزید اصحاب آ کر بیٹھ گئے۔ اس طرح دعوتِ طعام جاری رہی حتیٰ کہ وہ تمام اصحاب جو خندق کی کھدائی کر رہے تھے ان سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی کچھ گوشت اور روٹی باقی بچے رہ گئے۔ (۷)

ایک دن ایسا بھی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بچی کو پڑاؤ میں آتے دیکھا جس کے ہاتھ میں کوئی شے تھی۔ آپ نے اسے اپنے پاس بلایا۔ یہ بچی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بھتیجی تھی۔ اسی بچی کے بیان کیے ہوئے الفاظ کچھ اس طرح سے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے پوچھنے پر میں نے انہیں بتایا کہ میں یہ تھوڑی سی کھجوریں اپنے والد اور چچا کے لیے لے جا رہی ہوں۔'' تو آپ نے فرمایا کہ یہ مجھے دے دو۔ پس میں نے وہ کھجوروں کے دانے ان کے ہاتھ میں دے دیے لیکن ان کے ہاتھ ان سے بھرے نہیں۔ آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی جو آپ ﷺ کے سامنے پھیلا دی گئی۔ آپ ﷺ نے کھجوروں کے چند دانے اس انداز سے پھینکے کہ وہ چادر کے اوپر بکھر گئے۔ تب آپ نے ان اصحاب کو جو آپ کے قریب موجود تھے حکم دیا کہ سب کھدائی کرنے والوں کو دوپہر کے کھانے کی دعوت دے دو۔ جب سب اصحاب آ گئے اور انہوں نے کھانا شروع کیا تو کھجوروں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ سب اصحاب کھا کر چلے گئے تو چادر پر اتنی کھجوریں باقی تھیں کہ اس کے کناروں سے گر رہی تھیں۔ (۸)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا گھرانہ ۲۔ واقدی: ۴۴۶ ۳۔ واقدی: ۴۴۸ ۴۔ ابن اسحٰق: ۶۷۱ ۵۔ خسرو، شاہ فارس

۶۔ واقدی: ۴۵۰ ۷۔ ابن اسحٰق: ۶۷۲ واقدی: ۴۵۲ ۸۔ ابن اسحٰق: ۶۷۲

Marfat.com

باب: ٦٠

مدینہ کا محاصرہ

خندق کی کھدائی کا کام قریب قریب ختم ہونے کو تھا۔ اس کھدائی میں انہیں چھ دن لگے تھے کہ قریش کے لشکر کی عقیق کی وادی سے نکل کر شہر کے جنوب مغرب تک پہنچنے کی خبر آئی جبکہ غطفان اور نجد کے لشکر مشرق سے پیش قدمی کر رہے تھے۔ وہ تمام مکانات جو شہر کے مضافات میں تھے انہیں خالی کرا کے ان کے مکینوں کے لیے دفاعی حصار کے اندر رہائش کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو قلعوں کی بالائی منزلوں میں رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے منتخب مقام پر کم و بیش تین ہزار اصحاب کے ساتھ پڑاؤ کا انتظام فرمایا۔ آپ کا خیمہ سرخ رنگ کے چمڑے کا تھا جسے سال پہاڑ کے نیچے نصب کر دیا گیا۔ سیّدہ عائشہ، سیّدہ اُمِ سلمہ اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہن باری باری آپ کی خدمت میں حاضر رہتیں۔

قریش اور ان کے اتحادیوں نے اپنے علیحدہ خیمے ایسی جگہ نصب کیے جو احد سے زیادہ دور نہیں تھی۔ قریش یہ دیکھ کر سکتہ میں آ گئے کہ نخلستان کی فصلیں پہلے ہی کاٹی جا چکی تھیں اور اب ان کے اونٹوں کو صرف وادیٔ عتیق کے ببول پر گزارا کرنا ہوگا۔ قبیلہ غطفان کے اونٹ دو قسم کے تمرس (ایک قسم کا جھاڑی دار درخت) پر گزارا کر رہے تھے جو احد کے قریب واقع جھاڑ بن میں اگے ہوئے تھے۔ لیکن دونوں لشکروں کے گھوڑوں کے لیے کچھ نہیں تھا سوائے اس سفری چارے کے جو وہ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ اب یہ بہت ضروری تھا کہ وہ جتنی جلد ممکن ہو دشمن کا خاتمہ کر دیا جاتا۔ اس نیت سے دونوں لشکر متحد ہو کر شہر کی جانب بڑھنے لگے۔ ابوسفیان دونوں لشکروں کا سالار تھا لیکن باری باری ہر خاندان کے سربراہ کو اس عزت سے سرفراز ہونے کا موقع دیا جاتا تاکہ لڑائی کے دوران ان کا براہِ راست عمل دخل ہو سکے۔ خالد اور عکرمہ ایک مرتبہ پھر مکہ کے گھوڑ سوار دستوں کے کماندار مقرر ہوئے جبکہ عمرو خالد کے دستے میں شامل تھا۔ جوں ہی وہ شہر کے قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر خوش ہو گئے

Marfat.com

کہ دشمن کا پڑاؤ شہر کے باہر عین ان کے مقابل تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ مبادا وہ دشمن کی فوجوں کو قلعوں کی فصیلوں کے پیچھے قلعہ بند نہ پائیں۔ لیکن دشمن کو کھلے میدان میں دیکھ کر انہیں اپنی کثرتِ تعداد کے باعث غلبے کا مکمل یقین ہو گیا لیکن جب وہ مزید قریب آئے تو جو کچھ ان کے سامنے تھا اس نے انہیں حیرت زدہ کر دیا۔ ایک چوڑی خندق ان کے اور مسلمانوں کے تیراندازوں کے درمیان حائل تھی۔ یہ تیرانداز خندق کے دوسرے کنارے تمام محاذ پر صف آرا تھے۔ ان کے گھوڑے بمشکل ہی ان تک پہنچ سکتے تھے اور اگر تیروں کا سامنا کرتے ہوئے خندق تک پہنچ بھی گئے تو خندق کو پار کرنا اور مشکل ہو گا۔ اس دوران تیروں کی ایک بوچھاڑ نے ان پر واضح کر دیا کہ وہ دشمن کے حملے کی زد میں ہیں اس لیے وہ پسپا ہو کر ایک محفوظ فاصلہ پر ہٹ گئے۔

باقی دن انہوں نے آپس میں صلاح مشورے میں گزارا اور پھر باہم یہی فیصلہ ہوا کہ ان کی فتح کا دارومدار اسی صورت ممکن ہے کہ وہ دشمن کو اپنی فوج کی بڑی تعداد کو شہر کے شمال سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ کے دفاع کے لیے لے جانے پر مجبور کر دیں۔ ان کے اندازے کے مطابق اگر خندق کو کسی خاص نگرانی کے بغیر چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے تو اس کو پار کرنا ایسا مشکل نہیں تھا۔ اس مقصد کے لیے ان کا ذہن بنی قریظہ کی جانب مبذول ہوا جن کے قلعوں کی وجہ سے جنوب اور مشرق سے مدینہ میں داخلہ مشکل تھا۔ سمجھوتے کے مطابق بنی نضیر کا حیی قریش کا ساتھ دینے کے لیے خیبر سے آیا تھا۔ اب اس نے اپنے یہودی ساتھیوں سے سفارت کے لیے ابوسفیان کو اپنی خدمات بڑے پرزور لفظوں میں پیش کیں۔ اس نے یقین دلایا کہ وہ بنی قریظہ کو بڑی آسانی سے محمد (ﷺ) سے کیے گئے معاہدے سے پھر جانے پر آمادہ کر لے گا۔ ایک بار بنی قریظہ کی مدد حاصل ہو جائے تو شہر پر دونوں جانب سے بیک وقت حملہ ہو جائے گا۔ ابوسفیان نے اس پیش کش کو بڑی خوش دلی سے قبول کرتے ہوئے اس کام کو جلد از جلد انجام دینے پر زور دیا۔

بنی قریظہ حیی سے پہلے ہی خوفزدہ تھے۔ ان کی نگاہ میں وہ ایک منحوس شخص تھا۔ ایک ایسا نامبارک شخص جو اپنے کرتوتوں کے باعث پہلے ہی اپنے قبیلے پر تباہی لا چکا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر انہوں نے اس کو موقع دیا تو ان کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک ہو گا۔ یہ لوگ اس سے اس لیے بھی خوفزدہ تھے کہ اس کے پاس مقابل پر غالب آنے والی کوئی ایسی غیبی قوت تھی جس کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ جب وہ کسی بات کی ٹھان لیتا تو تمام تر مخالفت کے باوجود اپنا مقصد حاصل کیے بغیر نہ خود چین سے بیٹھتا اور نہ دوسرے کو چین لینے دیتا۔ اب وہ بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کی قلعہ نما حویلی پر پہنچا، یہ کعب بن اسد ہی تھا جس نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا تھا۔ حیی نے کعب کے دروازے پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا اور بتایا کہ دروازے پر کون ہے۔ کعب نے

Marfat.com

دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حیّ بولا ”تیرا ستیاناس ہو کعب مجھے اندر آنے دو۔“ کعب نے کہا ”تیرا ستیاناس ہو حیّ۔“ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حیّ کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ اس نے کہا ”میں نے محمد (ﷺ) سے ایک معاہدہ کر لیا ہے اور میں اس معاہدے کو جو میرے اور ان کے درمیان ہو چکا ہے نہیں توڑوں گا۔“ حیّ نے کہا ”مجھے اندر آنے دو تاکہ ہم دونوں بات تو کر سکیں۔“ کعب نے جواب دیا ”میں تمہیں اندر نہیں آنے دوں گا۔“

اس پر حیّ نے اس پر ایسا الزام لگا دیا جس کو دھونے کے لیے کعب کو دروازہ کھولے بغیر چارہ نہ تھا۔ حیّ نے کہا ”تم اپنی تنگ دلی کی وجہ سے مجھے صرف اس لیے اندر نہیں آنے دے رہے کہ کہیں مجھ کو کھانا نہ کھلانا پڑ جائے۔“ اس الزام پر کعب کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے دروازہ کھول دیا۔ حیّ بولا ”کعب تیرا ستیاناس ہو میں تیرے لیے دائمی توقیر و عزت لے کر آیا ہو اور ایسی قوت کی خبر کہ جیسے چڑھتا ہوا سمندر ہو۔ میں تیری خاطر قریش، کنانہ اور غطفان بمعہ ان کے سرداروں اور سربراہوں کو لے کر آ گیا ہوں، جن کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے۔ ان کے ساتھ ان کے گھوڑے بھی اتنی ہی تعداد میں ہیں۔ انہوں نے مجھ سے قسم کھائی ہے کہ جب تک محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیں چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس مرتبہ محمد (ﷺ) بچ نہیں سکیں گے۔“ کعب بولا ”خدا کی قسم تو ہمیشہ میرے لیے باعثِ شرم ہی رہا ہے۔ تو ایسی گھٹا ہے جس میں پانی کی بجائے صرف کڑک اور بجلی ہے، اندر سے خالی، حیّ تیرا ستیاناس ہو میرا پیچھا چھوڑ دے، میں جس حال میں ہوں مجھے اسی میں رہنے دے۔“ حیّ تاڑ گیا کہ کعب کمزور پڑ رہا ہے اور پھر اس نے شیریں گفتاری سے سبز باغ دکھانے شروع کر دیئے جو نئے مذہب کے خاتمے سے سب کو حاصل ہونے والے تھے۔ آخر میں اس نے بڑے جوش سے خدا کی قسم کھا کر کہا ”اگر قریش اور غطفان محمد (ﷺ) کو شکست دیئے بغیر اپنے اپنے علاقوں کو واپس ہو گئے تو میں تیرے ساتھ ہی تیری حویلی میں آن بیٹھوں گا اور میرے ساتھ بھی تمہارے جیسا ہی حشر ہو گا۔ اس بات کو سن کر کعب کی عقل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اب اسلام کے بچنے کا امکان باقی نہیں رہا۔ اسی خیال کے باعث وہ رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا معاہدہ توڑنے پر تیار ہو گیا۔ حیّ نے معاہدے کی دستاویز دیکھنے کی خواہش کی اور اسے پڑھنے کے بعد اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اب کعب اپنے قبیلے والوں کے پاس گیا تاکہ ان کو اپنے اور حیّ کے درمیان ہونے والے سمجھوتے سے آگاہ کرے۔ قبیلے والوں نے کہا اس میں کون سے فائدے کی بات ہے کہ اگر تم قتل ہوئے تو تمہارے ساتھ حیّ بھی قتل ہو جائے گا۔ کعب کو شروع میں خاصی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ بنی قریظہ کا ہی قبیلہ تھا جس میں ابن الحیان نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ شام کا ایک معمر یہودی تھا اور آنے والے نبی سے ملنے کی امید رکھتا تھا۔ اس نے آنے والے رسول کا حلیہ بھی بیان کر دیا تھا اور تاکید کی

Marfat.com

تھی کہ ان کے ظہور کا لمحہ قریب آن پہنچا ہے۔ ان یہودیوں میں سے اکثر محسوس کر رہے تھے کہ درحقیقت محمد (ﷺ) ہی وہ رسول تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں سے چند ہی ایسے تھے جو ان معاملات کو جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ خصوصاً اس لیے کہ محمد (ﷺ) یہود میں سے نہیں تھے اور ایسے لوگوں کی تعداد تو نہ ہونے کے برابر تھی جن میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ عملی طور پر یہ نتیجہ اخذ کر سکتے کہ 'یہودی یا غیر یہودی' اللہ کے رسول کی مخالفت کس قدر سنگین ہو سکتی ہے۔ جہاں تک اکثریت کا تعلق ہے وہ ایک سیاسی معاہدہ توڑنے کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن جب کچھ منافقین بھی ایسی خبریں لائے جو حیؔ کے دعوؤں کی تصدیق کر رہی تھیں اور خود ان کے ساتھیوں بھی آنکھوں دیکھی صورتِ حال بیان کی تو اکثریت کی رائے بدلنے لگی۔ درحقیقت وہ منظر تھا ہی بڑا ہیبت ناک۔ مدینہ کی جانب خندق کے پار دیکھتے ہوئے جہاں تک نظر جاتی تھی دور دور تک پورا میدان انسانوں اور گھوڑوں کا سمندر معلوم ہوتا تھا۔

اسی دوران خالد اور عکرمہ خندق کا جائزہ لینے میں لگے ہوئے تھے۔ یہ جائزہ وہ خاصے فاصلے سے لے رہے تھے کہ کس جگہ سے خندق کو آسانی سے پار کیا جا سکتا ہے۔ خندق کا طول وعرض اور گہرائی دیکھ کر وہ جھنجھلاہٹ کے عالم میں پکار اٹھے ''یہ چال عربوں نے کبھی نہیں اپنائی۔ ان کے ساتھ یقیناً کوئی ایسا آدمی ہے جو ایران سے ہے۔'' سخت مایوسی کے عالم میں انہیں باور کرنا پڑا کہ خندق کی تکمیل کا کام انتہائی مہارت سے کیا گیا تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا قطعہ ایسا تھا جو نسبتاً کم چوڑائی میں تھا لیکن اس حصے کی نگرانی زیادہ سختی سے کی جا رہی تھی۔ ایک دو دفعہ اس جگہ پر دھاوا بولنے کی کوشش سخت ناکام ہوئی تھی۔ ان کے گھوڑوں نے کبھی خندق دیکھی ہی نہ تھی اس لیے وہ اس سے بدک رہے تھے۔ صورتِ حال بدلنے کی امید میں دونوں جانب سے تیروں کی بارش کی صورت میں ہی لڑائی ہو رہی تھی۔

بنی قریظہ کی عہد سے دستبرداری کی بات اب ڈھکی چھپی نہ رہی۔ منافقوں میں سے بھی بہت تھے جو فیصلہ نہ کر پا رہے تھی کہ اس گھڑی کس کا ساتھ دینے میں فائدہ ہے۔ اسی لیے وہ ایک کا راز دوسرے پر کھول رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے صحابی تھے جنہیں بنوقریظہ کے بارے میں خبر ملی کہ اب وہ دشمن ہو چکے ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ مجھے بتایا گیا ہے کہ بنی قریظہ نے معاہدہ صلح توڑ دیا ہے اور اب ہم سے برسرِ پیکار ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر فکر مندی کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو معاملہ کی حقیقت جاننے کے لیے روانہ کیا لیکن پھر یہ خیال کرتے ہوئے کہ انصار اس بارے

Marfat.com

میں صلاح مشورے سے خارج کیے جانے کو محسوس نہ کریں آپ ﷺ نے اوس و خزرج کے دونوں حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان کو خبر دیتے ہوئے حکم دیا کہ ''جاؤ اور دیکھو کیا یہ خبر سچی ہے۔ اگر خبر غلط ہو تو واپس آ کر صاف صاف بتلا دینا لیکن اگر خبر سچی ہو تو اشارتاً بتلانا تا کہ میں سمجھ جاؤں۔'' یہ اصحاب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے تھوڑی ہی دیر بعد قریظہ کے قلعہ میں پہنچے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ بنی قریظہ معاہدے سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ انہوں نے انہیں اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ معاہدے کو بحال رکھیں اس سے پہلے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔ لیکن بنی قریظہ کی جانب سے ایک ہی جواب تھا ''کون ہے اللہ کا رسول، ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان نہ کوئی سمجھوتہ ہے اور نہ معاہدہ۔'' اصحاب نے انہیں قینقاع اور بنی نضیر کا انجام یاد دلایا لیکن کعب اور دوسرے یہودیوں کو قریش کی فتح کا ایسا یقین ہو چکا تھا کہ وہ ان کی بات سننے کو تیار ہی نہ تھے۔ جب اصحاب نے دیکھا کہ ان کی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور اشارتاً کہا ''عضل اور قارہ۔'' یہ ان دو قبیلوں کے نام تھے جنہوں نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے غداری کرتے ہوئے انہیں ہذیل کے لوگوں کے حوالے کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اشارہ جان گئے اور ''اللہ اکبر'' فرماتے ہوئے نوید دی کہ ''اے مسلمانوں خوش ہو جاؤ۔''

اب ضروری ہو گیا کہ خندق پر متعین فوج کی تعداد کم کر کے اس کا کچھ حصہ شہر کے اندر متعین کیا جائے۔ آپ ﷺ نے ایک سو صحابہ کو شہر میں بھیج دیا۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ حیی نے قریش اور غطفان کو قائل کر لیا ہے کہ وہ ایک ایک ہزار فوج قریظہ کے قلعہ میں داخل کر دیں اور وہاں سے شہر کے مرکز پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کے قلعوں میں داخل ہو کر مسلمان عورتیں اور بچے اٹھا لے جائیں۔ نامعلوم وجوہ کی بنا پر یہ خطرہ اس شب ٹل گیا اور بعد میں بھی اس پر عملدرآمد کی نوبت نہ آئی۔ لیکن آپ ﷺ کو جیسے ہی یہ خبر ملی آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سرکردگی میں تین سو گھوڑ سواروں کو بھیج دیا کہ وہ شہر میں گشت کریں اور ''اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند کرتے رہیں۔ اس شب یوں معلوم ہوتا تھا جیسے شہر ایک طاقتور فوج سے بھر گیا ہو۔

ادھر پڑاؤ پر گھوڑوں کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن سپاہیوں کی کمی بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ خندق کی دن رات نگرانی ضروری تھی اور ہر شخص کو خاصی دیر تک پہرہ دینا پڑتا تھا۔ ادھر خالد اور عکرمہ کسی کمزور لمحے سے فائدہ اٹھانے کے لیے مستقل تاک میں تھے کہ کسی لمحے بھی نگرانی میں سستی ہو تو وہ خندق پار کر لیں۔ لیکن ایسا صرف ایک ہی بار ہو پایا اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب عکرمہ نے خندق کا وہ حصہ جو چوڑائی میں سب سے کم تھا اس کی نگرانی میں ذرا سستی دیکھی تو فوراً گھوڑا دوڑا کر اسے پار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے

Marfat.com

پیچھے پیچھے تین اور سوار بھی خندق پار کر کے اس جانب آ گئے۔ لیکن اس سے پہلے کے ان کے پیچھے کوئی اور خندق پار کرتا حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت وہاں پہنچے اور فوراً خندق کی نگرانی سنبھال کر اسے ناقابلِ عبور بنا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے خندق پار کرنے والوں کے لیے واپسی کا راستہ بھی بند ہو گیا۔ ان میں سے ایک عمرو بھی تھا۔ اس نے مبارزت کے لیے للکارا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مبارزت کے جواب میں خود کو پیش کیا تو عمرو نے انکار کرتے ہوئے کہا ''تمہیں قتل کرنا میرے لیے قابلِ نفرت ہے، تمہارا باپ میرا دوست اور ساتھی تھا، واپس جاؤ، تم ابھی بچے ہو۔'' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا۔ عمرو گھوڑے سے اترا اور دونوں ایک دوسرے کی جانب بڑھے۔ گرد و غبار کے بادل نے جلد ہی دونوں کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔ اور پھر اس غبار کے پیچھے سے سب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے نعرہ تکبیر سنا۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ عمرو یا تو مارا گیا یا موت کے منہ میں ہے۔ اسی دوران عکرمہ اور اس کے ساتھیوں نے سب کا دھیان بٹا دیکھ کر خندق پار کر کے فرار ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن بنی مخزوم کا نوفل خندق پار کرتے ہوئے گھوڑے سمیت خندق میں گر پڑا۔ اصحاب اوپر سے پتھر برسانے لگے تو اس نے پکار کر کہا ''اے اہلِ عرب اس سے تو موت بہتر ہے۔'' اس پر اصحاب خندق میں اترے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اگرچہ خندق کو پار کرنے کا تجربہ ناکام رہا لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ کام ایسا ناممکن بھی نہیں۔ جب دوسرا دن طلوع ہوا تو متعدد مقامات پر سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی حملے ہونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو تاکید و نصیحت فرماتے رہے کہ اگر وہ استقلال کے ساتھ جمے رہے تو میرا وعدہ ہے کہ فتح انہی کی ہو گی اور یقیناً مسلمانوں نے ثابت قدمی دکھائی۔ اس کے باوجود کہ ابتدا میں طویل پہریداری کے باعث وہ تکان سے نڈھال تھے۔ ادھر پڑاؤ کا انتخاب بہت خوب ثابت ہوا۔ سال نامی پہاڑی سے ہٹ کر زمین کی ڈھلوان کا فائدہ یہ رہا کہ قریبی کنارہ دور والے کنارے سے خاصا بلند تھا۔ پورا دن بار بار کوشش کے باوجود دشمن خندق کو پار کرنے میں ناکام رہا اور ابتدائی دنوں کی طرح لڑائی صرف تیراندازی تک ہی محدود رہی۔ دونوں جانب سے کوئی بھی جان سے نہ مارا گیا لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو میں ایک تیر لگنے سے ایک رگ کٹ گئی تھی اور قریش اور غطفان کے کئی گھوڑے زخمی ہوئے تھے۔

ظہر کی نماز کا وقت آن پہنچا لیکن وہاں تو خندق کی نگرانی سے ایک لمحہ کی فراغت بھی ممکن نہ تھی۔ جوں جوں نماز کا وقت جا رہا تھا تو وہ اصحاب جو رسول اللہ ﷺ کے قریب تھے انہوں نے پکار کر عرض کیا ''اے اللہ کے رسول ہم نے ابھی نماز ادا نہیں کی۔'' اگرچہ یہ صاف ظاہر تھا لیکن حقیقت بھی یہ تھی اور سب کے لیے پریشان

Marfat.com

کن بھی تھی کہ اسلام کی ابتدا سے اب تک کبھی ایسی صورتِ حال پیش نہ آئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں جو کچھ فرمایا اس سے اصحاب کی ڈھارس بندھی "واللہ میں نے بھی نماز ادا نہیں کی۔" اب عصر کی نماز کا وقت آ گیا تھا اور پھر غروب ہوتے ہوئے آفتاب کے ساتھ عصر کا وقت بھی چلا گیا۔ لیکن دشمن کے حملے جاری تھے۔ اور عین اس وقت جب آفتاب کی آخری کرن مغربی افق پر مدھم پڑنے لگی تو دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ کو واپس ہوئے۔ جوں ہی دشمن نظروں سے اوجھل ہوا رسول اللہ ﷺ بھی خندق سے ہٹ گئے اور حضرت اسید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک دستہ خندق کی نگرانی کے لیے چھوڑ دیا۔ نمازیں جن کی قضا لازم تھی آپ ﷺ نے اپنی امامت میں پڑھائیں۔ اسی شام کچھ رات گئے خالد ایک گھوڑ سوار دستے کے ساتھ دوبارہ خندق کی طرف آیا کہ شاید اسے خندق پار کرنے کا موقع مل جائے لیکن حضرت اسید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے تیروں نے خالد کو خندق کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ نزولِ وحی نے ان دنوں کی سختی کا ذکر ایسے وقت کے حوالے سے دیا ہے، "جب آنکھیں پتھرائی ہوں گی، دل حلق میں آ رہے ہوں گے جب تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے ہو گے یہ وقت ہو گا جب اہلِ ایمان کی آزمائش ہو گی۔ وہ جانچے پرکھے جائیں گے اور ان کی جانیں ہلا ماری جائیں گی۔" (۱)

بہت سے ذہنوں میں سوال اٹھ رہے تھے کہ یہ صورتِ حال آخر کب تک برداشت ہو گی۔ خوراک میں کمی ہوتی جا رہی تھی اور راتیں غیر معمولی حد تک سرد ہو گئی تھیں۔ کئی ضعیف الایمان بھوک، سردی اور راتوں کی مسلسل بیداری سے ہمت ہار کر منافقین سے جا ملنے کا سوچ رہے تھے۔ ادھر منافقین دلوں کو ڈھانے کے لیے افواہ پھیلا رہے تھے کہ اس خندق کے بل پر دشمن کو روکنا کب تک ممکن ہو گا اس لیے اسے چھوڑ کر شہر میں پناہ لی جائے لیکن وہ جو اپنے ایمان میں سچے تھے ان سخت کوششوں نے ان کے ایمان کو مزید مضبوط کر دیا تھا۔ انہی کو وحی کے ذریعے تحسین سے نوازا گیا کہ جس وقت انہوں نے قبائل کو اپنے خلاف اکٹھا دیکھا اور جس وقت ان کو زبردست دباؤ اور مشکلات کا سامنا تھا تو انہوں نے کہا تھا "یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ وہ خبر جس کی اطلاع ہم کو اللہ اور اس کے رسول نے دی تھی وہ سچ ثابت ہوئی" وحی نے اس پر اضافہ کرتے بیان کیا "اور اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور ان کی اطاعت میں مزید اضافہ کیا۔" (۲)
انہوں نے یہ بات اس آیت کو یاد کرتے ہوئے کہی جو رسول اللہ ﷺ پر تین سال قبل نازل ہوئی تھی "کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ بہشت میں پہنچ جاؤ گے۔ قبل اس کے کہ تم کو ان آزمائشوں کا سامنا ہو جن کا سامنا ان قوموں کو ہوا جو تم سے پہلے گزریں انہیں زخم آئے، اذیتیں پہنچیں اور وہ ہلا مارے گئے یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور ان

Marfat.com

کے ساتھ ایمان لانے والے چلا اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ یادرکھو کہ اللہ کی مدد بہت قریب ہے۔''[۳]

رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ ان کے اصحاب میں کئی ایک کی قوتِ برداشت جواب دیتی جارہی ہے لیکن آپ کو یہ بھی علم تھا کہ ہر گزرنے والا دن دشمن کے لیے بھی مشکلات میں اضافہ کررہا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے طور ایک راہ نکالتے ہوئے غطفان کے دوسرداروں کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ قریش کا لشکر چھوڑ کر واپس چلے جائیں تو مدینے کی کھجور کی فصل کا تہائی انہیں دے دیا جائے گا۔ انہوں نے جواباً آدھے کا مطالبہ کیا لیکن آپ ﷺ نے تہائی کی پیش کش پر اضافے سے انکار فرمایا تو وہ لوگ اس تعداد پر راضی ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں اور غطفان کے درمیان صلح نامے کی دستاویز تیار کرنے کے لیے بلایا۔ پھر آپ ﷺ نے دونوں سعد رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے خیمے میں آئے۔ اوس کے سعد رضی اللہ عنہ کے زخمی بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سرداروں کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ آپ کی خواہش ہے جو آپ ہم سے فرمارہے ہیں یا اللہ کا حکم ہے اور اس پر اسی طرح عمل کرنا ضروری ہے۔ یا اس پیش کش کے پیچھے آپ کی ہمارے بارے میں فکرمندی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ میں تمہاری خاطر ہی کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہ نہ کرتا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام عرب تمہارے خلاف اکٹھا ہوگیا ہے اور تم چاروں جانب سے حملے کی زد میں ہو۔ میں اس پیش کش کے ذریعے ان کے حملے کی تلوار کند کرنا چاہتا ہوں۔'' زخمی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''اے اللہ کے رسول ﷺ جب ہم اور وہ دونوں اللہ کے ساتھ بتوں کی پوجا کرتے تھے، نہ سچے دل سے خدا کی عبادت کرتے تھے اور نہ اس کی معرفت تھی۔ اس دور میں بھی ممکن نہ تھا کہ وہ ہماری ایک کھجور بھی، سوائے اس کے کہ وہ مہمان ہوں یا لین دین کے طور پر، حاصل کرسکیں۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام سے نوازا ہے، ہمیں ہدایت دی اور آپ کی ذاتِ بابرکت سے ہمیں قوت بخشی ہے تو کیا ہم اپنا مال انہیں یوں ہی دے دیں؟ واللہ ہم انہیں سوائے تلوار کے کچھ بھی نہیں دیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہ کردے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ان شاء اللہ ویسا ہی ہوگا جیسا تم چاہتے ہو۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چرمی کاغذ اور قلم لے کر جو کچھ اس پر تحریر تھا اس پر لمبی لکیر کھینچتے ہوئے کہا ''دیکھ لیں گے وہ اس سے زیادہ کتنا برا کرسکتے ہیں۔''[۴]

یہ کالعدم ہونے والی گفت وشنید مرّہ اور فزارہ کے دو قبائلی سرداروں سے ہورہی تھی۔ قریش کا تیسرا غطفانی حلیف اشجع کا قبیلہ تھا جس سے نعیم کا تعلق تھا۔ وہی نعیم جس کو ابوسفیان اور سہیل نے لالچ دے کر مسلمانوں کو بدر کے مقام پر دوبارہ مقابلے سے روکنے کے لیے مدینہ بھیجا تھا۔ مدینے میں قیام کے دوران اس

Marfat.com

کے دل پر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کچھ اور ہی تاثر پیدا ہوا تھا۔ وہ قریش کی مدد کے لیے اپنے قبیلے کو لے کر آ تو گیا تھا لیکن اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ اب یہاں اس کے دل میں نئے مذہب کے ماننے والوں کے لیے مزید تحسین کے جذبات ابھرے کہ کس طرح وہ تین گنا فوج کے مقابل جمے ہوئے ہیں۔ آخر کار وہ گھڑی بھی آ گئی جب، جیسا کہ انہوں نے بعد میں خود بتایا ''اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا اور اس رات، یہ واقعہ بالکل اس وقت پیش آیا جب غطفان کے ساتھ ہونے والی بات چیت کو کالعدم کیا جا چکا تھا، وہ کسی طرح شہر میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کے پڑاؤ میں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی خواہش کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا ''نعیم یہاں آنے کا سبب کیا ہوا؟'' نعیم نے جواب دیا ''میں آپ کے پاس اپنے ایمان کا اعلان کرنے آیا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ آپ حق لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔ پس آپ جیسا بھی حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں گا، میری قوم کے لوگ میرے اسلام کے بارے میں نہیں جانتے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں جتنی بھی قوت ہے اس کو ان کے درمیان لڑا دینے میں لگا دو۔'' حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے غلط بیانی کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''کسی طرح ان کا محاصرہ ختم کروا دو، جنگ تو ہوتی ہی چالبازی ہے۔''⑤

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ شہر سے ہوتے ہوئے بنی قریظہ کی آبادی میں گئے۔ بنی قریظہ نے ایک پرانے دوست کی طرح ان کا خیر مقدم کیا اور کھانے کی پیش کش کی۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس کے لیے تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ تمہارے بارے میں مجھے جو خدشہ لاحق ہے اس سے خبردار کرنے اور مشورہ دینے آیا ہوں۔ پھر انہوں نے یہودیوں کو صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ اگر غطفان اور قریش مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے میں ناکام ہو کر اپنے وطن واپس ہو گئے تو یہودی محمد (ﷺ) اور ان کے ماننے والوں کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ اس لیے یہودیوں کو چاہیے کہ قریش کی حمایت میں ضرب لگانے سے تب تک انکار کر دیں جب تک قریش اپنے معززین کو ضمانت کے طور پر ان کے حوالے نہ کر دیں۔ یہ معززین اس بات کی ضمانت ہوں گے کہ قریش اپنے دشمن کو پوری طرح مغلوب کیے بغیر واپس نہیں لوٹیں گے۔

بنی قریظہ نے حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کا مشورہ پورے جوش و جذبے سے قبول کیا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ خدشہ خود ان کے دل و دماغ میں گھر کیے ہوئے تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کرنے پر اتفاق کیا اور حضرت نعیم رضی اللہ عنہ سے یہ وعدہ بھی کر لیا کہ وہ اس بارے میں حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کا ذکر نہ اپنے لوگوں اور نہ ہی قریش سے کریں گے۔ اس کے بعد حضرت نعیم رضی اللہ عنہ اپنے کسی وقت کے دوست ابوسفیان سے جا کر ملے جو اس وقت دیگر سرداروں کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا، ان سب کو ایک انتہائی اہم اطلاع اس شرط پر دینے کا ذکر کیا کہ یہ سردار اس بات

Marfat.com

کا حلف لیں کہ وہ اس اطلاع دہندہ کے طور پر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیں گے۔ ان سرداروں کے باقاعدہ حلف لینے کے بعد حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ ''یہودی اب محمد (ﷺ) کے ساتھ اپنے رویے پر پشیمان ہیں اور انہوں نے محمد (ﷺ) کو پیغام بھیجا ہے جس میں انہوں نے اپنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے پیش کش کی ہے کہ اگر ہم قریش اور غطفان کے سرکردہ افراد کو یرغمال کے طور پر آپ ﷺ کے حوالے کر دیں تاکہ آپ ﷺ ان کا سر قلم کر دیں اور پھر جو باقی رہ جائیں ہم آپ کے ساتھ مل کر ان کے خلاف جنگ کریں۔ محمد (ﷺ) نے اس پیش کش پر رضامندی ظاہر کر دی ہے اس لیے اگر وہ تم سے کچھ آدمی ضمانت کے طور پر طلب کریں تو اپنا کوئی آدمی ان کے حوالے نہ کرنا۔'' پھر وہ اپنے اور غطفان کے دیگر قبائل کے پاس پہنچے اور ان سے وہی باتیں کہیں جو قریش سے کہی تھیں۔

حملہ آور سرداروں نے اس بارے میں حیّ سے کچھ کہنے کی بجائے نعیم رضی اللہ عنہ کی اطلاع جانچنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں کو عکرمہ کو پیغام دے کر بھیجا کہ ''کل جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ تاکہ اس بار ہمیشہ کے لیے محمد (ﷺ) سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ لیکن یہودیوں نے جواب دیا کہ کل سبت کا دن ہے اور ہم کسی طرح تمہارے ساتھ مل کر محمد (ﷺ) سے جنگ نہ کریں گے جب تک تم ضمانت کے طور پر اپنے آدمی ہمارے حوالے نہ کرو گے، یہاں تک کہ ہم محمد (ﷺ) کا خاتمہ کر دیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ جنگ کا پانسہ تمہارے خلاف پلٹا تو تم ہمیں اس شخص کے حوالے کر کے اپنے علاقوں کو لوٹ جاؤ گے۔ ہم اکیلے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قریش اور غطفان کے پاس جب یہ پیغام پہنچا تو انہوں نے کہا ''واللہ نعیم رضی اللہ عنہ نے جو کچھ بتایا وہ بالکل سچ ہے۔'' انہوں نے بنی قریظہ کے پاس دوبارہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنے آدمی ان کے حوالے نہیں کریں گے لیکن اس کے باوجود انہیں جنگ میں حصہ لینا چاہیے۔ اس کا جواب یہ موصول ہوا کہ جب تک یرغمال وصول نہیں ہوں گے تب تک کوئی وار نہیں ہوگا۔

اب ابوسفیان حیّ سے ملنے گیا اور پوچھا ''کہاں ہے تمہاری وہ کمک جس کا تم نے اپنے آدمیوں کی جانب سے وعدہ کیا تھا؟ ان لوگوں نے ہم کو چھوڑ دیا ہے اور اب ہم سے دغا بازی کرنا چاہتے ہیں۔'' حیّ نے جواب دیا ''میں تورات کی قسم کھا کر کہتا ہوں، ایسا نہیں ہے! یومِ سبت آ گیا ہے اور ہم سبت کو نہیں توڑ سکتے۔ لیکن اتوار کا دن آنے دو۔ وہ لوگ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے خلاف آگ بگولہ ہو کر لڑیں گے۔'' ابوسفیان نے اس کو یرغمال کے مطالبے والی بات بتائی تو حیّ ہکا بکا رہ گیا اور اس کی کیفیت کو ابوسفیان نے اقرارِ جرم جانتے ہوئے کہا ''میں لات کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ تمہاری قوم کی غداری ہے۔'' اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا

Marfat.com

''نہیں! قسم ہے اس تورات کی جو موسیٰ پر کوہِ سینا پر نازل ہوئی تھی، میں غدار نہیں ہوں۔'' لیکن ابوسفیان کو یقین نہ آیا۔ حیی اپنی جان کے خوف سے پڑاؤ سے نکل کر بنی قریظہ کے قلعوں کی جانب چل پڑا۔

جہاں تک قریش اور نجد کے قبائل کا تعلق تھا تو وہاں حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ محاصرے کو تقریباً دو ہفتے گزر چکے تھے اور کسی قسم کی پیش رفت کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ دونوں لشکروں کی رسد ختم ہو رہی تھی۔ روز بروز ان کے گھوڑے بھوک یا تیروں سے زخمی ہو کر مر رہے تھے۔ چند اونٹ بھی مر چکے تھے۔ قریش اس بات سے بھی غافل نہیں تھے کہ غطفان اور بدوی ان کے حلیف تو تھے لیکن اس مہم میں ان کی شمولیت کا مقصد نئے مذہب کی مخالفت کی بجائے صرف لوٹ مار تھا۔ جس امید اور لالچ نے انہیں یثرب کی راہ دکھائی تھی وہ پوری ہوتے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ دونوں جانب سے الزام تراشی اور طعن و تشنیع کے کلمات ادا کیے جا رہے تھے اور دوطرفہ بے اعتمادی نے دونوں حملہ آوروں کی مہم کو قریباً ناکام کر دیا تھا کہ آسمان سے ٹوٹ پڑنے والی مصیبت نے اس پر حتمی ناکامی کی مہر ثبت کر دی۔

تین دن سے فرض نمازوں کے بعد رسول اللہ ﷺ مسلسل یہ دعا مانگ رہے تھے ''اے قرآن نازل کرنے والے اور جلد حساب لینے والے ان اتحادیوں کو راہِ فرار دکھا۔ ان کو ایسی مصیبت سے دوچار کر کہ یہ دہل جائیں۔''(6) اور پھر جب یہ مصیبت ٹل گئی تو یہ آیت نازل ہوئی ''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کا وہ احسان جو اس نے تم پر کیا کہ جب ہجوم نے تم پر یلغار کی اور ہم نے ان کے خلاف آندھی بھیجی اور ایسے لشکر جو تمہیں نظر نہ آئے۔''(7)

کئی روز سے موسم خاصا سرد اور مرطوب تھا۔ اب مشرق کی جانب سے تیر کی مانند لگنے والی ہوا اور اس کے ساتھ ایسی موسلا دھار بارش آئی کہ ہر کوئی پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہو گیا۔ رات نے جوں ہی ڈیرہ ڈالا، طوفانِ باد و باراں نے پورے میدانی علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جو کچھ ہوا کی تندی اور تیزی نہ کر سکی اسے نظر نہ آنے والے ہاتھوں نے انجام دے دیا۔ حملہ آوروں کے دونوں پڑاؤں میں کوئی خیمہ اپنی جگہ پر کھڑا نہ رہا۔ کہیں کوئی جلتی ہوئی آگ باقی نہ بچی۔ لوگ ایک دوسرے سے لپٹے سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔

مسلمانوں کا پڑاؤ کسی قدر ہوا کی پناہ میں تھا۔ ان کا کوئی خیمہ نہ گرا لیکن کاٹنے والی سرد ہوا یہاں بھی موجود تھی۔ محاصرہ کی وجہ سے ذہنی و اعصابی دباؤ اور جسمانی تکان نے انہیں اتنا کمزور کر دیا تھا کہ کسی روحانی قوت کے بغیر یہ سب کچھ برداشت کرنا ناممکن تھا۔ رسول اللہ ﷺ رات گئے تک دعا مانگتے رہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ان صحابہ سے جو ان سے قریب تھے اور ان میں ایک صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بعد میں

Marfat.com

بیان کیا کہ کیسے انہوں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ''تم میں سے کون ہے جو جا کر دشمن کو دیکھے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور واپس خبر لائے۔ میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ جنت میں میرا ساتھی ہو۔'' لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ''ہم سردی اور بھوک کے ہاتھوں ایسے کم ہمت ہو رہے تھے کہ ہم میں ایک آدمی بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ کوئی بھی اپنے آپ کو پیش کرنے پر تیار نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پکارا۔ وہ اٹھے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس خیال سے کہ آپ ﷺ نے سب کے ہوتے ہوئے خاص طور پر انہیں آواز دی، آپ کے اندر کچھ کر دکھانے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے بتایا کہ ''جب میں نے آپ کے لبوں پر اپنا نام آتا سنا تو میرے پاس اور چارہ ہی کیا تھا کہ میں تعمیل نہ کرتا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم جاؤ اور ان لوگوں میں گھل مل کر دیکھو کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ لیکن میرے پاس واپس آنے سے پہلے اپنے طور پر کوئی اور حرکت نہ کرنا۔'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ''میں ان لوگوں سے جا کر اس حال میں ملا کہ سرد ہوا اور اللہ کی فوج ان کے خلاف اپنا کام کیے جا رہی تھی۔'' انہوں نے بتایا کہ کس طرح وہ قریش کی سکڑی سمٹی ہوئی فوج کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے وہاں جا پہنچے جہاں قریش کا سالار بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے سردی سے کپکپاتے رات بسر کی اور پھر روشنی ہوتے ہی، جب ہوا کا زور گھٹنے لگا تو ابوسفیان نے بلند آواز میں اعلان کیا کہ ''اے قریش! ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں۔ یہودیوں نے ہم سے غداری کی۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ کر دشمن سے جا ملنے کی تیاری کر رہے ہیں اور آندھی طوفان نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ تم دیکھ رہے ہو۔ اس لیے یہاں سے نکل چلو، میں تو جا رہا ہوں۔'' یہ اعلان کر کے وہ اپنے اونٹ کے پاس گیا اور اس پر سوار ہو گیا۔ اس کی بدحواسی کا عالم یہ تھا کہ اسے اونٹ کی بندھی ہوئی ٹانگ کھولنے کا بھی ہوش نہ رہا اور اونٹ کو زبردستی تین پیروں پر ہی کھڑا کرنے کے بعد اس کی ٹانگ کھولی۔ عکرمہ نے اس سے کہا ''تم لوگوں کے سردار ہو، کیا تم ہم سب کو یہاں چھوڑ کر اس طرح بھاگ نکلو گے؟'' اس پر ابوسفیان شرمندہ ہو کر اونٹ سے اترا۔ فوج نے پڑاؤ اٹھا کر نکلنا شروع کیا، ابوسفیان انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ بیشتر لوگوں کی روانگی کے بعد وہ بھی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ خالد اور عمرو نے آپس میں طے کیا کہ وہ دو سو سوار دستوں کے ذریعے فوج کے عقب کی نگرانی کریں گے۔ فوج کی روانگی کی تیاری کے دوران خالد نے کہا ''ہر سمجھ دار انسان جانتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔'' اس پر ابوسفیان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''کسی دوسرے کی بجائے یہ بات تمہارے منہ سے نامناسب لگتی ہے۔'' خالد نے پوچھا ایسا کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا ''کیونکہ محمد (ﷺ) نے تمہارے باپ کی عزت ذرہ برابر بھی نہیں رہنے دی اور تمہارے قبیلے کے

Marfat.com

سردار ابوجہل کو قتل کر دیا تھا۔‘‘

جوں ہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے پڑاؤ کے کوچ کا حکم سنا تو وہاں سے غطفان کے پڑاؤ کا رخ کیا۔ وہاں جا کر دیکھا تو وہ جگہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ آندھی کے جھکڑوں نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی اور وہ پہلے ہی نجد کی راہ پکڑ چکے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پلٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سردی سے بچنے کے لیے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کی چادر اوڑھے ہوئے نماز میں کھڑے تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ’’جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو انہوں نے مجھے اشارے سے اپنے پاؤں کے پاس بیٹھنے کا فرمایا اور چادر کا ایک سرا میرے اوپر ڈال دیا۔ اس کے بعد جب میں ابھی چادر کے نیچے ہی تھا تو وہ رکوع اور سجدے میں گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمالی تو میں نے انہیں خبر سنائی۔‘‘ ⑧

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان دی۔ جب سب نے فجر کی نماز ادا کر لی تو نکلتے دن کی مدھم روشنی میں خندق کے اس پار نظر آنے والا میدان ویران پڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اجازت پاتے ہی اکثر لوگ تیزی سے شہر کی جانب چل پڑے۔ تب اس اندیشہ کو ذہن میں لاتے ہوئے کہ مبادا دشمن کچھ جاسوس چھوڑ گئے ہوں یا بنی قریظہ ان پر نظر رکھے ہوئے ہوں اور وہ دشمن کو واپسی کی ترغیب دینے کی کوشش کریں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے فرمایا کہ ان لوگوں کو واپس بلا لو۔ یہ دونوں ان کے پیچھے واپسی کا اعلان کرتے ہوئے ان کے گھروں تک پہنچ گئے لیکن کسی ایک شخص نے ان کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا۔ آخرکار جب حضرت جابر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے حضور واپس پہنچے اور انہیں بتایا کہ وہ ان کو واپس لانے میں ناکام رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور اپنے ساتھ رہ جانے والے بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ شہر کی جانب چل دیئے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۳۳: ۱۰۔۱۱ ۲۔قرآن ۳۳: ۲۲ ۳۔قرآن ۲: ۲۱۴ ۴۔ابن اسحٰق: ۶۷۶

۵۔ابن اسحٰق: ۶۸۱، واقدی: ۱۔۴۸۷ ۶۔ابن سعد: ۱۱۱، ۵۳، واقدی: ۴۸۷ ۷۔قرآن ۳۳: ۹

۸۔ابن اسحٰق: ۴۔۶۸۳، واقدی: ۹۰۔۴۸۸

Marfat.com

باب:٦١

بنی قُریظہ

انہیں آرام کے چند ہی گھنٹے ملے۔ جب نمازِ ظہر پڑھ لی گئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام شاندار لباس میں ملبوس تھے۔ ان کے سر پر زربفت کا عمامہ تھا اور جس خچر پر وہ سوار ہو کر آئے تھے اس کی کاٹھی پر زرکار مخمل کی جھول تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا "اے اللہ کے رسول کیا آپ نے ہتھیار کمر سے کھول دیے ہیں؟ فرشتوں نے تو ابھی اپنے ہتھیار نہیں رکھے۔ میں ابھی ابھی اسی لمحہ دشمن کا تعاقب کرتا ہوا اسے چھوڑ کر یہاں واپس آیا ہوں۔ اے محمد ﷺ اللہ جل شانہ، نے آپ کے لیے حکم فرمایا ہے کہ آپ بنی قریظہ کے خلاف مہم پر روانہ ہوں۔ میں خود بھی ان کے ہاں جا رہا ہوں تا کہ ان کی جانوں کو جھنجھوڑ دوں۔"(1)

رسول اللہ ﷺ نے حکم صادر فرمایا کہ کوئی نمازِ عصر ادا نہ کرے جب تک کہ وہ بنی قریظہ کے علاقے میں نہ پہنچ جائے۔ جنگ کا علَم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا گیا اور غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے یہودیوں کے تمام قلعوں کو ان تین ہزار مجاہدین کے لشکر نے گھیر لیا جنہوں نے خندق پر قریش اور ان کی اتحادی فوج کا مقابلہ کیا تھا۔ بنی قریظہ پچیس روز و شب تک محصور رہے۔ اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور ان سے اجازت مانگی کہ انہیں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرنے کا موقع دیں۔ بنی نضیر کی طرح بنی قریظہ بھی عرصہ سے قبیلہ اوس کے اتحادی چلے آرہے تھے اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ان کے اور اپنے قبیلے درمیان ایک اہم رابطہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان سے ملنے جائیں۔ جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو عورتوں اور بچوں کی آہ وزاری نے انہیں چاروں جانب سے گھیر لیا۔ دشمن کی مکاری کے باوجود ان کا دل نرم پڑ گیا۔ جب بنی قریظہ کے مردوں نے ان سے پوچھا کہ کیا انہیں محمد ﷺ کی

Marfat.com

اطاعت قبول کر لینی چاہیے تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ''ہاں'' میں جواب دیتے ہوئے اپنی گردن کی طرف بھی اشارہ کیا جس کا مطلب یہ خبردار کرنا بھی تھا کہ اطاعت کا مطلب گردن کٹوانا ہوگا۔ انہوں نے یہ اشارہ کر تو دیا لیکن اس کے ساتھ ہی ان پر احساسِ جرم کا غلبہ ہوگیا۔ یہ احساس اس پرانے احساسِ جرم کے ساتھ مل کر، جو اس سے پہلے یتیم کے کھجور کے درخت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی درخواست مسترد کرنے کے باعث ان کی روح میں مسلسل اضطراب پیدا کیے ہوئے تھا، ان کے احساسِ جرم کو دو چند کر گیا۔ (۲) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے بعد میں بتایا ''قبل اس کے کہ میرے شعور میں یہ بات سرایت کرے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے غداری کا مرتکب ہوا ہوں میرے دونوں پاؤں جہاں تھے وہیں جم کر رہ گئے۔'' ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور ان کے لبوں پر قرآن کی یہ آیت آ گئی "انا للہ و انا الیہ راجعون"۔ کعب نے پوچھا ''خیر تو ہے تجھے کیا ہو گیا ہے؟'' حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''میں رسول اللہ ﷺ سے غداری کا مرتکب ہو گیا ہوں۔'' بالائی منزل سے نیچے اترتے ہوئے انہوں نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا تو وہ ان کے آنسوؤں سے تر بتر تھی۔ وہ اپنے آپ میں ہمت نہ پا سکے کہ جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے واپس جا سکیں۔ قبیلہ اوس اور دوسرے قبیلوں کے ہمراہی جو انہیں اپنے تحفظ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جانے کے لیے بے صبری سے منتظر تھے، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ان سے نگاہ ملانے کا حوصلہ نہ ہونے کے باعث پچھلے دروازے سے نکل کر شہر کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہ سیدھے مسجد میں پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھنے کے بعد اعلان کیا ''میں اس جگہ سے اس وقت تک نہ ہلوں گا جب تک مجھ سے جو کچھ سرزد ہو گیا ہے اللہ اس سے درگزر نہ فرمائے۔''

رسول اللہ ﷺ ان کی واپسی کے منتظر تھے لیکن جب ان کو بتایا گیا کہ کیا واقعہ پیش آ گیا ہے تو آپ نے فرمایا ''اگر ابولبابہ رضی اللہ عنہ میرے پاس آیا ہوتا تو میں اللہ کے حضور اس کے حق میں دعا کرتا کہ اللہ اس کو معاف کر دے۔ لیکن اب یہ دیکھتے ہوئے کہ اس نے اپنے طور پر جو کر ڈالا ہے، میرے لیے مناسب نہیں کہ میں اسے آزاد کروں جب تک کہ اللہ ہی اس سے درگزر نہ فرمائے۔'' (۳)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ قریباً دس پندرہ دن ستون سے بندھے رہے۔ ہر نماز سے پہلے یا بعد جب ضروری ہوتا ان کی صاحبزادی آتیں اور ان کے بندھ کھولتیں۔ نماز کی ادائیگی کے بعد وہ دوبارہ باندھنے کو کہہ دیتے۔ تاہم ان کی قابلِ رحم حالت کی شدت کم ہونے کی وجہ وہ خواب تھا جو انہوں نے محاصرے کے دوران دیکھا۔ انہوں نے خواب میں ایسا محسوس کیا تھا جیسے وہ بدبودار کیچڑ میں دھنسے ہوئے ہیں جہاں سے وہ اپنے آپ کو نکال نہیں سکتے۔ اس تعفن نے انہیں موت کے قریب کر دیا تھا کہ اس کے بعد ایک بہتا ہوا چشمہ نظر آیا۔ انہوں

Marfat.com

نے اس میں غسل کر کے اپنے آپ کو غلاظت سے پاک کیا جس سے چہار طرف فضا معطر ہو گئی۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اپنے خواب کا تذکرہ کر کے پوچھا کہ اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ ان کے جسم سے مراد ان کی روح تھی اور یہ کہ وہ ایسی روحانی اذیت سے گزرے گی جو بڑی تکلیف دہ ہو گی اور پھر اس کے بعد راحت نصیب ہو گی۔ وہ ستون سے بندھے ہوئے اسی راحت کی امید پر دن گزارتے رہے۔

جہاں تک بنی قریظہ کا تعلق ہے تو کعب نے انہیں تجویز پیش کی کہ چونکہ ان میں سے بہت سے محمد (ﷺ) کے اللہ کا رسول ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے ان کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ ان کے دین میں داخل ہو کر اپنے جان و مال بچا لیں لیکن انہوں نے جواب دیا کہ وہ موت کو ترجیح دیں گے اور انہیں توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے علاوہ کچھ درکار نہیں۔ کعب نے ان کے سامنے دوسری تجاویز بھی رکھیں لیکن ان لوگوں نے انہیں بھی ناقابلِ قبول سمجھا۔ اسی اثنا میں بنی ہذل، یعنی بنی قریظہ کے بھائی ہذل کے اخلاف، کے تین نوجوان جو تمام محاصرے کے دوران بنی قریظہ کے قلعوں میں موجود تھے، انہوں نے کعب کی اس تجویز پر بار بار زور دیا جس میں کعب نے انہیں مسلمان ہو جانے کا کہا تھا۔ یہ نوجوان شام سے آنے والے بوڑھے یہودی ابن الحیان سے اپنے بچپن کے زمانے سے ہی واقف تھے۔ ان نوجوانوں نے ایک آنے والے نبی کے بارے میں اس بوڑھے یہودی کی وہ بات دہرائی ''اس کا وقت بالکل قریب آن لگا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ اس کے پاس پہنچنے میں سبقت کرو۔ اے یہودیو! جو بھی اس کی مخالفت کرے گا وہ ان کی خونریزی کرے گا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لے گا۔ یہ بات تمہیں اس تک پہنچنے سے باز نہ رکھے۔''[۴] لیکن سب یہودیوں کا جواب تھا کہ ہم توریت کو نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ اس رات یہ نوجوان قلعہ سے نکلے اور مسلمان پہریداروں سے اپنے قبولِ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بنی قریظہ کے دو اور اشخاص نے ان کی مثال پر عمل کیا۔ ان میں سے ایک عمرو بن صدا تھے جو شروع سے ہی رسول اللہ ﷺ سے کیے گئے معاہدے کو ختم کرنے کے حق میں نہ تھے اور انہوں نے باقاعدہ طور پر اپنے آپ کو اس عہد شکنی سے الگ کر لیا تھا۔ انہوں نے تجویز کیا کہ اگر تم لوگ اسلام میں داخل ہونا نہیں چاہتے تو رسول اللہ ﷺ کو خراج دینے کی پیش کش کر کے دیکھ لو۔ انہوں نے مزید کہا ''واللہ مجھے نہیں معلوم وہ پیش کش قبول کریں گے یا نہیں۔'' لیکن ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ کچھ بھی ہو عربوں کو خراج پیش کرنے کی بجائے جان دینے کو ترجیح دیں گے۔ اس کے بعد وہ قلعے سے نکل گئے اور پہریداروں کے درمیان میں سے گزرنے کے بعد انہوں نے

Marfat.com

رات مسجدِ نبوی میں گزاری۔ لیکن اس کے بعد وہ پھر کبھی نظر نہ آئے اور کچھ معلوم نہ ہوا کہ کہاں چلے گئے اور کہاں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ ایسا آدمی تھا جس کو اللہ نے اس کے خلوص کی وجہ سے بچالیا۔'' دوسرے فرد رفاعہ بن سموئیل تھے۔ انہوں نے پہریداروں سے بچتے ہوئے سلمٰی بنت قیس کے پاس پناہ لے لی۔ وہ آمنہ کی سوتیلی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی خالہ تھیں۔ انہوں نے بنی نجار کے ایک خزرجی سے شادی کر لی تھی۔ رفاعہ نے اسی گھر میں اسلام قبول کیا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے خبردار کرنے کے باوجود دوسرے دن بنی قریظہ نے اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیئے اور خود کو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر چھوڑ دیا۔ مردوں کو اس طرح باہر لایا گیا کہ ان کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ان کو پڑاؤ کے ایک جانب اکٹھا کیا گیا۔ دوسری جانب عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں دے دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بنی قینقاع کے سابقہ بڑے راہب تھے۔ ان کے قلعوں سے ہتھیار اور زرہ، کپڑے اور پوشاک اور گھر گرہستی کا سامان اکٹھا کر کے ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا۔ کھجور کے سڑے ہوئے شیرے اور شراب کو برتنوں سے گرا کر برتن خالی کیے گئے۔

قبیلہ اوس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد بھیج کر درخواست کی کہ بنی قریظہ کے ساتھ ویسا ہی نرمی کا برتاؤ کیا جائے جو اس سے پہلے آپ ﷺ نے خزرج کے حلیفوں یعنی بنی قینقاع کے ساتھ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ''اے اوس کے لوگو کیا تم کو اس سے تسلی ہو جائے گی کہ اگر تم میں سے ہی کوئی ان کے بارے میں اپنا فیصلہ سنا دے؟'' اس پر انہوں نے اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا کہا۔ چنانچہ آپ نے ایک صحابی کو اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے مدینہ بھیجا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا زخم ابھی ٹھیک نہیں ہوا تھا اور مسجد کے اندر ایک خیمے میں زیرِ علاج تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیام کا انتظام مسجد میں ہی کر دیا تھا تاکہ آپ کو ان کی عیادت میں آسانی رہے۔ قبیلہ اسلم کی رفیدہ نامی ایک خاتون ان کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ ان کے قبیلے کے چند لوگ ان کے پاس گئے اور انہیں ایک خچر پر سوار کر کے پڑاؤ میں لے آئے۔ راستے میں ان سے لوگوں نے کہا کہ اپنے حلیفوں سے اچھا سلوک کرنا'' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اسی لیے فیصلے کی ذمہ داری سپرد کی ہے کہ انہیں آپ سے اچھے فیصلے کی توقع ہے۔'' لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت منصف مزاج تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح انہوں نے بھی بدر کے قیدیوں کے معاملے میں ان کو رہا کرنے کی مخالفت کی تھی اور ان کی تائید میں وحی بھی نازل ہوئی تھی۔ قریش میں سے بہت سے افراد جن کی بدر کے بعد فدیہ لے کر

Marfat.com

جان بخشی گئی تھی وہ لوگ دوبارہ احد اور اس کے بعد جنگِ خندق میں لڑنے کے لیے آ گئے تھے۔ اور اس آخری محاذ آرائی میں حملہ آوروں کی افرادی قوت میں اضافے کا سبب بنی نضیر کے جلاوطن یہودیوں کی معاندانہ کارگزاری بھی تھی۔ اگر ان لوگوں کو شہر بدر کرنے کی بجائے تہ تیغ کر دیا جاتا تو حملہ آور لشکر کی افرادی قوت آدھی کم ہو جاتی اور بنی قریظہ کو بھی رسول اللہ ﷺ سے کیے گئے عہد کو توڑنے کی ہمت نہ ہوتی۔ اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے قبیلے نے رحم یا نرمی کا جو مشورہ دیا تو سابقہ تجربوں کی روشنی میں اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس وفد میں خود موجود تھے جس وفد کو محاصرے کے نازک لمحات میں بنی قریظہ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے خود ان لوگوں کے گھناؤنے کردار کا مشاہدہ کیا تھا جب وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ مسلمانوں کو اب شکست سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بنی قریظہ کے خلاف کوئی سخت فیصلہ دے دیا تو قبیلہ اوس کے مرد و زن انہیں موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔ لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں اس قسم کے خیالات کی پہلے بھی کبھی پروا نہیں کی تھی جبکہ اس وقت تو انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی زندگی کے دن پورے ہونے والے ہیں۔ انہوں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کی وکالت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ کی راہ میں وہ وقت قریب آن پہنچا ہے جب الزام دینے والوں کے الزام کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ خاصے قد آور تھے اور شوکت و وقار ان کی شخصیت سے جھلکتا تھا۔ جب وہ پڑاؤ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اٹھو اور اپنے سردار کو سہارا دو'' سب اصحاب نے کھڑے ہو کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ''اے ابو عمرو! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اپنے حلیفوں کے مقدمے کا منصف مقرر فرمایا ہے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا تم لوگ اللہ کی قسم کھا کر اللہ سے عہد کرتے ہو کہ میرا فیصلہ حتمی ہو گا۔'' سب نے جواب دیا ''ہم عہد کرتے ہیں۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی جانب نگاہ کر کے لیکن احتراماً خصوصی طور پر آپ ﷺ کا ذکر نہ کرتے ہوئے دوبارہ سوال کیا ''کیا تمام حاضرین میرے فیصلے کے پابند ہوں گے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہاں ایسا ہی ہو گا۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ بولے ''تو پھر میرا فیصلہ یہ ہے کہ تمام مرد قتل کر دیئے جائیں، ان کی املاک تقسیم کر دی جائیں اور ان کی عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے جائیں۔''[۵] رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تمہارا فیصلہ سات آسمانوں سے اللہ کے فیصلہ کے مطابق ہے۔''

عورتوں اور بچوں کو شہر لے جا کر ٹھہرایا گیا۔ مردوں نے رات پڑاؤ میں بسر کی جہاں وہ توریت کی

Marfat.com

تلاوت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر و استقلال کی نصیحت کرتے رہے۔ صبح ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے بازار لگنے کے مقام پر ایک گہری، تنگ اور لمبی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ تمام مرد جن کی تعداد سات سو تھی، بعض روایات میں اس سے کم یا اس سے کچھ زیادہ، انہیں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ان کی قبر بننے والی خندق پر لا کر اس کے کنارے پر بٹھایا جاتا اور حضرت علی، حضرت زبیر اور نسبتاً جوان العمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلوار کے ایک ہی وار میں ان کے سر قلم کرتے گئے۔

جس وقت حیی کو بازار میں لایا جا رہا تھا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو جو اس وقت چند بزرگ صحابہ کے ہمراہ وہاں موجود تھے مخاطب کر کے کہا "میں اپنے آپ کو آپ کی مخالفت کے لیے قصوروار نہیں ٹھہراتا لیکن جو کوئی اللہ کو چھوڑ دیتا ہے وہ بھی چھوڑ ہی دیا جائے گا۔" پھر وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا "اللہ کا حکم غلط نہیں ہو سکتا۔ ایک حکم نامہ، ایک فیصلہ، ایک قتلِ عام جو اللہ نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کے خلاف طے کر دیا ہے۔" پھر وہ خندق کے کنارے بیٹھ گیا اور اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

آخری مقتولوں کے سر مشعل کی روشنی میں قلم کیے گئے۔ اس کے بعد ایک بوڑھا شخص زبیر بن باطا، جس کا معاملہ ابھی طے نہ ہوا تھا اس مکان میں لے جایا گیا جہاں عورتوں کو رکھا گیا تھا۔ جب دوسرے دن صبح طلوع ہونے پر ان عورتوں کو ان کے مردوں کی گردن زنی کی اطلاع دی گئی تو سارا شہر ان کے شورِ ماتم سے گونج اٹھا لیکن بوڑھے زبیر نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کرایا کہ "چپ رہو! کیا تم آغازِ زمانہ سے بنی اسرائیل کی پہلی عورتیں ہو جو قید ہوئی ہوں؟ اگر تمہارے مرد کسی قابل ہوتے تو تمہیں اس انجام سے بچا لیتے۔ لیکن تم یہودیوں کے مذہب پر قائم رہو، تم کو اسی پر مرنا لازم ہے اور اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

زبیر ہمیشہ سے ہی اسلام دشمن تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف شر پھیلانے میں کبھی کمی نہ کی تھی۔ لیکن یثرب قبائل کی باہمی خانہ جنگی میں اس نے قبیلہ خزرج کے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی جان بخشی کر دی تھی۔ وہ اس کا احسان چکانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زبیر کی جان بخشی کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ تمہارا ہے۔" لیکن جب زبیر کو اس کی جان بخشی کی خبر دی گئی تو اس نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا "ایک ضعیف انسان بیوی اور بچوں کے بغیر زندہ رہ کر کیا کرے گا۔" حضرت ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے اسے اس کے بیوی بچے بھی بخش دیئے لیکن حضرت زبیر نے کہا "حجاز میں ایک گھرانا بغیر املاک کے کیسے گزارا کرے گا؟" حضرت ثابت رضی اللہ عنہ ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے زبیر کو ہتھیاروں اور زرہ بکتر کے سوا تمام

Marfat.com

املاک واپس کر دی لیکن اب تک زبیر کے دل و دماغ پر اس کے قبیلے کے مقتولوں کا خیال اس قدر حاوی ہو چکا تھا کہ اس نے کہا ''اے ثابت رضی اللہ عنہ خدا کے واسطے! میں تمہیں تم پر اپنے حق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے میرے لوگوں میں شامل کر دو، اب ان کے جانے کے بعد جینے میں کوئی فائدہ نہیں۔'' حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے پہلے تو انکار کیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے مطالبے میں کس قدر سنجیدہ ہے تو وہ اس کو خندق پر لے گئے اور اس کے ہم نام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کا سر قلم کر دیں۔ اس کے بیوی بچوں کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں آزاد کر دیا گیا اور ان کی جائداد بھی ان کو لوٹا دی گئی۔

جہاں تک دوسری عورتوں اور بچوں کا معاملہ ہے وہ اپنی جائداد سمیت ان اصحاب میں تقسیم کر دیئے گئے جنہوں نے محاصرے میں حصہ لیا تھا۔ ان قیدیوں میں سے کافی تعداد کو بنی نضیر نے فدیہ دے کر رہا کرا لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے ریحانہ کا انتخاب کیا۔ وہ بنی نضیر سے تعلق رکھنے والے زید کی بیٹی تھیں۔ اس نے اپنی بیٹی کی شادی بنی قریظہ کے ایک شخص سے کر دی تھی۔ وہ پانچ سال تک زندہ رہیں اور اپنے انتقال تک رسول اللہ ﷺ کی کنیز رہیں۔ پہلے وہ رسول اللہ ﷺ کی خالہ سلمٰی رضی اللہ عنہا کی نگرانی میں رہیں جہاں حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ پہلے سے ہی پناہ گزین تھے۔ ریحانہ اسلام قبول کرنے کے خلاف تھیں لیکن حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ اور بنی ہذل سے تعلق رکھنے والے اعزا و اقربا نے ریحانہ کو اسلام کے بارے میں بتایا تو کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ان تین نومسلم یہودی جوانوں میں ایک نوجوان حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور بتایا کہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن اسحٰق: ۶۸۴ ۲۔ اصل تصنیف صفحہ ۱۶۹ ۳۔ واقدی: ۵۰۷ ۴۔ ابن اسحٰق: ۱۳۶

۵۔ (اگرچہ سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بنی قریظہ کی مکاری اور غداری کی پاداش میں تھا لیکن وہ فیصلہ یہودی شرع کے بھی عین مطابق تھا جو ایک محصور شہر کے محصورین کے ضمن میں ہے۔ توریت کے مطابق اگر محصورین غداری کے الزام سے معصوم ہوں تب بھی وہ اس سزا سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ ''جب تمہارے مالک خدا نے ان کو تمہارے اختیار میں دے دیا تو تم ان کے ہر مرد کو تلوار کی دھار پر رکھ لو۔ سوا عورتیں، بچے اور مویشی اور جو کچھ بھی اس شہر میں ہو، یہاں تک کہ تمام مالِ غنیمت تم اپنے قبضہ میں کر لو۔'' (پانچویں کتاب سفر استثنا: ۱۲:۲۰)

Marfat.com

بابُ: ۶۲

محاصرے کے بعد

بنی قریظہ کے خلاف فیصلہ سنانے کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ مسجد میں واپس اپنے بسترِ علالت پر آ گئے۔ انہوں نے اللہ کے حضور پہلے ہی سے دعا مانگ رکھی تھی کہ اگر دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد ان کے مقدر میں ہو تو وہ انہیں زندہ رہنے دے ورنہ موت دے دے۔ اب ان کی حالت غیر ہونے لگی۔ محاصرے کے واقعات کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک شب رسول اللہ ﷺ نے انہیں بہ ظاہر بے ہوش پایا۔ آپ ﷺ ان کے سر کی جانب بیٹھ گئے اور سر کو بڑی احتیاط سے تھوڑا سا اوپر اٹھا کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور اللہ کے حضور دعا فرمائی: اے پروردگار یقیناً سعد رضی اللہ عنہ نے تیرے رسول پر مکمل ایمان کے ساتھ تیری راہ میں جہاد کیا ہے، اس کے کرنے کا جو بھی کام تھا اس نے ادھورا نہیں چھوڑا اس لیے اس کی روح کو اس بہترین قبولیت کے ساتھ قبول فرما لے جس کے ساتھ تو اپنی مخلوقات کی روح قبول کرتا ہے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی آواز سن کر آنکھ کھولی اور کہا ''السلام علیکم یا رسول اللہ ﷺ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اپنا پیغام پہنچا دیا۔'' رسول اللہ ﷺ کے گھر آنے کے ایک دو گھنٹے کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اطلاع دی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی ہے۔

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ قبرستان لے جایا جا رہا تھا تو کندھا دینے والوں کو وزن کے اس قدر ہلکا ہونے پر تعجب ہوا کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جسمانی طور پر بھاری بھرکم انسان تھے۔ لیکن جب اس بات کا ذکر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو انہوں نے فرمایا ''میں نے فرشتوں کو انہیں لے جاتے دیکھا ہے۔'' اصحاب نے قبر کے نزدیک ان کی میت رکھی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ نماز پڑھنے والوں میں

Marfat.com

عورتوں اور مردوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔ نمازِ جنازہ کے بعد جب ان کی میت قبر میں اتاری گئی تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ یکدم متغیر ہو گیا اور آپ ﷺ نے تین مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ" کے کلمات ادا فرمائے۔ پاک ہے اور بے عیب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقتِ مطلق کا اعلان جب زبان سے ادا کیا جاتا ہے تو اس اعلان میں ہستیٔ مطلق کے ماورائے مخلوق اور ماورائے کائنات کا لازمی اشارہ ہوتا ہے۔ تمام اصحاب نے ان کلمات کو دہرایا اور قبرستان اس کلمے سے گونج اٹھا۔ "اللّٰہُ اَکْبَرُ" (اللہ سب سے برتر ہے) آپ ﷺ کی تقلید میں قبرستان پھر "اللّٰہُ اَکْبَرُ" کے نعرے سے گونج اٹھا۔ جب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ کیوں متغیر ہو گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارے ساتھی پر فشارِ قبر ہو رہا تھا اور انہوں نے ایسا انقباض محسوس کیا جس سے اگر کوئی انسان بچ سکتا تھا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ضرور بچ جاتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت میں راحت دے دی۔" (1)

انہی ایام میں ایک روز صبح کے وقت جب رسول اللہ ﷺ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تھے تو آپ ﷺ نے امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی کہ "ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا گیا۔" امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا "اگر اجازت ہو تو یہ خوش خبری انہیں سنا دوں؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو سنا دو۔" امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرے کے دروازے سے جو مسجد میں کھلتا تھا اور اس ستون سے زیادہ دور نہیں تھا جس سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کو باندھ رکھا تھا، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا "ابولبابہ رضی اللہ عنہ خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہاری سختی میں نرمی کر دی ہے۔" مسجد میں موجود اصحاب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کرنے کے لیے دوڑے لیکن ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ "ابھی نہیں! جب تک رسول اللہ ﷺ خود مجھے اپنے ہاتھوں آزاد نہ کر دیں۔" چنانچہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے جاتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے اور انہیں آزاد کر دیا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنے کی عرض کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایک تہائی جائداد قبول کر لی۔ یہ قبولیت اسی وحی کے نتیجے میں تھی جو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی آزادی کے لیے نازل ہوئی تھی اور جس میں فرمان ہوا تھا کہ "ان کی دولت کا صدقہ قبول کر لو تاکہ تم انہیں پاک کر دو۔" (2) یہ فرمان صرف حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہی نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کے لیے تھا جنہوں نے خلوصِ دل سے اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہو۔

غزوۂ خندق کے قریباً پانچ ماہ بعد رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا مال و دولت سے لدا ہوا ایک کاروان شام سے آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر گھوڑ سواروں کے دستے کے ساتھ

Marfat.com

اس کاروان کا راستہ روکنے کے لیے روانہ کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کاروان کا سارا مالِ تجارت اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس سامان میں چاندی بھی بہت تھی اور یہ صفوان کی ملکیت تھی۔ سامان کے علاوہ زیادہ تر لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ ان لوگوں میں سے جو بھاگ نکلے ان میں رسول اللہ ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی تھے۔ جب یہ مکہ کی راہ پر مدینہ کے قریب پہنچے تو انہیں اپنی بیوی اور بچی سے ملنے کی شدید خواہش نے بے قابو کر دیا۔ وہ رات کے پردے میں بہت بڑا خطرہ مول لیتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور کسی نہ کسی طرح سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر کا پتا لگا کر ان کے دروازہ پر دستک دی۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں گھر کے اندر آنے دیا۔ رات تقریباً گزر چکی تھی اور صبح ہونے والی تھی۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کو گھر میں اُمامہ کے پاس چھوڑ کر مسجد میں اپنی بہنوں اور سوتیلی ماؤں کے ساتھ عورتوں کی اگلی اور مردوں کی پچھلی صف میں نماز کے لیے کھڑی ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تکبیر فرمائی، اصحاب نے اسے دہرایا۔ اس کے بعد خاموشی کے مختصر لمحے میں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پوری قوت سے اعلان کیا ''اے لوگوں میں ابوالعاص کو پناہ دیتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ نماز میں شامل ہوگئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد جماعت کی جانب رخ کر کے فرمایا ''کیا تم نے بھی سنا جو میں نے سنا؟'' مسجد میں موجود اصحاب نے بآواز اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا جب تک میں نے وہ نہیں سنا جو تم نے سنا۔ کمزور سے کمزور مسلمان بھی امان دینے کا حق رکھتا ہے جس کی پاس داری تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔'' پھر آپ ﷺ اپنی بیٹی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ''اسے پوری عزت و احترام سے خوش آمدید کہو لیکن شوہر کی حیثیت سے اپنے قریب نہ آنے دو کیونکہ اب شرعی طور پر تم اس کی بیوی نہیں ہو۔'' سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کو بتایا کہ ابوالعاص سامانِ تجارت گنوا دینے پر بہت پریشان ہیں۔ یہ مال انہوں نے حوالہ دار کی حیثیت سے لیا تھا۔ انہیں مکہ میں بہت ہی قابلِ اعتماد فرد سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو پیغام بھیجا کہ ''یہ شخص جیسا کہ تم جانتے ہو ہمارے عزیزوں میں سے ہے۔ اس کا مال تمہارے قبضے میں ہے۔ اگر تم اس کا مال اسے واپس کر دو تو مجھے خوشی ہوگی۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو مالِ غنیمت کی حیثیت سے اس پر تمہارا حق زیادہ ہے۔'' صحابہ نے بیک آواز یہ مال واپس کرنے کا اعلان کیا اور اس پر اس حد تک عمل کیا کہ پرانے مشکیزے، چمڑے کی بوتلیں اور لکڑی کے ٹکڑے تک لوٹا دیئے۔ ہر شے بغیر کسی استثنا کے ابوالعاص کو لوٹا دی گئی۔ نظر آ رہا تھا کہ ابوالعاص اسلام قبول کرنے پر تیار ہیں اس لیے ایک صحابی نے ان سے پوچھا ''تم اسلام قبول کیوں نہیں کرتے؟

Marfat.com

یہ تمام مال اپنے تصرف میں لے آؤ کیونکہ یہ بت پرستوں کا مال ہے۔ لیکن انہوں نے جواب دیا ''میں اسلام کی ابتدا اعتماد شکنی جیسے مذموم فعل سے نہیں کروں گا۔'' وہ تمام سامان مکہ لے گئے اور اسے ان کے مالکان تک پہنچا کر مدینے واپس ہوئے اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ پھر اپنے شوہر سے جا ملیں اور رسول اللہ ﷺ کے گھرانے اور مدینہ شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ واقدی: ۵۲۹ ۲۔ قرآن ۹: ۱۰۳

Marfat.com

باب: ۶۳

گروہِ منافقین

کاروان کی مشرقی شاہراہ پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے گھات لگا کر کامیابی سے جو چھاپہ مارا تو قریش کا خیال ایک مرتبہ پھر مغربی راستے کی جانب پلٹا جسے وہ ہمیشہ سے ترجیح دیتے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے بحرِ احمر کے ساحل پر آباد اپنے حلیف بنوخزاعہ کے ذیلی قبیلہ بنی المصطلق کو اکسایا کہ وہ مدینہ پر دھاوا بول دیں۔ انہیں امید تھی کہ اس قبیلے کو ساحل پر بسنے والے دیگر قبیلوں کی مدد حاصل ہو جائے گی اور یوں قریش کے لیے ایک مرتبہ پھر تجارت کا راستہ کھل جائے گا۔ لیکن خزاعہ کے دیگر قبائل قریش کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ موافقت رکھتے تھے۔ قریش کو اس رجحان کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ قریش کے منصوبے کی خبر آپ ﷺ تک پہنچ گئی اور آپ کو وقت مل گیا کہ مکہ سے چند منزل کی مسافت پر واقع مغربی راستے پر بھی اپنی روزافزوں قوت کو ثابت کر سکیں۔ بنی مصطلق کے چھاپے کی خبر ملنے کے ٹھیک آٹھ دن بعد، جبکہ وہ ابھی حملے کی تیاریوں میں ہی مصروف تھے، لشکرِ اسلام بنی مصطلق کے علاقے میں ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالنے کے بعد تیزی سے آگے بڑھ کر خیمہ نشینوں کے سر پر پہنچ گیا۔ ان لوگوں نے کسی خاص مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ صرف ایک مسلمان شہید ہوا جبکہ دشمن کے بھی دس سے زیادہ لوگ قتل نہ ہوئے۔ دو سو کے قریب خاندان قیدی بنائے گئے اور مالِ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بھیڑ بکریاں ہاتھ آئیں۔

لشکر نے چند روز وہاں پڑاؤ ڈالا لیکن ایک غیر معمولی واقعے کے باعث یہ قیام مختصر ہو گیا۔ ہوا یوں کہ غفار اور جہینہ کے قبائل کے مابین ایک کنویں پر جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ جھگڑے کی بنیاد پانی بھرنے کے ڈول تھے کہ کون سا ڈول کس کا ہے۔ غفاری نے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ لائے تھے، مدد کے لیے قریش کو پکارا اور جُہنی نے اپنے روایتی حلیف بنوخزرج کو آواز دی۔ دونوں طرف سے گرم

Marfat.com

مزاج مہاجر اور انصار دوڑے اور تلواریں نکل آئیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعض مقرب اصحاب بیچ میں نہ پڑتے تو خون بہہ جاتا۔ بہ ظاہر اس معاملے کو ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن اس مہم میں موجود منافقین جنہوں نے اس سیراب علاقے سے کسی خاص جنگ کے بغیر ہی مالِ غنیمت کی توقع پر خاصی تعداد میں حصہ لیا تھا، وہ اپنا اندازِ فکر بدلنے پر تیار نہ تھے۔ ان کے لیے اب بھی یثرب سے نکلنے والی مہمات دیگر معاون دستوں کی موجودگی کے باوجود اوس وخزرج کی مہمات کا درجہ رکھتی تھیں۔ ان کے نزدیک یہ پڑاؤ بنی قائلہ کا تھا اور قریش کے مہاجرین کی حیثیت ایسے پناہ گزینوں کی تھی جو ان کے رحم وکرم پر تھے۔ ان کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ ان مہاجرین کی موجودگی پر اعتراض نہ کرنے کے باعث یہ ان کے قبیلے کا حصہ بن چکے ہیں۔

ابن ابی اور دوسرے منافقین اسی ذہنی رویے کے زیرِ اثر اپنے ساتھیوں کے ساتھ علیحدہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس کے کان میں جھگڑے کی آواز پہنچی۔ اس کے ساتھیوں میں سے ایک معاملہ دیکھنے کے لیے اٹھا اور واپس آ کر بالکل سچی خبر دی کہ غلطی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آدمی کی تھی اور اسی نے مارنے میں پہل کی تھی۔ اس واقعہ نے تلخی اور لاچاری کے ان انگاروں کو ہوا دی جو خندق کی کڑی آزمائش ختم ہونے کے بعد اب تک سلگ رہے تھے۔ گزشتہ پانچ برسوں میں تناؤ میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ محمد (ﷺ) کی وہاں موجودگی اور دیگر مہاجرین کی آمد سے سارا عرب ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مزید برآں دولت مند اور خاطر و مدارات کرنے والے یہودی قبائل جنہوں نے یثرب کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا انہیں وہاں سے اکھاڑ پھینک دیا گیا۔ ان میں سے دو، بنی قینقاع اور بنی نضیر تو شہر بدر کر دیئے گئے تھے جبکہ بنی قریظہ کا قتلِ عام ہوا تھا۔ نخلستان میں جو باہمی لڑائیاں ہوتی تھیں ان کے حل کی اشد ضرورت تھی لیکن ابن ابی کو کامل یقین تھا کہ اگر اسے بادشاہ بنا دیا جاتا تو وہ اپنے لوگوں کو کسی جنگ وجدال میں ڈالے بغیر ان باہمی تنازعات کا حل بھی نکال لیتا۔ لیکن اب ان مفلس مہاجرین کی دیدہ دلیری تو دیکھو کہ انہوں نے اپنے محسنوں کو ان کے اپنے کنوؤں کے پانی پر جانے سے روک دیا ہے۔ ابن ابی نے کہا "وہ ہم پر برتری حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ ان کی کثرت ہمیں اپنے وطن سے باہر نکال دے گی۔ ہمارے اور قریش کے ان رذیلوں پر وہ پرانی کہاوت پوری طرح صادق آتی ہے کہ "اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو تو وہ تمہیں ہی کھا جائے گا۔ خدا کی قسم جب ہم مدینے واپس جائیں گے تو ہم میں جو معزز اور قوی ہیں وہ پست اور کمزور کو نکال باہر کر دیں گے۔" قبیلہ خزرج کے نوجوان زید رضی اللہ عنہ جو منافقین کے اس حلقے کے سرے پر بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو ابن ابی کے کلمات سنائے۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور ان کے پاس بیٹھے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز کیا کہ اس غدار کا سر قلم کر دیا جائے۔

Marfat.com

لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے عمر پھر کیا ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کا قتل کرتے ہیں؟''
اسی وقفہ میں ایک انصاری صحابی ابن ابی کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ کیا اس نے ایسی بات کہی ہے۔ ابن ابی سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور قسم کھا کر کہا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ خزرج کے کچھ لوگ جو وہاں موجود تھے انہوں نے بھی جھگڑا مٹانے کے خیال سے ابن ابی کا دفاع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بہ ظاہر اس معاملہ کو اس رخ پر جانے دیا کہ جیسے یہ معاملہ ختم ہو چکا ہو۔ لیکن پریشانی سے گریز کی تدبیر کے طور پر آپ نے پڑاؤ اٹھانے کا حکم دے دیا تاکہ لوگوں کا ذہن کسی اور طرف لگ جائے۔

سب جانتے تھے کہ اس سے پہلے آپ نے کبھی ایسے وقت میں روانگی کا حکم نہیں دیا۔ ابھی دوپہر کا زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ روانگی عمل میں آگئی اور نماز کے مختصر وقفوں کے علاوہ لشکر کو مسلسل سفر میں رکھا گیا۔ پھر تمام رات اور اگلے دن صبح اس وقت تک کہ دھوپ کی تمازت ناقابلِ برداشت ہونے لگی آپ ﷺ نے خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ لوگ اس شدت سے تھکے ہوئے تھے کہ سونے کے علاوہ کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو، جو اسلام کی وجہ سے ابن ابی کی بجائے خزرج کے سردار کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے تھے، اعتماد میں لیتے ہوئے فرمایا انہیں یقین ہے کہ نوجوان زید رضی اللہ عنہ نے ان کو جو کچھ خبر دی تھی وہ سچ ہے۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''یا رسول اللہ اگر آپ چاہیں تو ہم اسے نکال باہر پھینک دیں گے کیونکہ وہ آپ کے مقابلے میں نیچ بھی ہے اور کمزور بھی۔ آپ عالی مرتبت اور قوت والے ہیں۔'' لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ درخواست بھی کی کہ ابن ابی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے گفتگو کے بعد ہی یہ معاملہ ان کی دسترس سے باہر ہو گیا۔ وحی نازل ہوئی اور وہ سورۃ جس کا نام المنافقون ہے اور جس میں ایک آیت نام لیے بغیر تصدیق کر رہی ہے کہ زید رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی خبر درست تھی۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچنے کے بعد سواری پر بیٹھے ہوئے زید رضی اللہ عنہ کے قریب گئے اور ان پر جھک کر ان کا کان پکڑتے ہوئے فرمایا ''لڑکے تیرے کانوں نے صحیح بات سنی تھی اور اللہ نے تیری بات کی سچائی کی توثیق کر دی۔''

اس دوران ابن ابی کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ بہت افسردہ اور بے چین تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے باپ نے یہ کلمات کہے ہیں۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن ابی کے قتل کی تجویز دی تھی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خدشہ تھا کہ اس کے باپ کے قتل کا حکم کسی وقت بھی جاری ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حضور گئے اور عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ابن ابی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

Marfat.com

اگر آپ کا ایسا ہی ارادہ ہے تو مجھے حکم فرمایئے میں اس کا سر آپ کی خدمت میں خود لا کر پیش کروں گا۔ خزرج کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ باپ کا اطاعت گزار نہیں۔ مجھے خوف ہے کہ آپ نے یہ حکم کسی اور کو دیا تو میری روح باپ کے قاتل کو چلتا پھرتا دیکھنا برداشت نہیں کرے گی اور میں باپ کے قاتل کو قتل کیے بغیر نہیں رہوں گا۔ اس طرح ایک منکر کی بجائے مومن کو قتل کرنے کی پاداش میں آتشِ جہنم میں گر جاؤں گا۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''نہیں! ہمیں اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے اور اس کی معیت سے تب تک فائدہ اٹھانا چاہیے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے۔'' [1]

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن اسحٰق: ۸۔۴۲۶

Marfat.com

باب: ۶۴

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار

اس مہم پر سیّدہ عائشہ اور سیّدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ ایک دن غروبِ آفتاب کے وقت دو تین دن کی مسافت کے بعد لشکر کو پڑاؤ کا حکم ہوا تو ایک سنگِ سلیمان کا ہار جو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں تھا کھل کر گر پڑا اور کسی نے اسے گرتے ہوئے نہ دیکھا۔ جب انہیں ہار گم ہونے کا معلوم ہوا تو اس وقت اتنا اندھیرا ہو چکا تھا کہ اس کی تلاش بے کار تھی۔ ان کی والدہ نے شادی کے دن انہیں یہ ہار پہنایا تھا اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت عزیز تھا۔ یہ جگہ جہاں لشکر نے قیام کیا تھا یہاں پانی میسر نہیں تھا اور رسول اللہ ﷺ مختصر پڑاؤ کے بعد دوبارہ سفر شروع کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے حکم دیا کہ یہاں صبح کی روشنی ہونے تک قیام کیا جائے۔ طے شدہ پروگرام میں تبدیلی کی وجہ سینہ بہ سینہ لوگوں تک پہنچی تو انہیں ناگوار گزرا کہ محض ایک ہار کی وجہ سے ایسے مقام پر رکنا پڑ رہا ہے۔ بعض اصحاب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے گلہ کیا، انہیں بھی پشیمانی ہوئی اور اپنی بیٹی کی لاپرواہی پر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹ بھی پڑی۔ دور دور تک کنواں نہیں تھا اور لوگوں کے پاس جو پانی تھا اسے وہ اگلی منزل پر بہ افراط پانی کی امید میں صرف کر چکے تھے۔ اب انہیں خیال آ رہا تھا کہ صبح نمازِ فجر کے لیے پانی نہ ہونے کے باعث وضو کے بغیر نماز پڑھنا بھی ممکن نہیں ہوگا لیکن جب رات ختم ہونے کے قریب آئی تو رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی تیمم کی آیت نازل ہوئی کہ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو مٹی سے طہارت کر لی جائے۔ امت کے لیے یہ رعایت انتہائی اہمیت کی حامل تھی ''اگر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ اسی سے چہرے پر ہاتھ پھیر لو اور ہاتھوں پر۔''(۱) لشکر میں پھیلی ہوئی بے چینی دور ہوگئی اور خوشی کے مارے حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے والو! یہ پہلی برکت نہیں جو تم ہمارے لیے لائے ہو۔''

Marfat.com

جب دن نکل آیا تو ہار کا پھر بھی کہیں پتا نہیں تھا لیکن جب ہار ملنے کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں اور ہار کے بغیر روانگی کی تیاری ہو رہی تھی تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ جو رات بھر اپنے گھٹنوں کو سکیڑے بیٹھنے کے بعد اٹھا تو اس کے پیٹ تلے زمین پر پڑا ہوا ہار مل گیا۔

اگلا پڑاؤ ایک بہت خوشگوار وادی میں تھا۔ جہاں دور دور تک ریت کے ہموار میدان تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے معمول کے مطابق لشکر سے ہٹ کر دو خیمے نصب کیے گئے تھے۔ اس روز رسول اللہ ﷺ کے خیمے میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ٹھہرنے کی باری تھی۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آیئے اس پر دوڑ لگائیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''میں نے اپنی عبا اپنے چاروں جانب خوب کس لی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر ہم نے دوڑ لگائی اور وہ جیت گئے۔'' آپ نے فرمایا ''یہ اس دوڑ کا بدلہ ہے جو تم مجھ سے جیت گئی تھیں۔'' آپ اس واقعہ کی جانب اشارہ کر رہے تھے جو ہجرت سے قبل مکہ میں پیش آیا تھا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ ''وہ میرے والد کے مکان پر آئے ہوئے تھے اور میں نے اپنے ہاتھ میں کوئی شے تھامی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا یہ کیا چیز ہے ادھر لاؤ۔ میں انہیں یہ چیز دینا نہیں چاہتی تھی اس لیے ان سے دور بھاگ گئی۔ وہ مجھے پکڑنے کے لیے بھاگے لیکن میں ان کے مقابلے میں بہت تیز تھی۔'' (۴)

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کا بند کچھ ناقص تھا۔ مدینہ پہنچنے سے پہلے آخری پڑاؤ میں ہار ان کی گردن سے اس وقت پھسل گیا جب کوچ کا حکم دیا جا چکا تھا اور وہ رفع حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ واپسی پر وہ اور امِ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے اپنے ہودے میں بیٹھ گئیں۔ پردے گرائے جانے کے بعد انہوں نے چہروں سے نقاب ہٹائے تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہار کی گمشدگی کا علم ہوا۔ وہ پردہ کے پیچھے سے خاموشی سے اتر کر اس جانب گئیں جہاں ہار گرنے کا امکان تھا۔ اسی دوران لوگوں نے اونٹوں پر کاٹھیاں کس لی تھیں اور انہیں ہودوں کے پاس لا کر اونٹوں پر رکھ دیا۔ ان دونوں ہودوں میں وزن کے اعتبار سے فرق کو انہوں نے محسوس نہ کیا۔ ایک تیس سالہ خاتون کا وزن چودہ سالہ دبلی پتلی لڑکی کے مقابلے میں بہت کم ہونے کے باعث انہیں اس ہودے کے کم وزن ہونے کا تجربہ تھا۔ لیکن انہوں نے اس بار اس کے مزید ہلکا ہونے پر دھیان نہ دیا اور اونٹوں کی مہاریں پکڑ کر لشکر کے کوچ میں شامل ہو گئے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ''مجھے ہار مل گیا اور میں پڑاؤ کی جانب واپس آئی۔ وہاں دیکھا تو ایک متنفس بھی نہ تھا۔ اس لیے میں یہ سوچ کر کہ جب انہیں میرے نہ ہونے کا علم ہوگا تو وہ میری تلاش میں واپس آئیں گے، میں اس جگہ پر بیٹھ گئی۔ میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں اور مجھے نیند آ گئی۔ میں وہاں پڑی

Marfat.com

سو رہی تھی کہ جب حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ (۳) پاس سے گزرے۔ وہ لشکر سے پیچھے رہ گئے تھے اور پڑاؤ میں نہیں سوئے تھے۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو میرے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ پردے کے احکام آنے سے پہلے وہ مجھے کئی بار دیکھ چکے تھے اس لیے انہوں نے مجھے پہچان لیا اور کہا ''انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ تو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں۔'' ان کے منہ سے انا للہ کی آواز نکلنے پر میں جاگ گئی اور منہ پر نقاب ڈال لیا۔'' صفوان نے اپنا اونٹ پیش کیا اور وہ خود پیدل مجھے اپنی حفاظت میں پڑاؤ تک لے آئے۔ (۴)

جب لشکر پڑاؤ پر پہنچا تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہودے کو اونٹ پر سے اتار کر زمین پر رکھ دیا گیا۔ جب اس ہودے سے کوئی باہر نہ نکلا تو سمجھا گیا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اندر سو رہی ہوں گی۔ لیکن بڑی حیرت ہوئی کہ جب لوگ قیام کے آخری مرحلہ پر آرام کر رہے تھے تو وہ اونٹ پر سوار پڑاؤ میں اس طرح داخل ہوئیں کہ ان کے اونٹ کی مہار حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ واقعہ ایک ایسے فتنے کا آغاز تھا جس سے بعد میں سارا مدینہ منورہ لرز کر رہ گیا۔ اس فتنے کو اٹھانے اور اسے ہوا دینے میں منافقین کی زبانیں بہت تیز نکلیں لیکن وقتی طور پر رسول اللہ ﷺ اور بیشتر صحابہ آنے والے ہنگامے سے بالکل بے خبر تھے۔

مالِ غنیمت کو معمول کے مطابق بانٹ دیا گیا۔ قیدیوں میں شکست خوردہ قبیلے کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ وہ ایک انصاری صحابی کے حصے میں آئیں۔ انہوں نے ان کے فدیہ کے لیے ایک بھاری رقم رکھی۔ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں تاکہ وہ اس بارے میں ان کی جانب سے مداخلت کی درخواست کریں۔ رسول اللہ ﷺ اس دن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور بعد میں اس بارے میں ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ''جویریہ رضی اللہ عنہا بہت ہی دلکش اور حسین تھیں۔ جس کی نگاہ بھی ان پر پڑتی وہ اس کی روح کو لبھا لیتیں۔ جب میں نے انہیں اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا تو میرے اندر رشک پیدا ہوا کہ جیسے وہ میری نگاہوں میں ہیں ویسی ہی وہ رسول اللہ ﷺ کی نگاہوں میں بھی ہوں گی۔ وہ ان کے سامنے گئیں اور بولیں ''اے اللہ کے رسول ﷺ میں جویریہ ہوں، اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی۔ آپ کو علم ہے کہ مجھ پر کیا افتاد آن پڑی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں فدیے کے لیے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ اس معاملے میں میری مدد فرمائیں گے۔'' آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ''کیا تم اس سے بہتر صورت پسند کرو گی؟'' انہوں نے پوچھا ''اس سے بہتر صورت کیا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں تمہارا فدیہ ادا کر دوں اور تم سے عقد کر لوں۔'' (۵)

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے بخوشی یہ پیشکش قبول کر لی۔ لیکن ابھی شادی عمل میں نہیں آئی تھی کہ ان کا باپ

Marfat.com

اونٹوں کی صورت میں فدیہ کی رقم ادا کرنے کے لیے آ گیا۔لیکن گھر سے اس مقصد کے لیے وہ جتنے اونٹ لے کر نکلا تھا یہ اونٹ اس سے کم تھے۔ کیونکہ جب وہ نخلستان میں داخل ہونے سے پہلے وادیٔ عتیق میں پہنچا تو اس نے ان خوبصورت جانوروں کو نظر بھر کر دیکھا اور ان میں سے دو اونٹوں پر اس کا جی ایسا بھایا کہ انہیں مدینہ لے جانے کی بجائے وادی کے درے میں چھپا دیا۔ان اونٹوں کی جدائی اس کے بس کی بات نہ تھی۔ باقی ماندہ اونٹ لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا ''اے محمد (ﷺ) تم نے میری بیٹی کو قیدی بنا لیا ہے۔اس کا فدیہ لو اور اسے آزاد کر دو۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اور وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنہیں تم وادیٔ عتیق میں چھپا کر آ گئے ہو؟'' پھر آپ ﷺ نے اسے پوری تفصیل سے ٹھیک اس درے کے بارے میں بتا دیا جہاں اس نے اونٹوں کو چھپایا تھا۔حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔انہوں نے آدمی بھیج کر دو اونٹ بھی منگوا لیے اور اونٹوں کی کل تعداد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔آپ ﷺ نے ان کی بیٹی انہیں واپس کر دی۔ وہ بھی مسلمان ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے والد سے ان کی بیٹی سے شادی کی خواہش کی۔حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے رشتہ قبول کر لیا [6] اور سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک علیحدہ حجرہ بنا دیا گیا۔

جب سب کو معلوم ہوا کہ رشتۂ ازدواج کے باعث بنی مصطلق اب رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہو گئے ہیں تو مہاجرین اور انصار سب اصحاب نے ان قیدیوں کو جن کا فدیہ ادا نہیں ہوا تھا، آزاد کر دیئے۔تقریباً ایک سو گھرانوں کو اس فیصلہ سے خلاصی ملی۔سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ''میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو ان سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے خوش نصیب ثابت ہوئی ہو۔'' [7]

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۴: ۴۳ ۲۔واقدی: ۴۲۷ ۳۔بنی سلیم کے بدری صحابی جو مدینے میں بس جانے کے باعث مہاجرین میں شمار ہوتے تھے

۴۔ابن اسحٰق: ۷۳۲، بخاری: ۵۲، ۱۵، واقدی: ۸۔۴۲۶ ۵۔ابن اسحٰق: ۷۲۹ ۶۔ابن ہشام: ۷۲۹

ابن اسحٰق: ۷۲۹

Marfat.com

باب: ۶۵

اتہام طرازی

مدینہ واپس آکر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑ گئیں۔ اس عرصہ میں منافقین نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بہتان تراشی کو سارے شہر میں پھیلا دیا تھا۔ بہت ہی کم لوگوں نے اس واقعہ کو سنجیدگی سے لیا لیکن وہ لوگ جنہوں نے اس تہمت کو وقعت دی ان میں مطلب قبیلہ سے تعلق رکھنے والے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پھوپھی زاد بھائی مسطح بھی شامل تھے۔ اگرچہ کسی نے اس تہمت کو قابلِ یقین نہ جانا لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا ہر شخص اس تہمت کے بارے میں جان چکا تھا۔ انہیں اگرچہ اپنے طور پر احساس ہو رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کنارہ کر لیا ہے اور انہیں آپ ﷺ کا وہ التفات اور توجہ نہیں مل رہی جو اس سے قبل انہیں اپنی علالت کے دوران حاصل ہوتی تھی۔ وہ حجرہ میں داخل ہوتے اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال پر معمور خواتین سے عمومی طور پر دریافت کرتے کہ ''آج سب کا کیا حال ہے؟'' ان کو بس دوسروں کے ساتھ شامل کر کے عمومی طور پر مزاج پرسی فرماتے تھے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل پر چوٹ تو لگتی لیکن ان کی ذاتی انا شکوے کو زبان پر نہ آنے دیتی۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہیں تاکہ ان کی والدہ ان کی تیمارداری کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جیسی تمہاری خواہش۔''

واقعہ کیا ہوا تھا۔ اس افواہ کے بارے میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان خود ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے۔ ''میں اپنی والدہ کے گھر آ گئی۔ اس وقت تک مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میرے بارے میں کیا چرچا ہو رہا تھا۔ تقریباً بیس روز کے بعد میں اپنی بیماری سے صحت یاب ہو گئی۔ اس کے بعد ایک شام میں مسطح کی والدہ کے ساتھ باہر نکلی۔ مسطح کی والدہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کی بہن تھیں۔ جس طرح وہ میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں تو ان کا پاؤں ان کی عبا میں الجھ گیا۔ اس وجہ سے ٹھوکر کھاتے ہوئے ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا ''ستیاناس ہو مسطح

Marfat.com

کا۔'' میں نے کہا ''اللہ کے واسطے! مہاجرین میں سے بدر میں شریک ہونے والے شخص کو ایسی بددعا دینا کتنی بری بات ہے۔'' انہوں نے کہا ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کیا تمہیں ابھی تک اس بات کی خبر نہیں ہوئی؟'' میں نے پوچھا ''کون سی خبر؟'' تب انہوں نے بتایا کہ تہمت لگانے والوں نے کیا کہا ہے اور دنیا کیا کیا کہہ رہی ہے۔ میں نے کہا کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی ایسا بہتان لگائے اور لوگ اس کا چرچا کرتے پھریں۔ انہوں نے جواب میں کہا ''واللہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔'' میں روتی ہوئی اپنے گھر واپس گئی اور خوب روتی رہی۔ ایسا لگتا تھا جیسے میرا جگر غم سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ میں نے اپنی ماں سے کہا ''اللہ آپ کی مغفرت کرے! لوگ ہیں کہ باتوں پر باتوں بنا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ اپنا منہ سیے بیٹھی ہیں۔ مجھے ایک لفظ نہیں بتایا۔'' انہوں نے کہا ''بیٹی اس بات کا زیادہ اثر نہ لو۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کسی خوبصورت عورت کی شادی ایسے شخص سے ہو جو اسے چاہتا بھی ہو اور سوکنیں اس کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں نہ پھیلائیں اور دوسرے ان باتوں کا چرچا نہ کریں۔'' میں ساری رات جاگتی رہی۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی رہی۔'' (1)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیویوں کے درمیان رشک و رقابت کے جذبات جیسے بھی ہوں، رسول اللہ ﷺ کی ازواج بہت پاکباز خواتین تھیں اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اس تہمت کو پھیلانے میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اس کے برخلاف ان سب نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دفاع کیا اور ان کے حق میں اچھی رائے کا اظہار کیا تھا۔ وہ لوگ جن کو اس سلسلہ میں خاص طور پر موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا تھا، ان میں رسول اللہ ﷺ کے گھرانے میں ان کی قریب ترین رشتہ دار سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ (بنتِ جحش) تھیں، جنہوں نے اس بہتان کو اس خیال سے ہوا دی کہ شاید اس طرح ان کی بہن زوجۂ رسول اللہ ﷺ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو فائدہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ عام خیال تھا کہ اگر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا غالباً رسول اللہ ﷺ کی عزیز ترین اور محبوب زوجہ ہوتیں۔ اپنی بہن کے اس طرفدارانہ رویے اور غلط اقدام سے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بہت دکھ ہوا۔ جبکہ پس منظر میں ابن اُبی اور دوسرے منافقین تھے جنہوں نے اس حرکت کا آغاز کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس ضمن میں وحی کا انتظار تھا۔ لیکن جب اس دوران وحی کا نزول نہ ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی ازواج اور دیگر قریبی رشتہ داروں سے اس بارے میں پوچھ گچھ فرمائی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم عمر تھے، انہوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بڑے زوردار لفظوں میں دفاع کیا کہ ''یہ سب افترا اور جھوٹ ہے۔ ہم نے تو ان میں نیکیوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی والدہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا بھی بیٹے کی طرح سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔ جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعلق تھا تو

Marfat.com

انہوں نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ نے آپ پر شادی کے معاملہ میں کوئی پابندی نہیں لگائی، ان کے علاوہ بھی کئی عورتیں ہیں لیکن آپ ﷺ ان کی کنیز سے پوچھ لیں وہ آپ ﷺ کو حقیقت بتلاسکتی ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیز بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر ان سے پوچھا کہ ''اے بریرہ کیا تو نے عائشہ رضی اللہ عنہا میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس کی وجہ سے مجھے ان پر شک ہو سکے؟'' بریرہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ''قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا مجھے تو ان میں خوبیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ اور اگر اس کے برخلاف کچھ ہوتا تو اللہ اپنے رسول کو ضرور اس سے آگاہ کر دیتا۔ مجھے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جس پر انگلی اٹھائی جاسکے سوائے اس کے کہ وہ کم سن ہیں۔ میں جب آٹا گوندھ رہی ہوتی ہوں تو انہیں کہتی ہوں کہ اس پر نظر رکھیں لیکن وہ پڑ کر سو جاتی ہیں اور ان کی چہیتی بھیڑ آ کر کھا لیتی ہے۔ اس بات کے لیے میں نے انہیں کئی بار قصور وار ٹھہرایا ہے۔''

اگلے دن جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا ''اے لوگو! تم ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہو جو مجھے میرے گھر والوں کے تعلق سے اذیت دے رہے ہیں اور ان کے متعلق وہ کچھ کہہ رہے ہیں جو سچ نہیں ہے؟ قسم ہے اللہ کی میں اپنے گھر والوں کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا اور نہ اس شخص کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ جانتا ہوں جس کے بارے میں یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں، جو کبھی بھی میرے گھر میں نہیں آتا سوائے اس کے کہ میں اس کے ساتھ نہ ہوں۔'' جیسے ہی رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تو حضرت اسید رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا ''اے اللہ کے رسول! اگر وہ لوگ اوس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم ان سے نبٹ لیں گے اور اگر وہ ہمارے خزرج کے بھائی ہیں تو آپ کے حکم پر ان کا سر قلم کر دیں گے کہ وہ اسی سلوک کے مستحق ہیں۔'' حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے ابھی بات ختم نہیں کی تھی کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چونکہ جنہوں نے اس بات کو اچھالا تھا وہ سب خزرجی تھے اس لیے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''واللہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم انہیں قتل نہیں کرو گے اور نہ تم میں قتل کرنے کی طاقت ہے۔ اگر وہ تمہارے قبیلے کے ہوتے تو تم ایسی بات کبھی نہ کرتے۔'' ''تم خود جھوٹ بول رہے ہو۔'' حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا ''تم منافقوں کی حمایت کر رہے ہو۔ تم خود منافق ہو۔'' قریب تھا کہ دونوں قبیلے ایک دوسرے سے دست بگریبان ہو جاتے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا اور منبر سے اتر کر ان کو ٹھنڈا کر کے گھر تشریف لے گئے۔

اگر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہو جاتا کہ رسول اللہ ﷺ نے عام لوگوں کے سامنے ان کا دفاع کیا ہے

Marfat.com

تو بلا شبہ ان کی ڈھارس بندھتی اور سکون حاصل ہو جاتا۔ لیکن ان کو اس واقعہ کی خبر نہ ملی۔ انہیں صرف یہی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے متعلق دوسرے لوگوں سے پوچھ گچھ فرما رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے طور پر کوئی رائے قائم نہیں فرما رہے۔ اس بات سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت دکھ ہوا۔ انہیں توقع تھی کہ اس بارے میں آپ ﷺ ان کے دل میں جھانک کر دیکھ سکتے ہیں۔ وہ جانتی تھیں کہ آپ ﷺ کو پوشیدہ باتوں کے بارے میں عالمِ بالا سے علم حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھے تو صرف اتنا علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ مجھے عطا کر دیتا ہے۔'' آپ ﷺ انسانوں کے دل کی بات جاننے کی کوشش نہیں فرماتے تھے۔ لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا توقع رکھتی تھیں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے جو گہرا تعلق تھا اس کی بنا پر آپ ﷺ اس الزام کو کوئی وقعت نہ دیتے اور یہ بات آپ کو معلوم ہونی چاہیے تھی۔

لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور صفوان کے بارے میں جو بہتان تراشا گیا وہ اس قدر سنگین تھا کہ اس بارے میں ایسی شہادت کا ہونا ضروری تھا جو پوری قوم کو مطمئن کر دے۔ اس بارے میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دیگر لوگوں کے مقابلے میں کم ہی مدد کر سکتی تھیں۔ لیکن اب انہوں نے خاموشی ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ اس بارے میں وہ جو کچھ کہتیں اس سے مسئلہ حل ہو جاتا لیکن قرآن کا وعدہ تھا کہ نزولِ قرآن کے وقت جو کچھ بھی پوچھا جائے اس کا جواب ملے گا۔ ''اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے۔ لیکن اگر تم انہیں ایسے وقت پوچھو کہ جب قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔''[۲] موجودہ مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ نے سوالات سے فضا کو معمور کیا ہوا تھا۔ مختلف اشخاص کی جانب سے ایک ہی سوال دہرایا جا رہا تھا تاکہ عالمِ بالا سے جس جواب کا وعدہ تھا وہ پورا ہو جائے۔ لیکن شاید ضروری تھا کہ یہ سوال پہلے اس فرد سے کیا جاتا جس کی ذات اس میں ملوث کر دی گئی تھی۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ''میں اپنے والدین کے پاس تھی۔ اور میں دو راتوں اور پورے ایک دن سے مسلسل روئے جا رہی تھی۔ اس وقت جب کہ سب میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انصار کی ایک خاتون آئیں اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے انہیں بلا لیا، وہ میرے پاس بیٹھ کر رونے لگیں۔ تب رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ جب سے لوگوں نے میرے بارے میں باتیں کہنا شروع کی تھیں تو آپ ﷺ اس طرح میرے قریب نہ بیٹھے تھے۔ اس واقعے کو ایک مہینہ گزر چکا تھا اور عالمِ بالا سے کوئی خبر آپ ﷺ کے پاس نہ آئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ادا کیا اور فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا تمہارے بارے میں مجھے اس طرح کی باتیں کہی گئی ہیں۔ اگر تم بے قصور ہو تو اللہ یقیناً تمہاری بے گناہی کا اعلان کرے گا

Marfat.com

اور اگر تم نے کچھ ایسا کیا ہے جو غلط ہے تو اللہ سے معافی مانگو اور توبہ استغفار کرو۔ جب بندہ اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی سختیوں پر رحم فرما کر انہیں کم کر دیتا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے جیسے ہی یہ فرمایا تو میری آنکھوں سے آنسو نکلنا بند ہو گئے اور میں نے اپنے والد سے کہا ''میری جانب سے آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے۔'' میرے والد نے کہا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کہوں۔'' میں نے اپنی والدہ سے بھی کچھ کہنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔ میں تو بس ایک لڑکی تھی اور قرآن کے بڑے حصے کی تلاوت کرنے کے بھی قابل نہ تھی۔ اس لیے میں نے کہا مجھے اچھی طرح علم ہے کہ لوگوں نے جو کچھ باتیں کی ہیں وہ آپ ﷺ کے دل میں بیٹھ گئی ہیں۔ اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں بیگناہ ہوں تو آپ اس پر یقین نہیں کریں گے۔ حالانکہ اگر میں اس بات کا اعتراف کرلوں جس کے متعلق اللہ خوب جانتا ہے کہ میں نے اس کا ارتکاب نہیں کیا تو آپ ﷺ یقین کر لیں گے۔ پھر میں نے اپنی یادداشت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام لانا چاہا لیکن وہ نام میری زبان پر نہ آیا اس لیے میں نے کہا ''لیکن جس طرح یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا میں بھی وہی کہوں گی کہ مجھے صبرِ جمیل اپنانا چاہیے، اور اللہ ہی ہے کہ جس کی مدد مجھے درکار ہے ہر اس بات کے لیے جو لوگ کہتے ہیں۔'' (۳) اس کے بعد میں نے اپنے پلنگ کا رخ کیا اور اس پر لیٹ گئی۔ مجھے اللہ پر بھروسہ تھا کہ وہ میری مدد کرے گا۔ لیکن میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ میرے مسئلہ پر وحی نازل ہوگی، میری ہستی اس قابل کہاں کہ اس بارے میں وحی نازل ہو۔ میرا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب یا بشارت کے ذریعے میری بے گناہی کے بارے میں بتا دیا جائے گا۔

''وہ ہمارے ساتھ ہی بیٹھے رہے اور ہم سب اس وقت تک موجود تھے جب ان پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ ان کو اس تکلیف کی کیفیت نے آن لیا جو نزولِ وحی کے وقت ان پر طاری ہوتی تھی۔ حالانکہ یہ موسمِ سرما کا دن تھا لیکن پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ پھر جب اس کیفیت سے راحت ملی تو ان کے لبوں کو ارتعاش ہوا اور انہوں نے مسرت کے ساتھ فرمایا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ کی حمد کرو کیونکہ اللہ نے تمہاری بے گناہی کا فرما دیا ہے۔'' تب میری والدہ بولیں ''عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ'' لیکن میں بولی ''نہیں، میں نہیں اٹھوں گی اور نہ ان کے پاس جاؤں گی اور میں اللہ کے سوا کسی کی حمد و ثنا نہیں کروں گی۔'' (۴)

قرآن پاک میں برأت کے الفاظ یہ تھے: ''جو لوگ یہ بہتان تراش لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہے۔۔۔ جس وقت تمہاری ایک زبان دوسری زبان سے جھوٹ لیتی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ

Marfat.com

کے نزدیک وہ بڑی بات تھی۔ کیوں نہ تم نے اسے سنتے ہی کہہ دیا کہ ہمیں اس طرح کی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔ اللہ ہی ثنا کا مستحق ہے، یہ تو ایک بہتانِ عظیم ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آیندہ ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔''(۵)

ان حالیہ نازل ہونے والی آیات میں ایک شادی شدہ عورت کی اپنے شوہر سے بے وفائی کے معاملہ پر توجہ دی گئی ہے اور اس جرم کی سزا مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ باعصمت خواتین کے خلاف بہتان تراشی جیسے جرم کے ارتکاب پر کوڑوں کی سزا کا حکم بھی نازل ہوا۔ مسطح، حسان اور حمنہ کو کوڑوں کی سزا دی گئی، کیونکہ انہوں نے اس بہتان کی تشہیر کی تھی اور اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا۔ وہ گروہِ منافقین جنہوں نے اس آگ کو بھڑکایا تھا انہوں نے اپنے عمل کا اعتراف نہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی بہتر سمجھا کہ اس معاملہ کو مزید طول دینے کی بجائے اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے غریب رشتہ دار مسطح کو وظیفہ کے طور پر رقم دیا کرتے تھے۔ لیکن اس واقعہ کے بعد انہوں نے کہا ''واللہ اب مسطح کی باتوں میں کبھی نہ آؤں گا۔ اس نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ہم سب کو جس پریشانی میں مبتلا کیا ہے اس کے بعد اس کی کوئی مدد نہیں کروں گا۔'' لیکن وحی نازل ہوئی ''تم میں سے جو لوگ متمول اور صاحبِ حیثیت ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کے حلف نہ اٹھائیں کہ وہ اپنے رشتہ دار، مساکین اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دیا جانا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف فرمائے اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور ورحیم ہے۔''(۶) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ''یہ سچ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوں۔'' اس کے بعد وہ مسطح رضی اللہ عنہ کے پاس واپس گئے اور معمول کے مطابق جو رقم انہیں دیتے تھے وہ دے کر کہا ''میں قسم کھاتا ہوں کہ اس رقم کو دینے سے ہاتھ نہیں کھینچوں گا۔'' اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی فیاضی کا سلوک فرمایا اور اس واقعہ میں شریک اپنی پھوپھی زاد حمنہ رضی اللہ عنہا جو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی بیوہ تھیں، ان کی شادی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ بخاری: ۵۲، ۱۵ ۲۔ قرآن ۵: ۱۰۱ ۳۔ قرآن: ۱۲: ۱۸ ۴۔ بخاری: ۵۲، ۱۵

۵۔ قرآن: ۱۱: ۱۵۔ ۱۷ ۶۔ قرآن ۲۴: ۲۲

Marfat.com

باب:٦٦

عُمرے کا عزم اور قریش کا مخمصہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ رمضان کے روزے مدینہ میں رکھے اور اس کے بعد جو مہینہ آیا وہ بھی مدینہ میں ہی گزارا۔ ایک شب کے آخری پہر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال تراشیدہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں اور کعبہ کی کنجی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خواب کا ذکر اصحاب سے فرمایا اور انہیں اپنی معیت میں عمرہ کرنے کی دعوت دی۔ اصحاب نے فوراً عمرہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ انہوں نے آپس میں مل جل کر ستر اونٹ خرید لیے تاکہ حدودِ مقدسہ میں پہنچ کر انہیں قربان کر کے قربانی کا گوشت مکہ کے غربا میں تقسیم کیا جا سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہمراہ ایک زوجہ کو لے جانے کا ارادہ فرمایا۔ اس مقصد کے لیے قرعہ ڈالا گیا تو وہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے نام کا نکلا۔ زائرین میں قبیلہ خزرج کی دو خواتین بھی تھیں۔ یہ دونوں خواتین نسیبہ اور اُمِ منیعہ رضی اللہ عنہن بیعتِ عقبہ ثانی کے موقع پر بھی موجود تھیں۔

ہر صحابی نے ایک ایک تلوار اپنے ساتھ رکھی اور بعض ایسے ہتھیار بھی ساتھ رکھ لیے جن کی شکار کے وقت ضرورت پڑ سکتی تھی۔ روانگی سے قبل حضرت عمر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے تجویز پیش کی کہ سب کو ہتھیار بند ہو کر جانا چاہیے۔ قریش سے کوئی بعید نہیں کہ محرّم مہینہ ہونے کے باوجود موقع سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملے کی جرأت کر بیٹھیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر قطعی انکار کر دیا "میں ہتھیار ساتھ لے کر نہیں جاؤں گا۔ میری نیت زیارتِ بیت اللہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔" جب پہلی منزل آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے تمام اونٹوں کو پیش کرنے کا حکم فرمایا۔ پھر آپ نے ان میں سے ایک اونٹ کو نذر کے لیے وقف فرمایا، اس کے داہنے پہلو پر نشان لگایا اور گردن میں ہار ڈالے۔ پھر آپ نے حکم فرمایا کہ بقیہ اونٹوں کو بھی ایسے ہی وقفِ نذر کیا

Marfat.com

جائے۔ اس کے بعد قبیلہ خزاعہ کے ایک صحابی کو آگے روانہ بھیجا گیا تا کہ وہ قریش کے ردِعمل کی خبر لاسکیں۔

رسول اللہ ﷺ سر سے برہنہ تھے۔ آپ نے قدیم روایت کے مطابق بغیر سلی ہوئی دو چادروں کا احرام پہنا ہوا تھا۔ ایک چادر بدن کے نچلے حصے کو ڈھانکنے اور دوسری چادر کو اوپری حصے کی پردہ پوشی کے لیے شانے پر ڈال لیا تھا۔ آپ ﷺ نے عمرہ کی نیت سے دو نفل ادا فرمائے اور تلبیہ (لبیك اللّٰھم لبیك) ''اے اللہ میں تیرے حضور حاضر ہوں اطاعت و سپردگی کے ساتھ'' کا ورد شروع کیا۔ باقی اصحاب نے بھی پیروی کی۔ لیکن چند اصحاب نے احرام باندھنے، نفل ادا کرنے اور تلبیہ کو اس لیے موخر رکھا کہ احرام باندھ لینے کے بعد شکار کرنے پر پابندی عائد ہو جاتی ہے، جبکہ ابھی کافی سفر باقی تھا۔

جب قریشِ مکہ نے زائرین کی مدینہ سے روانگی کی خبر سنی تو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا، وہ شک وشبہ میں مبتلا ہو گئے۔ قریش نے فوری طور پر صلاح مشورے کے لیے مجلس منعقد کی۔ انہیں اس سے پہلے کبھی ایسی صورتِ حال کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اگر قریش، جو حرمِ مقدس کے نگہبان تھے، ان ایک ہزار سے زاید عربوں کو بیت اللہ کا حج بجالانے سے روکتے ہیں تو ان کا یہ قدم ان قواعد وقوانین کی شدید ترین خلاف ورزی ہوتا جن پر عمل درآمد کی وجہ سے قریش کی عظمت قائم تھی۔ جبکہ دوسری صورت میں اگر وہ اپنے دشمنوں کو راحت و اطمینان سے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دیتے تو اس کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ کو ایسی اخلاقی فتح حاصل ہو جاتی جس کی دھوم سارے عرب میں مچ جاتی۔ حال ہی میں مدینے پر حملے میں ناکامی کے بعد مسلمانوں کا مکہ میں امن وامان سے داخلہ گویا حالیہ شکست کے اوپر تاج کی حیثیت رکھتا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ جب یہ زائرین حج کے ارکان اسی طور پر ادا کرتے جیسی قدیم زمانے سے روایت چلی آرہی تھی تو گویا عام عربوں کے سامنے اسلام کے اس دعوے پر مہرِ تصدیق ثبت ہو جاتی کہ یہ مذہب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا دین ہے۔ اس تمام تر صورتِ حال پر خوب غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ان کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب نے کہا: ''واللہ ایسا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم میں ایک آنکھ بھی ایسی ہو جس میں زندگی کی چمک باقی ہے، ہم کبھی بھی ایسا نہیں ہونے دیں گے۔''

جب ان زائرین کا قافلہ عُسفان پہنچا تو وہ جاسوس جسے قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا گیا تھا اس خبر کے ساتھ واپس آئے کہ قریش نے خالد کو دو سو سواروں کے ایک دستے کے ساتھ ان کو روکنے کے لیے روانہ کیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے راہبر کو مہیا کرنے کا فرمایا جو اس قافلے کو متبادل راستے سے لے جا سکے۔ قبیلہ اسلم کا ایک شخص انہیں ساحل سے قریب ہو کر اور پھر ایک پیچیدہ اور ناہموار راستے کے ذریعے ایسے

Marfat.com

درے پر لے آیا جو حدیبیہ میں جا کر نکلتا تھا۔ یہ جگہ مکہ کے جنوب میں ایک کھلا خطۂ زمین ہے۔ اس راستے نے انہیں خالد کی نگاہ سے محفوظ رکھا۔ لیکن ایک ایسے مقام پر جہاں خالد کے لیے اپنا راستہ بدلنا ممکن نہ تھا زائرین نے اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے فضا میں اتنی دھول اڑائی کہ خالد کو معلوم ہو گیا، کیا واقعہ پیش آ چکا ہے۔ خالد قریش کو زائرین کی آمد کی خبر دینے کے لیے گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے دستے کے ہمراہ مکہ پہنچا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے جو اونٹ پسند فرمایا تھا اس کا نام قصوا تھا۔ جب قافلہ درے کو پار کر چکا تو اونٹنی پہلے رکی اور پھر بیٹھ گئی۔ اونٹنی کے بیٹھنے پر ھَل، ھَل کی صدا سے پہاڑ گونج اٹھے۔ یہ آواز اونٹ کو اٹھ کھڑا ہونے کے لیے دی جاتی ہے۔ لیکن اونٹنی ایسے بیٹھی رہی جیسے زمین پر جم گئی ہو۔ اصحاب نے اونٹنی کے ضدی ہونے کے بارے میں کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ ضدی نہیں ہے۔ یہ اس کی فطرت نہیں ہے بلکہ اس کو وہ روکے ہوئے ہے جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔'' آپ نے قریش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ ''آج وہ مجھ سے جو بھی رعایت چاہیں گے میں اللہ کے حقوق و قیود کو مدِنظر رکھتے ہوئے انہیں دے دوں گا۔''[1] پھر آپ ﷺ نے قصوا کو اٹھنے کو کہا۔ اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور انہیں لے کر حدیبیہ کے سرے تک پہنچ گئی۔ تمام اصحاب بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے تھے۔ وہاں پر آپ ﷺ نے انہیں خیمہ زن ہونے کا حکم فرمایا۔ اس جگہ پر پانی کا نام ونشان نہ تھا سوائے چند گڑھوں میں جہاں پانی کی تلچھٹ سی باقی تھی۔ اصحاب پیاس کی شکایت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے اونٹوں کے نگران' قبیلہ اسلم کے ناجیہ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے ایک گگر میں سب سے بڑے گڑھے میں جتنا بھی پانی مل سکے ڈال کر لانے کا فرمایا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پانی سے وضو فرمایا اور اس پانی میں کُلی کر دی۔ پھر اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر فرمایا ''یہ پانی لے جاؤ اور اس کو گڑھے میں ڈال کر اس تیر سے اس کو ہلاؤ۔ ناجیہ نے ایسے ہی کیا جیسا حکم دیا گیا تھا۔ گڑھے میں پانی ڈال کر تیر کا ہلانا تھا کہ تیزی سے اور اتنی مقدار میں پانی جوش مار کر نکلنا شروع ہوا کہ قبل اس کے کہ وہ گڑھے سے باہر نکل سکیں، پانی اوپر چڑھنے لگا۔ زائرین گڑھے کے کنارے پر جمع ہو گئے اور سب نے خوب سیر ہو کر خود بھی پانی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔

زائرین میں اِکا دُکا منافقین بھی تھے جن میں ابن اُبی بھی شامل تھا۔ جس وقت وہ بیٹھا پانی پی رہا تھا تو اس کے قبیلے کے ایک صحابی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا ''تجھ پر تُف ہو اے ابی حباب، کیا اب بھی تجھ پر وقت نہیں آیا کہ تو اپنی حیثیت جان لے؟ اس سے زیادہ (نبی کی سچائی کے لیے) اور کیا ہو سکتا ہے؟'' اس پر ابن اُبی نے جواب دیا ''میں نے پہلے بھی اس قسم کے کرشمے دیکھے ہیں۔'' اس جواب پر دوسرے صحابی ابن اُبی سے سخت

Marfat.com

لہجے میں الجھنے لگے تو ابن اُبی گھبرا کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیش بندی کے طور پر کہنا ہی چاہتا تھا کہ میری بات کو غلط معنی پہنائے گئے ہیں۔ لیکن ابن اُبی کی زبان کھلنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا ''تو نے اس سے قبل اس طرح کی بات کہاں دیکھی ہے؟'' ابن ابی بولا ''میں نے اس قسم کا معجزہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''پھر تم نے وہ بات کیوں کہی؟'' ابن اُبی پشیمان ہو کر بولا ''میں اللہ سے معافی کا طالب ہوں۔'' اس کے بیٹے نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی ''یا رسول اللہ آپ اللہ سے میرے والد کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔'' آپ نے دعا فرمادی۔ (۴)

زائرین کی پیاس بجھ گئی تو انہوں نے دو بدو سرداروں کی مہربانی سے تحفتاً پیش کی ہوئی بھیڑوں اور اونٹوں سے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ یہ بدو سردار بنی خزاء سے تعلق رکھتے تھے جو کسی زمانے میں حرم کے سرپرست اور نگہبان ہوا کرتے تھے۔ اس قبیلے میں اسلم، کعب اور مصطلق کے قبائل شامل تھے۔ اس قبیلے کا کوئی بھی فرد ایسا نہ تھا جو دل و جان سے رسول اللہ ﷺ کا حامی و مددگار نہ ہو۔ ان میں ایسے بھی تھے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کی اس قربت میں سیاسی مفاد بھی پوشیدہ تھا۔ اس کی انہیں ضرورت اس لیے تھی کہ ان کے پرانے اور شدید دشمن بنی بکر کا قریشِ مکہ کے ساتھ قدیم معاہدہ چلا آ رہا تھا۔ دشمن کے مقابلے میں توازن برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں سے اتحاد بڑی تقویت کا باعث تھا۔ یہ پس منظر عنقریب ایسے واقعات کا پیشِ خیمہ بننے جا رہا تھا جو انتہائی اہمیت کے حامل تھے۔ فی الحال بنی بکر اور بنی خزاء میں اگرچہ کوئی جنگ نہیں ہو رہی تھی اور قریش بھی بنی خزاء کو برداشت کر رہے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی جانب سے ہر وقت خبردار بھی رہتے تھے۔ بنی خزاء کا ایک سرکردہ فرد بدیل بن ورقہ اس وقت مکہ میں تھا جب اسے رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر ملی۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ کو قریش کے عزائم سے باخبر کر سکے۔ اس نے بتایا ''وہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ آپ اور بیت اللہ کے درمیان راستہ کھلا نہ چھوڑیں گے، یہاں تک کہ ان کا آخری فرد بھی اس مقصد میں قربان نہ ہو جائے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہم یہاں جنگ کرنے نہیں آئے۔ ہم تو محض خانہ کعبہ کا طواف کرنے آئے ہیں۔ جو ہماری راہ میں رکاوٹ بنے گا ہم اس سے جنگ کرنے کو تیار ہیں لیکن میں انہیں سوچ بچار کے لیے وقت دینے کو تیار ہوں تاکہ وہ اپنے طور پر جو احتیاطی تدابیر کرنا چاہیں کر لیں اور ہمارے لیے راستہ کھلا چھوڑ دیں۔''

بدیل اور اس کے ساتھی مکہ واپس گئے تو قریش نے خاموشی اور بیزاری سے ان کا خیر مقدم کیا۔ جب انہوں اپنے طور پر رسول اللہ ﷺ سے ہونے والی ملاقات اور گفتگو بتانے کی پیش کش کی تو ابوجہل کے بیٹے

Marfat.com

عکرمہ نے کہا کہ ہمیں محمد (ﷺ) کی بات سننے کی کوئی خواہش نہیں۔ اس پر قریش کے ایک حلیف قبیلہ ثقیف کے عروہ نے، جس کی ماں مکہ کی تھی، نے احتجاج کرتے ہوئے کہا یہ رویہ بالکل بے معنی ہے۔ اس پر صفوان نے بُدیل سے کہا "ہمیں بتاؤ کہ تم نے وہاں کیا دیکھا اور کیا سنا" بُدیل نے انہیں جواب دیا "حاجیوں کی نیت بالکل امن و آشتی کی ہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو ان تیاریوں کے لیے وقت دینے کی بھی پیش کش کی ہے جو انہیں حاجیوں کے مکہ میں داخل ہونے کے سلسلہ میں درکار ہیں۔ اس پر عروہ بولا کہ "بُدیل تم لوگوں کے لیے ایک اچھی رعایت لے کر آیا ہے، ایسی رعایت جو کسی کو رد نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس کو رد کرنے میں نقصان ہی نقصان ہے۔ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اسے قبول کرو اور مجھے اجازت دو کہ میں براہِ راست محمد (ﷺ) سے ملاقات کر کے ان کے ارادے کی توثیق کر لوں اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کے بارے میں بھی جان لوں کہ ان کے ارادے کیا ہیں۔ میں تمہارے لیے ایک جاسوس کا کام کروں گا جو ان کی ٹھیک ٹھیک خبر لائے گا۔"

قریش نے عروہ کی پیش کش قبول کر لی لیکن انہوں نے اس سے پہلے ہی ایک مخبر یا دوسرے لفظوں میں ایک ایلچی رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا ہوا تھا۔ یہ شخص قریش کے تمام حلیف بدو قبائل، جن کو مجموعی طور پر احابش کہا جاتا تھا، میں بہت مقبول اور معتبر تھا۔ اس کا تعلق کنانہ قبیلہ کے بنی حارث سے تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے احد کے میدان میں مسلمان شہدا کی لاشوں کی بے حرمتی کرنے پر قریش کو لعن طعن کیا تھا۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے اسے آتے ہوئے دیکھا تو اس کے چہرے مہرے یا اس کے بارے میں عام شہرت کے حوالے سے جان گئے کہ یہ ایک نیک انسان ہے، ایسا انسان جس کے دل میں مقدس چیزوں کا بڑا احترام ہے۔ آپ نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ قربانی کے لیے مختص تمام جانوروں کو اس کے استقبال کے لیے لایا جائے۔ جب حُلیس کے سامنے قربانی کے لیے نشان زدہ ستر اونٹوں کی قطار بڑے احترام اور تقدس سے گزری تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کے لیے آگے بڑھنے کی بجائے فوراً واپس پلٹا اور قریش کو یقین دلایا کہ زائرین کی نیت امن و آشتی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کے اس بیان پر مکہ والے مشتعل ہو گئے اور انہوں نے حلیس سے کہا کہ وہ محض ایک صحرائی بدو ہے اور اسے حالات کی سنگینی کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ قریش کی اس حکمتِ عملی کا نقص ان پر جلد ہی واضح ہو گیا۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ حلیس نے بڑے غصہ میں ان کو مخاطب کر کے کہا "اے مردانِ قریش! واللہ ہم لوگ تمہارے اتحادی بننے پر اس لیے راضی نہیں ہوئے اور نہ ہی اس قسم کے برتاؤ کے لیے تم سے معاہدہ کیا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا احترام اور اس کی زیارت کرنے آئے تم اس کی راہ میں کھڑے ہو جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یا تو محمد (ﷺ) کو وہ کرنے کی اجازت دو جس کے لیے وہ آئے ہیں یا میں

Marfat.com

احابیش میں ہر فرد کو اپنے ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔" اس پر قریش نے کہا "حلیس اس بارے میں تب تک درگزر سے کام لو جب تک ہم ان شرائط پر کوئی سمجھوتہ نہ کرلیں جو ہمارے لیے قابلِ قبول ہو سکتی ہیں۔"

اسی اثنا میں میں عروہ ثقفی عازمینِ حج کے خیموں تک پہنچ چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی گفت وشنید شروع ہو چکی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر ایسا برتاؤ کرنے لگا جیسے وہ آپ کا ہم مرتبہ وہم پلہ ہو۔ اس نے جب رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا تو عرب روایت کے مطابق آپ کی ریشِ مبارک تک ہاتھ لے گیا۔ صحابہ میں سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جو پاس ہی کھڑے تھے، انہوں نے تلوار کے دستے سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔ چند ہی ساعتوں بعد اس نے پھر اس بدتمیزی کی جرأت کی تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ پر تلوار کے دستے کو زور سے مارتے ہوئے کہا "اللہ کے رسول کی ریشِ مبارک سے ہاتھ دور رکھو۔" اس کے بعد عروہ نے اس قسم کی حرکت سے گریز کیا جس میں بے تکلفی یا برابری کا اظہار ہو سکتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک گفتگو کرنے کے بعد کئی گھنٹے تک خیمہ گاہ میں ہی رہا۔ اس نے قریش سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے مخبر اور ایلچی کا کردار ادا کرے گا اس لیے وہ ہر بات کا گہرائی سے کھوج لگانے میں مصروف تھا۔ وہ باتیں جو اس سے پہلے نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی تھیں۔ جب وہ مکہ واپس آیا تو اس نے قریش سے کہا "اے قریش! اس سے پہلے تم نے مجھے سفیر کے طور پر بادشاہوں کے پاس بھی بھیجا ہے، قیصر اور خسرو اور نجاشی، لیکن میں نے ایسا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا جس کے درباری اس کی اتنی عزت کرتے ہوں جیسی تعظیم محمد ﷺ کے اصحاب ان کی کرتے ہیں۔ اگر وہ کوئی حکم دیں تو سب اس کی بجا آوری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ وہ وضو کرتے ہیں تو وہ اس کے پانی کے لیے جھگڑتے ہیں۔ ان کے حضور میں جب وہ کلام کرتے ہیں تو ان کی آوازیں ادب سے پست ہوتی ہیں۔ وہ نگاہ بھر کے ان کے چہرے پر نظر نہیں ڈالتے بلکہ ان کی آنکھیں تعظیماً جھکی رہتی ہیں۔ انہوں نے اپنے طور پر تم کو اچھی رعایت دی ہے اس لیے بہتر ہے کہ تم اس پر راضی ہو جاؤ۔"[۴۰]

ابھی عروہ خیمہ گاہ پر ہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کعب کے خراش رضی اللہ عنہ نامی صحابی کو قریش کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ جب حضرت خراش رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو عکرمہ نے ان کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ حلیس اور اس کے ساتھیوں نے بیچ بچاؤ کیا اور سفیر کی جان بچا کر قریش کو مجبور کیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جانے دیا جائے۔ جب حضرت خراش رضی اللہ عنہ واپس پہنچے تو انہوں نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ! کسی ایسے آدمی کو سفیر بنا کر بھیجیے جس کو میرے مقابلے میں بہتر تحفظ حاصل ہو۔" رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا تو انہوں نے کہا کہ "قریش ان کی شدید مخالفت سے بخوبی آگاہ ہیں اور ان کا قبیلہ عدی بھی قریش کے مقابلے

Marfat.com

میں اتنا طاقتور نہیں جو بوقتِ ضرورت ان کے کام آسکے۔ لیکن میں ایک ایسے فرد کا نام لیتا ہوں جو مکہ میں میرے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہے اوجس کے اعزا و اقربا زیادہ دولت مند ہیں اور میرے مقابلے میں انہیں بہتر تحفظ حاصل ہے: ''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ''۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس روانہ کیا۔ ان کے خاندان عبدالشمس کے رشتہ داروں اور دوسروں نے ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ انہوں نے بار بار یہ پیش کش کی کہ اگرچہ انہوں نے مکہ سے باہر خیمہ زن زائرین کو طوافِ کعبہ کی اجازت نہ دینے کا تہیہ کیا ہوا ہے لیکن ذاتی طور پر وہ طواف کر سکتے ہیں لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس دعوت کو رد کر دیا۔ قریش نے اس سے پہلے ابن ابی کو بھی ایک پیغام کے ذریعے طواف کی پیش کش روانہ کی تھی لیکن اس نے جواب دیا تھا کہ ''جب تک اللہ کا رسول طوافِ کعبہ نہ کر لیں میں بھی طواف نہیں کروں گا۔'' رسول اللہ ﷺ کو یہ بات سن کر مسرت ہوئی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن اسحٰق: ۱:۷۴۱، واقدی: ۵۸۷ ۲۔ واقدی: ۵۸۹ ۳۔ بخاری: ۵۴: ۱۵، واقدی: ۶۔ ۵۹۳

Marfat.com

بَابْ: ۶۷

فتحِ مبین

جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی جو نزولِ وحی کے وقت طاری ہوتی تھی لیکن اس وقت اتنا فرق تھا کہ آپ ﷺ کو اپنے اوپر پورا قابو تھا۔ آپ ﷺ نے ایک صحابی کو خیمے میں طلب کر کے ہدایت کی اور انہوں نے خیمہ گاہ میں جا کر یہ اعلان کیا کہ "اللہ کے رسول کی خدمت میں روح الامین نازل ہوئے ہیں اور انہوں نے سب سے بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔ پس اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔" (1) اس دوران رسول اللہ ﷺ ایک ببول کے درخت کے نیچے تشریف لے گئے۔ یہ ہرا بھرا درخت تھا اور بہار کی کونپلوں سے لدا ہوا تھا جو پتوں کی شکل اختیار کر رہی تھیں۔ ایک کے بعد ایک صحابی آتے گئے اور رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرتے گئے۔ سب سے پہلے جو صحابی آئے ان کا نام حضرت سِنان رضی اللہ عنہ تھا اور ان کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا جس سے حضرت جحش رضی اللہ عنہ کے خاندان کا تعلق تھا یعنی بنی اسد بن خزیمہ سے۔ منادی میں بیعت کی نوعیت کے بارے میں کچھ صراحت نہ کی گئی تھی اس لیے حضرت سِنان رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں جو آپ کے دل میں ہے۔" دوسروں نے بھی اسی انداز سے بیعت کی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں عثمان کی جانب سے بیعت کرتا ہوں۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے داماد کے ہاتھ کی حیثیت سے فرض کیا اور اس کو دائیں ہاتھ میں پکڑ کر بیعت کو مکمل کر دیا۔ صرف ایک آدمی ایسا رہ گیا تھا جس نے منادی کے اعلان سے ایفا نہ کیا۔ اس منافق شخص کا نام جد بن قیس تھا جو بیعت کے وقت اونٹوں کے پیچھے چھپ گیا لیکن اس کے باوجود وہ نظروں میں آ گیا۔

Marfat.com

قریش نے اب سہیل کو صلح کے معاہدہ کی تکمیل کے لیے روانہ کیا، اس کے ہمراہ اس کے قبیلے کے مکراز اور حویطب تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی۔ دورانِ گفتگو معاملہ گھمبیر ہوتا تو آوازیں بلند ہونا شروع ہو جاتیں اور اگر معاملہ سیدھا چل رہا ہوتا تو آوازیں دھیمی پڑ جاتیں۔ اصحاب ان آوازوں کے زیر و بم پر کان لگائے ہوئے تھے۔ آخر کار جب سمجھوتے پر اتفاق ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ سمجھوتے کی شرائط کو اللہ کی نازل کردہ مقدس آیت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع کریں۔ لیکن سہیل معترض ہوا اور لفظ ''رحمٰن'' پر اس نے کہا ''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا ہے اگر لکھنا ہے تو یوں لکھو ''باسمک اللھم'' یعنی تیرے نام سے یا اللہ، جیسا کہ تمہارا لکھنے کا پہلا معمول تھا۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ نے فوراً کہا ''واللہ ہم سوائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے کچھ اور کچھ لکھنے پر راضی نہ ہوں گے۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے اعتراض کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمایا، لکھ دو ''باسمک اللھم'' پھر شرائط کی املا کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا ''یہ صلح نامے کی شرائط ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے ہوئی ہیں۔'' لیکن سہیل نے ایک مرتبہ پھر احتجاج کیا اور کہا ''اگر ہم اس بات کو مانتے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ ﷺ کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے کیوں روکتے اور آپ ﷺ کے خلاف جنگ کیوں کرتے، اس لیے آپ لکھوائیے 'محمد بن عبداللہ'۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ املا تحریر کر چکے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''علی ان الفاظ کو کاٹ دو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں تو نہیں کاٹ سکتا۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ انگلی سے ان الفاظ کی نشاندہی کرو۔ پھر آپ ﷺ نے خود انہیں کاٹ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کی جگہ ''بن عبداللہ'' لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد کی تعمیل کی۔

دستاویز کا مضمون جاری رہا ''ہم نے باہمی اتفاق کیا ہے کہ دس سال تک جنگ سے باز رہیں گے۔ اس مدت میں لوگوں کو امن میسر ہوگا اور ایک دوسرے پر تشدد نہیں کیا جائے گا۔ اس شرط کے ساتھ کہ قریش کا جو آدمی سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا محمد (ﷺ) اسے واپس کر دیں گے لیکن محمد (ﷺ) کے اصحاب میں سے کوئی قریش کے پاس آئے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا۔ کوئی بھی سازش اور خفیہ کارروائی نہیں کی جائے گی۔ جو کوئی محمد (ﷺ) سے اتحاد کرنا چاہے وہ کر سکے گا اور جو قریش سے حلیفانہ تعلق قائم کرنے کا خواہشمند ہوگا اس کو اس کی آزادی ہوگی۔'' اس وقت خیمہ گاہ میں خزاعہ کے کچھ لوگ زائرین سے ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے اور قریش کے وفد کے ساتھ بنی بکر کے کچھ لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ اس موقع پر خزاعہ کے لوگ جوش میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے ''ہم محمد (ﷺ) کے ساتھ ہیں اس معاہدے میں بھی اور

Marfat.com

ان سے تعلق میں بھی۔'' اس پر بنی بکر کے لوگ بولے ''ہم قریش کے ساتھ ہیں اس معاہدے میں بھی اور ان سے تعلق میں بھی۔ دونوں قبائل کے سرداروں نے بعد میں اس معاہدے پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ معاہدہ ان الفاظ پر ختم ہوا۔ ''تم محمد (ﷺ) اس سال واپس جاؤ گے اور مکہ میں ہماری موجودگی میں ہماری اجازت کے خلاف داخل نہیں ہو گے لیکن آنے والے سال ہم مکہ چھوڑ کر نکل جائیں گے اور تم اپنے اصحاب کے ساتھ اس میں داخل ہو گے۔ تین دن قیام کرو گے تمہارے ساتھ سوائے اس اسلحہ کے جو مسافر رکھتے ہیں کوئی اسلحہ نہیں ہو گا اور تلواریں نیام میں ہوں گی۔''(۴)

رسول اللہ ﷺ کو حج کی جو بشارت ہوئی تھی اس کی برکت سے اصحاب کو یقین تھا کہ ان کی یہ مہم کامیابی سے سرفراز ہو گی۔ لیکن جب انہوں نے صلح نامہ کی شرائط سنیں اور انہیں معلوم ہوا کہ حرمِ کعبہ کی مقدس حدود تک پہنچ کر انہیں کچھ حاصل کیے بغیر اپنے گھروں کو لوٹ جانا ہو گا تو یہ اچانک صورتِ حال ان کی برداشت سے بالکل ہی باہر تھی۔ لیکن اس سے بھی بدتر واقعہ یہ پیش آیا کہ ان حالات میں جب وہ مکدر اور مایوسی کے عالم میں انہونی صورتِ حال سے دوچار تھے تو زنجیروں کی جھنکار سنائی دی اور ایک نوجوان خیمہ گاہ میں لڑکھڑاتا ہوا اس عالم میں داخل ہوا کہ اس کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ یہ ابوجندل رضی اللہ عنہ تھے جو سہیل کے کم سِن بیٹوں میں سے ایک تھے۔ اس کے اسلام لانے کی وجہ سے باپ نے انہیں قید کر رکھا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ مدینہ نہ بھاگ جائے۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خیمہ گاہ میں زائرین کے ہمراہ موجود تھے اور قریب تھا کہ آگے بڑھ کر بھائی کا خیر مقدم کرتے کہ سہیل نے زنجیر کا ایک سرا، جو ابوجندل رضی اللہ عنہ کی گردن میں تھا اسے اپنے ہاتھ میں لے کر ان کے منہ پر مارا۔ اس کے بعد منہ پھیر کر رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوا ''جب ابوجندل آپ سے ملنے آیا تو اس سے قبل ہمارا اقرار نامہ طے ہو چکا تھا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔'' سہیل بولا ''تو پھر اسے ہمارے ساتھ واپس کر دیں۔'' ابوجندل رضی اللہ عنہ نے پوری قوت سے بلند آواز میں کہا ''اے مسلمانوں کیا مجھے بت پرستوں میں واپس بھیج دیا جائے گا تا کہ وہ مجھ پر میرے دین کی وجہ سے ظلم و ستم جاری رکھیں۔'' رسول اللہ ﷺ سہیل کو ایک جانب لے گئے اور اس سے اپنے بیٹے کو آزاد کر دینے کی خواہش کی۔ لیکن سہیل نے صاف انکار کر دیا۔ سہیل کے ساتھی سفیر مکرز اور حویطب اس وقت تک خاموش تھے۔ لیکن یہ محسوس کرتے ہوئے کہ یہ سانحہ صلح نامہ کی ابتدا میں ہی بدشگونی بن چکا ہے انہوں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ''اے محمد آپ کی طرف سے ہم اسے پناہ دیں گے۔'' اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ابوجندل رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ رکھ لیں گے، اس کے باپ سے دُور اور وہ اپنے وعدے پر پوری طرح قائم رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ابوجندل رضی اللہ عنہ صبر

Marfat.com

کرو۔ اللہ یقیناً تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو تسکین دے گا اور کوئی راہ نکال دے گا۔ ہم لوگوں نے ایک صلح نامہ کی شرائط پر اتفاق کر لیا ہے اور ان سے ایک عہد کر لیا ہے۔ انہوں نے بھی عہد کی پاس داری کی قسم کھائی ہے۔ اور ہم اپنے کیے ہوئے عہد سے نہیں پھریں گے۔''

اس مرحلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اوپر مزید قابو نہ رکھ سکے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہا ''کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے پھر اثبات میں جواب فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''تو پھر ہم اپنے دین کی عزت و وقار کے خلاف ان کے آگے کیوں جھکیں؟'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ وہی مجھے فتح عنایت کرے گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے ''لیکن کیا آپ نے ہم سے نہیں فرمایا تھا کہ ہم خانۂ خدا میں جائیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف بجا لائیں گے؟'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ہاں یہی کہا تھا لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال جائیں گے؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا کہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یقیناً تم خانہ کعبہ تک جاؤ گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔'' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک غصے میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تاکہ اپنے جذبات کی گرمی نکال سکیں اور ان سے بالکل وہی سوالات کیے جو انہوں نے رسول اللہ سے کیے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بالکل وہی جوابات دیئے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائے تھے حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال و جواب سے آگاہ نہیں تھے۔ آخر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ''پوری وفاداری کے ساتھ ان کے ہم رکاب رہو کیوں کہ خدا کی قسم وہ حق پر ہیں۔'' اس طرزِ عمل کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خاصا اثر پڑا اور اگرچہ ان کا غصہ اب بھی باقی تھا لیکن انہوں نے اس بارے میں مزید کوئی بات نہ کی اور جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلا کر عہد نامے پر اپنا نام لکھنے کو کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً دستخط کر دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سہیل کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی دستخط کرنے کو کہا۔ جن دیگر صحابہ نے اس صلح نامے پر دستخط کیے ان میں حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہم تھے۔

عام طور پر تلخی کی جو فضا پیدا ہو گئی تھی اس پر کسی حد تک قابو پایا جا چکا تھا لیکن جب سہیل اور دوسرے لوگ ابو جندل رضی اللہ عنہ کو لے کر چلے تو صحابہ کے جذبات میں ایک بار پھر ہیجان پیدا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ ان اصحاب کے ساتھ ایک طرف کھڑے تھے جنہوں نے صلح نامہ پر دستخط کیے تھے۔ اب وہ ان سے الگ ہو کر

Marfat.com

وہاں تشریف لائے جہاں زائرین کا اصل مجمع تھا۔ آپ نے فرمایا ''اٹھو اور اپنے جانوروں کی قربانی دو اور اپنے سر کے بال منڈواؤ۔'' کسی صحابی نے اپنے جگہ سے حرکت نہ کی۔ آپ نے دوسری اور پھر تیسری بار ارشاد فرمایا لیکن تمام اصحاب حیران اور سراسیمہ خاموشی سے آپ کو دیکھتے رہے جیسے انہیں کچھ نظر ہی نہ آ رہا ہو۔ صحابہ کا ردِ عمل سرکشی نہیں تھی۔ بلکہ حالات نے جس طرح پلٹا کھایا تھا اور ان کی تمام امیدیں خاک میں مل گئی تھیں، وہ حقیقتاً جس ذہنی انتشار کا شکار ہو چکے تھے اس پس منظر میں جب انہیں قربانی کا حکم دیا جا رہا تھا تو انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ حکم ارکانِ حج کے بارے میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ سنتِ ابراہیمی کے مطابق قربانی تو حدودِ کعبہ کے اندر ضروری تھی اور انہی شرائط کا اطلاق سر منڈانے پر بھی تھا۔ اس بہ ظاہر نافرمانی نے رسول اللہ ﷺ کو بھی پریشانی میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ خیمے میں تشریف لائے اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو صورتِ حال کے بارے میں بتایا۔ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا ''آپ ارکان بجا لانے کے لیے کسی صحابی کو کچھ کہے بغیر اپنی قربانی پوری کر دیں۔'' آپ ﷺ اپنی نذر کے اونٹ کی جانب تشریف لے گئے اور باآوازِ بلند، تاکہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے سن سکیں، تکبیر پڑھتے ہوئے اسے قربان کر دیا۔ بسم اللہ، ''اللہ اکبر'' کی صدا سنتے ہی سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جست لگا کر اٹھے اور اپنے اونٹوں کی قربانیاں دینے کے لیے دوڑ پڑے اور تعمیلِ حکم کی بجا آوری کے شوق میں ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ جس دم رسول اللہ ﷺ نے حضرت خراش رضی اللہ عنہ، جنہیں آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل مکہ روانہ کیا تھا، کو آواز دی کہ وہ آپ کا سر مونڈ دے تو آپ کی پیروی میں سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس جوش و خروش سے اپنے سر مونڈنے شروع کیے کہ اِمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے بعد کے دنوں میں بتایا کہ انہیں خوف پیدا ہوا کہ اس جوش و خروش کے باعث کہیں یہ اپنے آپ کو زخمی نہ کر لیں۔ لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے جنہوں نے سارے سر کی بجائے اپنے بالوں کی کچھ لٹیں ہی ترشوائیں، یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ تمام سر مونڈنے کی بجائے یہ بھی قابلِ قبول ہوتا ہے۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ خراش رضی اللہ عنہ کو لے کر اپنے خیمہ میں واپس تشریف لے آئے۔ جب ارکانِ حج بجا لائے جا چکے تو آپ ﷺ خیمے کے سامنے اپنا سر منڈائے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی رحمت ہو ان پر جنہوں نے اپنا سر منڈوایا۔'' اس پر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے صرف لٹیں ترشوائی تھیں، انہوں نے احتجاج کیا ''اور وہ جنہوں نے صرف بال ترشوائے ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟'' لیکن آپ ﷺ نے وہی کلمات دہرائے تو احتجاجی آوازیں مزید بلند ہوئیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تیسری بار بھی وہی کلمات فرمائے تو مزید احتجاج کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا ''اور ان پر بھی جنہوں نے اپنے بالوں کو ترشوایا۔'' بعد میں جب آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے آپ ﷺ نے

Marfat.com

صرف ان کے حق میں دعائیہ کلمات کیوں فرمائے جنہوں نے اپنے سر منڈوائے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''کیونکہ وہ شک میں نہیں پڑے۔''

رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے میں واپس تشریف لائے اور اپنے گھنے بالوں کو زمین سے اکٹھا کر کے قریب ہی چھوٹی موئی کے درخت پر پھینک دیئے۔ یہ دیکھ کر زائرین اس درخت کے گرد اکٹھے ہو گئے اور برکت کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ موئے مبارک اکٹھے کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ نسیبہ رضی اللہ عنہا بھی مردوں سے پیچھے نہ رہیں اور وہ بہرطور درخت تک پہنچ کر کچھ لٹیں جھپٹ لینے میں کامیاب رہیں۔ انہوں نے مرتے دم تک اس قیمتی خزانے کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔

پڑاؤ کی زمین پر ہر جانب زائرین کے بال بکھرے پڑے تھے کہ اچانک ہوا کا طاقتور جھونکا آیا اور ان بالوں کو زمین سے اٹھا کر مکہ کی جانب اڑا کر حرم کے علاقے میں پہنچا دیا۔ تمام اصحاب نے اس کو اس بات کی علامت جانا کہ ان کی نیت کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کی زیارت کو قبول کر لیا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قربانی کرنے کا حکم کیوں دیا تھا۔

مدینہ واپسی کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل کی خلش نے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ ان کی پریشانی اس وقت بہت بڑھ گئی جب انہیں احساس ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ارادتاً دور رہ کر بات کرنے سے گریزاں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل گئے اور خود سے کہنے لگے ''اے عمر! اب اپنی ماں کو بیٹے کا غم کرنے دے۔'' بعد میں کسی موقع پر انہوں نے کہا کہ انہوں نے اپنی کوتاہ اندیشی کے باعث رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوالات کیے تھے جن سے ان کی دانش پر شک کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ یہ سوچ کر سخت اذیت میں تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی ملامت پر مبنی وحی نازل نہ ہو جائے۔ ان کا یہ اندیشہ اس وقت انتہا پر پہنچ گیا جب انہوں نے اپنے عقب میں تیزی سے آتے ہوئے گھوڑے کی ٹاپیں سنیں۔ گھوڑ سوار نے انہیں پیغام دیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے طلب کیا ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام تر اذیت اس وقت ختم ہو گئی جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ پرنور کو مسرت و شادمان دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھے اس سورج تلے ہر ایک شے سے زیادہ عزیز ہے۔'' اس وحی کی رو سے اب کسی شک کی گنجائش باقی نہ رہی تھی کہ وہ جس مہم سے واپس آ رہے ہیں اسے فتح مبین سمجھنا چاہیے کیونکہ قرآنی آیت کی ابتدا کا انداز کچھ اس طرح سے ہے: ''ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی ہے۔'' [43] حال ہی میں جو معاہدہ ہوا تھا وحی میں اس کا بھی ذکر تھا۔ ''اللہ نے مومنین کی یہ بات بہت پسند کی کہ جب انہوں نے (یا رسول اللہ) آپ سے

Marfat.com

درخت کے نیچے بیعتِ وفاداری کا حلف اٹھایا۔ اللہ کو معلوم تھا کہ ان کے دلوں میں کیا تھا۔ اور اس نے ہی ان پر سکینت نازل فرمائی اور انعام میں قریبی فتح عطا کی۔''(۴) جس خوشنودی کا حوالہ دیا گیا وہ اس کے لیے رضوان کے وعدے سے کم نہیں ہے۔(۵) جس نے بیعت کا حق ادا کیا۔ اسی لیے یہ بابرکت بیعت ''بیعتِ رضوان'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

نزولِ سکینہ(۶) کا ذکر ایک دوسری آیت میں بھی آیا ہے ''وہی ہے جس نے اہلِ ایمان کے دلوں پر سکینت نازل کی تا کہ ان کے ایمان میں اضافہ کر کے ان کے ایمان کو بلند تر کر دیا جائے تا کہ وہ مومن مردوں اور عورتوں کو ہمیشہ رہنے کے لیے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور ان کی برائیاں ان سے دور کر دے۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے۔''(۷)

رسول اللہ ﷺ نے جو خواب دیکھا تھا اور جس کے باعث انہیں اس مہم پر آنے کی تحریک ہوئی تھی اس کی جانب اشارہ اس طرح کیا گیا: ''اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا جو پورے حق کے مطابق تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجد الحرام میں تمام تر امن کے ساتھ داخل ہو گے اپنے بال منڈاؤ گے اور ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔ وہ اس بات کو جانتا تھا جس کو تم نہیں جانتے تھے۔ اس لیے اس نے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے یہ قریبی فتح تم کو عطا کر دی۔''(۸)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔واقدی:۶۰۴ ابن اسحٰق:۸۔۷۴۷ ۳۔قرآن ۴۸:۱ ۴۔قرآن:۴۸۔۱۸ ۵۔اصل تصنیف:صفحہ ۹۵

۶۔عبرانی زبان میں ''شکینہ'' ۷۔قرآن ۴۸:۴۔۵ ۸۔قرآن ۴۸:۲۷

Marfat.com

باب: ۶۸

صلح حدیبیہ کے بعد

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بنی ثقیف کے ایک نوجوان تھے۔ ان کا خاندان طائف سے آ کر مکہ میں بنی زہرہ کے حلیف کی حیثیت سے آباد ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس وجہ سے ان کے خاندان نے انہیں قید میں ڈالا ہوا تھا۔ وہ قید سے نکل بھاگے اور پیدل سفر کرتے ہوئے اس وقت مدینہ پہنچے جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے ہی تھے۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی آمد کے کچھ ہی دیر بعد قریش کا ایلچی آن پہنچا اور ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کی طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو بھی تسلی دیتے ہوئے سمجھایا کہ وہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے انہیں ایلچی کے سپرد کرنے کے پابند ہیں۔ اصحاب جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اب کم و بیش صلح نامہ کی شرائط کے قائل ہو چکے تھے۔ اس لیے جس وقت قریش کا ایلچی اور ایک آزاد کردہ غلام جسے وہ اپنی مدد کے لیے ساتھ لایا تھا، حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر چلا تو تمام مہاجرین اور انصار نے بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ دہرائے: ''خوش رہو! یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی راہ پیدا کرے گا۔''

اصحاب کی امیدیں ان کی توقعات سے بھی پہلے رنگ لے آئیں۔ اپنی نوجوانی کے باوجود حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بہت سوجھ بوجھ والے تھے۔ انہوں نے سفر کی پہلی منزل پر ہی ایلچی کی تلوار پر قبضہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ کوثر نامی آزاد کردہ غلام یہ دیکھ کر وہاں سے بھاگا اور سیدھا مدینہ آ کر دم لیا۔ رسول اللہ ﷺ اتفاق سے اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہ کسی مزاحمت کے بغیر مسجد میں داخل ہوا اور آپ ﷺ کے قدموں پر گر پڑا۔ آپ ﷺ نے اس کا چہرہ دیکھ کر فرمایا کہ اس نے کوئی بھیانک منظر دیکھا ہے۔ کوثر نے ہانپتے کانپتے بتایا کہ اس کا ساتھی مارا گیا ہے اور وہ خود جان بچا کر بھاگ آیا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ برہنہ شمشیر ہاتھ

Marfat.com

میں لیے وہاں پہنچ گئے اور کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے جو عہد کیا تھا وہ آپ نے پورا کیا اور مجھے ان لوگوں کو واپس کر دیا۔ اب اللہ نے مجھے آزادی دے دی'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''افسوس ہے اس کی ماں پر (1) کیسا شعلہ فگن جوان ہے۔ کاش اس کے ساتھ ایسے ہی اور جوشیلے جوان ہوتے۔'' اگر قریش مزید ایلچی بھیج کر ان کی واپسی کا مطالبہ کرتے تو آپ ﷺ پابند تھے کہ ان کا مطالبہ پورا کیا جاتا۔ لیکن ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے دماغ میں کچھ اور ہی تھا۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ مقتول ایلچی کی زرہ بکتر، ہتھیار اور اونٹ کو مالِ غنیمت سمجھ کر اس کی قیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے شرعی قانون کے مطابق تقسیم کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر میں نے ایسا کیا تو قریش کہیں گے کہ میں نے عہد توڑا ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ زندہ رہ جانے والے خوفزدہ شخص سے مخاطب ہوئے ''تیرے ساتھی سے جو مال اس کے قتل ہونے کے بعد لوٹا گیا ہے وہ تمہارا مسئلہ ہے۔'' پھر آپ نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''تم اس شخص کو ان کے پاس واپس لے جاؤ جنہوں نے تمہیں واپس لانے کے لیے بھیجا ہے۔'' یہ سن کر کوثر کا رنگ فق ہو گیا اور وہ بولا ''اے محمد (ﷺ) مجھے اپنی جان عزیز ہے۔ مجھ میں اتنی قوت نہیں کہ میں اس پر حاوی ہو سکوں اور نہ میرے پاس دو آدمیوں کے ہاتھ ہیں۔'' مسلمانوں نے عہد نامے کی شرائط پوری کر دی تھیں لیکن قریش کا نمائندہ قیدی کو اپنی تحویل میں لینے سے انکاری تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی جانب رخ کرتے ہوئے فرمایا ''تم جہاں چاہو نکل جاؤ۔''

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے بحرِ احمر کے ساحل کی راہ لی۔ ان کے کانوں میں ابھی تک رسول اللہ ﷺ کے الفاظ گونج رہے تھے ''کاش اس کے ساتھ ایسے ہی اور جوشیلے جوان ہوتے۔'' حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ہی نہیں بلکہ کچھ اور اصحاب نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ میں درپردہ اجازت اور پنہاں ہدایت کا راز پا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اب تک ہونے والے واقعہ کو بڑے غور سے دیکھا بھالا اور پھر کسی ترکیب سے مکہ کے مسلمانوں تک ان الفاظ کو پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا اتا پتا بھی ان تک پہنچا دیا۔ انہیں حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے ٹھکانے کی اطلاع ساحلی علاقوں کے دوستانہ قبائلیوں سے ملی تھی۔ سہیل کے بیٹے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ باپ کی قید سے نکل کر اب دوسروں کی نگہداشت میں تھے اور ان کی اتنی کڑی نگرانی نہیں ہوتی تھی۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے فوری فائدہ یہ ہوا تھا کہ مکہ میں موجود نوجوان مسلمانوں کی نگرانی میں ڈھیلا پن آ گیا۔ کیونکہ قریش نے دیکھ لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عہد نامہ کی پاسداری میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ سے نکلنے کی راہ نکالی۔ ان کی طرح دیگر نوجوان

Marfat.com

جن میں خالد کے بھائی حضرت ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے مکہ سے نکل کر حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ مل کر مکہ اور شام کی راہ میں ایک مناسب جگہ پر کمین گاہ بنائی۔ تمام نوجوانوں نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو اپنا راہنما مان لیا۔ وہ ان کی نماز باجماعت کی امامت کرتے اور ارکانِ دین و دیگر مذہبی مسائل پر ان کو ہدایات دیتے۔ ان نوجوانوں میں سے اکثر نئے مسلمان تھے اور وہ سب حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی نہایت توقیر وعزت کرتے اور ان کا حکم بجالاتے۔ قریش مطمئن تھے کہ ان کی شمالی شاہراہ پر دوبارہ امن بحال ہو گیا ہے اور وہ حفاظت و اطمینان سے اپنے کاروانوں کا سفر جاری رکھ سکتے ہیں لیکن حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پڑاؤ پر نومسلم اصحاب کی تعداد ستر سے کسی طرح کم نہ تھی۔ یہ سب کاروانوں کے لیے ایک ہیبت بن گئے۔ جب قریش کو ان کی وجہ سے متعدد جانوں کا نقصان ہوا اور مال برباد ہوا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط بھیجا کہ وہ ان راہزنوں کو اپنی جمیعت میں لے لیں۔ قریش نے وعدہ کیا کہ وہ ان کی مکہ واپسی کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھیوں سمیت مدینہ آنے کا پیغام بھیجا۔ لیکن اسی دوران یہ نوجوان راہنما شدید بیمار پڑ چکے تھے۔ ان کے پاس جب رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچا تو موت ان کے سر پر کھڑی تھی۔ وہ خط کو پڑھ کر اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے اپنے خالق سے جا ملے۔ ان کے ساتھیوں نے ان کی نمازِ جنازہ ادا کی اور دعائے مغفرت کے بعد سپردِ خاک کر دیا۔ ان کی جائے مدفن پر ایک مسجد بنائی اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ روانہ ہو گئے۔ [۴] جب وہ مدینہ سے باہر آتش فشانی چٹانوں کے قریب پہنچے تو حضرت ولید رضی اللہ عنہ کا اونٹ لڑکھڑانے سے حضرت ولید رضی اللہ عنہ زمین پر آن گرے۔ ان کی انگلی نوکیلے پتھروں کی وجہ سے زخمی ہوگئی تو انہوں نے زخمی انگلی پر پٹی لپیٹی اور انگلی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر نظم کیا:

''تو اک انگلی ہی تو ہے جو خوں فشاں ہے
اس کے سوا اللہ کی راہ میں نہ زخم لگا نہ خون بہا''

لیکن زخم میں پیپ پڑ گئی اور ناسور ہو گیا جو آخر کار جان لیوا ثابت ہوا۔ تاہم موت سے قبل وہ اس قابل تھے کہ اپنے بھائی خالد کو خط لکھ سکیں۔ انہوں نے اس خط میں خالد کو اسلام لانے پر زور دیا۔

اس موقع پر صرف ایک مسلمان خاتون مکہ سے بھاگ کر مدینہ پناہ لینے کے لیے آئیں۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سوتیلی بہن امِ کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی والدہ عروہ اور عقبہ کی بیٹی تھیں، وہ عقبہ جو بدر سے واپس آتے ہوئے مارا گیا تھا لیکن اب وحی نازل ہوگئی کہ مومن عورتوں کو کفار کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس لیے جب امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے دو بھائی انہیں واپس لینے کے لیے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس بھیجنے سے انکار

Marfat.com

کر دیا۔ قریش نے ان کے انکار کو کسی احتجاج کے بغیر قبول کر لیا کیونکہ صلح نامے میں عورتوں کا کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد حضرت زید، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں مشورہ دیا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے شادی کر لو۔ انہوں نے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد کو ایک بڑے صدمے سے دوچار ہونا پڑا جو بعد میں ایک بڑی مسرت کا باعث بن گیا۔ ہوا یوں کہ اُمِ رمان رضی اللہ عنہا بیمار پڑیں اور انتقال کر گئیں۔ انہیں جنت البقیع میں دفنایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ کی امامت فرمائی اور ان کی قبر میں اترے۔ یہ ناممکن تھا کہ ان کی موت کی خبر مکہ نہ پہنچتی۔ جب یہ خبر مکہ پہنچی اور ان کے بیٹے عبدالکعبہ نے یہ خبر سنی تو بہت ممکن ہے کہ ان کا رنج والم ان کے لیے ایسے عمل کی تحریک کا باعث بن گیا جس کے بارے میں وہ کچھ عرصہ سے سوچ رہے تھے۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو لیکن ہوا یہی کہ والدہ کے انتقال کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ مدینہ آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ جب انہوں نے بیعت کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام 'عبدالکعبہ' سے بدل کر 'عبدالرحمٰن' رکھ دیا۔

نئے مسلمان ہونے والوں میں صرف یہ تین ہی نئے نام نہ تھے۔ جوں جوں دن ہفتوں اور مہینوں میں بدلتے گئے تو یہ بات واضح تر ہوتی گئی کہ قرآن نے اس صلح کو "فتح مبین" کا نام کیوں دیا تھا۔ اب مکہ اور مدینہ کے باشندے اطمینان اور بے خوفی سے ایک دوسرے سے مل سکتے تھے اور کھل کر بات کر سکتے تھے۔ اگلے دو سالوں میں ملتِ اسلامیہ کی تعداد دوگنی سے بھی تجاوز کر گئی۔ زائرینِ حج کی واپسی کے فوراً بعد ایک آیت نازل ہوئی جس پر تمام اصحاب نے بڑی خوشی منائی۔ "یہ ممکن ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے مابین جن سے تمہاری دشمنی چلی آ رہی ہے، محبت اور التفات پیدا کر دے۔"[۳] ایسا لگتا تھا کہ وحی کے یہ الفاظ عمومی طور پر اس باہمی گفتگو اور تبادلہ خیالات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور اب جاری و ساری تھے۔ لیکن بعض اصحاب کے نزدیک ان الفاظ کا حوالہ خاص طور سے ایک ایسے غیر متوقع اور خاص تعلق کے بارے میں تھا جو مستقبل قریب میں قریش کے سربراہوں میں سے کسی ایک سے رسول اللہ ﷺ کا قائم ہونے والا تھا۔

حدیبیہ سے چند ماہ قبل حبش سے خبر آئی کہ عبیداللہ بن جحش کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار اور برادرِ نسبتی بھی تھے۔ مسلمان ہونے سے قبل وہ عیسائی تھے اور حبش میں ہجرت کے بعد زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ پھر عیسائی ہو گئے تھے۔ اس باعث ان کی زوجہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا، ابوسفیان کی بیٹی جو اسلام پر ہی قائم رہیں، کو بہت پریشانی اور رنج ہوا۔ جب ان کے شوہر کو مرے ہوئے چار ماہ کا عرصہ گزر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے شاہ حبش، نجاشی کو خط لکھا کہ وہ ان کی جگہ مختار بن کر بیوہ سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح کر دیں۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے خود اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو کوئی پیغام نہ بھیجا لیکن وہ ایک ایسا خواب میں دیکھ چکی تھیں جس میں کوئی شخص ان کے پاس آیا اور انہیں ''اُم المومنین'' کہہ کر مخاطب کیا۔ انہوں نے اس خواب سے یہ تعبیر نکالی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آ جائیں گی۔ جب خواب کے اگلے دن ان کے پاس شاہ نجاشی کا پیغام آیا تو ان کے خواب کی صداقت ثابت ہوگئی۔ پیغام پا کر انہوں نے اپنے رشتہ دار حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا کہ وہ ان کے ولی بن کر انہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں دے دیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان بھائیوں کی موجودگی میں نکاح کی رسومات ادا کیں۔ نکاح کے بعد نجاشی نے اپنے محل میں ضیافت کی اور اس میں تمام مسلمانوں کو مدعو کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا کہ انہیں خوشی ہوگی اگر وہ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ آ کر سکونت اختیار کریں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام ملتے ہی سفر کی تیاری شروع کر دی۔ [4] نجاشی نے ان کے لیے دو کشتیوں کا انتظام کیا۔ یہ طے ہوا کہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ سفر کریں گی۔ مدینہ میں دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پہلو میں ان کے لیے حجرہ کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔

نجاشی واحد حکمران نہیں تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے خط لکھا ہو۔ جس وقت خندق کی کھدائی ہو رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ کے تیشے کی ضرب سے ایک ناقابلِ تسخیر چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوئی تھی اور اس میں سے نکلنے والی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ملکِ یمن کے محل دکھائے تھے اور تیسری ضرب سے جو روشنی نمودار ہوئی تھی اس میں آپ ﷺ نے مدائن میں قیصر کا سفید محل دیکھا تھا۔ اسلامی ریاست کی وسعت کے بارے میں جو بشارت رسول اللہ ﷺ کو دی گئی تھی ان کے مطابق اب یمن فارس کے زیرِ تسلط تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فارس کے حکمران کو خط لکھ کر اپنی رسالت کی خبر اور اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ فرمایا۔ شاید انہیں اپنی دعوت کی کامیابی کے بارے میں زیادہ امید نہ ہو لیکن پھر بھی ضروری تھا کہ کسی قسم کی کارروائی سے پہلے اسے صحیح راستہ منتخب کرنے کا موقع دیا جائے۔

جہاں تک ان تین تجلیات میں سے دوسری روشنی کا معاملہ تھا تو اس میں ملکِ شام کے محلات کو نمایاں کیا گیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کو اس سے مغرب میں اسلام کی اشاعت کا یقین حاصل ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک خط ہرقل کے نام لکھوایا۔ اس خط کا انداز بھی وہی تھا جو فارس کے بادشاہ کے نام تھا۔ آپ نے اس خط کو شام کے گورنر کے نام بھیج دیا۔ اسکندریہ میں مصر کے حکمران مقوقس کو بھی اسی قسم کا خط بھیجا گیا۔

اسی دوران کسریٰ کو دوسرے ذرائع سے عرب کے شاہِ یثرب کی روز افزوں قوت کی خبر ہو چکی تھی۔

Marfat.com

اور یہ بھی کہ شاہِ عرب اللہ کا رسول ہونے کا مدعی بھی تھا۔ اس پر شاہ فارس نے یمن میں اپنے نائب بازان کے نام شاہی فرمان بھیجا کہ اس کو محمد (ﷺ) کے بارے میں تفصیلی معلومات روانہ کرے۔ بازان نے فوراً دو قاصد مدینہ روانہ کیے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے تمام حالات کا مشاہدہ کر کے صحیح خبر لائیں۔ یہ قاصد فارس کی درباری روایت کے مطابق تراشیدہ ڈاڑھی اور بڑی بڑی مونچھیں رکھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی یہ ہیئت بہت ناگوار گزری۔ آپ ﷺ نے بے ساختہ سوال کیا ''تم نے کس کے کہنے پر یہ حلیہ بنایا ہوا ہے؟'' وہ بولے ''اپنے بادشاہ کے کہنے پر'' یعنی خسرو کے حکم سے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میرے رب نے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترنے کا حکم دیا ہے۔'' آپ نے انہیں رخصت کر دیا اور دوسرے دن آنے کا فرمایا۔ اس شب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ اسی روز فارس میں بغاوت ہوئی اور خسرو مارا گیا اور اب اس کا بیٹا فارس کا حکمران بن گیا ہے۔ دوسرے دن جب یہ سفیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ بات بتائی اور ان کو حکم دیا کہ یمن میں فارس کے حاکم کو یہ بات بتا دو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید فرمایا ''اپنے آقا کو بتا دینا کہ میرا دین اور میری سلطنت خسرو کی قلمرو سے کہیں زیادہ وسیع ہو جائے گی اور میری جانب سے اسے پیغام دینا کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو جو حکومت اس کے پاس ہے میں اس کی توثیق کر دوں گا اور اسے یمن کے لوگوں پر بادشاہ مقرر کر دوں گا۔''

دونوں سفیر صنعاء واپس لوٹے تو عجیب کشمکش تھے کہ اس بارے میں کیا رائے قائم کریں۔ انہوں نے آپ ﷺ کا پیغام بازان تک پہنچایا تو اس نے کہا کہ ''ہم دیکھیں گے کہ کون سی افتاد پیش آئے گی۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے اگر وہ سچ نکلا تو پھر وہ واقعی رسول ہیں اور خدا نے انہیں بھیجا ہے۔'' لیکن قبل اس کے کہ بازان کو حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے کوئی قاصد فارس بھیجنے کا موقع ملتا، ایک قاصد فارس کے نئے بادشاہ شیرویہ کی جانب سے ظہور پذیر ہونے والے واقعات کی خبر لے کر آن پہنچا اور اس سے نئے بادشاہ کی اطاعت کا مطالبہ کیا۔ بازان نے شیرویہ کو جواب دینے کی بجائے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے دونوں قاصد اور بازان کے فارس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد بازان نے اسلام قبول کرنے کی اطلاع مدینے بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے یمن پر بازان کی حکومت کی توثیق فرما دی۔ یہ خندق میں پہلی روشنی میں منکشف ہونے والی بشارت کی تکمیل کی ابتدا تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ کا خط مدائن پہنچا تو خسرو مر چکا تھا۔ خط اس کے جانشین کو دیا گیا جس نے اس خط کا جواب اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی صورت میں دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس حرکت کی اطلاع ملی

Marfat.com

تو آپ نے فرمایا "اگر اس نے ایسا کیا ہے تو یا رب اس کی سلطنت بھی اسی طرح پرزہ پرزہ کر دے۔"

انہی ہفتوں میں جب زائرین کی مکہ سے واپسی ہو چکی تھی، رسول اللہ ﷺ کی زندگی پر ایسے طریقے سے وار کیا گیا جس کی پہلے مثال نہیں تھی۔ عرب کی سرزمین پر آباد یہودیوں کی ہر نسل میں ایک یا دو افراد ایسے ہوتے تھے جو جادو ٹونے میں ماہر ہوتے تھے۔ ان میں سے لبید بن اعصم نامی ایک یہودی اب بھی مدینے میں رہ رہا تھا۔ یہ بہت ماہر جادوگر تھا اور اس نے اپنی بیٹیوں کو بھی یہ پراسرار فن سکھا دیا تھا تاکہ اس کے موت کے بعد یہ فن ضائع نہ ہو جائے۔ لبید کو ایک بھاری رقم دی گئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف مہلک ترین جادو آزمائے۔ اس جادو کے لیے اسے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی کنگھی کے کچھ ٹکڑوں کی ضرورت تھی۔ لبید یا اس کی بیٹیوں نے انہیں حاصل کرنے کے لیے کسی ایسے فرد کو استعمال کیا جسے شاید معلوم ہی نہ ہو کہ اس کو کس گھناؤنے کام کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ لبید نے بالوں کی لٹوں پر گیارہ گرہیں لگائیں اور ہر گرہ پر اس کی بیٹیوں نے منتر پھونکا۔ پھر اس نے اس جادو کو ایک کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر اسے ایک گہرے کنویں میں ڈال دیا۔ اس جادو کا اثر گرہوں کے کھلنے سے ہی زائل ہو سکتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو فوراً احساس ہو گیا کہ کوئی بہت ہی غلط بات ہو چکی ہے۔ ایک جانب تو یہ ہوا کہ جیسے آپ ﷺ کی یادداشت کمزور ہو رہی ہے اور دوسری جانب آپ ﷺ کو یہ خیال آنے لگا جیسے آپ نے کوئی کام کیا ہے جبکہ وہ کام کیا نہیں ہوتا تھا۔ (۵) آپ کو بڑی نقاہت محسوس ہونے لگی اور جب کچھ کھانے پر اصرار کیا جاتا تو طبیعت کھانے پر مائل نہ ہوتی۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے شفا کی دعا فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ کو نیند میں ایسا محسوس ہوا جیسے دو اشخاص، جن میں سے ایک سرہانے اور دوسرا پاؤں کی جانب بیٹھا ہوا ہے اور ان میں سے ایک آپ ﷺ کی نقاہت کی وجہ اور کنویں کا نام بتا رہا ہے۔ (۶) جب آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور خواب کی تصدیق کرتے ہوئے قرآن پاک کی دو سورتیں عطا کیں۔ ان میں سے ایک سورۃ کی پانچ آیات ہیں اور دوسرے کی چھ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کنویں پر بھیجا اور کنویں کے پاس کھڑے ہو کر دونوں سورتوں کی تلاوت کرنے کو فرمایا۔ ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ کھل جاتی۔ حتیٰ کہ اس طرح گیارہ کی گیارہ گرہیں کھل گئیں اور رسول اللہ ﷺ کی صحت بحال ہو گئی۔ (۷) ان سورتوں میں پہلی سورۃ فلق ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝
وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

Marfat.com

ترجمہ: ''کہو: میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی، ہر اس شے کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے، اور رات کی تاریکی کے شر سے جبکہ وہ چھا جائے اور گرہوں میں پھونکنے والوں (یا والیوں) کے شر سے، اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔''[8]

اور دوسری سورۃ الناس ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝

ترجمہ: ''کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے حقیقی معبود کی اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔''[9]

یہ دونوں سورتیں قرآن مجید کے آخر میں رکھی گئی ہیں۔ ان کو معوذتین،[10] اللہ کی پناہ لینے والی، سورتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کی تلاوت کی تکرار سے تاکید ہے تاکہ انسان ہر قسم کے شر سے محفوظ رہ سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہ کنواں جس میں جادو ڈالا گیا تھا، اسے پاٹ دیا جائے اور اس کے قریب ہی ایک دوسرا کنواں کھودا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے لبید کو طلب کیا۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک کثیر رقم لے کر سحر کیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ فرمائی۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ اس فقرے کو ان معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا کہ ''یہ شخص اتنا ضدی ہے کہ اس کی ماں کو جلد ہی اس کی موت پر ماتم کرنا پڑے گا۔''

۲۔ واقدی: ۶۲۴، بخاری: ۵۴، ابن اسحٰق: ۳۔۷۵۱ ۳۔ قرآن ۶۰:۷۰ ۴۔ اصل تصنیف صفحہ ۴۷

۵۔ اس واقعہ کے بارے میں محققین نے وضاحت کی ہے کہ یہ تمام اثرات آپ ﷺ کی ذات تک محدود تھے حتیٰ کہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم تک نہ ہو سکا کہ آپ ﷺ پر کیا گزر رہی ہے۔ رہی آپ ﷺ کی نبی ہونے کی حیثیت تو اس میں آپ ﷺ کے فرائض کے اندر کوئی خلل نہ واقع ہونے پایا۔ کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ اس زمانے میں آپ ﷺ قرآن کی کوئی آیت بھول گئے ہوں یا کوئی آیت آپ ﷺ نے غلط پڑھ ڈالی ہو یا اپنی صحبتوں اور اپنے وعظوں اور خطبوں میں آپ ﷺ کی تعلیمات کے اندر کوئی فرق واقع ہو گیا ہو یا کوئی ایسا کلام آپ ﷺ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو جو فی الواقع آپ ﷺ پر نازل نہ ہوا ہو۔ یا نماز آپ ﷺ سے چھوٹ گئی ہو اور اس کے متعلق بھی آپ ﷺ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو۔ ایسی کوئی بات معاذ اللہ پیش آ جاتی تو دھوم مچ جاتی اور پورا عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کر سکی تھی اسے ایک جادوگر نے چت کر دیا لیکن آپ ﷺ کی حیثیتِ نبوت اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔

۶۔ بخاری: ۱۰ ۷۔ بیضاوی: قرآن، ۱۱۳ ۸۔ قرآن: ۱۱۳ ۹۔ قرآن ۱۱۴

۱۰۔ کچھ مفسرین کی رائے میں یہ دو سورتیں نئی نازل شدہ نہیں تھیں بلکہ ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں اور یہاں ان کی تلاوت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

Marfat.com

باب:۶۹

فتح خیبر

مکہ سے امن کے معاہدے کے باعث شمالی علاقوں کی جانب سے لاحق خطرات کی جانب توجہ دینا ممکن ہو گیا۔ ان میں سب سے بڑا خطرہ خیبر سے تھا۔ یہ ایک یہودی قصبہ تھا اور اس کی اکثریت اسلام کے بارے میں مخاصمت رکھتی تھی۔ یہ بات بھی یقینی تھی کہ انہی یہودیوں نے لبید ساحر کو پیسے دے کر رسول اللہ ﷺ کو ہلاک کرنے کی سازش کی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ یہ حرکت اجتماعی طور پر نہ ہوئی ہو لیکن یہ بہت ضروری تھا کہ شہر بدر کیے گئے بنی نضیر اور خیبر میں مقیم ان کے رشتہ داروں کے خلاف کارروائی کی جائے۔ اس لیے نہیں کہ ان کی جانب سے یثرب پر کسی حملے کا امکان تھا، اس کے برعکس حقیقت یہ تھی کہ جنگِ خندق کے دوران بھی ان میں سے چند ہی افراد نے مسلمانوں کے خلاف سازش میں عملی طور پر حصہ لیا تھا، لیکن یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے قریش کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کر کے انہیں حملہ کرنے کی ترغیب دلائی تھی۔ انہی لوگوں نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اپنے اتحادی قبیلے غطفان کو قریش کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا تھا۔ اور انہی لوگوں کی وجہ سے غطفان اب تک مدینہ سے برسرِ پیکار تھے۔ اس صورتِ حال میں جب تک خیبر کے خطرے کا سدِباب نہ کر لیا جاتا، مدینے کو پوری طرح امن نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ حقیقت بالکل واضح تھی کہ جلد یا بدیر خیبر کے خلاف کوئی نہ کوئی کارروائی ضروری ہو چکی ہے اور اب وہ وقت آ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو یقین تھا کہ وحی میں جس ''فتح'' کا ذکر کیا گیا تھا وہ فتح قریب آن پہنچی ہے، ایک ایسی فتح جس کے نتیجے میں مالِ غنیمت اور دولت کی بھی فراوانی ہو گی، ایسی فتح خیبر کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کا اطلاق تمام مسلمانوں پر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وحی میں یہ بات واضح تھی کہ وہ صحرائی بدو جو عمرہ کے

Marfat.com

لیے دی گئی دعوت کو لوٹ کا مال ملنے کی امید نہ ہونے کے باعث بے سود مشقت سمجھتے ہوئے پیچھے رہ گئے تھے، انہیں ایسی مہم میں شرکت کی اجازت نہیں ہونی چاہیے جو عرب کی دولت مند ترین قوم کے خلاف ہونے جا رہی تھی۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک بڑے لشکر کی بجائے مختصر لشکر کے ساتھ روانہ ہوا جائے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ مختصر تعداد کے باعث اس منصوبے کو راز میں رکھا جا سکتا تھا۔ لیکن جب یہ مہم راز نہ رہی اور سینہ بہ سینہ عام ہوئی تو اسے ایک امرِ واقع کی بجائے لطیفے کے طور پر لیا گیا۔ خیبر کی ناقابلِ تسخیر حیثیت ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ قریش اور دوسرے دشمنانِ اسلام اس خبر کے درست ہونے کی آس لگا بیٹھے۔ کیونکہ اگر واقع رسول اللہ ﷺ نے خیبر پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا ہے تو ان کی شکست یقینی تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی تھا کہ یہ خبر سچ نہیں ہو سکتی کیونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی بصیرت و عزیمت کا اندازہ بخوبی ہو چکا تھا۔ جہاں تک خیبر کے یہودیوں کا تعلق ہے تو انہوں نے سرے سے اس خبر کو ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ ان کی خود اعتمادی کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے اس خبر کو جھوٹ سمجھتے ہوئے اپنے اتحادیوں سے رابطہ قائم کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ لیکن جب مدینے سے یقینی طور پر خبر آئی کہ مسلمانوں کا لشکر مدینے سے روانہ ہونے والا ہے تو ان کے سردار کنانہ نے اپنے اتحادی بنی غطفان سے ملاقات کر کے انہیں اپنی فصل کی آدھی کھجور دینے کے وعدے پر مدد کی درخواست کی۔ غطفان نے اس کے جواب میں چار ہزار نفری کے ساتھ مدد کا اعلان کر دیا۔ خیبر کے یہودیوں کا معمول تھا کہ روزانہ دس ہزار اسلحہ بند جنگجو صف بستہ ہوتے تھے۔ غطفان کے چار ہزار ملا کر ان کی تعداد چودہ ہزار تک پہنچ جاتی۔ اس کے مقابلے میں مدینہ سے جو خبر آئی تھی اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے لشکر کی تعداد صرف سولہ سو تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی روانگی سے قبل قبیلہ اوس کے ایک صحابی ابو عبس رضی اللہ عنہ ایک مسئلہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے پاس سواری کے لیے ایک اونٹ تو تھا لیکن سفر کے لیے کوئی زادِ راہ نہ تھا۔ ان کے کپڑے پھٹ کر چیتھڑے ہو گئے اور کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا کہ جس سے کچھ زادِ راہ مہیا ہو سکتا۔ اپنے لیے مناسب کپڑے تو درکنار ان کے مقدور میں اتنا بھی نہ تھا کہ وہ کوچ سے پہلے اپنے اہل و عیال کے لیے نان و نفقہ کا ہی انتظام کر لیتے۔ بہت سے دوسرے اصحاب کی عمومی حالت بھی اسی طرح کی تھی لیکن ابو عبس رضی اللہ عنہ کی مفلسی انتہا تک پہنچی ہوئی تھی۔ حج کے سفر پر بہت سے اخراجات آ گئے تھے اور مالِ غنیمت وغیرہ سے جو کچھ آمدن ہوئی تھی اس کے مقابلے میں ان نو مسلموں کے اخراجات بہت زیادہ تھے جو عرب کے کونے کونے سے سمٹ کر مدینہ آ

Marfat.com

رہے تھے اور جن کی کفالت کی تمام تر ذمہ داری مدینہ کی ریاست پر تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو عبس رضی اللہ عنہ کو ایک نہایت ہی نفیس عبا عنایت فرمائی۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس بس یہی عبا موجود تھی۔ لیکن سفر کے ایک دو دن بعد آپ ﷺ نے ابو عبس رضی اللہ عنہ کو معمولی سی عبا میں دیکھ کر دریافت فرمایا کہ وہ عبا کیا ہوئی جو میں نے تمہیں دی تھی۔ ابو عبس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''میں نے اس کو آٹھ درہم میں فروخت کر دیا، اس میں سے زادِ راہ کے لیے دو درہم کی کھجوریں خریدیں، دو درہم اپنے اہل و عیال کے گزارہ کے لیے دے دیے اور چار درہم میں یہ عبا خرید لی۔'' رسول اللہ ﷺ یہ سن کر متبسم ہوئے اور فرمایا ''اے عبس رضی اللہ عنہ کے باپ تم اور تمہارے ساتھی اس وقت واقعی بہت نادار ہیں لیکن اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم محفوظ رہے اور تھوڑا عرصہ زندہ رہے تو تم کو ہر طرح کی فراوانی میسر ہو گی اور تم اپنے اہل و عیال کے لیے بھی بہت کچھ چھوڑ جاؤ گے۔ تمہارے پاس درہم کے ڈھیر ہوں گے اور غلام اور کنیزیں بھی لیکن تمہاری وہ حالت کچھ زیادہ خوش آئند نہ ہو گی۔'' (1)

دو پڑاؤ کے درمیان ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو ٹھہرایا اور قبیلہ اسلم کے ایک صحابی ابن الاکوع رضی اللہ عنہ کو طلب کیا۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ وہ بہت خوش الحان ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں سواری سے اترنے اور وہ نغمہ سنانے کا فرمایا جو عرب حدی خوان اپنے سفر کے دوران گاتے ہیں۔ بدوؤں کے یہ نغمے پرانی دھنوں میں، ایک لے کے ساتھ، دل میں گھر کر جانے والے اور دردناک ہوتے تھے۔ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ نے بڑے غمناک، متین لحن کے زیر و بم میں ایک دھن کو چھیڑا۔ الفاظ انہی اشعار کے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس وقت سکھائے تھے جب وہ خندق کھودنے میں جتے ہوئے تھے۔

''اللہ! اگر تیرا کرم نہ ہوتا تو ہمیں ہدایت نہ ملتی
نہ ہم خیرات دیتے اور نہ تیری عبادت کرتے۔''

اس طرح سے انہوں نے نغمے کی ابتدا کی۔ جب وہ پورا کلام سنا چکے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تم پر رحم فرمائے۔'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ احتجاج کرتے ہوئے بولے ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے تو اسے ناگزیر فرما دیا ہے۔ کاش آپ ﷺ ان سے ہمیں زیادہ عرصہ لطف اندوز ہونے کا موقع عطا فرماتے۔'' ان کلمات کے ذریعے، جیسا کہ تجربے کی بنا پر سب جانتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کی پیش گوئی فرما دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی کے بارے میں رحمت کے یہ کلمات ادا فرماتے تھے تو وہ فرد زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہتا تھا۔

Marfat.com

دو اڑھائی دن تک سفر کے بعد وہ اپنے مقامِ مقصود سے صرف اتنا ہی دور تھے کہ شام تک وہاں پہنچ جائیں۔ اس موقع پر یہ لازم ہو گیا تھا کہ وہ اپنے لشکر کو اس طور سے پھیلائیں کہ وہ خیبر اور ان کے اتحادی غطفان کے درمیان دیوار بن جائیں۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ایک راہبر مہیا کیے جانے کا فرمایا اور رات کے دوران ہی خیبر کی دیواروں کے سامنے واقع کھلے میدان میں پہنچ گئے۔ اس وقت ہر طرف گھپ اندھیرا تھا، شروع مہینے کا چاند غروب ہو چکا تھا، اس اندھیرے میں وہ اتنی گہری خاموشی کے ساتھ خیبر کی دیواروں کے قریب پہنچ گئے تھے کہ خیبر پر مکمل سکوت طاری رہا، کسی قسم کی کوئی حرکت نہ تھی، نہ ہی کسی پالتو جانور یا پرندے کی آواز۔ صرف مرغ کی بانگ نے سکوتِ سحر توڑا۔ فجر کی اذان بھی خاموشی سے دی گئی۔ تمام لشکر نے مکمل سکوت کے ساتھ ''چمنستانِ حجاز'' کو اپنی آنکھوں کے سامنے عیاں ہوتے دیکھا۔ جوں جوں روشنی بڑھتی گئی تو کھجوروں کے سرسبز و شاداب باغات اور غلے کے کھیتوں کے عقب میں قلعہ بند بستی ابھرنے لگی۔ سورج چڑھ کر اوپر آ گیا تھا اور زمین پر کام کرنے والے مزدور جب اپنے پھاوڑوں، کدالوں اور ٹوکریوں کے ساتھ باہر نکلے تو ان کے سامنے ہیبت ناک انداز میں ایک سکوت آمیز لشکر موجود تھا۔ وہ دہشت کے عالم میں ''محمد (ﷺ) اور ان کا لشکر'' چلاتے ہوئے اپنی پناہ گاہوں کو واپس بھاگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مندانہ انداز میں اور ''اللہ'' پر زور دیتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے فرمایا کہ ''برباد ہوا خیبر۔'' پھر آپ ﷺ نے نازل کردہ آیات تلاوت کرتے ہوئے اس شکست پر مہرِ تصدیق ثبت فرما دی ''جب وہ ان کے گھروں میں اترے گی تو وہ صبح ان کے لیے بہت ہی بری ہو گی جنہیں خبردار کیا جا چکا ہے۔''(۲) لیکن یہ کہنے کی بجائے کہ ''اترے گی'' آپ نے ''ہم اتریں گے'' فرمایا۔

یہودیوں نے فوری طور پر جنگی مشاورتی مجلس بلائی۔ لیکن ان کے ایک سردار کے خبردار کرنے کے باوجود انہوں نے اپنے قلعہ کی فصیلوں پر انحصار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یثرب کے قلعوں اور ہمارے پہاڑی قلعوں میں بہت فرق ہے۔ خیبر کے یہودی اپنے قلعوں کو پہاڑی قلعے کہنا پسند کرتے تھے۔ ان کے علیحدہ علیحدہ گروہوں کی صورت میں جنگ کرنے کی بنیادی وجہ ان کی آپس میں نااتفاقی تھی۔ وحی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو یثرب کے یہودیوں کے بارے میں جن الفاظ میں آگاہ کیا گیا تھا ان کا اطلاق خیبر کے یہودیوں پر بھی ہوتا تھا۔ وحی کے الفاظ تھے: ''تم انہیں متحد سمجھتے ہو مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔''(۳) یہ ان کی بدنصیبی تھی کہ ان کا مقابلہ اچانک ہی ایک ایسے لشکر سے آن پڑا تھا جو دیکھنے میں تعداد میں کم لگتا تھا لیکن ان کے اندر نظم و ضبط کی حالت قرآن کی اس آیت کے مطابق تھی ''اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی

Marfat.com

راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''﴿۴﴾ ایسے لشکر کے لیے ان آیات میں ایک خوشخبری بھی تھی: ''بارہا ایسا ہوا کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اِذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''﴿۵﴾

پہلے دن جب رسول اللہ ﷺ نے نزدیک ترین قلعہ پر حملہ کیا تو دوسرے قلعوں سے ان کی مدد کے لیے کوئی نہ آیا۔ سب اپنے اپنے قلعہ کی فصیلوں کے پیچھے بیٹھے اپنی قلعہ بندی کو مضبوط کرتے رہے۔ ان کی اس چال نے مسلمانوں کے لشکر میں تعداد کی کمی کے فرق کو تو مٹا دیا لیکن ان کے اس فیصلہ نے مسلمانوں کی ثابت قدم رہنے والی صفت کو ایک ایسی جنگ کی راہ پر ڈال دیا جو دشمن کے علاقہ میں ایک بڑی جنگ کی بجائے طویل عرصہ تک محاذ آرائی پر مبنی تھی۔ خیبر کے لوگوں کا شمار عرب کے ماہر تیر اندازوں میں ہوتا تھا۔ اس جنگ سے پہلے مسلمانوں کو اپنی ڈھالوں کے استعمال کی سخت تربیت کبھی نہیں ملی تھی۔ لڑائی کے شروع میں مسلمان عورتیں زخمیوں کی تیارداری میں مصروف رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں دوسری بار مسلسل اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے نام قرعہ پڑا تھا۔ ان کے علاوہ صفیہ، اُمِ ایمن، نسیبہ اور اُمِ سلیم رضی اللہ عنہن بھی زخمیوں کی مرہم پٹی اور صفوں کے پیچھے پانی فراہم کرنے کے لیے ساتھ آئی تھیں۔

کئی دن گزر گئے مگر کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ چھے دن گزرنے کے بعد جورات آئی تو عمر رضی اللہ عنہ کی کمان میں پہرہ دینے والے دستے نے جاسوسی کے لیے آئے ہوئے ایک یہودی کو گرفتار کیا۔ اس نے جان بخشی کے وعدے پر بہت مفید معلومات مہیا کیں۔ اس نے بتایا کہ کون سے قلعے بآسانی فتح ہو سکتے ہیں۔ اس کی ابتدا کے لیے اس نے ایک ایسے قلعے کی نشاندہی کی جس کی حفاظت اچھی طرح سے نہیں ہو رہی تھی۔ اس قلعے کے بڑے تہہ خانوں میں اسلحہ اور دوسرے قلعوں کے خلاف استعمال ہونے والی منجنیقیں بھی تھیں۔ کیونکہ یثرب کی طرح خیبر بھی باہمی ناچاقی کا شکار تھا۔ دوسرے ہی دن وہ قلعہ فتح ہو گیا اور دھاوا بولنے کے لیے منجنیقیں باہر لائی گئیں۔ پتھر کا گولہ پھینکنے کے لیے ایک منجنیق اور دو حفاظتی سائبان تھے جن کی پناہ میں حملہ آور بحفاظت فصیل کے نیچے پہنچ سکتے تھے۔ ان مشینوں کی بدولت ابتدائی طور پر آسان قلعے ایک کے بعد ایک فتح ہوتے گئے۔ سب سے پہلی شدید مدافعت کا سامنا ناعم نامی قلعہ کے سامنے ہوا۔ اس قلعہ کی حفاظتی فوج بڑی قوت کے ساتھ باہر نکلی اور مسلمانوں کے تمام حملوں کو ناکام بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''کل میں پرچم ایک ایسے شخص کے ہاتھوں میں دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہے۔ اللہ اس کے ہاتھ پر ہم کو فتح عطا فرمائے گا۔ وہ ایسا نہیں ہے جو جنگ میں پیٹھ دکھائے۔''

Marfat.com

اس سے قبل غزوات میں رسول اللہ ﷺ نے قدرے چھوٹے پرچم علم کے طور پر استعمال فرمائے تھے لیکن خیبر میں آپ ﷺ ایک بڑا سیاہ پرچم لائے تھے۔ یہ پرچم سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قبا سے بنایا گیا تھا اور اس کو عقاب کا نام دیا گیا۔ آپ نے یہ پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ انہیں فتح نصیب فرمائے۔ خون ریز معرکہ آرائی کے دن کے بعد جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور سرخ عمامے والے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ چڑھ کر کردار ادا کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کن حملے کے لیے اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھایا اور دشمن کے فوجیوں کو دھکیلتے ہوئے قلعہ کے اندر تک پہنچ گئے۔ مسلمان دروازوں پر قابض ہو گئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔ لیکن شکست سے پہلے ہی بہت سے لوگ چپکے سے پچھلے دروازے سے نکل کر دوسرے قلعوں کی جانب نکل گئے۔

سارے خیبر میں ہر ایک کی زبان پر ایک ہی سوال تھا کہ ''بنی غطفان کہاں ہیں؟'' سب جانتے تھے کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق چار ہزار کا لشکر لے کر نکل پڑے تھے۔ لیکن ہوا یوں کہ کوچ کے ایک دن بعد انہوں نے رات کے وقت عجیب غریب پکار سنی۔ انہیں معلوم نہ ہو رہا تھا کہ یہ پکار کہاں سے آ رہی ہے، زمین سے یا آسمان سے۔ اس پکار نے مسلسل تین بار کہا ''تمہارے لوگ! تمہارے لوگ! تمہارے لوگ!'' یہ لوگ اس پکار کا یہ مطلب لیتے ہوئے کہ ان کے گھر والے خطرے میں ہیں، عجلت میں واپس بھاگے۔ لیکن واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ ہر شے ایسے ہی تھی جیسی چھوڑ کر نکلے تھے۔ لیکن ایک بار واپس آنے کے بعد ان کا دل دوبارہ روانگی کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ ان کو ویسے بھی یقین ہو چکا تھا کہ دوبارہ واپس جانے میں اتنی تاخیر ہو چکی ہے کہ دشمن کو شکست دینے میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہو گا۔

خیبر کا سب سے مضبوط اور حقیقی معنوں میں ناقابلِ تسخیر قلعہ وہ تھا جس کو زبیر کا قلعہ کہا جاتا تھا۔ یہ قلعہ ایک تاج کی طرح چٹان کی اونچی چوٹی پر قائم تھا۔ اس کے دروازوں کا راستہ ڈھلوان کی طرح تھا اور دیگر تمام اطراف چٹانوں میں گھری ہوئی تھیں۔ دوسرے قلعوں سے بچ نکلنے والوں نے بھی اسی ناقابلِ تسخیر قلعے میں پناہ لی ہوئی تھی۔ یہ حفاظتی دستہ بڑی مضبوطی کے ساتھ فصیلوں پر ڈٹا ہوا تھا۔ تین دن تک اس قلعے کے محاصرے کے بعد ایک دوسرے قلعے کا یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور بتایا کہ اس قلعہ میں ایک ایسا خفیہ چشمہ ہے جس کے باعث یہ لوگ ایک طویل مدت تک دفاع کرنے کے قابل ہیں۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو پیش کش کی کہ اگر وہ اس کے گھرانے اور اس کی جائداد کو تحفظ دیں تو وہ انہیں اس سے آگاہ کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ پیش کش قبول فرمائی تو اس نے ایک زیرِ زمین چشمے پر ایک بند باندھنے کو

Marfat.com

کہا۔ یہ چشمہ زیرِ زمین پھوٹ کر قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ وافر پانی کے باعث یہودیوں نے اس کا ذخیرہ کرنے کی بجائے ایسے زینے بنائے ہوئے تھے جن سے اتر کر وہ اپنی ضرورت پوری کر لیتے تھے۔ جب بند کے ذریعے اس پانی کو منقطع کر دیا گیا تو یہودی پیاس کے مارے قلعہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے اور خونریز لڑائی کے بعد شکست کھائی۔

آخری قلعہ جس نے مزاحمت دکھائی وہ قَموص تھا۔ اس قلعہ کا تعلق کنانہ کے خاندان سے تھا۔ یہ بنی نضیر کا سب سے طاقتور اور رئیس ترین خاندان تھا۔ ان خاندانوں میں سے بعض طویل عرصہ سے خیبر میں آباد تھے جب کہ کنانہ اور اس کے خاندان کے کئی افراد حال ہی میں یثرب سے جلاوطن ہو کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ یہی لوگ تھے جو بنی غطفان کی کمک پر بھروسہ کیے تھے اور ان کی جانب سے وعدہ نہ پورا ہونے کے باعث ان کی ہمت ٹوٹی ہوئی تھی۔ مزید مایوسی کا سبب وہ خبریں بنیں جو دوسرے قلعوں سے بھاگنے والے اپنے ساتھ لا رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ چودہ دن تک مقابلے میں ڈٹے رہے۔

بالآخر چودہ دن کے بعد کنانہ کی جانب سے بات چیت کا پیغام آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی جانب سے رضامندی کا اظہار فرمایا۔ کنانہ کا سردار اپنے خاندان کے ہمراہ قلعہ سے باہر آیا اور بات چیت کے بعد یہ طے پایا کہ محصور فوج کے کسی فرد کو قتل کیا جائے گا اور نہ قیدی بنایا جائے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ یہ لوگ خیبر چھوڑ کر چلے جائیں گے اور ان کی املاک فاتحین کے قبضہ میں آ جائیں گی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک اور شق کا اضافہ کیا جس کے مطابق اگر کسی شخص نے مال و ملکیت چھپانے کی کوشش کی تو اس صورت میں اس کی جان بخشی کی ضمانت منسوخ ہو جائے گی۔ کنانہ اور اس کے خاندان کے لوگ اس شق پر بھی راضی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی و زبیر رضی اللہ عنہم کے علاوہ دس یہودیوں کو معاہدہ پر دستخط کرنے کا حکم فرمایا۔

لیکن جلد ہی یہودیوں اور مسلمانوں پر عیاں ہو گیا کہ بہت سی دولت کو چھپایا جا رہا ہے۔ وہ مشہورِ زمانہ خزانہ کہاں گیا جو بنی نضیر اپنے ساتھ مدینہ سے لائے تھے اور جلاوطن ہوتے ہوئے مدینہ کی گلیوں میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ جس کی نمائش کی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس خزانہ کے متعلق کنانہ سے دریافت فرمایا تو کنانہ نے جواب دیا کہ وہ جب سے خیبر آئے ہیں تو ہتھیاروں اور قلعہ بندی میں ان کا بہت سے خزانہ خرچ ہو گیا ہے۔ یہودیوں کو معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ لوگ اس لیے بھی پریشان تھے کہ ان میں سے اکثر اس بات پر پورا یقین رکھتے تھے کہ وہ اس وقت اللہ کے رسول کے حضور میں ہیں۔ اس یقین

Marfat.com

کے باوجود آپ ﷺ پر ایمان نہ لانے کے لیے ان کا موقف یہ تھا کہ آپ ﷺ کو یہودیوں میں مبعوث نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات بالکل واضح تھی کہ آپ ﷺ کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ان میں سے ایک یہودی نے جو کنانہ کی بھلائی کو عزیز رکھتا تھا، اس کے پاس گیا اور اس سے التجا کی کہ وہ کوئی شے چھپانے کی کوشش نہ کرے، کیونکہ اس کے اس فعل کی خبر رسول اللہ ﷺ کو یقینی طور پر ہو جائے گی۔ کنانہ نے غضبناک ہو کر اس کو لعن طعن کی۔ لیکن ہوا یہ کہ کچھ ہی دیر میں خزانہ کا پتہ لگ گیا اور کنانہ اور اس کے راز میں شریک اس کے رشتہ دار کی گردن ماردی گئی اور دونوں کے خاندان کو قیدی بنا لیا گیا۔

قموص کی فتح کے بعد باقی قلعوں نے بھی انہی شرائط پر ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر یہودیوں نے باہمی مشورے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حضور ایک وفد بھیج کر یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ انہیں اپنی زمینوں اور باغات کے بندوبست میں خاصی مہارت حاصل ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ اگر آپ ﷺ انہیں ان کے گھروں میں رہنے دیں اور وہ سالانہ پیداوار کا نصف آپ ﷺ کو ادا کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس تجویز سے اتفاق فرمایا لیکن ساتھ یہ شرط بھی عائد کر دی کہ اگر مستقبل میں آپ ﷺ نے انہیں وہاں سے نکالنے کا فیصلہ کیا تو انہیں یہ فیصلہ ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد یہ خبر عام ہوئی کہ اس محاذ آرائی کا دائرہ فدک تک بڑھایا جا رہا ہے۔ فدک خیبر کے شمال مشرق میں ایک قدرے چھوٹا لیکن بہت زرخیز اور متمول نخلستان تھا۔ جب فدک کے یہودیوں کو خیبر پر عائد کی گئی شرائط کا علم ہوا تو انہوں نے بھی انہی شرائط پر ہتھیار ڈالنے کا پیغام روانہ کیا۔ اس طرح جنگ کے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آنے والے دوسرے تمام علاقوں کی طرح فدک بھی رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت میں آ گیا۔

جب صلح نامہ کی تمام شرائط پر اتفاق ہو گیا اور فتح یاب لشکر آرام سے فارغ ہو چکا تو سلام بن مشکم کی بیوی، جو اپنے خاوند کے قتل کے بعد سے بیوہ ہو چکی تھی، اس نے ایک بھیڑ بھون کر اس کے تمام حصوں اور خصوصی طور پر بھیڑ کی دستیوں کو مہلک ترین زہر سے آلودہ کیا۔ اس کو معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ بھیڑ کے شانے رغبت سے کھاتے ہیں۔ پھر وہ اس گوشت کو پڑاؤ میں لے کر آئی اور رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور موقع پر موجود اپنے اصحاب کو کھانے کی دعوت دی۔

اس وقت اتفاق سے آپ ﷺ کے برابر خزرج قبیلے کے حضرت بشر رضی اللہ عنہ نامی صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہ صحابی تھے جنہوں نے عقبۂ ثانی میں یثرب کے مسلمانوں کی راہنمائی کی تھی اور وہ پہلے صحابی تھے جنہوں نے مکہ کی جانب رخ کر کے نماز پنجگانہ ادا کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھیڑ کے گوشت کا ایک لقمہ لیا،

Marfat.com

حضرت بشر رضی اللہ عنہ نے بھی لقمہ اٹھایا اور منہ میں ڈال کر نگل گئے لیکن رسول اللہ ﷺ کے منہ میں جو کچھ تھا آپ ﷺ نے فوراً یہ کہتے ہوئے اگل دیا کہ ''اپنے ہاتھ روک لو، یہ گوشت مجھ سے کہتا ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے عورت کو بلا بھیجا اور اس سے پوچھا کہ اس نے گوشت کو زہر آلود کیا ہے؟ عورت نے سوال کیا کہ ''آپ سے کس نے کہا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''خود گوشت نے'' پھر سوال فرمایا ''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' عورت نے جواب دیا ''آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو کچھ آپ نے میری قوم کے ساتھ کیا ہے۔ میرے شوہر، باپ اور چچا کو قتل کیا ہے، اس لیے میں نے سوچا کہ اگر آپ بادشاہ ہیں تو اس طرح اس سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا اور اگر نبی ہیں تو آپ کو زہر کی خبر ویسے ہی ہو جائے گی۔'' حضرت بشر رضی اللہ عنہ کا چہرہ اب تک خاکستر ہو چکا تھا، وہ وہیں انتقال کر گئے لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا۔ (۶)

صرف وہی عورت ایسی نہ تھی جس کا باپ یا شوہر مسلمانوں کے ہاتھوں مارا نہ گیا ہو۔ خزانہ چھپانے کی پاداش میں جو لوگ قیدی بنائے گئے تھے، ان میں کنانہ کی بیوہ صفیہ بھی تھی۔ صفیہ حیی کی بیٹی تھی جس نے بنی قریظہ کو ترغیب دے کر رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا معاہدہ توڑنے پر اکسایا تھا۔ صفیہ کی عمر سترہ برس تھی اور کنانہ سے اس کی شادی رسول اللہ ﷺ کے مدینہ سے روانہ ہونے سے ایک دو مہینے قبل ہی ہوئی تھی۔ یہ شادی جتنے بھی عرصہ رہی خوشگوار ہرگز نہیں تھی۔ صفیہ اپنے باپ اور شوہر کے برعکس نیک طبیعت تھیں۔ انہوں نے اوائلِ عمر ہی میں اپنے لوگوں کی زبانی سنا ہوا تھا کہ ایک رسول جلد ہی مبعوث ہونے والا ہے۔ پھر انہوں نے مکہ کے ایک عرب کے بارے میں بھی باتیں سنیں جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ قبا پہنچ گیا ہے۔ یہ سات سال پہلے کی بات تھی جب ان کی عمر دس سال تھی۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ ان کے والد اور چچا خفیہ طور پر بڑے اعتماد کے ساتھ قباء روانہ ہوئے تھے تاکہ اپنے طور پر مطمئن ہو جائیں کہ نبوت کا یہ دعوے دار جھوٹا ہے۔ لیکن جو بات ان کی یادداشت پر نقش ہو کر رہ گئی تھی وہ ان کی رات گئے تاخیر سے واپسی کے بعد مایوسی کی حالت تھی۔ ان کی گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دونوں نو وارد کو نبی سمجھنے کے باوجود اس کی مخالفت کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ صفیہ کا نوعمر ذہن اس معمے کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ (۷)

شادی کے فوراً بعد اور خیبر میں رسول اللہ ﷺ کی آمد سے کچھ ہی عرصہ بعد صفیہ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بہت درخشندہ چاند آسمان پر آویزاں ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس چاند کے تلے شہرِ مدینہ ہے۔ پھر وہ چاند خیبر کی سمت بڑھنے لگا۔ وہاں پہنچ کر وہ چاند ان کی آغوش میں آ گیا۔ صفیہ جب نیند سے بیدار ہوئیں اور اپنے خواب کا ذکر کنانہ سے کیا تو اس نے صفیہ کے چہرے پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا ''اس کا مطلب یہ ہے کہ تو

Marfat.com

حجاز کے بادشاہ محمد (ﷺ) کی خواہش رکھتی ہے۔'' جب صفیہ قیدی کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو اس وقت بھی ان کے چہرے پر تھپڑ کا نشان موجود تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ نشان کیسا ہے؟ صفیہ نے اپنے خواب کے بارے میں بتایا۔ اب ہوا یہ کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ [8] جو بدر کے بعد اسلام قبول کر چکے تھے، انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ خیبر کے مالِ غنیمت یا اس کے حصہ کے طور پر صفیہ ان کو دے دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ درخواست قبول بھی فرمالی تھی لیکن صفیہ کا خواب سننے کے بعد آپ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وہ صفیہ کی بجائے ان کی رشتہ کی بہن کو قبول کر لیں۔ پھر آپ ﷺ نے صفیہ سے فرمایا کہ آپ ﷺ ان کو آزاد کرنے کو تیار ہیں اور پیش کش کی کہ وہ چاہیں تو یہودیت پر قائم رہتے ہوئے اپنے ہی لوگوں میں رہیں اور چاہیں تو مسلمان ہو کر آپ ﷺ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں داخل ہو جائیں۔ انہوں نے کہا ''میں اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب کرتی ہوں'' اور مدینہ واپس ہوتے ہوئے پہلی منزل پر ہی رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔

یہ مہم ابھی اپنے اختتام کو نہیں پہنچی تھی ۔ کیونکہ اس راستے سے جس سے لشکر خیبر کو گیا تھا، واپسی کی بجائے رسول اللہ ﷺ نے لشکر کا رخ کچھ مغرب کی جانب کر لیا۔ اس جانب وادیٔ القرائی میں یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یہ یہودی خیبر کے یہودیوں سے ملے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے بھی تین دن کے محاصرے کے بعد خیبر والوں کی شرائط پر ہی ہتھیار ڈال دیئے۔

اسلم قبیلے کے ابن الکوع رضی اللہ عنہ، جنہوں نے شمال کی جانب کوچ کے دوران نغمہ سنایا تھا، خیبر کے قلعہ پر حملے کے دوران شہید ہو گئے تھے۔ ان کی تلوار کسی طرح مڑ کر ان کے جسم سے ٹکرا کر انہیں شدید گھائل کر گئی۔ ان کی شہادت پر انصار میں سے ایک صحابی نے جب یہ رائے دی کہ انہیں شہید نہیں کہا جا سکتا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو کوئی بھی ایسا کہتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔ وہ جنت کے باغوں سے اس طرح گزر رہا ہے جیسے کوئی تیراک پانی سے گزرتا ہے۔'' [9]

شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے کا سوال وادیٔ القرائی میں بھی اٹھا۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کا ایک حبشی غلام ایک اونٹ سے کجاوہ اتار رہا تھا کہ ایک تیر لگنے سے اس کی ہلاکت ہو گئی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا ''وہ دوزخ میں ایک قبا کے نیچے جل رہا ہے۔ یہ قبا اس نے خیبر میں چرائی تھی اور اب وہ شعلوں کی قبا بن گئی ہے۔'' [10]

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ وہ اصحاب کو مسلسل خبردار فرماتے رہتے تھے کہ آپ ﷺ کی

Marfat.com

امت میں آپ ﷺ کی مصاحبت کا شرف ایک عظیم ذمہ داری عائد کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ منصف و عادل ہے اور بعد والے زمانوں میں، جب بدی کی مزاحمت زیادہ مشکل ہوگی، کے مقابلے میں وہ ان لوگوں کے اعمال کی سختی سے جانچ پرکھ کرے گا جنہیں رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگ ایسے دور میں ہو کہ قانونِ الٰہی کے معاملے میں دسویں حصے کی کوتاہی بھی تباہ کن ہوگی جبکہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ جو کوئی قانونِ الٰہی کے دسویں حصہ کی بھی پابندی بجالائے گا تو وہ بخش دیا جائے گا۔'' (۱۱)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ واقدی: ۶۳۶ ۲۔ قرآن ۳۷: ۱۷۷ ۳۔ قرآن ۵۹: ۱۴ ۴۔ قرآن ۶۱: ۴ ۵۔ قرآن ۲: ۲۹۴

۶۔ بخاری: ۵۱: ۲۸ ۷۔ ابن اسحٰق: ۵۔ ۳۵۴ ۸۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ''میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے ان میں جبرائیل علیہ السلام سے سب سے زیادہ مشابہ دحیہ کلبی ہیں۔'' ابن سعد: ۴، ۱۸۴

۹۔ واقدی: ۶۶۲ ۱۰۔ ابن اسحٰق: ۶۷۵ ۱۱۔ ترمذی: ۳۱، ۷۹

Marfat.com

باب: ۷۰

سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟

مدینہ سے سات ہفتے دور رہنے کے جب فتح مند لشکرِ اسلام شہر میں داخل ہوا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی وہاں پہلے سے موجود تھے۔ جس زمانہ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حبشہ ہجرت کی تھی ان کی عمر ستائیس سال تھی اور اب وہ اپنی عمر کے چالیسویں سال میں تھے۔ انہوں نے تیرہ سال سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی تھی۔ اگرچہ ان کا بذریعہ خط وکتابت مسلسل رابطہ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے سے چمٹا لیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے بیچ پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا "میں نہیں جانتا کہ دو خوشیوں میں سے کون سی خوشی زیادہ ہے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد یا خیبر کی فتح؟ جعفر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ان کی زوجہ اسماء رضی اللہ عنہا اور ان کے تین بیٹے تھے عبداللہ، محمد اور عون۔ تینوں کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی۔

ان کے ہمراہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی آئی تھیں، جن کے لیے ایک نیا حجرہ تیار کیا گیا تھا۔ اب ایک بار پھر ولیمے کا اہتمام کیا گیا تا کہ ان کے رسول اللہ ﷺ سے اتصال کی خوشی منائی جائے۔ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنی عمر کے پینتیسویں سال میں تھیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا دیگر ازواج انہیں مکہ سے جانتی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بھاوج تھیں اور سودہ اور اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی قریبی سہیلیاں تھیں جو اوائلِ عمر میں ان کے ساتھ حبشہ میں ساتھ رہ چکی تھیں۔ ان کی مدینہ آمد متوقع تھی اس لیے کوئی خاص ہلچل پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مقابلے میں نوعمر اور خوبرو صفیہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کے گھرانے میں آنا فکرمندی کا باعث بن گیا۔ ان کے مدینہ پہنچنے پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے میزبانی کے لیے مختص مکانوں میں سے ایک مکان میں ٹھہرا دیا۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کا چرچا سنا تو انہوں نے کسی کی معرفت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے

Marfat.com

اس نئی سوکن کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے تصدیق کی ''واقعی وہ بہت خوبصورت ہیں اور رسول اللہ ان سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئیں اور ان عورتوں کے ہجوم کے ساتھ مکان میں داخل ہو گئیں جو نئی دلہن کو دیکھنے آئی تھیں۔ انہوں نے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا تھا اور اپنی شناخت چھپانے کے لیے کسی قدر دور رہنے کے باوجود اتنا قریب ضرور تھیں کہ اپنی آنکھوں سے اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی اطلاع کی تصدیق کر سکیں۔ اس کے بعد وہ گھر سے نکلیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں پہچان لیا اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے گھر سے باہر آئے اور دریافت کیا ''عائشہ رضی اللہ عنہا تم نے انہیں کیسا پایا؟'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''میں نے انہیں دیگر یہودی عورتوں کی طرح ہی پایا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایسا مت کہو! وہ اسلام میں داخل ہو چکی ہیں اور انہوں نے اپنے اسلام کو خوب ثابت بھی کر دیا ہے۔''

تاہم سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ازواجِ رسول اللہ ﷺ ان کے باپ کی وجہ سے ''اے حیّ کی بیٹی'' کہہ کر پکارتی تھیں۔ یہ طرزِ خطاب ویسے تو عزت و احترام کا حامل تھا لیکن محض لہجہ اور آواز بدلنے سے یہی خطاب تحقیر آمیز طنز بن جاتا تھا۔ ایک بار ایسا ہی ہوا کہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں کیونکہ ان کی ساتھیوں میں سے ایک نے ان کے باپ کی وجہ سے ان کی کمتری جتلانے کی کوشش کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مشورہ دیا ''ان سے کہو حضرت ہارون علیہ السلام میرے والد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا ہیں۔''

جملہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی عمر سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مقابلہ میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے قریب تر تھی۔ وہ اب بائیس برس کے قریب تھیں۔ اس وجہ سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندیشوں میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے مقابلے میں یہ جوان العمر ازواج ایک دوسرے سے خاص قسم کی قربت محسوس کرنے لگیں۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی نو وارد سے دوستی کے رشتے میں منسلک ہو گئیں۔ بعد کے سالوں میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ''ہمارے دو حلقے تھے، ایک میں حفصہ، صفیہ اور میں جبکہ دوسرے میں ام سلمہ اور دیگر ازواج رضی اللہ عنہن۔''

اس وقت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی عمر کے سولہویں سال میں تھیں۔ ایک پہلو سے یہ خاصی عمر تھی لیکن دیگر پہلوؤں سے نوعمر ہی تھیں۔ ان کے جذبات ان کے چہرے سے ظاہر ہو جایا کرتے تھے اور ان کی زبان بھی ان کے جذبات کی غمازی کر جاتی تھی۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو تو تمہارا خفا ہونا اور جب مجھ سے خوش ہوتی ہو تو تمہاری خوشی مجھ سے پوشیدہ نہیں رہتی۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ''مجھے اپنے ماں باپ سے زیادہ محبوب، آپ یہ بات کیسے جان لیتے ہیں؟''

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تم خوش ہوتی ہو تو قسم کھاتے ہوئے کہتی ہو کہ قسم ہے محمد (ﷺ) کے رب کی اور جب خفا ہوتی ہو تو کہتی ہو قسم ہے ابراہیم (علیہ السلام) کے رب کی۔'' (۱) ایک اور موقع پر جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس توقع کے برخلاف قدرے تاخیر سے پہنچے تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے دریافت کیا ''آپ ﷺ ابھی تک کہاں تھے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ننھی دوشیزہ میں امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں ''کیا امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا جی ابھی تک بھرا نہیں؟'' آپ ﷺ صرف مسکرا دیئے اور کچھ نہ کہا تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں ''اے اللہ کے رسول آپ ﷺ مجھے بتایئے کہ اگر آپ ﷺ ایک ایسی وادی میں ہوں جس کی دونوں طرف ڈھلوان ہو، ایک ڈھلوان چری جا چکی ہو اور دوسری ڈھلوان تر و تازہ ہو تو آپ اپنے گلے کو کس ڈھلوان پر چرنے کے لیے چھوڑیں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اس ڈھلوان پر جو ابھی تک چری نہ گئی ہو۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو میں آپ کی دوسری ازواج کی مانند نہیں ہوں۔ ان میں سے میرے سوا ہر کوئی شوہر والی رہ چکی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے اور کچھ نہ فرمایا۔ (۲)

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ تو معلوم تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے علیحدہ کر کے صرف اپنی ذات کے لیے مخصوص نہیں کر سکتیں۔ وہ ایک عورت تھیں اور آپ ایسے تھے جیسے بیس مردوں کے برابر۔ نزولِ وحی نے صاف کہہ دیا تھا ''بلاشک آپ کے مزاج اور فطرت میں بڑی وسعت ہے۔'' کچھ ایسا تھا جیسے پوری دنیا ان میں سمائی ہوئی ہو ایسی دنیا جس کا تقابل خارجی کائنات سے کیا جا سکتا ہے اور بعض پہلوؤں سے پراسرار طور پر اس سے بالکل ہم آہنگ۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اکثر مشاہدہ کیا تھا کہ اگر رعد کی گرج اور کڑاکا ہوتا خواہ وہ بہت دور ہی کیوں نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ ہوا کا زوردار جھونکا بھی آپ پر اثر انداز ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک بار موسلا دھار بارش میں آپ نے اپنا سر، کندھا اور سینہ تک کھول لیا اور باہر کھلے میدان میں چلے گئے تا کہ آسمان کی اس فیاضی سے پوری طرح اپنے جسم مبارک کو تر کر کے زمین کی مسرت میں شریک ہو جائیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس وجہ سے بھی رشک میں کمی نہ تھی کہ آپ ﷺ دوسروں سے جدا ہیں۔ لیکن انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ یہ محبت سے ہٹ کر رشک کے جذبات صرف اس زندگی تک ہی محدود ہیں۔ جنت کے بارے میں وحی کے ذریعہ ایک سے زاید بار وعدہ کیا گیا تھا کہ ''اور ہم ان کے دلوں میں جو بھی کینہ ہو گا اس کو نکال دیں گے۔'' (۳) ایک بار سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا ''اے اللہ کے رسول! جنت میں آپ کی کون کون سی ازواج ہوں گی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم ان میں شامل ہو'' اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ کو ساری عمر اپنا اثاثہ سمجھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ''ابھی جرائیل

Marfat.com

یہاں ہیں اور تم کو نوید امن وسلامتی دیتے ہیں۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا ''ان پر بھی امن اور سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کا فضل وکرم ہو۔'' (۴)

بعد کے دنوں میں اپنے رشک کے بارے میں وہ کہا کرتی تھیں کہ انہیں ''رسول اللہ ﷺ کی کسی زوجہ کے بارے میں اتنا رشک نہیں تھا جتنا سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے۔ کیونکہ آپ ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور اس لیے کہ اللہ نے ان سے ارشاد کیا تھا کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہشت میں قیمتی پتھروں کے محل کی خوشخبری دے دو۔ جب کبھی رسول اللہ ﷺ بھیڑ قربان کرتے تھے تو اس کا بڑا حصہ ان خواتین کو بھیجتے جو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عزیز سہیلیاں رہ چکی تھیں۔ میں نے آپ ﷺ سے کئی بار کہا ''ایسا لگتا ہے جیسے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا دنیا میں کسی عورت کا کبھی کوئی وجود نہ ہو۔'' (۵)

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشاہدہ اور ردِعمل بہت تیزی سے ہوتا تھا۔ غالباً خیبر کی مہم کے فوری بعد یا شاید کچھ عرصہ پہلے ابوالعاص کی والدہ ہالہ اپنی بہو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا، بیٹے اور ننھی پوتی اُمامہ سے ملنے مدینہ آئیں۔ ایک دن جبکہ رسول اللہ ﷺ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے تو کسی نے دروازے پر دستک دی اور ایک عورت کی آواز سنائی دی جو اندر آنے کی اجازت مانگ رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا اور جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مشاہدے کی قوت سے فوراً سمجھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس شدید تاثر کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے رشک کے جذبے سے مغلوب ہو کر رسول اللہ ﷺ سے غصہ کیا۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ ہالہ رضی اللہ عنہا کی آواز میں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آواز سن لی تھی۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اس کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی اجازت طلبی کا انداز بھی زوجہ مرحومہ جیسا تھا۔ (۶)

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عمر رسیدگی کے باعث اپنی باری کا دن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام کر دیا۔ انہیں یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے فیصلے سے خوش ہوں گے۔ باقی سب لوگوں بمعہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی اس میں کوئی شک نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج میں سب سے زیادہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ محض قیاس نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے یہ حقیقت عین واضح تھی کہ جب بھی اصحاب ان سے سوال کرتے ''یا رسول اللہ ﷺ! اس دنیا میں آپ سب سے زیادہ کسے عزیز رکھتے ہیں؟'' تو اپنی محبتوں کے بے شمار پہلوؤں کے باعث رسول اللہ ﷺ کا جواب ہمیشہ ایک جیسا نہیں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اپنی بیٹیوں، ان کے بچوں، علی، ابوبکر، زید اور اسامہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور کا نام نہ لیتے۔ اسی لیے مدینہ میں یہ معمول سا بن گیا تھا کہ جب کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ سے کسی لطف وکرم

Marfat.com

کی طلب ہوتی اور وہ آپ ﷺ کی خدمت میں کوئی نذرانہ پیش کرنا چاہتا، جیسا کہ اس بارے میں قرآن میں ترغیب دی گئی تھی، تو وہ اپنی گزارش کو اس وقت تک ملتوی رکھتا جب تک رسول اللہ ﷺ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما نہ ہوتے، اس مفروضہ کے تحت کہ آپ ﷺ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں زیادہ مسرت محسوس کرتے ہیں اور آپ کی توجہ کے حصول کے لیے وہ موقع سب سے زیادہ موزوں ہوگا۔ اس صورتِ حال نے رسول اللہ ﷺ کے گھرانے میں بدمزگی سی پیدا کر دی اور اس کے تدارک کے لیے اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی اور دیگر ازواج کی جانب سے رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست لے کر حاضر ہوئیں کہ آپ ﷺ کی جانب سے یہ اعلان کر دیا جائے کہ اگر کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی نذر پیش کرنی ہو تو وہ کسی مخصوص حجرے میں آپ کی موجودگی کا انتظار نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پھر یہی بات کہی لیکن آپ ﷺ خاموش رہے۔ جب انہوں نے تیسری بار یہی بات کہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تکلیف نہ پہنچاؤ کیونکہ مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی کسی اور زوجہ کے ہاں مگر جب کہ میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر میں ہوتا ہوں۔''[2] اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''میں اللہ کے حضور توبہ کرتی ہوں کہ میں نے آپ کو اذیت پہنچائی۔'' لیکن دیگر ازواج اس کوشش پر مطمئن نہ ہوئیں اور انہوں نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رابطہ کر کے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے حق میں مداخلت کر کے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کریں کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے معاملہ میں ان سے انصاف کریں۔'' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بادلِ ناخواستہ اس بارے میں رضامند تو ہو گئیں لیکن اس بارے میں کچھ کرنے سے ہچکچاتی رہیں۔ حتیٰ کہ ان کی رشتہ دار بہن سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں اور ان پر بہت زور ڈالا۔ چنانچہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ بات پیش کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری چھوٹی بچی کیا تمہیں اس سے پیار نہیں جس سے میں پیار کرتا ہوں؟'' جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''تب تم بھی اس سے پیار کرو۔ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔'' پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیا تم کو زینب نے بھیجا ہے؟'' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ''زینب رضی اللہ عنہا اور دوسروں نے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں قسمیہ کہتا ہوں کہ یہ زینب رضی اللہ عنہا ہی ہیں جنہوں نے یہ معاملہ کھڑا کیا ہے۔'' جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مسکرا کر اس کا اقرار کیا تو آپ بھی مسکرا دیئے۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے واپس جا کر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس بارے میں آگاہ کیا تو انہوں نے کہا ''اے دخترِ رسول ﷺ آپ تو ہمارے کچھ کام نہ آئیں۔'' وہ ان پر زور ڈالنے لگیں کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس

Marfat.com

بارے میں ایک بار پھر کوشش کریں لیکن انہوں نے انکار کر دیا تو انہوں نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے کہا ''تم خود جاؤ۔'' سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ وہ اس بارے میں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو جواب دیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں جو کچھ دلائل دیئے ان کے خلاف سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کچھ نہ کہہ سکیں۔ رسول اللہ ﷺ پابند تھے کہ وہ اپنی ازواج کے مابین عدل و مساوات قائم رکھیں تاکہ دوسرے آپ ﷺ کی سنت پر عمل کریں۔ لیکن اپنی ازواج کے معاملہ میں دوسروں کے مساویانہ رویہ کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی آپ ﷺ کی حساس طبیعت نے یہ گوارا کیا ہوگا کہ آپ ﷺ اس معاملہ میں مداخلت فرمائیں۔ آپ ﷺ کے لیے تو یہی مناسب تھا کہ آپ شکریہ کے ساتھ نذر قبول فرمالیں اور دیگر امور کو نذر پیش کرنے والے پر چھوڑ دیں۔ جب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا رخصت ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''سچ ہے کہ تم ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی بیٹی ہو۔''⑧

رسول اللہ ﷺ کے گھرانے میں رشک ناگزیر تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو ہلکا کرنے کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ حجرہ میں تشریف لائے جہاں ازواج اور دیگر اہلِ خانہ جمع تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں سنگِ سلیمانی کی ایک مالا تھی جو کسی نے ابھی ابھی آپ ﷺ کو نذر کی تھی۔ آپ نے وہ مالا سب کے سامنے لہراتے ہوئے فرمایا میں یہ اس کو دوں گا جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ کچھ ازواج نے سرگوشیوں میں اندازہ لگایا کہ یہ مالا آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو دیں گے لیکن آپ ﷺ نے سب کو امید وبیم کی کیفیت میں رکھنے کے بعد اپنی ننھی نواسی اُمامہ کو اپنے پاس بلایا اور مالا ان کی گردن میں ڈال دی۔ رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں نواسوں، فرزندانِ علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما سے کچھ کم محبت نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے اپنے اہلِ بیت میں سب سے زیادہ محبت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے ہے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کا شمار بھی پوتے کی حیثیت سے ہوتا تھا اور ایک سے زاید مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے اسامہ اور حسن رضی اللہ عنہما، دونوں کے ہاتھ پکڑ کر اللہ سے دعا فرمائی کہ ''یا اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی ان سے محبت فرما۔''⑨

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ابن سعد: ۸، ۴۷ ۲۔ ابن سعد: ۸، ۵۵ ۳۔ قرآن ۷: ۴۲۔ ۱۵: ۴۷ ۴۔ ابن سعد: ۸، ۵۵

۵۔ بخاری: ۶۳، ۲۰ ۶۔ بخاری: ۶۳، ۲۰ ۷۔ بخاری: ۵۱، ۸ ۸۔ بخاری: ۵۱، ۸ ابن سعد: ۸، ۱۲۳

۹۔ ابن سعد: ۱/۴، ۴۳

Marfat.com

باب: ۱۷

خیبر کے بعد

خیبر کے محاربہ کے بعد چھ نسبتاً چھوٹی مہمات عمل میں آئیں۔ ان میں سے دو کی قیادت بالترتیب حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے کی۔ ایک مہم ہوازن کے دشمن قبائل کے خلاف تھی جنہوں نے یمن کی شاہراہ کو غیر محفوظ کیا ہوا تھا اور دوسری مہمات مشرق اور شمال کی جانب غطفان کے قبائل کے خلاف عمل میں آئیں۔ ان میں دو مہمات غطفان کے بنی مرّہ کے خلاف تھیں جن کا علاقہ حدودِ فدک سے ملحق تھا۔ فدک اب رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں تھا اور فدک کے یہودیوں کی حیثیت مزارعین جیسی ہونے کے باعث انہیں بدوی قبائل کے خلاف تحفظ کی ضرورت تھی لیکن لوٹ مار کرنے والے بدویوں کی قوت کا اندازہ کم لگایا گیا اور پہلی مہم میں صرف تیس صحابہ کی چھوٹی سی جمعیت کو روانہ کیا گیا جو قریباً تمام شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فوری طور پر دو سو سواروں پر مشتمل لشکر روانہ فرمایا۔ دشمن کو بھاری جانی نقصان کے بعد بھاگنا پڑا۔ چند قیدی بھی بنائے گئے اور ان کے اونٹ اور بھیڑیں بھی قبضہ میں لے لی گئیں۔ سترہ سالہ اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس مہم میں حصہ لینے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اگرچہ اسامہ رضی اللہ عنہ جنگِ خندق میں پچھلی صفوں میں موجود تھے لیکن حقیقی معنوں میں یہ ان کی پہلی جنگی مہم تھی۔ اس معرکے میں مُرّہ کے ایک بدوی نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی نوعمری کا مذاق اڑایا لیکن اسے جلد ہی اپنے مذاق کی قیمت ادا کرنی پڑی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی اپنی سپاہ گری کے جوہر دکھانے کا موقع ڈھونڈ رہے تھے۔ اب انہوں نے غضب کے عالم میں اس آدمی کا دور صحرا تک تعاقب کیا۔ حالانکہ سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ سب اکٹھے رہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ آخر کار اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے پا لیا اور گھائل کر کے نیچے گرا دیا۔ اس شخص نے زخمی حالت میں زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ادا کیا لیکن اس کی زبان سے کلمۂ شہادت ادا ہونے

Marfat.com

کے باوجود اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس پر جان لیوا وار کر کے اسے ہلاک کر دیا۔

مہم کے کماندار غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (1) تھے اور معرکے کے بعد پہلی فکر جو ان پر سوار ہوئی وہ یہ تھی کہ ''اسامہ رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟'' غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور لشکر میں شامل سب بخوبی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسامہ رضی اللہ عنہ سے کس قدر محبت تھی۔ اسی لیے فتح کے باوجود پڑاؤ میں انتہائی پریشانی کا عالم تھا کہ رات گزرنے کے ایک گھنٹہ بعد اسامہ رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ غالب رضی اللہ عنہ نے سختی سے ان کی غیر حاضری کی وجہ دریافت کی تو نوجوان اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے اپنا مذاق اڑانے والے شخص کا تعاقب کیا اور اس کو زخمی کر کے نیچے گرا دیا۔ اس نے زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہا۔'' غالب رضی اللہ عنہ نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا ''تو تم نے اپنی تلوار میان میں ڈال لی۔'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''نہیں میں نے تب تک تلوار میان میں نہ ڈالی جب تک اسے حوالۂ اجل نہ کر دیا۔'' یہ سننا تھا کہ سارے پڑاؤ میں شور مچ گیا اور سب نے بلند آواز میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو ملامت کرنا شروع کر دی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے شرمندگی کے عالم میں اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ پھر واپسی کے پورے سفر کے دوران انہوں کچھ کھایا نہ پیا کہ اس کے لیے ان کی طبیعت مائل ہی نہ ہو سکی۔ بزرگ صحابہ کو معلوم تھا کہ اس بارے میں وحی کا نزول ہو چکا ہے کہ جب ایک جہاد کے دوران ایک مسلمان نے اپنے مقابل کے کلمۂ شہادت کے باوجود زرہ، اسلحہ اور مالِ غنیمت، جس پر وہ اپنا حق سمجھتا تھا، کے ہاتھ سے نکل جانے کے خیال سے یہ کہتے ہوئے اسے ہلاک کر دیا کہ ''تو اسلام نہیں لایا۔'' اسامہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں مسئلہ مالِ غنیمت کی بجائے عزت و وقار کا تھا لیکن اصول تو اٹل تھا کہ جو کلمۂ شہادت ادا کر دے اس کو قتل نہ کیا جائے۔ اس بارے میں آیات نازل ہو چکی تھیں کہ:

''اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو دوست اور دشمن میں امتیاز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اسے فوراً نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے۔ اگر تم دنیاوی فائدہ چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت مالِ غنیمت ہے۔ آخر اسی حالت میں تم خود بھی تو مبتلا رہ چکے ہو۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔ لہٰذا تحقیق سے کام لو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''(2)

مدینے پہنچتے ہی اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے انہیں بڑی محبت سے گلے لگایا اور پھر فرمایا ''اب مجھے اپنی مہم کے بارے میں بتاؤ'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے وہ تمام واقعات بیان کرنا شروع کیے جو مدینہ سے روانگی کے بعد محاربہ تک وقوع پذیر ہوئے تھے۔ جب وہ اس نکتہ پر پہنچے کہ جب انہوں نے آدمی کو قتل کر دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے اسامہ رضی اللہ عنہ کیا تو نے اس کو اسی وقت قتل کیا جب اس نے زبان سے لا الٰہ الا اللہ ادا کیا؟'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! اس نے کلمہ صرف

Marfat.com

اپنی جان بچانے کے لیے ادا کیا تھا۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اور اس کی تصدیق کے لیے کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا تھا یا جھوٹ؟" اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا "آئندہ میں کسی ایسے آدمی کو قتل نہیں کروں گا جو زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دے۔" اسامہ رضی اللہ عنہ بعد میں کہا کرتے تھے "کاش میں داخلِ اسلام ہی اس روز ہوا ہوتا۔" (۳) کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی توثیق کر دی تھی کہ دین میں داخل ہوتے ہی گزشتہ زندگی کے سارے گناہ دُھل جاتے ہیں۔

خیبر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ قریباً مدینہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ اس دوران اگرچہ چھوٹے چھوٹے معرکے بھی ہوتے رہے۔ جنوب کے ساتھ معاہدہ امن اور شمال میں جو فتح یابی حاصل ہوئی ان کی وجہ سے یہ زمانہ نسبتاً امن اور چین و فراغت سے گزرا۔ سوائے اس کے کہ چمنستانِ حجاز سے حاصل ہونے والی دولت نے کچھ مسائل کھڑے کر دیئے۔

ایک دن صبح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مکان پر آئے۔ وہ جیسے جیسے گھر کے قریب پہنچ رہے تھے تو انہوں نے حرمِ نبوی ﷺ سے عورتوں کی آوازیں سننا شروع کیں۔ یہ آوازیں اتنی بلند تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ان آوازوں کا بلند ہونا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت برا لگا۔ مزید برآں یہ خواتین قریش یعنی مہاجرین میں سے تھیں۔ جس سے ان کو اپنی اس رائے میں تقویت ملی کہ قریش سے تعلق رکھنے والی خواتین مدینہ کی عورتوں سے ناپسندیدہ اطوار سیکھ رہی ہیں۔ مدینہ کی عورتیں نسلوں سے کم پابندی کے باعث خاصی بیباک اور مکہ کی عورتوں کے مقابلہ میں اپنے حقوق کے بارے میں خاصی سخت تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ سخت ناپسند تھا کہ وہ کسی درخواست کو رد کریں۔ ان عورتوں کو یہ حقیقت معلوم تھی اس لیے وہ یہ ضد کر رہی تھیں کہ مختلف قسم کے کپڑے جو مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے حصے میں آئے تھے وہ ان کو دے دیے جائیں۔ حجرے کے ایک حصے کے درمیان پردہ کھنچا ہوا تھا۔ جب حرمِ خانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی گئی کہ وہ اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہے ہیں تو ایک دم سے خاموشی طاری ہو گئی اور سب خواتین تیزی سے پردے کے پیچھے چھپ گئیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہنسی کے باعث کچھ کہہ نہیں پا رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے "اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کی زندگی کو تبسم سے معمور کر دے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کیسی عجیب بات ہوئی کہ یہ تمام خواتین جو ابھی تک میرے پاس تھیں، تمہاری آواز ہی سنتے ہی کس تیزی سے پسِ پردہ ہو گئی ہیں!" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "یہ حق تو آپ ﷺ کا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے احترام اور رعب کا پاس کریں نہ کہ میرا۔" اس کے بعد حضرت

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''اے اپنے آپ کی دشمن! تم مجھ سے خوف کھاتی ہو اور اللہ کے رسول سے نہیں۔'' عورتوں نے جواب دیا ''ہاں ایسا ہی ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں آپ سخت مزاج اور سخت گیر ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے ابن خطاب یہ حقیقت ہے'' اور اس کے بعد مزید فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ شیطان تمہیں کسی راستے پر آتا دیکھ لیتا ہے تو وہ اس راستے سے کترا کر نکل جاتا ہے۔''④

نئی نئی دولت جو حاصل ہوئی تھی اس کے نتیجے میں راحت اور آسانیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کو بھی حوصلہ ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ایک کرم کی درخواست کریں۔ بہت عرصے سے انہیں ایک اونٹ کی ضرورت تھی جسے وہ اپنا کہہ سکیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے سواری کے لیے ایک اونٹ کی طلبگار ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی سنجیدگی سے ان پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا ''میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا۔'' اُمِ ایمن نے یہ سمجھتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ ان کو اونٹ کی بجائے اونٹ کا بچہ دینا چاہتے ہیں، جھٹ سے کہا ''اللہ کے رسول! نہیں چاہیے مجھے اونٹ کا بچہ۔'' آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا ''میں تو تمہیں اونٹ کے بچے پر ہی سوار کروں گا۔''⑤ یہ مسئلہ چلتا رہا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر تبسم نمودار ہوا تو اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا نے جان لیا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں چھیڑ رہے ہیں کیونکہ ہر اونٹ لازمی طور پر کسی اونٹ کا بچہ ہی تو ہوتا ہے۔

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاقات پر رسول اللہ ﷺ کو خوش نہ پایا۔ آپ ﷺ اپنے رخسار کے نیچے ہاتھ رکھے اور اس پر سر کو ٹکا کر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! یہ مجھ سے اس سب کچھ کی طلبگار ہیں جو میرے پاس نہیں ہے۔'' جس وقت مسلمانوں کا لشکر خیبر کی جانب رواں تھا تو اس متوقع فتح کے نتیجے میں مدینے میں آنے والی خوشحالی کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ ''اس میں تمہارے لیے بھلائی نہیں ہوگی۔'' رسول اللہ ﷺ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ظاہر ہوا۔ اس کا اطلاق دوسرے عام گھرانوں کی طرح آپ ﷺ کے گھرانے پر بھی ہوا۔ خیبر کی فتح سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا گھرانہ انتہائی عسرت کی حالت میں زندگی بسر کرتا تھا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ خیبر کی فتح سے قبل انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ پیٹ بھر کر کھجوریں کھانا کیا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زیرِ کفالت صحابہ کی غربت کے باعث ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن انتہائی ضروری طور پر ہی کچھ طلب کرتیں اور بعض اوقات تو ضرورت کے باوجود خاموش ہی رہتیں۔ جو چیز بھی کسی ضرورتمند کو دی جاسکتی تھی وہ اسے دے دی جاتی یا اسے فروخت کر کے اس رقم سے صدقات دیئے جاتے لیکن اب

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کو تحائف سے نوازتے رہتے تھے اور جہاں تک ازواج کا تعلق ہے تو وہ مانگنے میں سست نہ تھیں۔ اس وجہ سے بعض اوقات مسائل پیدا ہو جاتے کیوں کہ مساوات اور انصاف کا تقاضا تھا کہ جو ایک کو دیا جائے وہی کچھ سب کو دیا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی رعایت کا دوسری طرح سے بھی فائدہ اٹھایا جانے لگا۔ ایک دن حضرت عمر ؓ نے اپنی زوجہ کو کسی بات پر ڈانٹا تو انہوں نے بڑے تیکھے انداز میں جواب دیا۔ جب حضرت عمر ؓ نے انہیں ٹوکا اور نصیحت کی تو وہ بولیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کی ازواج تو ان کو پلٹ کر جواب دیتی ہیں اس لیے وہ اس کی مجاز کیوں نہیں؟'' انہوں نے مزید کہا ''ان میں سے ایک تو صبح شام جو دل میں آتا ہے، ان سے کہتی رہتی ہے۔'' اس سے ان کی مراد حضرت عمر ؓ کی صاحبزادی سیّدہ حفصہ ؓ سے تھی۔ حضرت عمر ؓ یہ سن کر انتہائی پریشانی کے عالم میں سیّدہ حفصہ ؓ کے پاس گئے۔ سیّدہ حفصہ ؓ کی ماں نے جو کچھ کہا تھا انہوں نے اس کو سچ قرار دیا تو حضرت عمر ؓ نے کہا ''تجھ میں نہ تو عائشہ ؓ جیسی شان ہے اور نہ زینب ؓ جیسا حسن و جمال۔'' یہ بات انہوں نے سیّدہ حفصہ ؓ کی خود اعتمادی کو کم کرنے کے لیے کہی تھی لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی بات کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا تو انہوں نے مزید کہا ''کیا تمہیں اتنا یقین ہے کہ اللہ کے رسول کو غصہ دلاؤ گی تو اللہ اپنے غضب سے تم کو برباد نہ کر دے گا؟'' [6] اس کے بعد حضرت عمر ؓ اپنی رشتہ کی بہن اُمِ سلمہ ؓ کے ہاں گئے اور ان سے دریافت کیا ''کیا سچ ہے کہ تم جو جی میں آتا ہے وہ کسی احترام کو ملحوظ رکھے بغیر رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیتی ہو؟'' اُمِ سلمہ ؓ نے جواب دیا ''قسم ہے تمام بہتر و خیر کی! تم کو کیا ضرورت پیش آ گئی کہ تم رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں دخل دو؟ ہاں یہ بالکل سچ ہے کہ ہمارے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ان سے کہہ دیتی ہیں۔ اور اگر وہ برداشت کر لیتے ہیں تو یہ ان کا معاملہ ہے۔ اور اگر وہ ہمیں منع کر دیں گے تو وہ ہمیں اس سے زیادہ اطاعت گزار پائیں گے جتنے ہم تمہارے ہیں۔'' [7] حضرت عمر ؓ نے محسوس کیا کہ وہ حد سے زیادہ تجاوز کر گئے تھے اور اُمِ سلمہ ؓ نے جو سرزنش کی تھی وہ بھی بجا تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی عیاں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں سب خیر و عافیت نہیں تھی۔

اب جو اچانک تلافی اور ازالہ کی صورت پیدا ہوئی تو اس کا باعث ایک بالکل غیر متوقع واقعہ کا ظہور تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کو خط بھیجا اور اس میں اسے دعوتِ اسلام دی۔ اس کے جواب میں ٹال مٹول کے باوجود مصر کے فرمانروا نے ایک گرانقدر تحفہ بھی بھیجا۔ جس میں ایک ہزار قراط سونا، نفیس کپڑے کی بیس عبائیں، ایک خچر اور ایک مادہ خچر کے علاوہ تحفہ کی سب سے قیمتی شے دو قبطی عیسائی کنیزیں بھی تھیں جن کی حفاظت کے لیے

Marfat.com

ایک عمر رسیدہ مخنس مامور تھا۔ نوعمر کنیز لڑکیاں بہنیں تھیں۔ ایک کا نام ماریہ اور دوسری کا نام شیریں تھا۔ دونوں بہت خوبصورت تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے شیریں کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا کر دیا اور ماریہ کو اس مکان میں ٹھہرایا جہاں پہلے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا رہ چکی تھیں۔ اس کے بعد جب مسجد کے ساتھ ایک نیا حجرہ تعمیر کر دیا گیا تو وہ وہاں منتقل ہو گئی تھیں۔ ماریہ کو جس مکان میں ٹھہرایا گیا وہ نزدیک ہی تھا اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس دن اور رات میں تشریف لے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کی جانب سے اس بارے میں علانیہ رشک کے اظہار نے ماریہ کو افسردہ کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں بالائی (شمالی) مدینہ میں پہنچا دیا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج پہلے تو مطمئن ہوئیں لیکن ان پر جلد ہی عیاں ہو گیا کہ اس نقل مکانی سے ان کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں جانے میں تو کوئی کمی نہ کی بلکہ فاصلہ بڑھ جانے کی وجہ سے ان کی عدم موجودگی میں زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔

ان سب کو بخوبی معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس بارے میں اپنا حق استعمال کر رہے ہیں، وہ حقوق جو حضرت ابراہیم علیہ السلام بلکہ ان سے بھی قبل تسلیم کیے جا چکے تھے۔ کیا وہ سب کی سب سوائے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی کنیز ہاجرہ علیہا السلام کی اولاد نہ تھیں؟ پھر وہ شرعی قانون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا، اس حق کی توثیق کرتا تھا۔ خود قرآن بھی واضح طور پر ایک آقا اور مالک کو اپنی کنیز سے تمتع کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن ازواج کو یہ بھی معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ انتہائی حساس طبیعت کے مالک ہیں اس لیے انہوں نے ارادہ کیا کہ ان کا ردِعمل ان کی خانگی زندگی میں سرایت کر جائے۔ خاص طور پر سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے احساسات کا اظہار اس طور پر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو قسم کھانی پڑی کہ آپ ﷺ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا سے مزید ملاقات نہیں کریں گے۔ اس مسئلہ پر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی ہمنوا تھیں۔

اب جو وحی نازل ہوئی اس کا نام سورۃ تحریم ⁽٨⁾ ہے۔ کیونکہ اس کی ابتدا میں ہی رسول اللہ ﷺ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ انہوں نے سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زندگی سے بے دخل کیوں کر دیا ہے۔ ''اے نبی! تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے۔'' ⁽٩⁾ پھر آپ ﷺ کو اپنی قسم سے معاف کرنے کے بعد سیّدہ حفصہ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہن کا نام لیے بغیر ان سے خطاب ہے ''اگر تم دونوں اللہ سے ندامت کا اظہار کرو (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) کیوں کہ تمہارے دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں اور اگر نبی کے مقابلے میں تم نے باہم جتھہ بندی کی تو جان رکھو اللہ اس کا مولیٰ ہے اور اس کے بعد جبرائیل اور تمام صالح اہلِ ایمان اور سب ملائکہ اس کے ساتھی اور مددگار ہیں۔'' اگلی آیات میں تمام ازواج کو خطاب کیا گیا ''بعید نہیں کہ اگر نبی تم

Marfat.com

سب بیویوں کو طلاق دے دے تو اللہ اسے ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں۔ سچی، مسلمان، ایماندار، اطاعت گزار، توبہ گزار، عبادت گزار اور روزہ دار خواہ بیاہی اور بن بیاہی کنواریاں۔''(۱۰)

سورۃ تحریم سلسلہ انبیا کی تاریخ میں سے دو اچھی اور دو بری مثالوں پر ختم ہوتی ہے: ''اللہ کافروں کے معاملے میں نوح اور لوط علیہم السلام کی بیویوں کو بطورِ مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے صالح بندوں کی ازواج تھیں لیکن انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ کام نہ آ سکے۔ دونوں سے کہہ دیا گیا، جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ اور اہلِ ایمان کے معاملے میں اللہ فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے جبکہ اس نے دعا کی ''اے میرے رب! میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک جگہ بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا لے اور ظالم قوم سے مجھ کو نجات دے، اور عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام کی مثال دیتا ہے جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تھی۔ پھر ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے ارشادات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی۔''(۱۱)

سورۃ تحریم کی ان آیات کو ازواج کے سامنے تلاوت کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ان پر غور کرنے کے لیے چھوڑ کر حجروں سے ملحق کمرے میں چلے گئے۔ یہ واحد جگہ تھی جو ازواج کے حجروں سے علیحدہ تھی۔ سارے مدینہ میں خبر پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ اس شب یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ معمول کے مطابق وہ صبح مسجد میں پہنچ گئے لیکن نماز ختم ہونے کے بعد قبل اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بات کرنے کا موقع ملتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے ''تو کیوں رو رہی ہے؟'' اور اس سے قبل کہ بیٹی جواب دیتیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے ''کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ یہی ہوگا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی ہے؟'' سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بولیں ''مجھے نہیں معلوم لیکن وہ وہاں ہیں، اس کمرے میں جہاں انہوں نے اپنے کو علیحدہ کر لیا ہے۔'' اس کمرے میں جانے کے لیے راستہ مسجد سے ہو کر جاتا تھا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر مسجد میں واپس آئے۔ وہاں اصحاب منبر کے گرد جمع تھے جن میں چند آبدیدہ نظر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند لمحات کے لیے ان کے پاس آ کر بیٹھے۔ اس کے بعد انہیں اپنے جذبات پر قابو نہ رہا اور وہ سائبان کے دروازے پر گئے۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک حبشی خدمت گار لڑکا کھڑا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے کہا ''اندر جاؤ اور اجازت مانگو کیا عمر رضی اللہ عنہ اندر آ سکتا ہے؟'' لڑکا اندر گیا اور واپس آ کر بولا ''میں نے ان کے سامنے آپ کا نام لیا تھا لیکن انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ خاموش رہے۔'' حضرت

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ واپس آ کر اصحاب کے حلقے میں بیٹھ گئے۔ پھر دوبارہ گئے اور داخلے کی اجازت مانگی۔ ایک مرتبہ پھر انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ یہی کچھ تیسری مرتبہ بھی ہوا لیکن عین اس وقت جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پلٹ رہے تھے تو لڑکے نے انہیں آواز دے کر بلایا اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں اندر آنے کی اجازت فرما رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر گئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سرکنڈے کی چھال کی چٹائی پر استراحت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی پشت کا جو حصہ کھلا ہوا تھا اس پر چٹائی کی نشانات نظر آ رہے تھے۔ ایک چرمی تکیہ جس کے اندر کھجور کے تنے کی چھال بھری ہوئی تھی، وہ آپ ﷺ کے پہلو میں تھا اور آپ ﷺ اس پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اندر داخل ہونے پر آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے اپنی نظریں اُٹھائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور فرمایا ''نہیں! میں نے ایسا نہیں کیا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنی زوردار آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ ان کی آواز پڑوس کے تمام گھروں میں سنائی دی۔ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں بتایا ''میں رو رہی تھی اور جب کوئی مجھ سے سوال کرتا تھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی ہے تو میں جواب دیتی خدا کی قسم میں نہیں جانتی اور یوں ہی ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور ہم نے تکبیر کی آواز ''اللہ اکبر'' اپنے کانوں سے سنی۔ ہم سب اپنے اپنے حجروں میں تھے اور ہمیں پتا لگ گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے 'نہیں' کہہ دیا تھا۔'' ایک سوال تھا جو ہر ایک کے ذہن پر تھا اور لوگوں کو یقین تھا کہ یہی سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن پر اپنی بیٹی کے حوالے سے پریشان کن ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا ''میں وہاں کھڑا رہا اور رسول اللہ ﷺ کی کیفیت کا مطالعہ کرتا رہا۔ میں نے کہا 'ہم قریش کے مرد اپنی بیویوں پر حاوی ہوتے تھے لیکن مدینہ میں ایسے لوگوں کے درمیان آ گئے جن کی بیویاں اپنے شوہروں پر حاوی ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر مسکراہٹ کی ہلکی سی جھلک آئی۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو وہ بات بھی بتائی جو انہوں نے اپنی بیٹی سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کے طور پر کہی تھی۔ ان کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حوصلہ ہوا اور انہوں نے بیٹھ جانے کی جرأت کی۔ ایک مرتبہ پھر ان کو کمرے کی بے سروسامانی پر نظر کر کے دکھ ہوا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں رسول اللہ ﷺ نے سورۃ تحریم کے نزول کے بعد اپنے کو سب سے علیحدہ کر لیا تھا۔ فرش پر سرکنڈے کی چھال سے بُنی ہوئی ایک چٹائی پڑی تھی۔ تین چرمی گدے تھے اور بس۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے مشورہ دیا رسول اللہ ﷺ کو اپنے لیے کچھ راحت اور آرام بھی چاہیے اور مثال کے طور پر انہوں نے یونان اور ایران کا تذکرہ کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات کو اس کلام سے کاٹ دیا ''اے ابن خطاب کیا تم کو اس میں کوئی شک ہے کہ ان کی نفیس اشیا ان کی تیزی سے ختم ہونے والی دنیاوی (عارضی) زندگی تک ہی نہیں ہیں۔''

یہ نئے چاند کے طلوع ہونے کے دن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج پر ظاہر کر دیا کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے وہ ان میں سے کسی سے ملنا نہیں چاہتے۔ جب مہینے کا چاند بالکل ڈوب چکا تھا تو آپ پہلے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر مسرور ہوئیں اور متعجب ہو کر پوچھنے لگیں ''ابھی تو انتیسویں شب ہے؟'' ''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' رسول اللہ ﷺ دریافت فرمایا۔ ''اس لیے کہ میں شمار کرتی رہی ہوں اور میں نے ان کا کتنا شمار کیا؟'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ آپ نے فرمایا ''لیکن یہ مہینہ تیس کا نہیں انتیس کا ہے۔'' انہیں خیال نہ رہا کہ قمری مہینہ کبھی تیس اور کبھی انتیس کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک دوسری وحی کی خبر دی جس کے مطابق یہ لازم ہو گیا ہے کہ وہ دو امکانات میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہوں نے ان کے والد (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے کہا ہے کہ وہ اس بارے میں تم کو مشورہ دینے میں مدد کریں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں ''میرے متعلق کسی معاملہ میں کوئی آپ ﷺ کی مدد نہیں کرے گا لیکن یا رسول اللہ مجھے بتائیں کہ بات کیا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے وحی کی تلاوت فرمائی ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''[۱۲] سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''یقیناً مجھے خواہش ہے اللہ کی، اس کے رسول ﷺ کی اور آخرت کے گھر کی۔'' ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی ایسی نہ تھیں جنہوں نے بالکل یہی بات نہ کہی ہو۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ ان کا تعلق کنانہ کے قبیلے بنی لیث سے تھا۔ ۲۔ قرآن ۴: ۹۴ ۳۔ واقدی: ۷۲۵ ۴۔ بخاری: ۶۲، ۶

۵۔ ابن سعد: ۸، ۱۶۳ ۶۔ ابن سعد: ۱۳۱ ۷۔ ابن سعد: ۸، ۱۳۷ ۸۔ قرآن ۶۶: ۱ ۹۔ قرآن ۶۶: ۵۔۴

۱۰۔ قرآن ۷۱: ۱۲۔۹ ۱۱۔ قرآن ۳۳: ۲۹ ۱۲۔ قرآن ۲۸، ۹۔۲۸

Marfat.com

باب: ۷۲

عُمرہ اور اس کے نتائج

معاہدہ حدیبیہ کو ماہ بہ ماہ گزرتے ہوئے تقریباً ایک سال گزر چکا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ سفرِ مکہ کی تیاری کی جائے اور معاہدہ کی رو سے قریش نے وعدہ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کو حدودِ مقدسہ میں پوری حفاظت کے ساتھ داخل ہونے کی اجازت ہو گی تا کہ وہ سب عمرہ ادا کر سکیں۔ حاجیوں کی کل تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ نئے زائرین کے علاوہ ان میں سالِ گزشتہ کے وہ اصحاب بھی شامل تھے جو عمرہ کی امید پر مکہ گئے تھے، سوائے ان کے جن کی وفات ہو چکی تھی یا غزوات میں شہید ہو چکے تھے۔ ان حجاج میں قبیلۂ دوس کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (1) بھی تھے۔ آپ غزوۂ خیبر کے موقع پر اپنے قبیلے کے دوسرے افراد کے ساتھ مدینہ آئے تھے اور اپنی غربت کے باعث اصحابِ صفہ میں شامل ہو گئے تھے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کا نام عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ رکھ دیا گیا لیکن وہ ہمیشہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام سے ہی جانے گئے۔ یعنی ''بلی والا''، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرح وہ بھی بلیوں کو بہت پسند کرتے تھے اور ان کے پاس اکثر بلی کا ایک بچہ ضرور ہوتا، جس سے وہ کھیلتے رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جلد ہی رسول اللہ ﷺ سے قربت حاصل کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس موقع پر قربانی کے اونٹوں کا نگران مقرر فرمایا۔

جب قریش نے سنا کہ زائرین حدودِ مقدسہ کے کنارے پر پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے مکہ کی وادی خالی کر دی اور اردگرد کی پہاڑیوں کے اوپر چلے گئے۔ قریش کے تمام سردار ابوقبیس پہاڑ پر جمع تھے اور وہاں سے مسجد الحرام میں مسلمانوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہاں سے وہ تمام علاقے کا وسیع تر جائزہ لے سکتے تھے۔ اب انہوں نے دیکھا کہ زائرین شمال مغربی درے سے ایک طویل قطار میں نکلنا شروع ہوئے۔ یہ راستہ

Marfat.com

وادیٔ مکہ میں شہر سے ذرا تھوڑا نیچے سے داخل ہوتا ہے۔ ان کے کانوں میں ایسی بھنبھناہٹ آئی جو صاف سنائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن جلد ہی ان کو واضح طور پر سنائی دینا شروع ہو گیا، وہی جو حجاج کی ازلی صدا تھی۔ لبیك اللھم لبیك ''اے اللہ میں حاضر۔ میں حاضر ہوں، تیری اطاعت میں سرتاپا حاضر ہوں۔''

برہنہ سر سفید احرام میں ملبوس زائرین کا طویل جلوس جس کی قیادت رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے۔ وہ اپنی اونٹنی قصوا پر سوار تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اونٹنی کی نکیل پکڑے آگے آگے چل رہے تھے۔ دوسرے اصحاب میں سے کچھ اونٹوں پر سوار تھے اور کچھ پیادہ۔ سب نے قریب ترین راستے سے بیت الحرام کا رخ کیا۔ سب اوپر والی چادر ایک قبا کی مانند پہنے ہوئے تھے۔ لیکن مسجد میں داخل ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر کا ایک سرا اپنے داہنے بازو کے نیچے سے گزارا اور کندھا برہنہ چھوڑتے ہوئے دوسرا سرا بائیں کندھے پر ڈال لیا۔ یوں چادر کا ایک سرا تو بائیں کندھے سے آگے کی طرف لٹکتا رہا اور دوسرا پیچھے پشت پر۔ تمام اصحاب نے بھی پیروی کی۔ رسول اللہ ﷺ ابھی تک اپنی سواری پر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر ہی خانہ کعبہ کے جنوب مشرقی رکن تک گئے اور اپنے عصا کو بہ عزت و احترام حجرِ اسود سے مَس کیا۔ پھر آپ ﷺ نے سات مرتبہ صفہ اور مروہ کا طواف فرمایا۔ بعد ازاں وہاں سے ہٹ کر چھوٹی سی پہاڑی صفہ کی جانب گئے اور سات مرتبہ صفا اور مروہ کی سعی فرمائی جو مروہ پر ختم ہوئی۔ اس مقام پر قربانی کے تمام جانور لائے گئے اور اسی مقام پر آپ ﷺ نے اونٹ کی قربانی پیش کی اور خراش رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا سر مونڈا جیسا کہ اس سے پہلے حدیبیہ میں انہوں نے یہ خدمت انجام دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی عمرہ کے ارکان تکمیل کو پہنچ گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہونے کے لیے حرم میں تشریف لائے' حالانکہ وہاں بت نصب تھے لیکن دروازے پر قفل پڑا ہوا تھا اور اس کی چابی بنی عبدالدار کے کسی فرد کے پاس تھی۔ آپ ﷺ نے ایک صحابی کو چابی کے لیے روانہ کیا لیکن سردارانِ قریش نے جواب دیا کہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں کعبہ میں داخل ہونے کا ذکر نہیں تھا۔ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا عمرہ کے ارکان کا جزو نہیں تھا اس لیے اس سال مسلمانوں میں سے کوئی بھی خانہ کعبہ کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ لیکن جب سورج پوری بلندی پر پہنچ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر ظہر کی اذان دینے کا حکم فرمایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گونج دار آواز سے مکہ کی تمام وادی گونج اٹھی اور پھر ہوا کے دوش پر لہراتی ہوئی پہاڑیوں کی چوٹیوں تک پہنچی۔ پہلے تکبیر، پھر شہادتیں۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔'' ابوقبیس کی چوٹی سے قریش کے سردار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بخوبی پہچان گئے اور ایک حبشی غلام کو خانہ کعبہ کی

Marfat.com

چھت پر دیکھ کر غیض وغضب کے شکار ہوئے۔ لیکن ان کو احساس ہو چکا تھا کہ ان کا دشمن فتح پا چکا ہے اور اس فتح کے مابعد اثرات ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہے۔ انہیں پشیمانی نے گھیر لیا کہ انہوں نے ایسے صلح نامہ پر دستخط کیوں کیے، وہ صلح نامہ جسے ایک سال پہلے وہ اپنی فتح سمجھ رہے تھے۔

زائرین اس خالی شہر میں تین دن تک قیام پذیر رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا خیمہ مسجد الحرام کے اندر نصب تھا۔ وہ تمام مسلمان جنہوں نے ابھی تک اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا رات کے اندھیرے میں پہاڑیوں سے اتر کر نیچے آتے اور اس طرح کئی مسرت آمیز ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کے اسلام کو قریش نے برداشت کر لیا تھا تین دن تک کھل کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ یہی وہ موقع تھا جب انہوں نے اپنی زوجہ کی بہن میمونہ رضی اللہ عنہا (جو اب بیوہ تھیں) کو ان سے رشتۂ ازواج میں منسلک کرنے کی پیش کش کی جسے رسول اللہ ﷺ نے شرفِ قبولیت بخشا۔ میمونہ اور ام الفضل رضی اللہ عنہا دونوں بہنیں تھیں اور ان کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں ان کی سوتیلی بہن سلمیٰ رضی اللہ عنہا (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیوہ) بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہتی تھیں۔ سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی بیٹی عمارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ چچازاد بہن یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی عمارہ رضی اللہ عنہا کو بت پرستوں کے درمیان نہیں چھوڑنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تائید کی۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی زائرین میں شامل تھیں اس لیے طے پایا کہ وہ عمارہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہودج میں اپنے ساتھ رکھیں گی۔

جب تین دن کی مہلت ختم ہونے کو آئی تو سہیل اور حویطب ابوقبیس سے اتر کر آئے اور رسول اللہ ﷺ جو اس وقت سعد بن عبادہ اور دیگر انصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے، سے کہا "اب تمہارا وقت ختم ہو چکا ہے اس لیے اب یہاں سے چلے جاؤ۔" آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے۔ میں تمہارے درمیان رہ کر اپنی شادی کی تقریب کر لوں اور تمہارے لیے ایک ضیافت کا انتظام بھی۔" وہ بولے "ہمیں تمہاری دعوت میں شریک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس اللہ کے واسطے یہاں سے نکل جاؤ۔ ہم تمہیں اس صلح نامہ کا واسطہ دیتے ہیں جو ہمارے مابین ہے کہ اب ہمارا علاقہ چھوڑ دو۔ یہ تیسری رات تھی جو گزر چکی ہے۔" حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان سرداروں کی بے مروتی اور رویے پر بہت غصہ آیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ فرما کر خاموش کر دیا "اے سعد ان لوگوں سے سخت کلامی نہ کرو جو ہمارے خیمہ میں ہم سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ رات ہوتے ہوتے سب زائرین شہر سے نکل جائیں۔ آپ ﷺ نے اپنے خدمتگار ابو رافع رضی اللہ عنہ کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہوئے حکم دیا کہ وہ پیچھے رہ جائیں

Marfat.com

اور میمونہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ لائیں۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور حدودِ مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع سَرِیف کے مقام پر عقد کی تقریب انجام پائی۔

اس ازدواجی رشتے نے دشمن کے ساتھ ایک ایسا تعلق استوار کر دیا جس کا پہلے کوئی اندازہ نہ تھا۔ میمونہ، ام الفضل اور ان کی سوتیلی بہن سلمٰی اور اسماء رضی اللہ عنہن یہ سب بہنیں ایک ہی ماں کے بطن سے تھیں۔ لیکن میمونہ اور ام الفضل رضی اللہ عنہما کی باپ کی جانب سے ایک اور بہن تھیں جن کا نام عصماء تھا۔ وہ مخزوم کے بڑے سردار ولید کی بیوہ تھیں۔ انہی کے بطن سے ولید کے ہاں خالد کی پیدائش ہوئی تھی۔ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد خالد رشتے میں رسول اللہ ﷺ کے بھانجے بن گئے۔

مدینہ واپس ہونے کے بعد جب ایک دوپہر میں رسول اللہ ﷺ محوِ استراحت تھے تو ایک زوردار بحث مباحثہ کی وجہ سے آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے پہچان لیا کہ یہ آوازیں علی، زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کی ہیں۔ تینوں ایک سخت اختلافی بحث میں الجھے ہوئے تھے اور صاف نظر آ رہا تھا کہ اس بحث کے نتیجے میں کسی اتفاق کی بجائے وہ اختلاف کی جانب بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر تشریف لائے اور سب کو اپنے پاس بلا کر دریافت فرمایا کہ تنازعہ کی بنیاد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی جب سے مدینہ آئی ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہیں۔ یہ ان کی عزت و توقیر کا مسئلہ ہے کہ ان میں سے کس کو ان کا ولی بننے کا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میرے پاس آؤ۔ میں اس کا فیصلہ کر دیتا ہوں۔'' جب سب بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اس معاملہ میں ان کا موقف کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ''وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں ہی اسے مکہ سے لے کر آیا ہوں اس لیے ان پر میرا حق سب سے زیادہ ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے تو انہوں نے کہا ''وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی والدہ کی بہن میرے گھر میں ہے۔'' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجہ اسماء رضی اللہ عنہا عمارہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں۔ اب حضرت زید رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو انہوں نے بس اتنا کہا ''وہ میرے بھائی کی بیٹی ہیں۔'' حضرت زید رضی اللہ عنہ جب مدینہ آئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے وصیت نامہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے تمام معاملات کا ولی قرار دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ تینوں میں سے ہر ایک اس بارے میں پر یقین تھا کہ اس عزت و توقیر کے معاملہ میں عمارہ رضی اللہ عنہا کی سرپرستی کا حق اسے پہنچتا ہے۔ اس لیے فیصلہ سنانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے تینوں کے بارے میں تحسین و آفرین کے کلمات ارشاد فرمائے۔ پھر آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم

Marfat.com

شکل وصورت اور اخلاق و عادات میں مجھ سے ملتے ہو۔'' (4) جب آپ ﷺ نے محسوس کر لیا کہ آپ ﷺ نے ان تینوں کو مطمئن اور مسرور کر لیا ہے تو آپ ﷺ نے اپنے فیصلے کا اعلان فرمایا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہارا حق اس پر سب سے زیادہ ہے۔ ماں کی بہن ماں کے برابر ہوتی ہے۔'' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ پر زبان سے کچھ کہنے کی بجائے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے گرد ایک رقاص کی طرح چکر لگایا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا ''جعفر رضی اللہ عنہ یہ کیا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا ''یہ وہ طریقہ ہے جو میں نے حبش میں دیکھا تھا کہ وہ اس طرح اپنے بادشاہ کی توقیر کرتے ہیں۔ اگر نجاشی کسی کو فوری خوشی کا موقع فراہم کرتا تو وہ شخص اسی طرح اٹھتا اور اپنے بادشاہ کے گرد چکر میں رقص کرتا تھا۔''

زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے عمارہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ اپنے سوتیلے بیٹے سلمہ رضی اللہ عنہا سے طے کر دیا۔ سلمہ رضی اللہ عنہا کے باپ ابوسلمہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن برہ کے فرزند تھے اور رشتے میں عمارہ رضی اللہ عنہا کے پھوپھی زاد تھے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا میں نے سلمہ کے احسان کا بدلہ چکا دیا؟'' اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے رشتہ میں دے کر آپ ﷺ کو ممنون کیا تھا اور اب آپ نے سلمہ رضی اللہ عنہا کو دلہن عطا کی تھی۔

قریش کے معززین نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن مکہ کے معززین میں سے جن دو افراد نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھنے کا فیصلہ کیا تھا ان کے نام عمرو اور خالد تھے۔ یہ دونوں ابوقبیس پر نہیں تھے اور نہ ہی ان دونوں میں سے کوئی مکہ کے اوپر کسی اور پہاڑی پر خیمہ زن ہوا۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے مکہ آنے سے پہلے ہی شہر کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ انہوں نے اس موقع پر غیر حاضری کا فیصلہ خود ہی کیا تھا۔ اس بارے میں وجوہات یکساں نہ ہونے کے باوجود ایک نکتے پر دونوں کا مکمل اتفاق تھا کہ حدیبیہ کی صلح رسول اللہ ﷺ کی عظیم اخلاقی فتح تھی۔ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا مکہ میں داخل ہونے کا مطلب ان کے خلاف ساری مزاحمت کا خاتمہ ثابت ہوگا۔ لیکن عمرو کے دل میں اسلام کے خلاف جو عناد تھا اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی جبکہ خالد کی کیفیت مختلف تھی۔ اگرچہ ظاہری طور پر ان کی عسکری مہارت کے باعث قریش کے ہر فوجی اقدام نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف اگلی صفوں میں دھکیل دیا تھا لیکن انہوں نے بعد میں خود اعتراف کیا کہ اُحد اور خندق کی لڑائیوں سے وہ اس خلش کے ساتھ واپس ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے محاذ آرائی بے کار تھی اور یہ کہ بالآخر فتح آپ ﷺ کی ہوگی اور انہی کا غلبہ ہوگا اور جس وقت رسول اللہ ﷺ حدیبیہ جاتے وقت خالد کے فوجی دستے سے کترا گئے تھے تو خالد پکار اٹھا تھا

Marfat.com

''بلاشک وشبہ اس شخص کو غیبی تحفظ حاصل ہے۔'' خالد کا اسلام کے خلاف وہ آخری عمل تھا۔ اس کے بعد اس نے خیبر کی حیران کن فتح کی خبر سنی۔ لیکن ان کے علاوہ کچھ اور اہم وجوہات بھی تھیں۔ اپنی مرضی کے خلاف خالد اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پسندیدگی کے جذبات کو ختم نہیں کر سکے تھے۔ وہ خط جو ان کے چھوٹے بھائی ولید نے اپنی موت سے پہلے لکھا تھا اس خط سے انہیں معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ولید سے اس کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور انہوں نے فرمایا تھا ''اگر خالد اپنی زبردست قوت کو بت پرستوں کے خلاف اور اسلام کی نصرت میں لگا دے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوگا اور ہم ان کو دوسروں پر فائق رکھیں گے۔'' اس پر ولید نے اپنی جانب سے اضافہ کیا تھا ''دیکھو لو میرے بھائی تم نے کیا کچھ کھویا ہے۔''

اس کے علاوہ ایک بہت ہی قریبی خاندانی اثر بھی کام کر رہا تھا۔ خالد کی ماں عصما رضی اللہ عنہا بہت عرصے سے رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں تھیں اور اب کچھ ہی دن پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجہ بن چکی تھیں۔ اس شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد خالد نے خواب دیکھا کہ وہ ایک ویران علاقے میں بھٹکے ہوئے ہیں اور باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔ بالآخر وہ اس قید سے نکلے اور ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جو سرسبز اور زرخیز ہے اور دور دور تک چراگاہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ انہیں بشارت دی گئی ہے۔ اس خواب کے مفہوم کو اچھی طرح دل میں اتارنے کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مدینہ جائیں گے۔ تاہم انہوں نے یہ بہتر سمجھا کہ وہ یہ سفر کسی ساتھی کے ہمراہ کریں۔ کیا ان کی طرح کوئی اور بھی اس قسم کی فکر میں مبتلا تھا؟ عمرو کی کوئی خبر نہ تھی اور اس کے علاوہ خالد کے جو قریبی ساتھی اور ہمدم تھے وہ عکرمہ اور صفوان تھے۔ خالد نے ان دونوں کے خیالات جاننے کی کوشش کی لیکن صفوان بولا ''اگر قریش کا ہر فرد محمد (ﷺ) کا پیرو بن جائے تو میں پھر بھی ان کی پیروی نہ کروں گا۔'' عکرمہ نے بھی تقریباً ویسا ہی جواب دیا۔ خالد کو یاد آ گیا کہ ان دونوں کے باپ بدر میں قتل ہو گئے تھے۔ جبکہ صفوان کا تو ایک بھائی بھی مارا گیا تھا۔ مایوسی کے عالم میں خالد اکیلے ہی نکل پڑے۔ لیکن جوں ہی انہوں نے گھر سے قدم نکالا تو انہیں عبدالدار کا عثمان بن طلحہ راستہ میں نظر آ گیا۔ یہ وہی تھے جنہوں نے بڑی جرأت سے اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی حفاظت میں مکہ سے مدینہ پہنچایا تھا۔ عثمان خالد کا عزیز دوست، عکرمہ اور صفوان سے بھی نزدیک تر۔ لیکن خالد کو عکرمہ اور صفوان سے گفتگو کے بعد عثمان سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ خالد کو یہ بھی معلوم تھا کہ جنگِ اُحد میں عثمان کا باپ، دو چچا اور چار بھائی لڑتے ہوئے مارے گئے تھے۔ دونوں اپنی اپنی سواریوں پر خاموش چلے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد خالد نے اچانک خاموشی توڑنے کا فیصلہ کیا اور عثمان کے چہرے پر تجسس کی نگاہ ڈالتے ہوئے گویا ہوئے ''ہماری بدحالی

Marfat.com

اس لومڑی سے کسی طرح بھی بہتر نہیں جو اپنی بل میں رہتی ہے۔ بس ایک بالٹی پانی ڈالو اور وہ باہر نکل آتی ہے۔''
خالد فوری طور پر سمجھ گئے کہ عثمان ان کی بات کا مطلب سمجھ گیا ہے اس لیے انہوں نے بتایا کہ وہ مدینہ جا رہے ہیں۔ عثمان جو آہستہ آہستہ اسی فیصلے پر پہنچ چکے تھے، انہوں نے خالد کے ہمراہ چلنے کا فیصلہ سنا دیا۔ خالد بخوشی راضی ہو گئے کہ جب تک عثمان اپنے سفر کا سامان گھر سے لے کر آئیں وہ ان کے منتظر ہوں گے۔ اس طرح دوسرے دن صبح سویرے دونوں مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

جہاں تک عمرو کا تعلق ہے، اسلام کے بارے میں اس کی سوچ صفوان اور عکرمہ جیسی ہی تھی لیکن اسے صورتِ حال کی نزاکت کا صحیح احساس نہ تھا۔ اس نے اپنے خاندان کے چند دیگر نوجوانوں، جو اسے اپنا راہنما مانتے تھے، اکٹھا کر کے انہیں ترغیب دی کہ وہ اس کے ساتھ حبش چلیں۔ اس نے انہیں بتایا کہ اگر مستقبل قریب میں اقتدار کی کشمکش میں محمد (ﷺ) کامیاب ہو گئے تو انہیں حبش میں محفوظ پناہ گاہ میسر ہو گی اور اگر قریش فتح یاب ہو گئے تو وہ سب باآسانی مکہ واپس آ جائیں گے۔ عمرو نے کہا ''محمد (ﷺ) کی حکومت کے تحت رہنے کی بجائے بہتر ہوگا کہ ہم نجاشی کے زیرِ اقتدار زندگی بسر کریں۔'' اس کے ساتھیوں نے اس سے اتفاق کیا۔

عمرو ایک زیرک اور عیار سیاستدان تھا۔ وہ اپنے ارادوں میں پختگی اور استقلال کے باعث آسانی سے ہمت ہارنے والا شخص نہ تھا۔ اگرچہ عمرو نجاشی پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے اثرات کو زائل کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہا لیکن اس کے باوجود اس نے بڑی تگ و دو سے نجاشی کو تسلی و تشفی دے کر راضی کر لیا تھا اور کمال ذہانت سے مسلمانوں کے ذکر سے پہلو بچا کر اپنے تعلقات برقرار رکھے تھے۔ لیکن اب مسلمان پناہ گزین مدینے جا چکے تھے۔ اس لیے عمرو نے یہ غلط اندازہ لگا لیا کہ نئے دین کے ساتھ موافقت کے باعث نجاشی نے قریش کے خلاف جو رویہ اپنا لیا تھا، اب مسلمانوں کی غیر موجودگی میں اس کا خاتمہ ہو چکا ہو گا۔ عمرو کی دربار میں پہلی حاضری پر نجاشی نے چمڑے کا قیمتی تحفہ قبول کر لیا تھا۔ عمرو کو یقین سا ہو گیا کہ نجاشی کا رویہ بڑا مہربان ہے۔ اس موقع کو مناسب جانتے ہوئے عمرو نے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے حبش میں پناہ کی درخواست گزارنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن جب عمرو نے اپنی بات شروع کی تو ابتدا میں ہی اس کے منہ سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اہانت آمیز کلمات ادا ہو گئے۔ اس کی اس حرکت نے شاہی غیض و غضب کو بھڑکا دیا اور اس عالم میں نجاشی نے جو کچھ کہا اس نے عمرو کو دم بخود کر دیا۔ نجاشی نے جو کچھ کہا اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ نجاشی کے دربار سے مستقبل وابستہ کرنے سے کہیں بہتر تھا کہ وہ محمد (ﷺ) کے دین کا پیروکار بن جائے۔ عمرو پر یہ تلخ حقیقت پوری طرح آشکار ہو گئی کہ وہ جس پناہ گاہ کی تلاش میں آیا تھا اسی پناہ گاہ میں اسلام نے اس کو پوری

Marfat.com

طرح عریاں کر دیا ہے۔ اپنے منصوبے کی ناکامی کے ساتھ ساتھ اس کی مزاحمت بھی ریزہ ریزہ ہو گئی۔ عمرو نے نجاشی سے سوال کیا ''اے شاہِ ذی وقار! کیا آپ اس کی شہادت دیتے ہیں؟'' اس سوال سے مراد تھی کہ کیا نجاشی بھی محمد (ﷺ) کی رسالت کی شہادت دیتا ہے۔ نجاشی نے جواب دیا ''میں اللہ کے حضور اس امر کی شہادت دیتا ہوں۔ اے عمرو میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں اس پر عمل کرو اور ان کی ہی پیروی کرو۔ وہی حق ہیں۔ واللہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے۔ ان کے خلاف جو بھی رکاوٹ کھڑی ہو گی وہ اس پر فتح پائیں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے لشکر پر فتح پائی تھی۔''(۳)

تاریخ میں عمرو کے ساتھیوں کے نام نہیں ملتے اور نہ ہی یہ کہ انہوں نے کیا فیصلہ کیا۔ لیکن عمرو ایک بحری کشتی میں سوار ہو کر یمن کی ایک ساحلی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ وہاں سے انہوں نے ایک اونٹ اور ضرورت کی اشیاء خرید کر شمال کی جانب سفر اختیار کیا۔ جب وہ سمندر کے ساتھ ساتھ چلنے والی شاہراہ پر مکہ سے مدینہ جانے والے راستے میں ہدّہ کی منزل پر پہنچے تو خالد اور عثمان راستہ میں مل گئے۔ مدینہ کا بقیہ راستہ ان تینوں نے اکٹھے طے کیا۔

مدینہ میں ان لوگوں کا خیر مقدم بڑی مسرت سے ہوا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایا کہ ''آپ نے میرے سلام کا جواب دیا تو آپ کا چہرہ چمک اٹھا۔ خالد نے سب سے پہلے بیعت کی "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد انك رسول اللہ۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''حمد وثنا ہے اللہ کی جس نے تمہیں ہدایت دی۔ میں ہمیشہ سے تم میں ذہانت و ذکاوت کے آثار پاتا تھا جو تمہیں بالآخر ایسے انجام تک پہنچائے گی جو بھلائی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے خلاف اور حق کی ہٹ دھرم مزاحمت کی خاطر تمام میدانوں اور معرکوں میں حصہ لیا ہے۔ اس لیے اللہ سے میری گزشتہ غلط روش سے درگزر کی دعا فرمائیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اسلام ماضی کی کوتاہیوں کو کالعدم کر دیتا ہے۔'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے ضمیر کی خلش سے ہنوز پریشان تھے اور یہ کیفیت ان کے چہرے سے بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ بولے ''کیا اتنی بڑی غلطیاں بھی معاف ہو جائیں گی؟'' رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ''اے اللہ خالد نے تیری راہ روکی تھی اس کے گناہ معاف فرما۔''(۴) پھر حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت کی۔ بعد میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے اس لمحہ انہوں نے اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایسا رعب و احترام محسوس کیا کہ وہ ان سے آنکھیں بھی چار نہ کر سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی حضرت ہشام رضی اللہ عنہ(۵) خندق کی جنگ

Marfat.com

کے چند ہی دنوں بعد مکہ سے فرار ہو کر مدینہ پہنچ گئے تھے۔ تب سے ان کے بھتیجے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ آن ملے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سترہ سال کے تھے اور بہت مخلص مسلمان تھے۔ ان کو روزہ دار رہنے کا شغف تھا۔ نظر آ رہا تھا کہ وہ اصحابِ رسول میں سے ذی علم صحابی ہوں گے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے بہت سی احادیث کو بھی ضبطِ تحریر میں لائے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما دونوں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے اسلام کی دعا کی تھی اور اب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا ان سے آملنا دونوں کے لیے انتہائی مسرت کا مقام تھا۔

ان چند مہینوں میں خوشی اور مسرت کے دو اور واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ ایک تو عقیل بن ابی طالب کا اسلام لانا جو حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بھائی تھے اور دوسرا حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا۔ اسلام کی حقانیت نے ان کے دل میں اس وقت جڑ پکڑ لی تھی جب وہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے مدینہ آئے تھے۔ اب یہ ایمان اتنی قوت پکڑ چکا تھا کہ اس سے انحراف حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کے بس کی بات نہ تھی۔ جب حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بیعت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم سے مجھے دُہری محبت ہے۔ ایک تو قریبی رشتہ داری کے سبب اور دوسری اس محبت کے سبب جو میں نے اپنے چچا میں ہمیشہ تمہارے لیے پائی۔"(٦)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ اصل تصنیف: ۵۔۵۴ ۲۔ ابن سعد: ۱/۴، ۲۴ ۳۔ واقدی: ۷۴۳ ۴۔ واقدی: ۹۔۷۴۱

۵۔ اصل تصنیف: ۱۵۔۱۱۴ ۶۔ ابن سعد: ۲/۴، ۳۰

Marfat.com

بابِ: ۴۷

سانحات اور امیدِ ولادت

ہجرت کے بعد یہ آٹھواں سال تھا۔ جشنِ مسرت کے سال کا ابتدائی نصف سوگوار گزرا۔ پہلی وفات رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی تھی۔ ان کے دمِ آخر آپ ﷺ ان کے پاس تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے شوہر اور ننھی بچی کو تشفی اور تسلی دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اُمِ ایمن، اُمِ سلمہ اور سودہ رضی اللہ عنہن کو میت کی تدفین کے لیے ہدایات دیں۔ جب غسل دیا جا چکا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا کرتہ اتارا اور کفن پہنانے سے پہلے میت کو اس میں لپیٹنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دفن کے بعد قبر پر دعا بھی فرمائی۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے صرف سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی اولاد ہوئی تھی۔ مدینے کے لوگوں کی بہت خواہش تھی کہ ان کے شہر میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں بچوں کی ولادت ہو۔ آپ کی موجودہ ازواج میں سے صرف اُمِ سلمہ اور اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہن کے پہلے شوہروں میں سے اولاد تھی۔ ہر نئے عقد پر اصحاب کے دل بچے کی امید سے بھر جاتے تھے۔ اب یہ امید بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی کیونکہ بعد کی کسی بیوی کے مقدر میں نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بچے کی ماں کہلائے۔ تاہم اب آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد ایسا معلوم ہوا جیسے آپ ﷺ ایک بچے کے باپ بننے جا رہے ہیں۔ آپ کی قبطی کنیز سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا ایک بچے کی امید سے تھیں۔ آپ ﷺ کے اصحاب جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے محبت فرماتے ہیں، اب اس خبر سے سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی جانب توجہ دوبالا ہوگئی۔

عمرہ بجالانے کے تقریباً تین ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے پندرہ اصحاب کو اسلام کے امن کے پیغامبر

Marfat.com

کی حیثیت سے شام کے قبائل میں سے ایک کی جانب بھیجا۔ لیکن اس خیر سگالی اور پیغامِ امن کا جواب تیروں کی بوچھاڑ کی شکل میں ملا۔ سب اصحاب لڑائی پر مجبور ہوئے اور ایک کے سوا سب شہادت پا گئے۔

اس کے علاوہ ایک اور سانحہ ایسا تھا کہ اگرچہ اس میں شہادت تو ایک ہوئی لیکن اس کے سیاسی اثرات بہت معنی خیز تھے۔ پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو قیصرِ روم کے نام خط دے کر بصرہ کے گورنر کے پاس روانہ کیا تھا، جس کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ دوسرا قاصد جو بصرہ روانہ کیا گیا تو اس کو قبیلۂ غسان کے ایک سردار نے راستے میں شہید کر دیا۔ یہ ایسی حرکت تھی جس کو سزا دیئے بغیر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ حالانکہ یہ خطرہ موجود تھا کہ قبیلۂ غسان کے لوگ جو اکثر عیسائی تھے، قیصرِ روم کے نمائندے کو کمک روانہ کرنے پر راضی کر سکتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر ترتیب دیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان کا سردار مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی اگر حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اس لشکر کے سربراہ ہوں گے اور اسی ترتیب سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تیسرا سردار مقرر کیا گیا۔ اگر یہ تینوں کسی صورت سرداری سے معذور ہو جائیں تو پھر لشکر کو اختیار دیا گیا کہ وہ باہمی مشورے سے اپنی پسند کا سردار منتخب کر کے اس کے حکم کی تعمیل بجا لائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ایک سفید پرچم دیا اور دیگر اصحاب کے ساتھ فوج کے ہمراہ اس مقام تک تشریف لے گئے جہاں وداع کی گھاٹی کی جانب زمین کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ یہ گھاٹی اُحد سے قدرے شمال کے پہاڑوں کے درمیان ایک درہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ گھوڑے کی زین پر اپنی پشت پر ایک یتیم بچے کو اپنے ساتھ بٹھائے ہوئے تھے جس کے وہ سرپرست تھے۔ راستہ طے کرتے ہوئے اس لڑکے نے ان کے ادا کیے ہوئے کچھ اشعار سنے جو انہوں نے اس موقع کے لیے نظم کیے تھے۔ ان اشعار میں انہوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ جب لشکر وطن واپس جانے لگے تو انہیں ملکِ شام میں ہی پیچھے چھوڑ جائے۔ لڑکے نے بتایا ”جب میں نے یہ سنا تو میں رونے لگا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چابک سے کچوکا دیتے ہوئے کہا ”لڑکے تمہارا کیا نقصان ہے اگر اللہ مجھے شہادت نصیب کرے اور میں دنیا سے نجات پا کر چین کی دولت حاصل کرلوں۔ میں اس دنیا کی مشقت، اس کی فکر، آلام اور حادثات سے نجات پالوں اور تو اس گھوڑے کی زین پر آرام سے گھر واپس پہنچ جائے۔“ اس کے بعد منزل کی ایک اور رات ہوگئی تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد دیر تک دعا اور التجا میں مصروف رہے۔ پھر انہوں نے مجھے آواز دی۔ میں نے کہا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ تو انہوں نے کہا

Marfat.com

''ان شاء اللہ شہادت ہی ہوگی۔''(1)

جب لشکر ملکِ شام کی سرحد کے قریب پہنچا تو سننے میں آیا کہ نہ صرف شمالی قبائل بڑی کثیر تعداد میں پہنچ چکے تھے بلکہ قیصرِ روم کے نمائندوں نے بھی بڑی حد تک شاہی فوج کی ایک بڑی کمک روانہ کی تھی۔ سب ملا کر دشمن کی مجموعی تعداد ایک لاکھ کے قریب بتائی جا رہی تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس تعداد میں مبالغے کی گنجائش کو تسلیم کرنے کے باوجود جنگی مشاورتی مجلس طلب کی۔ لشکر کی اکثریت اس بات کے حق میں تھی کہ فوری طور پر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی جائے کہ حالات نے کتنا سنگین رخ اختیار کر لیا ہے۔ اس اطلاع کے بعد یا تو حکم ملتا کہ واپس آ جاؤ یا پھر مزید کمک بھیجی جاتی لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس قسم کے کسی بھی اقدام کے خلاف تھے۔ انہوں نے ایک زوردار تقریر کی اور ایسی لاجواب کر دینے والی دلیل کو بروئے کار لائے جس کا استعمال پہلے اُحد میں کیا گیا تھا اور جو مستقبل میں بار بار مسلمانوں کے لیے ایک راہنما دلیل بننے جا رہی تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر ان کلمات پر ختم کی: ''ہمارے سامنے دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی یقینی ہے، یا ہم فتح پائیں گے یا شہادت۔ ریاضِ جنت میں اپنے بھائیوں سے جا ملنے کا یہی موقع ہے پس حملہ کے لیے تیار ہو جاؤ اور آگے بڑھو!''

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا عزم غالب رہا اور لشکر نے شمالی سمت میں پیش قدمی جاری رکھی۔ اب وہ بحر مردار کے جنوبی سرے سے زیادہ دور نہیں تھے۔ پہاڑیوں کا وہ سلسلہ جو بحرِ مردار کے مشرقی ساحل سے شروع ہوتا تھا ان کی طولانی اور عمیق وادیاں بیچ میں حائل تھیں۔ صرف چند گھنٹے کی مسافت نے انہیں دشمن کے سامنے لا کھڑا کیا۔ عرب اور رومی قبائل کی صحیح تعداد کچھ بھی ہو لیکن مسلمانوں کو صاف نظر آ رہا تھا کہ عددی اعتبار سے دشمن کی تعداد ان سے بہت زیادہ ہے۔ یہ فرق اتنا زیادہ تھا کہ اب تک کسی جنگ میں وہ ایسے تجربے سے نہیں گزرے تھے اور نہ ہی انہوں نے اس قسم کی عسکری شان وشوکت اور دبدبہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا۔ ان کے سامنے شاہی سواروں کے دستے دشمن کے لشکر کے قلب میں اور عرب قبائل ان کے دائیں اور بائیں جانب پرے جمائے کھڑے تھے۔ مسلمانوں کے لشکر نے قریش کے لشکر کو جب وہ بدر کے میدان میں بڑی شان و شوکت سے عقنقل کی پہاڑیوں سے اتر کر آئے تھے، اس موجودہ لشکر کی زرہوں، اسلحہ کی فراوانی اور قیمتی زین پوشوں سے آراستہ گھوڑوں کے مقابل بالکل ہیچ پایا۔ اس پر مستزاد دشمن مسلمانوں کے لشکر کی آمد کی پیشگی خبر کے باعث معرکہ آرائی کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر جنگ ٹالنے اور میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے لیے نشیب کی

Marfat.com

بجائے بہتر مقام پر صف آرا ہونے کے لیے لشکر کو جنوب کی جانب موتہ کا رخ کرنے کا حکم دیا۔ لشکر نے وہاں پہنچ کر اپنی صفیں درست کیں۔ دشمن جنگ کے مکمل ارادے اور اپنی عددی برتری کے زعم کے سبب مسلمانوں کے پیچھے موتہ پہنچ گیا۔ جب دشمن کا لشکر قریب پہنچا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے توقع کے برعکس فوراً حملے کا حکم دے دیا۔

اس لمحہ رسول اللہ ﷺ کے لیے موتہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلے کی طنابیں کھینچ دی گئیں اور آپ ﷺ نے مشاہدہ کیا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنا سفید پرچم ہاتھ میں لیے اپنے ساتھیوں کی قیادت کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو متعدد مہلک زخم لگے، حتیٰ وہ زمین پر گر گئے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے پرچم اٹھا لیا اور جنگ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ شدید گھائل ہونے اور خون کے بے انتہا اخراج کے باعث انہوں نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پرچم اٹھایا اور دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی بھی شہادت ہوئی اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے دھکیل کر تتر بتر کر دیا گیا۔ ایک انصاری حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور پرچم اپنے ہاتھ میں لیا، لشکر دوبارہ اکٹھا ہو گیا۔ انہوں نے پرچم حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ پہلے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس اعزاز سے انکار کیا اور کہا کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ ہی اس پرچم کا حق رکھتے ہیں لیکن حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا ''بندۂ خدا اسے تھام لو، میں نے تو صرف تمہیں دینے کے لیے اسے اٹھایا تھا۔ اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے لشکر کی کمان سنبھالی اور صف شکستہ لشکر کو اس طور سے ترتیب دیا کہ دشمن کی پیش قدمی رک گئی۔ جب دشمن اپنی بڑھتی پیش قدمی کو روک کر صفوں کی دوبارہ ترتیب کے لیے پیچھے پلٹا تو مسلمانوں کا لشکر منظم طریقے سے پسپا ہونا شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کی پسپائی دشمن کے لیے فتح کے برابر تھی لیکن وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کے تین سالاروں کی شہادت کے علاوہ صرف پانچ اور صحابہ شہید ہوئے تھے۔ اس طرح حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی پسپائی کی حکمتِ عملی مسلمانوں کے لیے فتح کی صورت بن گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر دینے کے بعد فرمایا ''اس کے بعد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے پرچم سنبھالا اور اللہ نے ان کے لیے ایک راستہ کھول دیا۔'' یعنی مسلمانوں کو بچ کر حفاظت سے نکل جانے کی راہ دے دی اور یوں خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ جیسے جیسے جنگ کی تفصیل بیان فرما رہے تھے ان کے آنسو بہہ بہہ کر رخساروں پر آ رہے تھے اور جب نماز کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے امامت فرمائی اور معمول کے برعکس نمازیوں کی جانب رخ کرنے کی بجائے فوراً ہی مسجد سے تشریف لے گئے۔ مغرب اور عشا کی نماز کے بعد بھی آپ ﷺ نے ایسا

Marfat.com

ہی کیا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر بھی تشریف لے گئے اور فرمایا ''اے اسماء جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔'' آپ ﷺ کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے ان کو کچھ شک ہوا اور وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے تینوں بیٹوں کو ان کے پاس لے آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں باری باری بوسہ دیا اور ایک مرتبہ پھر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ ﷺ اشک بار ہو گئے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، آپ اشکبار کیوں ہیں؟ کیا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر ہے؟'' ''ہاں یہی بات ہے'' آپ نے فرمایا ''وہ آج شہید ہو گئے ہیں۔'' اسماء رضی اللہ عنہا کے منہ سے ماتم کی صدا بلند ہوئی تو عورتوں نے دوڑ کر انہیں گھیر لیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور حکم فرمایا ''جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لیے آیندہ چند روز تک کھانے کا بندوبست کیا جائے۔ انہیں اپنے غم کے باعث اپنی ضرورتوں کا ہوش کہاں ہوگا۔''

اُمِ ایمن، حضرت اسامہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کے خاندان والے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی غم گساری فرما چکے تھے۔ اب جب آپ ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے تو راہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ننھی بچی روتی ہوئی ملی۔ وہ رسول اللہ ﷺ دیکھتے ہی بھاگ کر آپ کی گود میں آ گئی۔ آپ ﷺ نے بچی کو سینے سے چمٹایا تو آپ کا جسمِ اطہر ہچکیوں سے کانپ رہا تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اتفاقاً وہاں سے گزرے اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کے لیے الفاظ ڈھونڈتے ہوئے دبی زبان میں کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''یہ محبوب کی جدائی کا غم ہے۔''[۴]

اسی شب رسول اللہ ﷺ نے خواب میں حضرت زید، حضرت جعفر، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم اور اس جنگ کے دوسرے شہدائے جنگ کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فرشتوں کی طرح پروں سے پرواز کر رہے ہیں۔ فجر کے وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو اصحاب نے محسوس کیا کہ ان کی کیفیت غم کے بوجھ سے ہلکی ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ نماز کے بعد ہمیشہ کی طرح اصحاب کی جانب مڑے اور اس کے بعد اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے اپنا خواب فرمایا، جسے سن کر اسماء رضی اللہ عنہا کو بھی بہت سکون ملا۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مدینہ واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کی جانب سے بھیجا ہوا سفید خچر منگوایا۔ سوار ہونے کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے کو اپنے آگے زین پر بٹھایا اور لشکر کے استقبال کے لیے روانہ ہوئے۔ بہت سے مرد اور عورتیں راستہ کے دونوں جانب کھڑے تھے۔ جوں

Marfat.com

جوں لشکری گزرتے گئے تو لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا، ان پر خاک اڑائی اور آوازے کسے کہ ''کیا تم اللہ کی راہ میں جہاد سے بھاگ کھڑے ہوئے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایسا نہ کہو۔ یہ بھاگنے والے نہیں ہیں۔ یہ تو دوبارہ لڑائی پر پلٹ جانے کے لیے واپس آئے ہیں، ان شاء اللہ!!'' (۳)

موتہ میں جو دھچکا لگا تو اس سے شمالی عرب میں نئی اسلامی ریاست کے خلاف کارروائیوں میں شدت پیدا کرنے کی ہمت بڑھی۔ اس کے بعد جو مہینے آئے تو اطلاعات موصول ہوئیں کہ قبیلہ بلی اور قضاعہ کے قبائل بڑی تعداد میں جنوب کی جانب سے حملہ کرنے کے لیے شام کی سرحد پر جمع ہو رہے ہیں لیکن اس دفعہ قیصرِ روم کی جانب سے کمک بھیجے جانے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو تین سو اصحاب کی سالاری عطا کر کے اس ہدایت کے ساتھ روانہ فرمایا کہ جہاں ضرورت پڑے تو جنگ کریں اور جہاں حلیف بنانا ممکن ہو وہاں حلیف بنائیں۔ سالاری کے لیے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا انتخاب شاید اس لیے کیا گیا تھا کہ ان کی والدہ بلی قبیلے سے تھیں۔ راتوں کو سفر کر کے اور پڑاؤ کے لیے الگ تھلگ جگہ کا انتخاب کر کے کسی کی نظر میں آئے بغیر یہ لشکر دس دن میں شامی سرحد پر پہنچ گیا۔ اس سال سردی کا موسم کچھ جلدی آ گیا تھا۔ لوگوں کو اتنے دور شمال میں جانے کی عادت نہ تھی اس لیے جب آخری منزل پر قیام ہوا تو مکہ اور مدینہ کے اصحاب نے الاؤ جلانے کے لیے خشک لکڑیاں جمع کرنا شروع کیں۔ لیکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے الاؤ جلانے سے روک دیا اور اعتراض کرنے والوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ ''تم کو میرے حکم کا پابند کیا گیا ہے اس لیے ویسا ہی کرو جیسا میں کہوں۔''

فوری طور پر یہ اندازہ کرنے کے بعد کہ دشمن کی تعداد توقع سے کہیں زیادہ تھی اور مقامی طور پر کسی کمک کی بھی کوئی امید نہیں تھی، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے جہینہ کے ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کر کے کمک کی درخواست کی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں مزید دو سو اصحاب کو روانہ کیا گیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مقرب ترین اصحاب میں سے تھے اور ہر مہم میں شرکت کے باعث انہیں توقع تھی کہ اس مشترکہ لشکر کی سربراہی ان کو پیش کی جائے گی۔ لیکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ نئے لشکر کی حیثیت ایک کمک کی ہے اس لیے اصل لشکر کے سربراہ کی حیثیت سے اس مہم کی سالاری ان کے پاس ہی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو مکمل تعاون کی ہدایت کی تھی تاکہ کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو اس لیے بزرگ صحابی نے اپنی ہار مانتے ہوئے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا ''بجائے اس کے کہ تم میری عدم اطاعت کرو خدا کی قسم میں تمہاری اطاعت کروں گا'' رسول اللہ ﷺ کو جب اس امر کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے حق میں

Marfat.com

دعائے خیر فرمائی۔

اب حضرت عمروؓ اپنے پانچ سو لشکریوں کے ساتھ شام کی سرحد میں داخل ہوئے اور جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے دشمن منتشر ہوتا گیا۔ صرف ایک مقام پر تیروں کا تبادلہ ہوا۔ ورنہ لشکرِ اسلام جہاں جہاں سے گزرتا گیا راستے میں پڑنے والے فوجی پڑاؤ کے خیمے ویران پڑے تھے اور دشمن وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ ان مخالف قبائل اور عناصر کی غیر موجودگی کے باعث صرف انفرادی اور قبائلی دونوں لحاظ سے دوستانہ عناصر ہی جرأت کر کے سامنے آئے۔ ان حالات میں حضرت عمروؓ نے یہ دعویٰ تحریر کر کے رسول اللہ ﷺ کو روانہ کر دیا کہ انہوں نے شام کی سرحد پر اسلام کا غلبہ قائم کر دیا ہے۔

ایسا غلبہ اب نخلستانِ یثرب کے گردوپیش میں تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا۔ اس غلبے کی وجہ صرف روحانی قوت ہی نہیں تھی بلکہ اب تمام عرب کے نزدیک رسول اللہ ﷺ ایک خطرناک اور ناقابلِ فہم دشمن کی بجائے طاقتور، قابلِ اعتماد اور فیاض حلیف کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ ایسے حلیف جن کے مقابلہ میں پرانے حلیف بے اثر اور نقصان کا باعث بنتے جا رہے تھے۔ کئی معاملات میں سیاسی اور مذہبی محرکات ایک دوسرے سے اس طرح مربوط تھے کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایک انتہائی طاقتور عنصر جوست روی لیکن تسلسل سے کام کر رہا تھا اور جس کا سیاست سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود اثر پذیری کے لحاظ سے بہت گہرا اور دیرپا تھا، اور اس میں مسلمانوں کی بالارادہ کوششوں کا بھی کوئی دخل نہ تھا۔ یہ غیر معمولی سکون، متانت اور وقار تھا جو اس نئے مذہب پر عمل کرنے والوں کا خاص وصف بن جاتا تھا۔ قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کی کتابِ توحید، کتابِ رحمت بھی تھی اور کتابِ جنت بھی۔ اس کی آیات کی تلاوت اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے اثر سے مومنین کو یقین ہو جاتا تھا کہ چند واجبات کی بجا آوری کے باعث تمام ممکن خواہشات کی حقیقی تسکین تک رسائی ممکن ہے۔ اس یقین کی دولت ہی اس ایمان کا معیار بن چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے تاکیداً فرمایا: ''حالات و واقعات چاہے کیسے بھی ہوں، ایمان لانے والوں کے لیے تمام تر نیکی ہی نیکی اور بھلائی ہی بھلائی ہے۔''[۴]

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ واقدی: ۷۵۹ ۲۔ ابن سعد: ۱/ ۳۲،۳ ۳۔ واقدی: ۷۶۵ ۴۔ نسائی: ۲۱، ۱۳

Marfat.com

باب: ۴۷

صلح نامہ کی خلاف ورزی

حالانکہ صلح حدیبیہ میں طے ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود بنی بکر کے چند اشخاص بنی خزاعہ کے ساتھ خانہ جنگی کو طول دینے کا تہیہ کر چکے تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی شام کی مہم کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ بنی بکر کے ایک قبیلے نے بنی خزاعہ پر شب خون مارا۔ اس کے نتیجے میں ان کا ایک آدمی مارا گیا۔ اس لڑائی نے حرم کی حدود تک وسعت اختیار کر لی اور قریش نے نہ صرف ہتھیاروں سے اپنے حلیفوں کی مدد کی بلکہ شب کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دو آدمیوں نے اس لڑائی میں حصہ بھی لیا۔ خزاعہ کے قبیلے بنی کعب نے مدد طلب کرنے کے لیے فوری طور پر ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وفد کو تعاون کا یقین دلا کر واپس لوٹایا۔ وفد کی رخصتی کے بعد آپ ﷺ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کے چہرے سے برہمی کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں وضو کی خاطر پانی لانے کا فرمایا اور وضو کے دوران انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سنا ''اگر میں بنی کعب کی مدد نہ کروں تو مجھے بھی مدد نصیب نہ ہو۔'' (1)

اب مکہ والوں کو پریشانی لاحق ہوئی کہ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا لیکن اس لڑائی کے امکانی نتائج کیا ہوں گے۔ انہوں نے کسی منفی نتیجے سے بچنے کے لیے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا تاکہ اگر ضرورت محسوس ہو تو رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کو دور کیا جا سکے۔ ابوسفیان کو مدینہ کی طرف جاتے ہوئے جب مدینہ سے واپس آتے ہوئے بنی خزاعہ کے وفد کا سامنا ہوا تو اسے احساس ہوا کہ اس معاملے میں حد سے زیادہ تاخیر ہو چکی ہے۔ پھر اس کی پریشانی میں اضافہ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کے تاثرات سے بھی ہوا جن سے اس تمام صورتِ حال کے ردِعمل کا کوئی

Marfat.com

اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ابوسفیان نے کہا ''اے محمد ﷺ! میں حدیبیہ کے صلح نامے کے وقت موجود نہیں تھا اس لیے آؤ اور صلح نامے کو مستحکم اور اس میں مزید توثیق کر لیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس کی پیش کش کو جوابی سوال کی صورت میں ٹال دیا کہ ''تمہاری طرف سے ایسی کون سی صورتِ حال پیش آ گئی ہے کہ تم اس معاہدے کو توڑ دو؟'' ابوسفیان نے گھبرا کر جواب دیا ''اللہ نہ کرے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تو پھر ہم بھی اس مدت تک اس صلح نامے کے پابند ہیں کہ جس مدت کا اتفاق ہو چکا ہے۔ ہم اس میں نہ کوئی ترمیم کریں گے اور نہ ہی کوئی متبادل صلح نامہ قبول کریں گے۔'' صاف نظر آ رہا تھا کہ آپ ﷺ اس موضوع پر مزید گفتگو کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ اس پر ابوسفیان اس امید پر اپنی بیٹی اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا کہ شاید وہ دونوں جانب سے صلح صفائی کی کوشش کریں۔ باپ بیٹی کی ملاقات پندرہ برس بعد ہو رہی تھی۔

ابوسفیان کے بیٹھنے کی موزوں ترین جگہ رسول اللہ ﷺ کا کمبل تھا لیکن جیسے ہی وہ بیٹھنے لگا تو اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے تیزی سے کمبل گھسیٹ کر اسے نیچے سے نکال لیا۔ ابوسفیان نے کہا ''بیٹی کیا بات ہے کیا یہ کمبل میرے شایانِ شان نہیں تھا یا میں اس کمبل کے شایانِ شان نہیں ہوں؟'' بیٹی نے جواب دیا یہ رسول اللہ کا کمبل ہے اور تم ایک بت پرست ہو، نجس انسان۔'' اس کے بعد وہ بولیں ''بابا تم قریش کے ایک بڑے آدمی ہو اور ان کے سردار، کیا بات ہے کہ تم اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ تم پتھروں کی پوجا پاٹ کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی بول سکتے ہیں؟'' ابوسفیان بولا ''بہت خوب! اب میں محمد (ﷺ) کی خاطر ان کی پرستش چھوڑ دوں جن کی پرستش میرے آبا و اجداد کرتے آئے ہیں۔ پھر اس بارے میں بیٹی سے کسی مدد کی امید نہ رکھتے ہوئے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب سے ملنے چلا گیا تا کہ ان سے اس معاہدہ کی تجدید کے لیے سفارش کروا سکے۔ ابوسفیان کو یقین ہو چکا تھا کہ گو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا لیکن حالات سے نظر آ رہا تھا کہ حالیہ لڑائی کے باعث معاہدہ کالعدم ہو چکا ہے۔ اب خون خرابے سے بچنے کی واحد صورت یہی رہ گئی تھی کہ کوئی بااثر شخصیت اس بارے میں عام تحفظ کی ذمہ داری کا اعلان کر دے۔ اس نے یہ تجویز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھی تو انہوں نے جواب دیا میں امان دینے کو تیار ہوں لیکن انہی حدود کے اندر جو رسول اللہ ﷺ کی جانب سے متعین کی گئی ہوں۔

دیگر اصحاب نے بھی قریب قریب ویسا ہی جواب دیا۔ آخر کار ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا اور بڑے زوردار طریقے سے اپنی رشتہ داری یعنی ہاشم اور عبد شمس کے پڑپوتے ہونے کی حیثیت کا واسطہ دیتے ہوئے مدد کی درخواست کی۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''تمہارے حال پر افسوس ہے ابوسفیان! لیکن

Marfat.com

جب رسول اللہ تمہاری درخواست رد کر چکے ہیں تو پھر کوئی بھی ان سے اختلاف نہیں کر سکتا کیوں کہ آپ ﷺ کے اصحاب کو وحی کی اس ہدایت کا بخوبی علم ہے کہ "معاملات کے بارے میں ان سے مشورہ کر لیا کرو لیکن جب عزم کر لو تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔" (۲) اور اصحاب کو تجربے کی بنیاد پر علم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے میں پختہ عزم کر لیا ہے اس لیے اب کوئی بھی ان سے اس بارے میں بات نہیں کرے گا۔" اس پر ابوسفیان، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جانب متوجہ ہوا جن کے سامنے فرش پر حسن رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا "اے محمد ﷺ کی دختر اپنے بیٹے سے کہو کہ افراد کے درمیان عام امان کا اعلان کر دے تا کہ وہ ہمیشہ کے لیے عربوں کا برگزیدہ بن جائے۔" سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا "یہ بچوں کا کام نہیں ہے۔" ابوسفیان مایوس ہو کر دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ ہوا اور کسی مشورے کی درخواست کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "مجھے تو اس کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ سوائے اس کے کہ تم اپنے طور پر کھڑے ہو کر آدمیوں کو ایک دوسرے سے امان کا اعلان کر دو، تمہاری حیثیت کنانہ کے سردار کی ہے۔" ابوسفیان نے پوچھا کیا اس قسم کے یکطرفہ اعلان سے کوئی فائدہ ہو گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "میں نہیں سمجھتا لیکن تمہارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہے بھی کہاں۔" اس پر ابوسفیان مسجد میں گیا اور بلند آواز سے پکار کر کہا "سنو میں آدمی اور آدمی کے درمیان امان کا اعلان کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ محمد (ﷺ) بھی اس بارے میں میری تائید کریں گے۔" پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا "اے محمد (ﷺ) میں نہیں سمجھتا کہ تم میری امان سے برأت کر لو گے۔" لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں صرف اتنا ہی فرمایا "ابوسفیان یہ تمہارا خیال ہے۔" (۳) اموی سردار شش و پنج کی حالت میں مکہ واپس روانہ ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مہم کی تیاری شروع فرما دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا وہ بھی تیار ہو جائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی اس مہم کی تیاری پکڑیں جو قریش کے خلاف ہونے جا رہی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "کیا ہمیں صلح نامے کی مدت گزرنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انہوں نے معاہدے کو توڑ کر ہم سے بدعہدی کی ہے اس لیے میں ان پر حملہ کروں گا۔ لیکن یہ بات راز میں ہی رہنی چاہیے اور لوگوں کو قیاس آرائیاں کرنے دو۔ کوئی سوچے کہ اللہ کے رسول کا رُخ شام کی طرف ہے، کوئی ثقیف کا سوچے اور کوئی سوچے کہ مہم کا ارادہ ہوازن کی جانب ہے۔ یا اللہ قریش کی توجہ ہم سے ہٹا دے اور ہمارے ارادوں سے انہیں غافل کر دے تا کہ ہم دفعتاً ان کی سرزمین پر ٹوٹ پڑیں۔"

اس دعا کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کو بارگاہِ خداوندی سے وحی کے ذریعے مطلع کیا گیا کہ

Marfat.com

مہاجرین میں سے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی جنہیں کسی طور اس مہم کے بارے میں خبر ہو گئی تھی، انہوں نے قریش کو ایک خط کے ذریعے اس مہم کے بارے میں خبردار کیا ہے۔ یہ خط مدینہ سے مکہ جانے والی مزنیہ قبیلہ کی ایک عورت کے ذریعے بھیجا گیا تھا۔ اس عورت نے اس خط کو اپنے بالوں میں چھپا لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اس عورت کے تعاقب میں بھیجا۔ ان دونوں کو جب اس کے سامان میں یہ خط نہ ملا تو انہوں نے دھمکی دی کہ اگر اس نے خط خود نکال کر نہ دیا تو وہ اس کے تلاشی لینے پر مجبور ہوں گے۔ اس پر اس نے یہ خط ان کے حوالے کر دیا اور وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے دریافت فرمایا ''اے حاطب تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انہوں نے جواب میں کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کی رسالت پر ایمان رکھتا ہوں، میں نے اپنا مذہب نہیں بدلا۔ میری مشکل یہ ہے کہ مکہ کے لوگوں میں میرا کوئی اثر و رسوخ نہیں اور نہ وہاں میرے کوئی بااثر رشتہ دار ہیں۔ میں نے مکہ میں مقیم اپنے بیٹے اور خاندان کے لیے ہمدردی حاصل کرنے کے لیے یہ حرکت کی ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی ''اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیں کہ میں اس کا سر قلم کر دوں۔ یہ شخص منافق ہے۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ نے بدر میں شرکت کرنے والوں کے لیے کیا کہا ہے ''جو جی چاہے کرو کیونکہ میں نے تم کو معاف کر دیا ہے۔''[4]

اب رسول اللہ ﷺ نے ان قبائل کی جانب قاصد روانہ کیے جہاں سے بوقتِ ضرورت کمک کا بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ ان قبائل کو پیغام بھیجا گیا کہ اگلے ماہ کے شروع میں مدینہ میں موجود رہیں۔ اگلا مہینہ رمضان کا تھا۔ بدوی قبائل نے پورے خلوص سے اس دعوت کا جواب دیا اور جب مقررہ دن آیا تو مدینہ سے نکلنے والا یہ لشکرِ عظیم مدینہ کی تاریخ کا سب سے بڑا لشکر تھا۔ جنگ کے قابل کوئی فرد پیچھے نہیں رہا تھا۔ مہاجرین کی کل تعداد سات سو تھی جن کے ساتھ تین سو گھوڑے تھے۔ انصار کی تعداد چار ہزار اور ان کے ساتھ پانچ سو گھوڑے تھے اور موجود قبائل کے علاوہ راستے میں ملنے والے قبائل کی کل تعداد ملا کر تقریباً دس ہزار ہو گئی تھی۔ گھوڑ سوار رسالہ اونٹوں پر سوار تھا اور گھوڑے ساتھ ساتھ تھے۔ چند اصحاب کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اس مہم کا رخ کس دشمن کی جانب ہے۔

آدھے راستے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ام الفضل رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے مکہ سے آتے ہوئے ملے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بالآخر مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں سکونت کا فیصلہ کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مہم میں شامل ہونے کی دعوت دی جو انہوں نے فوراً قبول کر لی۔ اس سے میمونہ رضی اللہ عنہا کو بہت مسرت ہوئی جو اس مہم میں

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہی تھیں۔

اس مہم میں امِ سلمہ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں اور جب لشکر نے اگلی منزل پر قیام کیا تو انہیں بتایا گیا کہ پڑاؤ میں موجود قریش کے دو افراد ان سے ملاقات کے خواہاں ہیں۔ ان میں سے ایک تو ان کے بھائی عبداللہ تھے جو امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کی جانب سے سگے بھائی اور جن کی والدہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جبکہ دوسرے فرد رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے چچا حارث کے بیٹے ابوسفیان تھے جو ایک زمانے میں سیّدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے زیرِ پرورش بھی رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بیٹے جعفر بھی تھے۔ یہ دونوں بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے بہت قریب تھے لیکن اس کے بعد آپ کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اب یہ دونوں معافی کے خواستگار ہو کر آئے تھے اور اس حوالے سے امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی سفارش چاہتے تھے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں اور عرض کی ''آپ کی زوجہ کے بھائی جو آپ کی پھوپھی کے فرزند ہیں یہاں آئے ہیں۔ اور آپ کے بڑے چچا کے فرزند جو آپ کے رضاعی بھائی بھی ہیں، وہ بھی آئے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے ان سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہاں تک میرے بھائی کا معاملہ ہے' اس سے آپ ﷺ کی مراد اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی عبداللہ سے تھی، جو کچھ اس نے مکہ میں کہا تھا وہ میرے لیے کہا تھا (۵) اور جہاں تک میرے چچا کے بیٹے کا تعلق ہے وہ میری لیے ذلت کا باعث بنا ہے۔ اس نے میری تحقیر کی ہے۔'' ابوسفیان شاعر تھا اور اس نے اپنی نظموں میں آپ ﷺ کی ہجو کی تھی۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جانب سے ان کی صفائی پیش کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلنے پر ابوسفیان کو آگاہ کیا تو ابوسفیان نے کہا ''وہ مجھے ملاقات کا موقع فراہم کریں ورنہ میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر صحرا کو نکل جاؤں گا حتیٰ کہ ہم بھوک اور پیاس سے ہلاک ہو جائیں اور آپ ﷺ، اس کی مراد رسول اللہ ﷺ سے تھی' میرے قرابت دار ہی نہیں، سب سے زیادہ درگزر کرنے والی ہستی بھی ہیں۔'' جب اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو ان کی باتیں دہرائیں تو آپ ﷺ نرم پڑ گئے (۶) اور اپنے خیمہ میں ان سے ملاقات پر راضی ہو گئے۔ دونوں نے آپ ﷺ کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا اور بعد میں اپنے اسلام کو عملی طور پر ثابت بھی کر دیا۔

اس مہم کے دنوں میں کوچ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے ایک کتیا کو دیکھا جو راستے میں اپنے نوزائیدہ بچوں کو سینے سے چمٹائے دودھ پلا رہی تھی۔ آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ گزرتے ہوئے لشکر کے باعث اس کتیا کو پریشانی نہ ہو۔ اس لیے آپ ﷺ نے ضمرہ کے جعیل رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگائی کہ وہ تمام لشکر کے گزرنے تک اس کے پاس کھڑے ہو کر نگرانی کریں۔ (۷) رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے

Marfat.com

بدل دیا تھا لیکن وہ مشہور اب بھی حضرت جعیل رضی اللہ عنہ کے نام سے ہی تھے۔

قُدید میں بنی سُلیم کا دستہ بھی لشکر میں آ کر شامل ہو گیا۔ ان کا دستہ نو سو گھوڑ سواروں پر مشتمل تھا۔ ان کے ایک نمائندے نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ''یا رسول اللہ! کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ہم منافق ہیں؟ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کی والدہ کے حوالے سے ہم لوگ آپ کے ماموں ہیں' اس سے مراد ہاشم کی والدہ عاتکہ سے تھی جو بنی سُلیم سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے ہم آپ کے پاس آئے ہیں تا کہ آپ ہمیں آزمالیں۔ ہم لوگ جنگ کے دھنی ہیں، مقابلہ میں دلیر ہیں اور ایسے شہسوار ہیں جو گھوڑوں کی زین پر ڈٹے رہتے ہیں۔''

مدینہ سے چلنے والے لشکر کی طرح بنی سُلیم بھی اپنے اپنے نشان اور جھنڈے ساتھ لائے تھے لیکن انہیں بلند نہیں کیا گیا تھا۔ اب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ وہ اپنے دستِ مبارک سے انہیں باندھ کر اپنے منتخب لوگوں کو عطا فرمائیں۔ لیکن ابھی جھنڈا لہرانے کا وقت نہیں آیا تھا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کی منزل کے بارے میں اعلان فرمایا تھا۔ ابتدا میں ہی رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کے ذریعے لشکر میں اعلان کروا دیا تھا کہ جو روزہ رکھنا چاہتا ہے وہ روزہ رکھ لے اور جو توڑنا چاہتا ہے وہ توڑ دے۔ سفر کے دوران اس شرط پر روزہ چھوڑنے کی اجازت تھی کہ بعد کے دنوں میں انہیں پورا کر لیا جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ اور کئی اصحاب سفر کے دوران روزے سے رہے حتیٰ کہ لشکر حدودِ کعبہ سے ایک متعین فاصلہ پر نہ پہنچ گیا۔ اس کے بعد روزہ توڑنے کا حکم دیا گیا۔ جب انہوں نے مرالظہران پر پڑاؤ کیا تو سب کے علم میں یہ بات پہنچا دی گئی۔ روزہ ساقط کرنے کی وجہ دشمن سے مقابلے سے پہلے طاقت کو بحال رکھنا ہے۔ اس اطلاع نے کچھ اصحاب کے تجسس کو ناقابلِ برداشت بنا دیا۔ مرالظہران سے مکہ کا سفر صرف ایک دن کا تھا۔ اگر آرام سے سفر کریں تو زیادہ سے زیادہ دو دن لیکن معاہدہ حدیبیہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بعید از قیاس تھا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں۔ ان کا پڑاؤ ہوازن کے دشمن قبائل کے راستے میں بھی تھا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حجاز کے شمال میں واقع باغات کے بعد رسول اللہ ﷺ اب جنوب میں واقع باغات پر قبضے کا ارادہ کیے ہوئے تھے؟ وہ ناقابلِ تسخیر طائف جولات کی پرستش کا مرکز تھا۔

یہ دیکھتے ہوئے یہ سوال ہر صحابی کی زبان سے دوسرے کی زبان پر پہنچ چکا تھا کہ ''دشمن کون ہے؟'' کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حضور یہ سوال پیش کر کے جواب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن انہیں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ یہ سوال براہِ راست پیش کریں اس لیے انہوں نے اس خیمہ کے باہر جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، ان کے روبرو بیٹھ کر چار مترنم اشعار

Marfat.com

پڑھے۔ ان اشعار کا مفہوم یہ تھا کہ: ”لوگ اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ تلوار بے نیام کر لیں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان تلواروں کی دھار کس دشمن کا مقدر ہے۔ اگر یہ تلواریں قوتِ گفتار رکھتیں تو وہ بھی یہی سوال کرتیں۔“ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان اشعار کا جواب صرف ایک مسکراہٹ سے دیا اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ ناکام ہو کر اپنے ساتھیوں میں لوٹ آئے۔

لشکریوں کی اپنی منزل معلوم کرنے کی خواہش تو پوری نہ ہو سکی لیکن مسلمانوں کے تجسس کا اس تجسس سے کوئی مقابلہ نہ تھا جو قریش اور ہوازن کو لاحق تھا۔ ہوازن کا بڑا قبیلہ ان پہاڑیوں کی ڈھلوانوں پر تھا اور ان کی بڑی آبادی نجد کے میدانی علاقوں میں جنوبی انتہائی سرے تک غالب تھی۔ انہی پہاڑوں کی ایک ڈھلوان پر طائف واقع تھا۔ اور یہ بنوثقیف تھے جو طائف میں سکونت پذیر اور بت کدے کے متولی تھے۔ انہوں نے پیش آنے والے ممکنہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ساتھی ہوازن قبیلوں کو فوری طور پر پیغام بھیجا کہ یثرب سے دس ہزار کا لشکر جنوب کی راہ پر ہے اس لیے انہیں بدترین صورتِ حال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اس پیغام کے نتیجے میں بہت سے قبائل نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور طائف کے شمال میں ایک مقام پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔

جہاں تک قریش کا تعلق تھا، اگرچہ وہ اس قیاس کو ہی ترجیح دینا چاہتے تھے کہ اس لشکر کا رخ مکہ کی بجائے طائف کی جانب ہے لیکن انہیں یہ بھی احساس تھا کہ انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہوئی ہے۔ یہ احساس اور پھر رسول اللہ ﷺ کا معاہدے کی تجدید سے انکار، ان باتوں نے انہیں مایوسی کی حد تک خوفزدہ کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی اس پریشانی سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے آپ نے انہیں مزید خوفزدہ کرنے کے لیے حکم فرمایا کہ لشکر میدان میں دور دور تک پھیل جائے اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے پر ہر لشکری اپنا اپنا الاؤ روشن کرے۔ بیت الحرام کی حدود سے دس ہزار الاؤ دور سے جلتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور مکہ میں فوراً ہی یہ خبر پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ کی فوج اندازے سے کئی گنا زیادہ ہے۔ قریش نے فوری طور پر مجلسِ مشاورت منعقد کی اور اس میں ابوسفیان کی یہ پیش کش قبول کر لی گئی کہ وہ مکہ سے باہر جا کر رسول اللہ ﷺ سے دوبارہ ملاقات کرے۔ ابوسفیان کے ساتھ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا حکیم بھی گیا۔ حکیم نے اپنے طور پر بدر کی جنگ روکنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ان کے ساتھ خزاعہ کے بُدیل بھی تھے جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مدد کی تھی اور کچھ ہی عرصہ پہلے اپنے قبیلہ کے اشخاص کے ہمراہ صلح نامہ کی خلاف ورزی کی خبر دینے مکہ گئے تھے۔ یہ تینوں جیسے جیسے پڑاؤ کے قریب ہوتے گئے اور ان کے کانوں میں اونٹوں کے بلبلانے کی آواز پہنچنے لگی تو

Marfat.com

انہوں نے ایک آدمی کو سفید خچر پر سوار اپنی جانب آتے دیکھا۔ یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے جو پڑاؤ سے چپکے سے یہ امید لے کر نکل آئے تھے کہ کوئی ایسا آدمی مل جائے جو مکہ کو جا رہا ہو اور وہ اس کے ذریعے قریشِ مکہ کو پیغام پہنچا سکیں۔ ان کے نزدیک یہ امر انتہائی ضروری تھا کہ قریش وقت ہاتھ سے نکلنے سے پہلے اپنا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیں۔ جب انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور سلام کلام ہو گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے خیمہ میں لے گئے۔ ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''اے محمد (ﷺ)! تم عجیب و غریب قسم کے لوگ اکٹھے کر لائے ہو، کچھ تو جانے پہچانے ہیں اور کچھ اجنبی اور انجان، اور وہ بھی اپنے ہی اقرباء کے خلاف۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے فرمایا ''یہ تم ہی تھے جس نے حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کی، تم ہی نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے۔ حد سے تجاوز کرنے والے تم ہو۔ تم ہی بنی کعب پر حملے میں اعانت کے مجرم ہو اور تم نے ہی ایسا کر کے اللہ کے دارالامن کے تقدس کو پامال کرنے کا گناہ کیا۔'' ابوسفیان نے موضوع کو بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''کاش تم نے اپنے غصے اور جنگی حکمتِ عملی کا رخ ہوازن کی طرف کیا ہوتا۔ وہ قرابت داری میں بھی دور ہیں اور خونخوار مقابل بھی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بارگاہِ الٰہی سے مجھے امید ہے کہ وہ مجھے سب کچھ عطا کرے گا۔ فتح مکہ کے ذریعہ اسلام کو سربلندی عطا فرما کر، ہوازن کو بھاگ نکلنے پر مجبور کر کے اور ان کے ساز و سامان کو مالِ غنیمت بنا کر اور ان کے خاندانوں کو قیدی بنا کر مجھے متمول کرے گا۔'' پھر آپ ﷺ نے ان تینوں سے فرمایا ''شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' بدیل اور حکیم نے کلمۂ شہادت ادا کر کے اسلام قبول کر لیا لیکن ابوسفیان صرف لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر خاموش ہو گیا۔ جب اس سے رسالت کی تصدیق کا کہا گیا تو اس نے عذر پیش کیا ''محمد (ﷺ) مجھے اس بارے میں اب بھی شک ہے۔ میرا دل گواہی نہیں دیتا۔ مجھے کچھ مہلت چاہیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا کہ اس رات کے لیے وہ انہیں اپنے خیمے میں لے جائیں۔ صبح ہوئی تو پورے پڑاؤ میں فجر کی اذان ہوئی۔ ابوسفیان اس آواز سے دہل گیا۔ اس نے پوچھا ''آپ لوگ کیا کرنے جا رہے ہیں۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ''نمازِ فجر ادا کریں گے۔'' ابوسفیان نے پوچھا ''دن اور رات میں کتنی مرتبہ نماز پڑھتے ہو۔'' جب اسے بتایا گیا کہ دن اور رات میں پانچ مرتبہ نماز پڑھی جاتی ہے تو وہ بولا ''واللہ یہ تو بہت زیادہ ہے۔'' پھر اس نے اصحاب کو بڑے ذوق و شوق سے ہجوم کرتے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ان کے وضو سے گرنے والے پانی کو اپنے اوپر مل لینے کے لیے ٹوٹے پڑ رہے ہیں کہ کچھ نہیں تو اس پانی کا ایک قطرہ ہی حاصل ہو جائے۔'' اس نظارے کو دیکھ کر وہ بولا ''اے ابوالفضل میں نے کہیں بھی ایسے اقتدارِ اعلیٰ کا مشاہدہ نہیں کیا

Marfat.com

جیسا کہ یہ ہے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''ابوسفیان تف ہے تجھ پر! ایمان لے آؤ۔'' ابوسفیان نے کہا ''مجھے ان کے پاس لے چلو۔'' نماز کی ادائیگی کے بعد عباس دوبارہ ابوسفیان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور ابوسفیان نے کلمہ شہادت ادا کر کے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی اور کہا کہ وہ واقعتاً اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک طرف لے جا کر مشورہ دیا کہ ''یا رسول اللہ! آپ ﷺ تو جانتے ہی ہیں کہ ابوسفیان شان و شوکت اور عز و وقار کا کتنا دلدادہ ہے۔ آپ اس کے لیے کچھ مزید کرم فرمائیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں کر دوں گا۔'' پھر آپ بنو امیہ کے سردار کے پاس تشریف لائے اور ہدایت فرمائی کہ وہ قریش کے پاس جا کر اعلان کر دیں کہ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان مل جائے گی اور جو کوئی مسجد الحرام میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے۔''

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ واقدی: ۷۹۱ ۲۔ قرآن ۳: ۱۵۹ ۳۔ ابن اسحٰق: ۸۰۷-۸ واقدی: ۷۹۴ ۴۔ ابن اسحٰق: ۸۰۹-۱۰

۵۔ اصل تصنیف: ۶۲ ۶۔ واقدی: ۸۱۱ ۷۔ واقدی: ۸۰۴

Marfat.com

باب: ۷۵

فتح مکّہ

خیموں کو اونٹوں پر پہلے ہی لاد دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پرچم اور جھنڈے طلب فرمائے۔ آپ ﷺ نے انہیں عَلَم سے باندھ کر پہلے سے منتخب علم برداروں کے حوالے کیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ وادی کے تنگ سرے تک جائیں اور انہیں وہاں سے گزرنے والے لشکر کا مشاہدہ کروائیں تاکہ انہیں فوج کی تعداد کا اندازہ ہو سکے۔ اس کے بعد بھی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس کافی وقت ہوگا کہ وہ لشکر کے مکہ پہنچنے سے پہلے قریش کو آپ ﷺ کا پیغام پہنچا سکیں۔ کیونکہ لشکر کے مقابلے میں اکیلا آدمی سیدھے راستے سے مکہ جلدی پہنچ سکتا ہے۔

''وہ کون ہے؟'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ایک دستے کے سالار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا جو دور سے نظر آنا شروع ہو گیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''خالد بن ولید رضی اللہ عنہ'' اور جب وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں تین بار تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ بنوسُلیم کا گھڑسوار دستہ تھا۔ ان کے بعد زرد عمامے میں ملبوس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی سالاری میں پانچ سو مہاجرین اور انصار کا دستہ گزرا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرتے ہوئے انہوں نے بھی تین بار نعرۂ تکبیر بلند کیا اور جب ان کے دستے نے اس نعرے کو دہرایا تو پوری وادی اس نعرے سے گونج اٹھی۔ ایک کے بعد ایک دستہ گزرتا رہا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس کے بارے میں سوال کرتے رہے۔ ہر جواب پر وہ حیرت کا اظہار کرتے رہے۔ کبھی اس بات پر حیرت کہ یہ قبیلہ کبھی بھی قریش کے زیرِ اثر نہیں رہا تھا اور کبھی اس پر کہ کل تک یہ قبیلہ رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں سرگرداں تھا۔ جیسا کہ غطفان کے قبیلے اشجع کا معاملہ تھا جس کے پرچموں میں سے ایک پرچم کو ابوسفیان اور سہیل کے سابقہ دوست حضرت نُعیم رضی اللہ عنہ اٹھائے چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے انہیں دیکھ کر کہا ''تمام

Marfat.com

عربوں میں سے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ''اللہ نے ان کے قلوب میں اسلام داخل کر دیا۔ یہ سب اللہ کی شان ہے۔''

سب سے آخر میں سواروں کا جو دستہ آیا وہ رسول اللہ ﷺ کا خاص دستہ تھا۔ اس دستے میں صرف مہاجرین اور انصار تھے۔ اس دستے کے اسلحے کی فولادی چمک دمک نے انہیں سیاہی مائل سبز رنگ دیا ہوا تھا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک پوری طرح مسلح اور زرہ بکتر و خود میں ملبوس تھا، جن میں سے صرف ان کی آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا عَلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا ہوا تھا جو اس دستے کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب یہ دستہ راستے سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہوئے ابوسفیان اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے قریب سے گزرا تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا ''ابوسفیان! یہ قتلِ عام کا دن ہے۔ وہ دن جب حرمتیں پامال ہوں گی۔ وہ دن جب اللہ قریش کو ذلیل و خوار کرے گا۔'' رسول اللہ ﷺ دستے کے درمیان میں تھے اور آپ ﷺ اپنی دونوں جانب موجود حضرت ابوبکر اور حضرت اسید رضی اللہ عنہما سے گفتگو فرما رہے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اتنے قریب پہنچے کہ آپ ﷺ ان کی آواز سن سکیں تو انہوں نے پکار کر کہا ''یا رسول اللہ! کیا آپ نے قتلِ عام کا حکم فرمایا ہے؟'' پھر انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات دہرانے کے بعد کہا ''میں آپ ﷺ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔'' پھر اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ''آپ کی قوم کی جانب سے۔ کیوں کہ آپ ﷺ قرابت کا سب سے زیادہ پاس کرنے والے ہیں۔ انتہائی مہربان اور رحمدل۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہ رحم کا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جب اللہ نے قریش کو عزت دی۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے قریب ہونے کے باعث درخواست کی ''یا رسول اللہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ قریش پر شدید قسم کا حملہ کر دیں۔ ہمیں ان پر اعتبار نہیں۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ پرچم اپنے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ، جو والد کے مقابلے میں نرم مزاج تھے، کے ہاتھ میں دے دیں۔ روایتی طور پر بیٹے کا اعزاز بھی باپ کا اعزاز ہی تھا۔ لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے براہِ راست حکم کے بغیر اپنے بیٹے کو پرچم دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خُود پر لپٹا ہوا سرخ رنگ کا عمامہ کھول کر نشانی کے طور پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر پرچم حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

جب سارا لشکر گزر گیا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ بڑی عجلت اور برق رفتاری سے مکہ واپس پہنچے اور اپنے گھر کے باہر کھڑے ہو کر اس مجمعے سے جو فوری طور پر وہاں جمع ہو گیا تھا، پکار کر کہا ''اے اہلِ قریش محمد (ﷺ)

Marfat.com

ایک ایسی فوج کے ساتھ مکہ پہنچ آئے ہیں جس کی تم مزاحمت نہیں کر سکتے۔ ان کے ساتھ دس ہزار فولادی فوج ہے اور انہوں نے مجھے یہ حق دیا ہے کہ جو بھی میرے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ محفوظ رہے گا۔'' اب ہندہ اپنے گھر سے باہر آئی اور اپنے شوہر کو اس کی مونچھوں سے پکڑ کر چلائی ''کوئی ہے جو اس ناکارہ اور حقیر شخص کو قتل کر دے۔ اتنا گھٹیا اور اس کے باوجود تمہاری نگہبانی اور تحفظ کے دعویٰ کا گھمنڈ؟'' ابوسفیان نے چیخ کر کہا ''اس عورت کی باتوں میں نہ آجانا، اپنی قوتِ فیصلہ استعمال کرو، کیونکہ تمہارے دروازے پر ایسا لشکر آپہنچا ہے جس کی تم کسی صورت مزاحمت نہیں کر پاؤ گے۔ لیکن جو کوئی بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امان پا جائے گا۔'' مجمع سے کوئی پکارا ''اللہ تجھے غارت کرے۔ تیرا گھر ہے کتنا بڑا جس میں ہم سب سما سکیں۔'' ابوسفیان نے جواب دیا ''اور جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ رہے گا وہ بھی محفوظ ہوگا اور جو مسجد الحرام میں داخل ہوگا وہ بھی محفوظ ہوگا۔'' یہ سن کر وہاں جمع ہونے والا ہجوم چھٹ گیا۔ کچھ اپنے گھروں میں اور کچھ مسجد الحرام میں چلے گئے۔

لشکر مقامِ ذی طویٰ کے مقام پر ٹھہر گیا۔ یہ مقام شہر سے دور نہیں ہے اور یہاں سے شہر نظر آتا ہے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں دو سال پہلے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ان کا راستہ روکنے کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ لیکن آج کسی مزاحمت کا نام ونشان نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شہر ویران ہو گیا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے پچھلے سال مسلمانوں کے عمرے کے موقع پر تھا۔ لیکن آج تین دن کی قید نہیں تھی اور جب رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصوا رُکی تو آپ نے اللہ کے حضور تشکر کے لیے سجدے میں سر جھکا دیا، اتنا کہ آپ ﷺ کی ریشِ مبارک کجاوے کو چھونے لگی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ میمنہ کی کمان حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور میسرہ کی کمان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا کی۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے قلب کی حیثیت رکھنے والے دستے کے دو حصے کیے گئے۔ ایک حصے کی کمان حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور دوسرے نصف میں جس میں آپ ﷺ بذاتِ خود سوار تھے اس کے آگے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حکم دیئے جانے پر انہیں ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر شہر میں چار حصوں سے داخل ہونا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ زیریں حصے جبکہ دوسروں کو مختلف دروں سے گزر کر پہاڑیوں کی سمت سے۔

لشکر سے بہت اوپر ابوقبیس کی پہاڑی ڈھلوانوں پر دو صورتیں تھیں جنہیں کوئی بہت ہی تیز نظر رکھنے والا دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان میں سے ایک کسی قدر ضعیف اور کمر خمیدہ مرد ہے، جس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے جبکہ ایک عورت اس کو سہارا دیئے ہوئے اس کی راہنمائی کر رہی ہے۔ یہ دونوں صورتیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ اور بہن قریبہ کی تھیں۔ اس صبح جب رسول اللہ ﷺ کے ذوطویٰ پہنچنے کی خبر پھیلی تو نابینا اور ضعیف

Marfat.com

العمر باپ نے بیٹی سے کہا کہ وہ اسے پہاڑ پر لے چلے اور جو کچھ اس کو نظر آئے اس کو بتائے۔ جب وہ جوان اور جسمانی توانائی سے بھرپور تھے تو انہوں نے ابرہہ اور اس کے ہاتھی کو دیکھنے کے لیے مکہ کی دوسری جانب والی پہاڑی کا رُخ کیا تھا۔ اب ابرہہ کے حملے کے باسٹھ سال بعد وہ ضعیف بھی تھے اور کئی برسوں سے بینائی بھی کھو چکے تھے۔ لیکن وہ اس منظر کو اپنی بیٹی کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ لشکر، جس کی تعداد دس ہزار تھی اور جس میں ان کا بیٹا اور دو پوتے بھی شامل تھے۔ قُریبہ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ''ایک بڑی تعداد میں سیاہ مائل ہجوم ہے۔'' ابوقحافہ نے کہا یہ رسالے کے گھوڑوں پر سوار فوجی ہوں گے جن کو اس ترتیب سے تشکیل دیا گیا ہے اور وہ حکم ملنے کے منتظر ہوں گے۔ تب قُریبہ نے دیکھا کہ بڑی تعداد میں یہ سیاہ ہجوم پھیلنا شروع ہو گیا اور پھر چار واضح ٹکڑیوں کی شکل اختیار کر گیا ہے تو اس کے باپ نے کہا جتنی جلدی ہو اسے گھر واپس لے چلے۔

کوہِ قبیس پر یہ باپ بیٹی اکیلے نہیں تھے۔ پہاڑ کے ایک دوسرے حصے پر عکرمہ، صفوان اور سہیل نے دیگر اتحادیوں کے تعاون سے قریش کا ایک دستہ تیار کیا ہوا تھا۔ یہ اتحادی بکر اور ہذیل کے تھے۔ اس دستے نے لڑائی کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ جب انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستے کو دیکھا کہ وہ شہر کی زیریں گزرگاہ سے داخل ہو رہے ہیں تو وہ پہاڑ سے اتر کر ان پر حملہ آور ہو گئے لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستے سے ان کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستے نے ان کے تیس آدمیوں کو کاٹ کر رکھ دیا جبکہ باقی بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستے میں شہید ہونے والی کی تعداد صرف دو تھی۔ عکرمہ اور صفوان گھوڑوں پر سوار ہو کر ساحل کی جانب فرار ہو گئے جبکہ سہیل اپنے گھر چلا گیا اور دروازے کو اندر سے مقفل کر لیا۔

یہ جھڑپ تقریباً ختم ہو چکی تھی جب رسول اللہ ﷺ اذاخر کے درے سے مکہ کے بالائی حصے میں داخل ہوئے۔ وہاں سے آپ ﷺ نے نیچے بازار کی جانب نظر فرمائی تو برہنہ تلواروں کی چمک دیکھ کر مایوس ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا میں نے اس سے منع نہیں کیا تھا۔'' لیکن جب آپ ﷺ کو تفصیل بتائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''جو کچھ ہوا اللہ کی رضا اسی میں تھی۔'' اب رسول اللہ ﷺ کی نگاہ اپنے سرخ خیمے پر پڑی جو ابورافع رضی اللہ عنہ نے مسجد الحرام کے قریب ہی نصب کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے قریب ہی موجود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اشارہ سے خیمہ دکھایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد وادی کا رُخ فرمایا۔ ''میں کسی گھر میں داخل نہیں ہوں گا'' آپ ﷺ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا۔

خیمہ میں اُمِ سلمہ، میمونہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن ان کی منتظر تھیں۔ آپ ﷺ کی آمد سے کچھ ہی دیر پہلے اُمِ ہانی بھی وہاں آ گئی تھیں۔ اسلامی شرع کے تحت یہ امر بالکل واضح تھا کہ مسلمان عورت اور کافر مرد کے درمیان

Marfat.com

رشتۂ ازدواج منسوخ ہو چکا ہے۔ اس کا اطلاق اُم ہانی اور ہُبیرہ کی شادی پر بھی ہوتا تھا۔ ہُبیرہ نے مکہ فتح ہو جانے کا پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا اور مکہ چھوڑ کر نجران میں جا کر بس گئے تھے۔ لیکن ازدواجی رشتے کے حوالے سے ام ہانی کے دو رشتہ دار، جن میں سے ایک ابوجہل کا بھائی تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستے پر حملے میں شریک ہونے کے بعد وہاں سے بھاگ کر ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ مکہ پہنچنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا کو سلام کرنے گئے تو وہاں دونوں مخزومیوں کو موجود پا کر اپنی تلوار نکال لی۔ اس امر کے باوجود کہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے انہیں پناہ دی ہوئی تھی، عین ممکن تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کو قتل کر دیتے لیکن اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے ان دونوں پر اپنی چادر ڈال دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر بولیں ''خدا کی قسم ان کو قتل کرنے سے پہلے تم مجھے قتل کرو گے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر گھر سے باہر نکل آئے۔ اُم ہانی رضی اللہ عنہا اپنے گھر کا دروازہ مقفل کر کے رسول اللہ ﷺ سے ان کی جان بخشی کی سفارش کرنے آئیں۔ وہاں انہوں نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا سخت پایا جنہوں نے ان لفظوں میں ملامت کی ''کیا تم بت پرستوں کو پناہ دیتی ہو''؟ لیکن سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابھی اتنا ہی کہا تھا رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے بڑی محبت سے اپنی چچا زاد بہن کو سلام کیا اور جب رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ایسا نہیں ہوگا۔ جس کو تم امان دو ہم بھی اسے امان دیں گے اور جس کو تم تحفظ دو گی ہم بھی اس کی حفاظت کریں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے غسل فرما کر آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرمانے کے بعد قصوا کو لانے کی ہدایت فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے زرہ اور خُود زیب تن فرمانے کے بعد کمر پر تلوار باندھی لیکن ہاتھ میں چھڑی لی جبکہ آپ ﷺ کے خُود کا مغفر اٹھا ہوا تھا۔ اسلامی لشکر کے وہ سوار جو صبح آپ کے ہمراہ مکہ آئے تھے ان میں سے چند صف باندھے خیمہ کے باہر مستعد کھڑے تھے۔ جوں ہی رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو ان کو حفاظتی حصار میں لے لیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محوِ گفتگو تھے۔

قصوا پر سوار ہو کر آپ ﷺ سیدھے کعبہ کے جنوب مشرقی رکن پر پہنچے اور احترام سے اپنی چھڑی کو حجرِ اسود سے مَس فرمایا۔ ایسا کرتے ہوئے اللہ سبحان تعالیٰ کی بزرگی کے کلمات زبان مبارک پر جاری تھے۔ وہ تمام اصحاب جو ہمراہ تھے انہوں نے بھی وِرد شروع کیا اور پھر وہاں موجود سب اصحاب نے ایک ساتھ اللہ اکبر کا ورد شروع کیا تو پورا مکہ صدائے تکبیر سے گونج اٹھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دستِ مبارک کے اشارے سے

Marfat.com

انہیں خاموشی کی ہدایت فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے سات مرتبہ طواف فرمایا۔ اس دوران محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے۔ عمرے کے دوران نکیل تھامنے کا اعزاز خزرج کے صحابی کو حاصل ہوا تھا اس لیے اس بار یہ سعادت قبیلہ اوس کے صحابی کو بخشی گئی۔

تکمیلِ طواف کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں سے ہٹ کر ان بتوں کی طرف مڑے جو کعبہ کو چہار جانب گھیرے ہوئے تھے۔ ان بتوں کی کُل تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ اب ان بتوں اور خانہ کعبہ کے درمیانی جگہ پر قصوا پر سواری کے دوران وحی کے یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک پر جاری تھے ''حق آیا اور باطل فنا ہو گیا اور باطل فنا ہونے کی ہی چیز ہے۔'' (۱) ایک ایک کر کے چھڑی سے آپ بتوں کی جانب اشارہ فرماتے تھے اور اس اشارے کے ساتھ بت منہ کے بل زمین پر آ رہے تھے۔ دائرہ پورا کرنے کے بعد آپ ﷺ سواری سے اترے اور مقامِ ابراہیم پر، جو اس وقت خانہ کعبہ سے ملحق تھا، نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد زم زم کے چشمہ پر تشریف لے گئے جہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آب زم زم پیش کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ کے لیے بنی ہاشم کے بیٹوں کے حق میں اس استحقاق کی توثیق فرما دی جو انہیں روایتی طور پر حاجیوں کو پانی پلانے کے بارے میں حاصل تھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کی چابیاں لے کر حاضر ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ ان کو خانہ کعبہ کی دیکھ بھال اور نگرانی کے حقوق بھی دے دیے جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں نے تم کو صرف وہ دیا ہے جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ لیکن وہ نہیں دوں گا جو دوسروں کے ہاتھ سے نکال کر دیا جائے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے عبدالدار خاندان کے فرد کو بلایا جو اس سے پہلے خالد اور عمرو رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدینہ میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کا نام حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی چابی ان کو عطا کر کے کعبہ کی نگرانی کے روایتی حق کی ہمیشہ کے لیے توثیق فرما دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بصد احترام چابی لی اور کعبہ کا دروازہ کھولنے لگے۔ ان کے پیچھے پیچھے رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ حضرت اسامہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما ان کے پیچھے تھے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو بھی اندر بلا لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دروازہ بند کر کے مقفل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت مریم اور حضرت مسیح علیہما السلام کی شبیہ اور ایک بوڑھے آدمی کی شبیہ جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شبیہ کہا جاتا تھا کے علاوہ دیوار کے اندرونی حصے میں کفار نے اپنے دیوتاؤں کی تصویریں بنا رکھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تصاویر مٹانے کی ہدایت فرمائی۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ کچھ وقفہ کے لیے وہاں ٹھہرے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چابی لے کر دروازہ کھولا۔ ابھی چابی آپ کے ہاتھ میں ہی تھی کہ آپ نے فرمایا: ''حمد و ثنا اس ذات کی جس نے وعدہ پورا فرمایا،

Marfat.com

اپنے بندے کو نصرت عطا کی اور قبائل کو ہزیمت سے دوچار کیا۔ یہ صرف اسی کا فضل ہے۔'' مکہ کے وہ لوگ جنہوں نے حرم میں پناہ لی ہوئی تھی، اب ان کے ساتھ گھروں میں چھپے ہوئے لوگ بھی آہستہ آہستہ آن شامل ہوئے۔ یہ سب ٹولیاں بنا کر ادھر اُدھر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس جگہ سے کعبہ دور نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ''تم سب اب کیا کہتے ہو اور کیا امید رکھتے ہو۔'' انہوں نے جواب دیا ''ہم اچھا ہی کہتے اور اچھی ہی امید رکھتے ہیں۔ ایک عالی نسب، فیاض بھائی اور فیاض بھتیجا۔ اب آپ ہی حکم دیں کیونکہ اب یہ آپ کا ہی حق ہے۔'' اس جواب پر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے عفو و درگزر کے انداز میں گفتگو فرماتے ہوئے وہی فرمایا جو وحی کے مطابق یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے اس وقت فرمایا تھا جب وہ مصر میں ان کے پاس آئے تھے ''بے شک میں اسی طرح تم سے مخاطب ہوں جیسے میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا تھا۔'' آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' (۳)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو اپنے والد سے ملاقات کے لیے مسجد سے چلے گئے تھے اب ابوقحافہ کا ہاتھ تھامے مسجد واپس آئے۔ ان کے ساتھ ان کی بہن قُریبہ بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم نے ان بزرگوں کو گھر میں ہی کیوں نہ چھوڑ دیا تاکہ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے ''یارسول اللہ ﷺ! یہ زیادہ مناسب تھا کہ یہ آپ کی خدمت میں آئیں نہ کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک بڑھایا اور ابوقحافہ کو اپنے روبرو بٹھا کر انہیں کلمۂ شہادت پڑھنے کو فرمایا۔ ابوقحافہ نے تعمیل کی۔

یہ حکم فرمانے کے بعد کہ ہُبل، جو سب بتوں میں سب سے بڑا بُت تھا، کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور باقی سب کو نذرِ آتش کر دیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے عام حکم فرمایا کہ جس کسی کے گھر میں جو بھی بت ہے اس پر لازم ہے کہ اسے تباہ کر دے۔ اس کے بعد آپ قریب ہی واقع صفا کی چھوٹی سے پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں آپ نے سب سے پہلے اپنے گھرانے کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ یہاں آپ کے سابقہ دشمنوں نے' جو اب اسلام میں داخل ہونے کی خواہش رکھتے تھے آپ کا عقیدت و احترام سے استقبال کیا۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ یہ لوگ سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ ان عورتوں میں ابوسفیان کی زوجہ ہندہ بھی تھی۔ اس نے اس خوف سے چہرے پر نقاب ڈالی ہوئی تھی کہ کہیں اس کے قبولِ اسلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس کے قتل کا حکم نہ فرما دیں۔ وہ بولی ''یارسول اللہ! حمد و ثنا اس کی جس نے دینِ اسلام کو فتح بخشی، وہ دین جس کو میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے۔'' یہ کہہ کر نقاب الٹا اور کہا ''عتبہ کی بیٹی ہند۔''

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''خوش آمدید۔'' ایک اور عورت جو صفا پر آئی وہ عکرمہ کی زوجہ اُمِ حکیم تھی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اپنے شوہر کے لیے معافی کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے باوجود ان کی خواہش پوری فرمائی کہ عکرمہ ابھی تک آپ سے جنگ آزما تھا۔ اُمِ حکیم رضی اللہ عنہا نے شوہر کے ٹھکانے کا پتہ لگایا اور اسے واپس لانے کے لیے روانہ ہو گئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے روبرو مجمع پر چاروں طرف نگاہ فرمائی اور اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا ''اے عباس رضی اللہ عنہ تمہارے بھائی کے دونوں بیٹے کہاں ہیں عُتبہ و معتب۔'' عُتبہ، جس نے اپنے باپ ابولہب کے دباؤ کے تحت رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی سے انکار کر دیا تھا، وہ اور اس کا بھائی اب رسول اللہ ﷺ کا سامنا کرنے سے خوفزدہ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''انہیں میرے پاس لاؤ۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں پیش کیا اور دونوں نے بیعت کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑا اور دونوں کو اپنے ساتھ لیے اس باعظمت مقام کی طرف چلنے کی ہدایت فرمائی جس کو ملتزم کہتے ہیں۔ کعبہ کی دیوار کا یہ حصہ حجرِ اسود اور دروازے کے درمیان واقع ہے اور اس مقام پر دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہاں کھڑے ہو کر بہت دیر دعا مانگتے رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے چہرے کو خوشی سے پرنور دیکھ کر کچھ کہا تو رسول اللہ نے فرمایا ''میں نے پروردگار سے دعا مانگی کہ میرے چچا کے دونوں بیٹے مجھے دیدے اور اس نے دونوں مجھے دے دیے۔'' (۴)

مکہ سے قریب ترین تین بڑے بتکدوں میں سے نخلہ کے مقام پر عزیٰ کا بتکدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ بت پرستی کے اس مرکز کو بھی تباہ و برباد کر دیں۔ جب مندر کے پجاری کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے دیوی کے گلے میں تلوار لٹکا دی اور دیوی سے بولا کہ وہ اپنی حفاظت خود ہی کر لے، یا تو وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے یا پھر ایک اللہ کو مان لے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بت کے ٹکڑے کر کے مندر مسمار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا ''کیا تم نے کچھ دیکھا؟'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''کچھ بھی نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تو پھر تم نے اس کا خاتمہ نہیں کیا۔ واپس جاؤ اور اسے مٹا کر آؤ۔'' پس حضرت خالد رضی اللہ عنہ واپس نخلہ گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مندر کے ملبہ سے ایک سیاہ فام عورت نکلی جو بالکل برہنہ تھی اور اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بعد میں بتایا کہ ''اسے دیکھ کر میری ریڑھ میں کپکپی دوڑ گئی۔'' لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے چیخ کر کہا ''عزیٰ تیرے لیے انکار ہی ہے اور تیری پوجا نہیں کی جائے گی۔'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تلوار نکال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر

Marfat.com

دیے۔ وہاں سے واپسی پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ”حمد وثنا ہے اللہ کی جس نے ہم کو ہلاکت سے بچا لیا۔ میں اپنے والد کو عزیٰ پر چڑھاوے کے لیے سو بھیڑوں اور اونٹوں کا نذرانہ لے کر جاتے ہوئے دیکھتا تھا۔ وہ ان جانوروں کی بھینٹ چڑھا کر اس بت کدے میں تین دن قیام کرتا تھا اور ایسے شاداں و فرحاں لوٹتا تھا جیسے اس نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔“ ⑤

اس دوران مکہ کے بیشتر مکینوں نے بیعت کر لی تھی لیکن سہیل کا معاملہ مختلف تھا۔ اس نے گھر میں پناہ گیر ہو کر اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا تا کہ وہ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفارش پیش کریں۔ معافی کے عام اعلان کے باوجود اسے یقین نہیں تھا کہ اس کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اسے تحفظ حاصل ہے اور وہ اللہ کی امان میں ہے۔ تم اس کو گھر سے باہر نکلنے کے لیے کہو۔“ اس کے بعد وہاں موجود لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا ”سہیل کے لیے کوئی سخت نگاہی نہیں ہو گی۔ اگر وہ آئے اور مجھ سے ملنا چاہے تو اسے روکا نہ جائے۔ واللہ وہ سمجھ دار اور باعزت شخص ہے۔ وہ ایسا نہیں ہے کہ اسلام کی حقانیت سے اندھا ہی رہے۔“ اس یقین دہانی پر سہیل نے گھر سے نکل کر اپنی مرضی کے مطابق آنا جانا شروع کر دیا لیکن فوری طور پر اسلام قبول نہ کیا۔

جہاں تک صفوان کا تعلق ہے تو اس کے رشتہ دار حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے لیے دو ماہ کی مہلت حاصل کرنے کے بعد اس کی تلاش شروع کر دی اور بالآخر اسے مکہ کی بندرگارہ شعیبہ پر کشتی کا انتظار کرتے ہوئے پایا۔ صفوان نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کی یقین دہانی پر اعتبار نہ کرتے ہوئے اپنا ارادہ ملتوی کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دھاری دار یمنی عمامہ انہیں دیا تا کہ وہ اسے تحفظ کی علامت اور ضمانت کے طور پر صفوان کے پاس لے جائیں۔ اب صفوان کو یقین آ گیا اور اس نے مکہ واپسی کا فیصلہ کر لیا اور مکہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے مزید یقین دہانی کی خاطر پوچھا ”محمد (ﷺ)! عمیر کہتے ہیں کہ اگر میں ایک خاص بات سے اتفاق کر لوں، اس سے اس کی مراد اسلام قبول کرنا تھا، تو درست ہے لیکن اگر میں راضی نہ ہوں تو آپ نے دو ماہ کی مہلت تو دی ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”یہاں اپنا قیام رکھو۔“ صفوان بولا ”لیکن اس وقت تک نہیں جب تک آپ مجھے صاف صاف جواب نہیں دیتے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تمہارے لیے چار ماہ کی مہلت ہے۔“ صفوان مطمئن ہو کر مکہ میں قیام پر راضی ہو گیا۔

ان تینوں میں سے عکرمہ ہی ایسا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش تو سب سے آخر لیکن اسلام میں داخل سب سے پہلے ہوا۔ عکرمہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ تہامہ کی بندرگاہ سے کسی کشتی میں بیٹھ کر حبش کو نکل

Marfat.com

جائے گا۔ ابھی وہ کشتی میں قدم رکھنے ہی والا تھا کہ ملاح نے عکرمہ سے کہا ''کشتی پر چڑھنے سے پہلے اللہ سے اپنا تعلق استوار کرلو۔'' عکرمہ نے پوچھا ''میں کیا کہوں۔'' ملاح نے کہا ''کہو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' پھر اس نے وضاحت کی کہ کشتی کی تباہی کے اندیشے کے باعث وہ کسی ایسے مسافر کو قبول نہیں کرتا جو اللہ کی وحدانیت کی تصدیق نہ کرے۔ چار الفاظ لا الٰہ الا اللہ عکرمہ کی روح میں سرایت کر گئے اور اس لمحہ اسے احساس ہوا کہ وہ اس کلمہ کو صدقِ دل سے ادا کر سکتا ہے۔ لیکن وہ کشتی پر سوار نہ ہوا۔ کشتی پر سواری کا مقصد اسی کلمہ سے فرار تھا۔ اگر کشتی پر سواری کے لیے یہ کلمہ قبول کرنا ضروری ہے تو پھر زمین پر ہی کیوں نہ کہہ دے۔ اس نے دل میں سوچا ''جو سمندر میں ہے وہی اللہ زمین پر بھی ہے۔'' اس کے بعد اس کی زوجہ اس سے آن ملی اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مکہ میں تحفظ کی ضمانت کی خبر دی۔ اس کے بعد وہ فوراً مکہ واپس ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ عکرمہ واپس آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اصحاب سے فرمایا ''ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تمہاری طرف ایک مومن کی طرح محوِ سفر ہے اس لیے خیال رہے کہ اس کے باپ کو اس کے سامنے برا بھلا نہ کہنا۔ مرنے والوں کو برا کہنے سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے جبکہ اس ملامت کا مُردوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔''

مکہ پہنچتے ہی عکرمہ سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ نے بڑی مسرت سے ان کا خیر مقدم کیا اور جب عکرمہ نے باقاعدہ اسلام قبول کر لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''آج کے دن تم مجھ سے کوئی ایسی شے نہیں مانگو گے جو میں تمہیں نہ دے سکوں۔'' حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں آپ سے اللہ کے حضور اس دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ میرے دل میں آپ کے خلاف جو بھی مخالفت اور عناد تھا وہ مجھے اس سے معاف فرمائے، میرے گناہوں کو بخش دے اور میری مغفرت فرمائے۔'' رسول اللہ ﷺ نے عکرمہ کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اس دولت کا ذکر کیا جو انہوں نے لوگوں کو حق کی پیروی سے روکنے کے لیے خرچ کی تھی اور ان لڑائیوں کا ذکر جس میں انہوں نے لوگوں کو حق کی راہ سے روکنے کے لیے شرکت کی تھی اور انہوں نے عہد کیا کہ وہ اب اس سے دوگنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے اور سابقہ کے مقابلے میں دوگنی کوشش اللہ کی راہ میں کریں گے۔ وہ عمر بھر اپنے عہد پر ثابت قدم رہے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۱۷:۱۸ ۲۔ واقدی: ۸۳۴ ۔ ازرقی: ۱؍۱۰۷ (اکثر روایات میں تمام شبیہوں کو مٹانے کا حکم بیان ہوا ہے)

۳۔ قرآن ۱۲: ۹۲ ۴۔ ابن سعد ۴؍۱، ۲۔۴۱ واقدی: ۴۔ ۸۷۳

Marfat.com

باب: ۶۷

غزوہ حنین اور محاصرۂ طائف

قریش کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی فیصلہ کن اور قطعی کارروائی کے باوجود ہوازن اپنے لشکر کی تنظیم اور استحکام میں مصروف تھے۔ مکہ کی آسان فتح اور تمام بتوں کی تباہی سے ان کے اندیشوں اور کوششوں میں اضافہ ہی ہوا۔ خصوصاً عزیٰ کے مندر کے انجام نے ان کی تشویش میں زبردست اضافہ کر دیا تھا۔ عزیٰ کا مندر ان کے لات کے بتکدے کا ہم پلہ تھا۔ اس دو ہفتہ کے عرصہ میں جو اسلامی لشکر مکہ میں گزار رہا تھا، ہوازن نے طائف کے شمال میں وادیٔ اوطاس میں بیس ہزار کا ایک بڑا لشکر جمع کر لیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے عبد شمس کے ایک صحابی کو نگران اور قبیلہ خزرج کے نوجوان صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دین میں نئے شامل ہونے والوں کی تعلیم و تربیت اور رہنمائی کے لیے مکہ میں چھوڑا۔ اب اسلامی لشکر میں قریش کی دو ہزار کی اضافی نفری بھی شامل ہو چکی تھی۔ یہ وہ نومسلم تھے جنہوں نے حال ہی میں رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔ لیکن بعض جن میں سہیل اور صفوان بھی شامل تھے اور انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ محض مکہ کی حفاظت کے لیے اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ لشکر کی روانگی سے قبل رسول اللہ ﷺ نے صفوان سے ایک سو زرہ بکتر اور متعلقہ اسلحہ عاریتاً طلب فرمایا۔ یہ سب اسلحہ صفوان کے پاس موجود تھا اور مکہ میں ہر شخص اس بارے میں جانتا تھا۔ ''اے محمد (ﷺ) اس معاملے کی نوعیت کیا ہے؟ کیا یہ کہ دے دو یا میں خود لے لوں گا۔'' صفوان نے سوال کیا۔ ''یہ ایک قرض ہے جو واپس کر دیا جائے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ صفوان اس جواب سے مطمئن ہو گیا اور خود ہی اس اسلحہ کو لشکر تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی قبول کر لی۔ جب لشکر آخری پڑاؤ پر پہنچا تو اس نے یہ سامانِ حرب رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔

Marfat.com

جنگ کے لیے نکلنے والے ہوازن قبائل کے نام ثقیف، نصر، جُشن اور سعد بن بکر تھے۔ ان کا سالار نصر قبیلے کا تیس سالہ نوجوان مالک تھا۔ یہ نوجوان اپنی کم عمری کے باوجود بہادری اور شہزادوں جیسی شان و شوکت کی شہرت رکھتا تھا۔ اس نے تجربہ کار اور معمر لوگوں کے مشورہ کے برخلاف لشکریوں کو اپنی تمام عورتیں، بچے اور مال مویشی اپنے ساتھ لانے کا حکم دیا۔ اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ لشکر کے عقب میں یہ سب کچھ موجود ہونے کے باعث لشکری زیادہ جوش و خروش اور شجاعت کا مظاہرہ کریں گے۔ مالک نے تین مخبروں کو مکہ سے آنے والے لشکر کی خبر لانے کے لیے روانہ کیا۔ لیکن تھوڑی ہی مدت میں یہ مخبر اس عالم میں واپس لوٹے کہ ان کے منہ سے بات بھی نہیں نکل رہی تھی۔ خوف سے ان کا جوڑ جوڑ ڈھیلا ہو چکا تھا۔ ''ہم نے سفید پوش سواروں کو ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھا اور پھر اچانک ہمارا یہ حال ہو گیا جو تم دیکھ رہے ہو۔ ہم اس دنیا کے لوگوں سے نبرد آزما نہیں۔'' دوسرے نے کہا ''آسمانی مخلوق سے۔ ہماری مانو تو واپس لوٹ جاؤ۔ جب ہمارے لوگ ان کو دیکھیں گے تو ان کا بھی وہی حال ہو گا جو ہمارا ہوا ہے۔'' مالک نے غصے سے کہا ''شرم سے ڈوب مرو، بزدلو۔'' ان لوگوں کا حال اتنا برا تھا کہ مالک نے ان کو لشکر سے علیحدہ حراست میں رکھنے کا حکم دیا تا کہ یہ لوگ لشکر میں سراسیمگی نہ پھیلا دیں۔ پھر اس نے اپنے سامنے موجود لوگوں سے کہا ''میرے سامنے کسی باہمت آدمی کو پیش کرو۔'' لیکن جس شخص کو یہ ذمہ داری دی گئی وہ بھی اسی حال میں واپس لوٹا جس حال میں پہلے واپس آئے تھے۔ اس نے بھی اسلامی لشکر کے ہراول میں ہیبت ناک گھوڑوں پر سوار دستہ دیکھا جو پہلے مخبروں نے دیکھا تھا۔ اس نے ہانپتے کانپتے کہا ''ان کو دیکھنا انسان کی برداشت سے باہر ہے۔'' لیکن مالک نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا۔ جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو اس نے وادیٔ حنین کی جانب کوچ کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اسے معلوم تھا کہ اسلامی لشکر کو اسی وادی سے گزر کر ادھر آنا ہے۔ وادیٔ حنین کے دوسرے سرے پر پہنچ کر اس نے لشکر کو رک جانے کا حکم دیا۔ یہاں سے وادی کی جانب ڈھلوان شروع ہو جاتی تھی۔ وادی کی ہر دو جانب گہری گھاٹیاں تھیں۔ ان میں سے بعض گھاٹیاں بہت وسیع اور ان میں داخل ہونے کے راستے خاصے کشادہ تھے۔ ان گھاٹیوں کو بلندی سے تو دیکھا بھی جا سکتا تھا لیکن وادی سے نظر نہیں آتی تھیں۔ مالک نے ان گھاٹیوں میں اپنے سوار دستوں کو متعین کر کے انہیں ایک اشارے پر دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دیا اور باقی فوج کو چٹان کی چوٹی کے قریبی راستہ پر صف آرا کر دیا۔

اس شب رسول اللہ ﷺ نے جہاں اپنا پڑاؤ ڈالا وہ وادی کے دوسرے کنارے کے قریب تھا۔ آپ ﷺ نے لشکر کے ساتھ نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد ان کا حوصلہ بڑھایا اور فرمایا کہ اگر وہ جم کر لڑے تو فتح

Marfat.com

ان کے قدم چومے گی۔ جب لشکرِ اسلام وادی میں داخل ہوا تو آسمان پر گہرے بادلوں کی وجہ سے کافی اندھیرا تھا۔ پہلے کی طرح حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہراول دستے میں تھے اور ان کی زیرِ کمان سُلیم اور دوسرے قبائل تھے۔ ان کے پیچھے مکہ کے نومسلموں کا دستہ تھا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ دُلدُل پر سوار اور لشکر کے قلب میں تھے۔ ہمیشہ کی طرح یہ دستہ مہاجرین اور انصار پر مشتمل تھا۔ آپ کے گردوپیش آپ کے خاندان کے ارکان کی تعداد ماضی کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ ان میں عبداللہ بن جحش اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہما، جو مکہ کے راستے میں آن ملے تھے، کے علاوہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دو بڑے صاحبزادے نفیل اور قثم رضی اللہ عنہما اور ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور معتب رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ فوج کے عقبی دستے میں مکہ کے وہ لوگ شامل تھے جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

ہراول دستے نے وادی کی اترائی کا راستہ قریب قریب طے کر لیا تھا جب دھند کی ہلکی سی روشنی میں ان کو اپنے مقابل بلندی پر ہوازن کا لشکر منڈلاتا نظر آیا۔ یہ منظر بڑا ہی ہیبت ناک تھا۔ اس کی ہیبت میں اضافہ اس لشکر کے عقب میں ان ہزاروں اونٹوں کی وجہ سے بھی ہو گیا جن پر ہوازن کی عورتیں سوار تھیں اور بعض پر ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ صبح کی ہلکی روشنی میں وہ سب لشکر کا حصہ لگ رہے تھے۔ صاف عیاں تھا کہ اس سمت میں آگے بڑھنے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ لیکن اس سے قبل کہ اس بارے میں کوئی ہدایت یا تازہ حکم جاری ہوتا، مالک نے حملے کا اشارہ دے دیا۔ ہوازن کے سواروں کے دستے فوراً گھاٹیوں سے دوڑ لگاتے ہوئے نکلے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستے پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ اتنا خوفناک اور سرعت سے کیا گیا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بنی سُلیم کو جنہوں نے مقابلے پر ڈٹ جانے یا مدافعت کی برائے نام کوشش بھی نہیں کی تھی، کو دوبارہ جمع کرنے کے بھی قابل نہ رہے۔ بنی سُلیم پلٹے اور اپنے پیچھے آنے والی مکہ کی صفوں کو بھی تتر بتر کرتے ہوئے بھاگ نکلے۔ ان کی اس حرکت سے مکہ والے بھی جس ڈھلان سے اوپر آئے تھے، اسی ڈھلان پر واپس بھاگے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی اس ہولناک بھگدڑ نے اس تنگ سے درے کے زیادہ تنگ حصے میں گھٹن پیدا کر دی لیکن رسول اللہ ﷺ ایسی جگہ پر تھے جہاں سے وہ اپنی داہنی جانب تھوڑا سا پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ آپ ﷺ راستہ سے ہٹ کر اپنی مختصر سی جمعیت کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دوسرے بہت سے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم شامل تھے، مضبوطی کے ساتھ جم گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے افراد بھی اس جمعیت میں موجود تھے۔ ان کے چچا حارث کے فرزند ابوسفیان رضی اللہ عنہ ان کے بازو میں دُلدُل کی لگام تھامے کھڑے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز میں دوسروں کو قریب آنے کا فرمایا لیکن جنگ کے شور و غوغا میں ان کی

Marfat.com

آواز دب گئی۔ رسول اللہ ﷺ اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ ہوئے، جن کی آواز غیر معمولی طور پر بلند تھی اور ان کو ہدایت فرمائی کہ لشکریوں کو اس طرح پکاریں ''اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والے اصحاب، اے ببول کے نیچے بیعت کرنے والے اصحاب۔'' فوراً ہر طرف سے اس پکار کا جواب آیا ''لبیک! ہم حاضر ہیں۔'' فوری طور پر سو سے زیادہ مہاجرین اور انصار رسول اللہ ﷺ کے اطراف میں جمع ہو گئے۔ یہ سب اس تنگ درے میں پھیل کر دشمن کے سخت حملے کے خلاف ڈھال بن گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلسل آواز لگاتے رہے اور ان کی آواز سن کر بھاگ جانے والے پلٹ کر میدانِ کارزار میں آنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری کی رکابوں پر کھڑے ہو گئے تاکہ دوسرے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ دوسروں کو دیکھ سکیں۔ دشمن اب ایک اور سخت حملے کے لیے پر تول رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: ''یا اللہ میں تجھ سے تیرا وعدہ پورا کرنے کی التجا کرتا ہوں۔'' پھر آپ نے اپنے دودھ شریک بھائی سے کچھ کنکر اٹھا کر دینے کو فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے میدان کی طرح ان کنکریوں کو دشمن پر پھینکا۔ فوراً ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اس فوری تبدیلی کی وجہ بہ ظاہر نظر نہ آئی۔ یا صرف مسلمانوں پر تو ظاہر نہ ہوئی لیکن دشمن پر ایسے ہی عیاں ہو گئی جیسے اس سے پہلے ان کے مخبروں نے خبر دی تھی۔ اس کے بعد نزولِ وحی کے الفاظ اس طرح تھے: ''اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ ابھی غزوۂ حنین کے دن (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تم کو اپنی کثرتِ تعداد کا غرور تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرینِ حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کا جو حق کا انکار کریں۔ پھر (تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ) اس طرح سزا دینے کے بعد اللہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'' (1)

دشمن کی صفوں میں جس انداز سے بھگدڑ مچی وہ بہت ہولناک تھی۔ مالک بہت بہادری سے برسرِ پیکار رہا لیکن آخر کار ثقیف کے آدمیوں کے ساتھ طائف پہنچ کر دم لیا۔ طائف کے چاروں طرف فصیل تھی۔ قبیلہ ہوازن کے اصل لشکر کا نخلہ تک تعاقب کیا گیا اور بہت قتل و غارت ہوئی۔ وہاں سے وہ اپنے پڑاؤ کے مقام اوطاس کو پلٹے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو وہاں سے نکالنے کے لیے لشکر بھیجا تو وہ وہاں سے بھاگ کر پہاڑوں پر چلے گئے۔ جنگ کی ابتدا میں مسلمانوں کا بہت جانی نقصان ہوا تھا۔ خصوصاً بنی سُلیم کو اس لیے بہت نقصان اٹھانا پڑا کہ مالک نے گھات لگا کر جو حملہ کیا تھا اس کی تمام تر سختی انہی کو اٹھانی پڑی تھی۔ لیکن اس پہلے

Marfat.com

شدید حملے کے بعد نسبتاً بہت ہی کم جانی نقصان ہوا۔ان مقتولین میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت ایمن رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں حملے کا شکار ہوئے۔

ہوازن لشکر کے عقب میں موجود تمام عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ ان کے علاوہ تمام اونٹ، بھیڑ بکریاں اور دس ہزار تولہ چاندی بھی مالِ غنیمت کے طور پر ہاتھ آئی۔رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ حضرت ہدیل رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں دے کر انہیں مکہ سے تقریباً دس میل دور وادیٔ جعرانہ میں لے جانے کا حکم فرمایا۔

ہوازن کے لشکر میں ایک دستہ بنی سعد بن بکر کا بھی تھا۔ یہ وہ خاندان تھا جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اپنا زمانۂ طفلی اور بچپن گزارا تھا۔ ان میں سے ایک معمر خاتون نے گرفتار کرنے والوں کو ان لفظوں میں ملامت کی ''واللہ میں تمہارے سردار کی بہن ہوں۔'' اصحاب کو اس بات پر یقین نہ آیا اور وہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے تو خاتون گویا ہوئیں ''اے محمد (ﷺ)! میں تو تمہاری بہن ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔ وہ خاتون کافی معمر تھیں۔تقریباً ستر سال یا اس سے کچھ زیادہ ہی عمر کی ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اس کا کوئی ثبوت ہے۔'' تو انہوں نے فوراً ہی دانت کاٹے کا نشان دکھاتے ہوئے کہا ''یہ تم نے کاٹا تھا جبکہ میں تمہیں وادیٔ سرار میں گود میں لیے جا رہی تھی۔ہم ان چرواہوں کے ساتھ تھے۔تمہارا باپ میرا باپ تھا اور تمہاری ماں میری ماں تھی۔'' رسول اللہ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ وہ سچ کہہ رہی ہیں۔حقیقت میں وہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہنوں میں ایک بہن شیما تھیں۔آپ ﷺ نے اپنا کمبل زمین پر بچھایا اور اپنی رضاعی بہن سے اس پر بیٹھنے کو فرمایا۔آپ کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے رضاعی والدین کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں طبعی عمر پا کر انتقال کر چکے ہیں۔جب باتیں ہو چکیں تو رسول اللہ ﷺ نے پیش کش فرمائی کہ وہ اگر چاہیں تو یہیں قیام کر سکتی ہیں اور اگر چاہیں تو اپنے قبیلے بنی سعد واپس جا سکتی ہیں۔انہوں نے اسلام قبول کرنے اور پھر اپنے قبیلے میں واپس جانے کی خواہش ظاہر کی۔رسول اللہ ﷺ نے ان کو خاص تحفہ دیا اور انہیں مزید نوازنے کے ارادے سے فی الحال اپنے قبیلے کی خیمہ گاہ میں ٹھہرنے کا مشورہ دیا۔اس کے بعد آپ ﷺ لشکر کے ساتھ طائف کے لیے روانہ ہو گئے۔

قبیلہ ثقیف کے پاس سال بھر کے لیے رسد کا سامان موجود تھا۔رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اگر قلعہ بندی توڑنے میں تمام تدابیر ناکام ہو جائیں تو پھر منجنیقیں استعمال کی جائیں۔لیکن ثقیف کے پاس ان تمام ہتھیاروں کی مدافعت کا سامان موجود تھا۔وہ تیر اندازی میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔دونوں لشکروں میں تیروں کا مقابلہ ہوتا رہا لیکن ایک ماہ گزر جانے کے باوجود مسلمانوں کو شہر فتح ہونے کے آثار پہلے دن سے بہتر نظر

Marfat.com

نہ آئے۔ کچھ حاصل ہوا تو یہ کہ کچھ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کا وہ اعلانِ عام تھا کہ ثقیف کا جو غلام بھی مسلمانوں میں شامل ہو جائے گا اس کو آزادی حاصل ہو جائے گی۔ تقریباً بیس کے قریب غلام کسی تدبیر سے شہر سے نکل آئے اور لشکرِ اسلام کے پڑاؤ میں آ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ تقریباً ایک ہفتہ اور گزرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب میں دیکھا کہ آپ کے سامنے مکھن کا ایک پیالہ پیش ہوا۔ ایک مرغ آیا اور اس نے اس میں چونچ مار کر اس کو بکھیر دیا۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نہیں سمجھتا کہ آپ ﷺ ان سے جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ آج ہی حاصل ہو جائے۔" رسول اللہ ﷺ نے ان سے اتفاق کیا۔ ممکن ہے کہ وہ پہلے سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہوں کہ ثقیف کا محاصرہ ان پر غالب آنے کا بہترین طریقہ نہیں تھا۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو لیکن اب رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ اٹھانے اور جعرانہ کی جانب پیش قدمی کا حکم فرمایا۔ جوں ہی محاصرہ اٹھا کر روانگی شروع ہوئی تو چند اصحاب نے رسول اللہ ﷺ سے طائف والوں کے لیے بددعا کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کوئی جواب دیے بغیر اپنے ہاتھ دعا کے لیے بلند فرمائے "اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں ہم سے قریب کر دے۔"

طائف کی دیوار کے نیچے شہید ہونے والوں میں سے ایک حال ہی میں اسلام میں داخل ہونے والے رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد اور امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

ا۔ قرآن ۹: ۷-۲۵

Marfat.com

بات: ۷۷

تالیفِ قلب

جب لشکر جعرانہ پہنچا تو قیدیوں کو ایک باڑے میں پایا گیا۔ تقریباً چھے ہزار عورتیں اور بچے دھوپ کی شدت سے بچنے کی تدبیر میں لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثریت کے کپڑوں کی حالت بہت بُری تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو تمام قیدیوں کے لیے نیا لباس خرید لانے کے لیے روانہ کیا۔ اس خریداری کی ادائیگی اسی چاندی سے کی جانی تھی جو مالِ غنیمت کے طور پر ہاتھ آئی تھی۔ اونٹوں کی تعداد چوبیس ہزار اور بھیڑ بکریوں کی تعداد شمار سے باہر ہونے کے باعث کسی نے گنتی کی کوشش ہی نہ کی۔ عام اندازے کے مطابق ان کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی۔

بہت سے لوگ مالِ غنیمت سے اپنا حصہ پانے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ مالِ غنیمت کے معاملے میں کوئی ایسی صورت اختیار نہیں کرنا چاہتے تھے جس کو بعد میں بدلنا مشکل ہو۔ آپ ﷺ کو امید تھی کہ ہوازن قبیلے کی جانب سے کوئی وفد فیاضی کے برتاؤ کی درخواست لے کر آئے گا۔ لیکن اس تقسیم کا ایک حصہ ایسا تھا جس میں آپ تاخیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ حصہ مالِ غنیمت کا وہ پانچواں حصہ تھا جو زکوٰۃ اور خیرات جیسی مد میں حاصل ہونے والی آمدن کی تقسیم کو پورا کرتا تھا۔ حال ہی میں نازل ہونے والی وحی میں انسانوں کی ایک نئی قسم کو بھی متعارف کیا گیا تھا جو اس رقم سے مستفید ہو سکتے تھے یعنی ''وہ لوگ جن کے دلوں کو جیتنا ہے۔'' آیت کا نزول یوں ہے: ''زکوٰۃ و خیرات تو بس (خاص) فقیروں اور محتاجوں کا حق ہے اور ان کا جو زکوٰۃ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو، قیدیوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے اور قرض داروں کا قرض ادا کرنے کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے

Marfat.com

لیے۔ یہ ذمہ داری ہے جو اللہ کی طرف سے عائد کی گئی ہے اور اللہ حلیم وحکیم ہے۔'' (1) اس کی ایک واضح مثال قریش کے وہ لوگ تھے جو حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے، حالات کے دباؤ کے تحت، جب کہ ان کی دنیا، کفرِعرب کی دنیا، مکہ میں اسلام کے قدم جمانے سے بکھر چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیئے اور جب انہوں نے اپنے بیٹوں یزید اور معاویہ کو فراموش نہ کرنے کی درخواست کی تو ان دونوں کو بھی سو سو اونٹ دیئے گئے۔ اس طرح ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو تین سو اونٹ ملے تو دوسروں کی توجہ بھی اس فیاضی کی جانب ہوئی۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیئے گئے تو انہوں نے مزید دو سو طلب کیے جو رسول اللہ ﷺ نے فوری طور پر عطا کر دیئے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرح ہی حکیم رضی اللہ عنہ کے معاملے میں کسی قسم کا تامل اس عطیہ کے بنیادی مقصد کو پورا نہ کر پاتا لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے حکیم رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''دنیا کا ساز و سامان ایک سرسبز چراگاہ کی طرح ہے جو کوئی اس کو نفس کی پاکیزگی کے ساتھ قبول کرے گا تو اس کو برکت نصیب ہوگی اور جو کوئی نفس کے پندار کے لیے قبول کرے گا تو وہ ایسا شخص ہوگا جو کھاتا جائے اور اس کا پیٹ نہ بھرے۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کی ابتدا اپنے گھر والوں سے کرو جن کی کفالت کی ذمہ داری تم پر ہے۔'' حکیم رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا ''قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ ﷺ کے بعد کسی سے کچھ نہ لوں گا۔'' انہوں نے ارادہ کر لیا کہ آئندہ ان کا ہاتھ نیچے نہیں رہے گا اور صرف سو اونٹ لے کر باقی اونٹوں سے دستبردار ہو گئے۔ (2)

مالِ غنیمت میں سے عطیہ پانے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اسلام قبول کرنے میں متذبذب تھے۔ ان میں سے جن لوگوں کو سو اونٹ دیئے گئے ان میں نمایاں نام صفوان اور سہیل کے تھے۔ ان دونوں سرداروں نے حنین کی جنگ میں دشمنوں کے خلاف حصہ لیا تھا اور جب مکہ کے کچھ لوگوں نے جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور فوج کے پچھلے حصے میں تھے، مسلمانوں کی ابتدائی بھگدڑ پر اطمینان کا اظہار کیا تھا تو صفوان نے انہیں ڈانٹ پلائی تھی کہ ''اگر مجھے کسی کے ماتحت رہنا ہے تو میرے لیے بہتر ہوگا کہ وہ ہوازن کی بجائے قریش سے ہو۔'' جب ان کو سو اونٹ مل گئے تو صفوان مالِ غنیمت کو دیکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں وادئ جعرانہ کو چلے۔ اس مقام پر اصل وادی کے دونوں اطراف میں وادیاں تھیں اور ان میں سبزے کی کثرت کے باعث ہر جانب اونٹ، بھیڑ بکریاں اور ان کے رکھوالے موجود تھے۔ صفوان کو اس منظر پر حیرت زدہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیا یہ سب کچھ دیکھ کر تمہیں بہت مسرت ہوئی ہے۔'' صفوان نے اثبات میں جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہ ساری وادی بھی تمہاری ہے اور اس میں موجود سب کچھ بھی

Marfat.com

تمہارا۔'' ''میں گواہی دیتا ہوں'' صفوان نے کہا ''کوئی بھی ذی روح اتنا نیک نہیں ہوسکتا جیسی یہ نیکی ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ ایسی نیکی کسی نبی کے علاوہ کسی اور میں ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے رسول ہیں۔''

جہاں تک سہیل کا تعلق ہے تو اس کے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی جعرانہ میں ہی ہوگیا۔ یا تو اس کا باعث اس کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نئے سرے سے استوار ہونے والی قربت تھی اور یا حنین کی جنگ میں اسلامی لشکر کی معجزانہ فتح، یا پھر اس کا باعث وہ ذاتی تجربات تھے جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ان کے فراخ دلانہ سلوک کی صورت میں پیش آئے۔ یا یوں بھی ہوسکتا ہے کہ ان تمام چیزوں کے مجموعی اثر کے باعث وہ اسلام میں داخل ہوئے تو اس بارے میں ان کا ایمان اس درجے کا تھا کہ جب ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سوگوار باپ کو تعزیتی الفاظ میں تسلی دینی چاہی تو سہیل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول کا فرمان ہے ''شہدا اپنے ستر آدمیوں کی شفاعت کرسکیں گے اور مجھے توقع ہے کہ میرا بیٹا میرے مقابلے میں شفاعت کی پہل کسی اور سے نہیں کرے گا۔''

جعرانہ کے مقام پر جو دیگر ممتاز افراد اسلام میں داخل ہوئے ان میں قبیلہ مخزوم سے ابوجہل کے دو بھائی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی ہشام اور جوان العمر وفات پانے والے حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے دوسرے بیٹے حضرت زہیر رضی اللہ عنہ جن کا بھائی ابھی طائف میں شہید ہو چکا تھا۔ یہ حضرت زہیر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے قریباً دس برس قبل ابوجہل کی خواہش کے برعکس قریش پر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے خلاف بائیکاٹ کو ختم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا تھا۔ ان کی والدہ دونوں بیٹوں سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکی تھیں۔

اسلامی لشکر وادی میں کئی دن قیام کر چکا تھا لیکن ابھی تک ہوازن کا کوئی وفد ملنے کے لیے نہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے ہر فرد کو اس کا حصہ دے دیا لیکن ابھی تقسیم ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہوازن کا وفد آن پہنچا۔ اس وفد میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی والد حارث کے بھائی بھی تھے۔ وفد میں چودہ افراد پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے اور بقیہ نے اب اسلام قبول کرنے کے بعد اصرار کیا کہ ہوازن کے پورے قبیلے کو آپ کا رضاعی رشتہ دار قرار دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی فیاضی سے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ وفد کا کہنا تھا ''ہم نے اپنی آغوش میں آپ ﷺ کی پرورش کی اور اپنی چھاتیوں سے آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہوازن کے وفد کا کافی انتظار کرنے کے بعد اس خیال کے تحت

Marfat.com

مالِ غنیمت تقسیم کیا جا چکا ہے کہ وفد اب نہیں آئے گا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے جواب کو جانتے ہوئے سوال دریافت فرمایا کہ انہیں کیا زیادہ عزیز ہے، اپنی بیٹیاں اور بیٹے یا اپنا ساز و سامان؟ جب انہوں نے جواب میں اپنے بیٹے اور بیٹیوں کی واپسی کی درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ میرے اپنے یا بنی عبدالمطلب کے حصے میں آیا ہے وہ تو تمہارا ہے اور بقیہ کے لیے میں تمہاری جانب سے سفارش کروں گا۔ جب میں ظہر کی نماز ادا کر چکوں تو تم کہنا کہ ہم اللہ کے رسول سے درخواست کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے ہماری سفارش فرمائیں اور مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ سے ہماری سفارش کریں۔ (۳)

بنی ہوازن نے ہدایت کے مطابق عمل کیا تو آپ ﷺ نے جماعت کی جانب رخ فرمایا اور وضاحت فرمائی کہ یہ لوگ اپنے بیوی بچوں کو واپس کرنے کی خواہش کر رہے ہیں۔ مہاجرین اور انصار نے فوری طور پر اپنے قیدی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے جبکہ دوسرے قبائل میں سے کچھ نے عمل کیا اور کچھ نے انکار کر دیا۔ انکار کرنے والوں کو قیدی واپس کرنے کے صلے میں مستقبل میں فدیہ کی رقم سے تلافی کی ترغیب دی گئی۔ اس طرح ہوازن کے تمام قیدی واپس کر دیئے گئے سوائے ایک جوان خاتون جن کا قرعہ رسول اللہ ﷺ کے بھانجے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بنی زہرہ کے نام نکلا تھا اور انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی رہنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی رضاعی بہن کو مزید اونٹ اور بھیڑیں دے کر رخصت فرمایا۔ جب یہ وفد واپسی کی تیاری کر رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے سالار، مالک کی خیریت دریافت فرمائی تو انہیں بتایا گیا کہ وہ طائف میں ہے اور ثقیف کے ساتھ مل گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا ''اسے کہلوا بھیجو کہ اگر وہ ان کے پاس ایک مسلمان کی حیثیت سے آئے تو میں اس کی املاک، ساز و سامان اور خاندان واپس کر دوں گا اور ایک سو اونٹ بھی دوں گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے مالک کے گھر والوں کو مکہ میں اپنی پھوپھی عاتکہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرایا تھا اور اس کی املاک کو تقسیم نہیں کیا تھا۔ مالک کو جب طائف میں آپ ﷺ کا پیغام پہنچا تو اس نے ثقیف کو اس خدشے سے کچھ نہ بتایا کہ وہ اس کی نیت پر شک کر کے اسے قید میں ڈال دیں گے۔ وہ رات کے اندھیرے میں شہر سے نکل کر سیدھے اسلامی پڑاؤ میں پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہوازن قبیلے کے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا اس ہدایت کے ساتھ سربراہ مقرر فرمایا کہ وہ ثقیف کا محاصرہ جاری رکھیں۔ اس طرح طائف ایک محاصرے سے نکلنے کے بعد ایک ایسے لشکر کے محاصرے کی زد میں آ گیا جو اپنی شدت میں کم ہونے کے باوجود نہ صرف تکلیف بلکہ دیرپا تکلیف کا باعث تھا۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ اگرچہ روحانیت ہی مذہب کی اصل قوت ہے لیکن اس کا مدار مذہب قبول کرنے والے کی نیت پر ہوتا ہے کہ اس نے خلوصِ دل سے اس کو قبول کیا ہے یا نہیں۔ مذہب سے ایفائے عہد کے راستے میں جو رکاوٹیں ہوسکتی تھیں، مثلاً شدید دشمنی کا احساس یا سخت مایوسی و محرومی، تو ان سے نجات دلانے کے لیے ''تالیفِ قلب'' یعنی مال و دولت دینے کے اصول کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نازل فرمایا۔ لیکن دوسروں کا ذکر ہی کیا بعض بزرگ صحابہ بھی اس اصول کی روح سمجھنے سے قاصر رہے۔ اسی لیے جب چندبیش قیمت تحائف ایسے معزز بدوؤں کو بھی دیئے گئے جن کا اسلام انتہائی مشکوک تھا جبکہ صحرا کے بہ ظاہر بہت سے مستحق لوگوں کو نظر انداز کر دیا گیا تو بنی زہرہ کے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ نے بنی غطفان کے عیینہ اور قبیلہ تمیم کے اقرع کو سو اونٹ دیئے ہیں جبکہ ضمرہ کے ایک سچے مسلمان حضرت جُعیل رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں دیا جبکہ جُعیل کے مالی حالات عیینہ اور تمیم کے مقابلے میں بہت ہی خراب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جُعیل تنہا اقرع اور عیینہ کی پوری بستی سے بڑھ کر قدر و قیمت رکھتے ہیں لیکن میں نے ان کے نفس کو دوستی کی جانب مائل کیا ہے تا کہ وہ اللہ کی اطاعت میں خلوص سے داخل ہو جائیں جبکہ جُعیل رضی اللہ عنہ کو میں نے اُس اسلام کے حوالے (۴) کر دیا ہے جس کو وہ پہلے ہی قبول کر چکے ہیں۔'' (۵)

مہاجرین کی جانب سے مزید اعتراضات نہ ہوئے لیکن جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ کے آخری اقدام کے نتیجے میں چار ہزار انصار کے دلوں میں بے اطمینانی کی کیفیت موجود تھی۔ انصاری صحابہ میں سے بیشتر کی مالی حالت بہت ہی تنگ تھی اور مالِ غنیمت کی غیر معمولی افراط کے باعث انہیں امید تھی کہ اس میں سے ان کو مناسب حصہ ملے گا۔ لیکن ان سب کو چار اونٹ یا ان کے برابر بھیڑ بکریاں ہی ملی تھیں۔ انہیں یہ بھی امید تھی کہ قیدیوں سے انہیں اچھا خاصا زرِ فدیہ ہاتھ آجائے گا لیکن رسول اللہ ﷺ کی خوشی کی خاطر وہ قیدیوں سے بھی دستبردار ہو گئے تھے۔ جبکہ انہوں نے اسی دوران اپنی آنکھوں کے سامنے قریش کے سولہ ممتاز اور دوسرے قبائل کے چار سرداروں کو انتہائی فیاضانہ تحائف ملتے ہوئے بھی دیکھا۔

جبکہ ان کے مقابلے میں کسی ایک انصاری کو بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسا فیاضانہ تحفہ نہ مل سکا۔ اگرچہ انصار کی طرح مہاجرین سے بھی اس بارے میں ایسا ہی سلوک کیا گیا تھا لیکن بہرحال نوازے جانے والے قریش میں سے تھے، یعنی مہاجرین کے قریبی رشتہ دار۔ ''اللہ کے رسول اپنے رشتہ داروں سے جا ملے ہیں'' انصار نے آپس میں چہ میگوئیاں کیں۔ ''جنگ کے ساتھی ہم ہیں لیکن مالِ غنیمت کی تقسیم میں ان کی قوم اور ان کا

Marfat.com

خاندان۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو ہم اس کو بخوشی قبول کرتے ہیں لیکن اگر یہ محض ایک ایسا خیال ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دل میں آیا ہے تو ہم ان سے درخواست کریں گے کہ ایسی عنایت ہم پر بھی ہو۔''

جب یہ باتیں عام ہوئیں تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ انصار کے دلوں کی کیا حالت ہے اور زبانوں پر کیا ہے؟ ''اس بارے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ تمہارا کیا خیال ہے؟'' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''میں بھی انہی میں سے ایک ہوں اور ہم جاننا چاہتے ہیں کہ خصوصی سلوک کی وجہ کیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ جس باڑے میں پہلے قیدی رکھے گئے تھے، سب انصار کو اکٹھا کیا جائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اس مجمع میں تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد انہیں خطاب فرمایا:

''اے انصار مجھے خبر دی گئی ہے کہ تم دل میں مجھ سے ناخوش ہو۔ کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا اور اللہ نے تم کو ہدایت دی۔ میں نے تم کو تنگ حال نہیں پایا اور اللہ نے تمہیں دولت وثروت سے نوازا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیئے؟'' انصار نے بیک آواز جواب دیا ''یقیناً اللہ اور اس کا رسول انتہائی فیاض اور بے حد مہربان ہے۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا تم مجھ کو پلٹ کر جواب نہیں دو گے؟'' انصار نے حیرانگی کے عالم میں جواب دیا ''ہم آپ کو پلٹ کر جواب کیسے دے سکتے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم اگر چاہو تو مجھ کو ایسا سچا جواب دے سکتے ہو جس کی صداقت پر دنیا بھی گواہی دے گی۔ اگر تم چاہو تو تم کہہ سکتے ہو کہ آپ ہمارے درمیان اس وقت آئے جب آپ کی ساکھ ختم ہو چکی تھی اور آپ کو کوئی پوچھتا نہیں تھا، ہم نے آپ کو وقعت دی۔ آپ بیکس ولاچار تھے ہم نے آپ کو سہارا دیا۔ بے خانماں تھے اور ہم نے آپ کو جگہ دی۔ قلاش ومفلس تھے اور ہم نے دادرسی کی۔ اے انصار کیا تمہارا دل ان دنیاوی چیزوں کو پانے کے لیے بے قرار ہے جو میں نے لوگوں کو اس لیے دی ہیں کہ ان کے دلوں کو نرم کروں اور وہ اللہ کی اطاعت اختیار کریں۔ جبکہ تم لوگوں کو میں نے خود تمہارے اسلام کے حوالے کیا ہے؟ کیا تم لوگ اس پر قانع نہیں ہو اے انصار کہ لوگ تو اپنے ساتھ بھیڑوں کے گلے اور اونٹ لیے جا رہے ہیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کا رسول

Marfat.com

اپنے گھروں میں لے جا رہے ہو؟ یاد رکھو اگر انصار کے علاوہ ساری دنیا کسی ایک راستہ پر جائے اور انصار کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں تو میں اس راستہ کو اختیار کروں گا جو انصار کا راستہ ہوگا۔ اللہ انصار پر اپنی رحمت فرمائے اور ان کی اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد پر۔"

تمام انصار پر رقت طاری ہوگئی، وہ رو پڑے اور اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ سب بیک زبان کہہ رہے تھے "ہم سب اللہ کے رسول پر قانع ہیں جو ہمارے حصے میں آئے اور ہماری قسمت میں لکھ دیئے گئے۔"(۶)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۹:۶۰ ۲۔واقدی:۹۴۵ ۳۔ابن اسحٰق:۸۷۷ ۴۔مراد اسلام ہے ۵۔واقدی:۹۴۸ ۶۔ابن اسحٰق:۸۸۶

Marfat.com

باب: ۷۸

فتح حنین کے بعد

جعرانہ سے رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ مدینہ پہنچے کے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وہی عروہ ثقفی رضی اللہ عنہ تھے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے لیے عزت واحترام (1) سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ ابھی ہونے والی جنگ کے موقع پر وہ طائف میں موجود نہیں تھے اور یمن گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر جب انہوں نے حنین کی معجزانہ فتح کی روداد سنی تو یہ سب کچھ سن کر ان کا مسلمان ہونے کا ارادہ پختہ ہو گیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ طائف جا کر بنو ثقیف کو دعوتِ اسلام دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ لوگ تمہیں قتل کر دیں گے۔'' حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! میں تو ان کو ان کے نوزائیدہ بچوں سے بھی زیادہ عزیز ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے پھر اپنی بات دہرائی اور فرمایا ''وہ لوگ تمہیں قتل کر دیں گے۔'' لیکن جب عروہ رضی اللہ عنہ نے تیسری بار اجازت مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم ٹھان ہی چکے ہو تو جاؤ۔'' وہی ہوا جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ثقیف کے لوگوں نے ان کا مکان گھیر لیا اور تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ پھر زیادہ دیر نہیں لگی کہ ایک تیر لگنے سے انہیں مہلک زخم لگا۔ ان کے نزع کے عالم میں خاندان والوں نے ان سے پوچھا کہ وہ اپنی موت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ''یہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا کرم ہے جو اس نے انتہائی شانِ کریمی سے مجھے عطا فرمایا۔'' پھر حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ میری میت کو ان شہدا کے ساتھ دفن کرنا

Marfat.com

جو تھوڑے ہی دن پہلے طائف کے محاصرے کے دوران شہید ہوئے تھے۔ گھر والوں نے ان کی وصیت پر عمل کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''عروہ رضی اللہ عنہ بھی سورۃ یٰسین (۲) کے آدمی جیسا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اللہ کی طرف بلایا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔'' (۳) سورۃ یٰسین میں جس آدمی کا ذکر ہے ان کا نام حبیب تھا۔ یہ انطاکیہ کے بڑھئی تھے اور انہوں نے اپنی قوم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان لوگوں نے پطرس اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کیا تھا۔ انہوں نے حبیب کو قتل کر دیا اور قرآن کی زبان میں یوں تحریر ہے: ''اس سے (حبیب سے) کہا گیا داخل ہو جاؤ بہشت میں۔ حبیب نے کہا اے کاش میرے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اللہ نے کس طرح میرے گناہوں کو معاف فرما دیا اور اپنی نعمتوں کو مجھ پر نچھاور کر دیا۔'' (۴) حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا بیٹا اور بھتیجا طائف کو خیر باد کہہ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے رشتہ کے بھائی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہائش اختیار کی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین میں سے تھے۔

موتہ کے معرکے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے آپ ﷺ نہ صرف ایک قابلِ قدر صحابی بلکہ ایک قابلِ قدر شاعر سے بھی محروم ہوئے۔ آپ ﷺ انہیں حضرت حسان اور حضرت کعب رضی اللہ عنہما کے ہم پلہ شاعر سمجھتے تھے۔ اگرچہ عام طور پر اس امر پر اتفاق ہے کہ اس زمانہ کے دو عرب شعراء نے اپنی شاعری سے دوسروں کی شاعری کو ماند کر دیا تھا۔ ان میں ایک تو لبیدؔ تھا اور دوسرا کعبؔ۔ یہ کعب گزشتہ نسل کے ایک جید شاعر زہیر بن سلما کا بیٹا تھا۔ اگرچہ کعب کا تعلق مزنیہ سے تھا لیکن اس نے زندگی کا بیشتر حصہ غطفان کے ساتھ گزارا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اپنے قبیلے پر اسلام کے اثر کے باوجود وہ اسلام سے محروم رہا۔ حدیبیہ کے بعد اس کے بھائی حضرت بجیر رضی اللہ عنہ داخلِ اسلام ہو گئے تھے لیکن کعب نے بڑی شد و مد سے نئے مذہب کو رد کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہجویہ نظمیں لکھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو بتا دیا تھا کہ جو کوئی بھی اس کو قتل کرے گا تو اس کا یہ عمل اللہ کی راہ میں ہوگا۔ حضرت بجیر رضی اللہ عنہ پہلے ہی اس بارے میں کوشش کر چکے تھے کہ کعب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کی درخواست کریں۔ حضرت بجیر رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا ''رسول اللہ ﷺ اس کو قتل نہیں کرتے جو ان کے پاس آ کر توبہ کر لے اور معافی مانگ لے۔'' لیکن کعب نے ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا تھا اور اب فتح مکہ کے بعد انہوں نے سابقہ پیغامات کے ساتھ ایک نظم بھی روانہ کی، جس کے اشعار تھے:

Marfat.com

''نہ لات کے پاس اور نہ عزیٰ کے پاس

پناہ بس ذاتِ واحد اللہ کے پاس

اور وہی پناہ ہے اس دن جب مفر نہ ہوگا ممکن اور نہ ہوگی پناہ کوئی

سوائے اس کو کہ جس کا دل تسلیم ورضائے الٰہی سے معمور ہو۔'' ۵

کثیر تعداد میں چہار جانب سے لوگوں کو اسلام میں داخل ہوتے دیکھ کر کعب کو ایسے لگا جیسے زمین اس پر تنگ ہوئی جا رہی تھی۔ وہ جان کے خوف سے چھپتا ہوا مدینہ میں قبیلہ جہینہ کے ایک دوست کے گھر پہنچا۔ انہوں نے کعب سے اسلام کا اقرار و اعلان کرایا۔ اگلے دن مسجد میں وہ فجر کی نماز میں شامل ہوا اور نماز ادا کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ دستِ مبارک ﷺ میں دے کر گویا ہوا ''یا رسول اللہ اگر زہیر کا بیٹا کعب شرمندگی کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک مسلمان کی حیثیت سے حاضر ہو کر جان بخشی کی درخواست کرے اور میں اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں تو کیا آپ اس سے ملنا پسند فرمائیں گے؟'' رسول اللہ ﷺ نے اثبات میں جواب فرمایا تو کعب نے کہا ''یا رسول اللہ میں زہیر کا بیٹا کعب ہوں۔'' انصار میں سے ایک صحابی اچھل کر کھڑے ہو گئے اور کعب کا سر قلم کرنے کی اجازت چاہی لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اسے جانے دو کیوں کہ وہ نادم ہو کر آیا ہے اور یہ وہ نہیں رہا جو تھا۔''

تب حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ایک نظم پڑھی جو اسی موقع پر موزوں کی گئی تھی۔ یہ نظم روایتی بدویانہ انداز کی تھی۔ شاعرانہ بندش، عالی شان اور بڑی سریلی، جس میں قدرت کے جیتے جاگتے مناظر پیش کیے گئے تھے۔ لیکن اس کا لبِ لباب معافی کی خواستگاری تھی۔ نظم کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کی تعریف ان لفظوں میں تھی۔

''رسول اللہ اک نور ہے، سرچشمۂ نور

اللہ کی تلواروں میں سے ایک بے نیام ہندی تلوار

اپنے اصحاب قریش کے درمیان جب انہوں نے چن لیا

اسلام وادیٔ مکہ میں تو لوگوں نے کہا ''نکل جاؤ!''

وہ نکل گئے، ناتوانوں کی طرح نہیں اور نہ ان کی طرح جو فرار ہوں

اپنی سواریوں پر جھومتے ہوئے معمولی کپڑوں میں

لیکن یہ بطلِ جلیل خود دار اور شریف اطوار

Marfat.com

چمکدار زرہ پہنتے ہوئے

ایسی زرہیں ⑥ جو دشمن کے مقابل خود داؤد علیہ السلام نے بنائیں۔''

جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے نظم ختم کی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی دھاری دار عبا اتار کر ان کے کندھوں پر ڈال دی اور قدر افزا کلمات فرمائے۔ ⑦ لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا ''کاش اس نے انصار کی مدح میں بھی کچھ کہا ہوتا کیوں کہ وہ اس کے مستحق ہیں۔'' یہ بات حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے انصار کی مدح میں ایک نظم کہی۔ اس نظم میں جنگ کے دوران انصار کی شجاعت و جوانمردی تھی اور تحفظ کی اس ضمانت پر پورا اترنے کا ذکر تھا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دی تھی اور وہ فراخ دلانہ میزبانی جو انصار نے مہاجر مسلمانوں کی خدمت بجالانے میں انجام دی تھی۔ ⑧

اب یہ بات عیاں ہوگئی تھی کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا قبطی کے ہاں بچے کی ولادت کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ سلمٰی رضی اللہ عنہا جنہوں نے ایامِ زچگی میں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کی تھی اب عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ وہ وقت جب انہوں نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس دنیا میں آنے میں مدد کی تھی، اب اسے گزرے پچیس برس ہو چکے تھے۔ لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس بچہ کی ولادت کے موقع پر بھی وہ اپنی خدمات بجالائیں گی۔ جب ولادت کا وقت نزدیک آیا تو وہ اس محلہ میں منتقل ہوگئیں جہاں سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا رہائش پذیر تھیں۔ بچے کی ولادت بوقتِ شب ہوئی اور اسی شب حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ایسے انداز میں خطاب کیا جیسے پہلے کبھی نہیں کیا تھا ''اے پدرِ ابراہیم۔'' پیدائش کے فوراً بعد سلمٰی رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو خبر دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ اگلی صبح رسول اللہ ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد اپنے اصحاب کو ولادت کی خبر دی اور فرمایا ''میں نے اس کا نام رکھ دیا ہے، اپنے جد ابراہیم علیہ السلام کے نام پر۔'' مدینے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انصار کی عورتوں میں رقابت پیدا ہوگئی کہ کون خوش نصیب اس بچے کی رضاعی ماں بنے گی۔ اس مقصد کے لیے بالائی مدینہ کے ایک لوہار کی بیوی کا انتخاب ہوا جو بچے کے گھر سے قریب ہی رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ روزانہ اپنے صاحبزادے کو دیکھنے تشریف لاتے تھے اور اکثر و بیشتر دوپہر وہیں آرام فرماتے تھے۔

کبھی کبھار بچے کو والد کے گھر لایا جاتا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ بچے کو گود میں لیے ہوئے آئے اور فرمایا ''اس میں میری شباہت کا مشاہدہ کرو۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں ''مجھے تو کوئی شباہت نظر نہیں آتی۔'' رسول اللہ ﷺ نے احتجاجاً فرمایا ''تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ اس کی جلد کتنی صاف

Marfat.com

اور جسم کتنا نفیس ہے۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں ''وہ سب بچے جو بھیڑ کے دودھ پر پلتے ہیں گول مٹول اور جلد کے گورے ہوتے ہیں۔'' بھیڑوں کے ایک گلہ بان کو ہدایت تھی کہ وہ رضاعی ماں کے پاس روزانہ دودھ بھیجا کرے۔

مکہ سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے چھے ماہ مدینہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران متعدد فوجی دستے مختلف مہموں پر بھیجے جاتے رہے۔ ان میں ایک مہم قبیلہ طائی کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجی گئی۔ طائی قبیلے کا علاقہ مدینہ کے شمال مشرق میں تھا۔ اس سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منات کے معبد کو منہدم کرنے کے لیے بحرِ احمر کے ساحل پر واقع بستی قُدید روانہ کیا گیا تھا۔ اس طرح اب عرب کے بت پرستی کے مراکز میں سے صرف طائف میں لات کا معبد باقی رہ گیا تھا۔ لیکن قلس کا مندر ان لوگوں کی بت پرستی کا مرکز تھا جو غیر عیسائی تھے۔ اس حالیہ تاخت کا مقصد اس مندر کو تباہ کرنا تھا۔ طائی شاعر حاتم کا قبیلہ تھا۔ [9] اس کا بیٹا عدی جو اپنے باپ کی طرح عیسائی تھا اب اس کی موت پر قبیلے کا سردار مقرر ہوا تھا۔ جوں ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اچانک وہاں پہنچے تو عدی اپنے گھر والوں سمیت بچ کر نکل گیا لیکن اس کی ایک بہن پیچھے رہ گئی۔ اسے قبیلے کے دیگر لوگوں کے ساتھ اسیر کر لیا گیا۔ جب عدی کی بہن کو رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کیا گیا تو اس نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر گراتے ہوئے ان لفظوں میں رہائی کی التجا کی: ''میرا باپ ہمیشہ اسیروں کو آزاد کرتا تھا، مہمانوں کو آرام سے رکھتا تھا، بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا اور مصیبت زدہ لوگوں کو تسلی اور ان کی راحت کا انتظام کرتا تھا۔ اور کسی مانگنے والے کو نامراد نہیں لوٹاتا تھا۔ میں اسی حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس سے بڑی شفقت کا برتاؤ کیا اور اپنے پاس بیٹھے ہوئے اصحاب سے فرمایا ''اس کو جانے دو، اس کا باپ نیک کام کرتا تھا اور اللہ بھی نیک کاموں کو پسند فرماتا ہے۔''

اسی دوران طائی قبیلہ کا ایک آدمی اس کی رہائی کی درخواست لے کر آ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے لڑکی اس کی تحویل میں دے دی اور انہیں ایک اونٹ اور نفیس پوشاک بھی عطا کی۔ وہ اپنے بھائی عدی کی تلاش میں گئیں اور عدی کو مدینہ جانے کی پرزور ترغیب دی۔ عدی مدینہ پہنچ کر اسلام میں داخل ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ سے وفاداری کا حلف بجا لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ طائی پر عدی رضی اللہ عنہ کی قیادت و سرداری کی توثیق فرمائی اور بعد میں عدی رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دکھایا کہ وہ ایک وفادار اور موثر حلیف تھے۔

انہی مخصوص مہینوں کی بات ہے جب ماہِ رجب کے اوائل میں رسول اللہ ﷺ کے پاس نجاشی کی وفات کی خبر پہنچی۔ دوسری نماز پنجگانہ ادا کرنے کے لیے جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو نمازیوں کی جانب

Marfat.com

رخ کرتے ہوئے فرمایا ''آج کے دن ایک ایمان دار، حق پرست انسان وفات پا گیا ہے اس لیے اٹھو اور اپنے بھائی اصحمہ [10] کے لیے دعا کرو۔'' آپ ﷺ نے ان کی (غائبانہ) نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بعد میں ملک حبش سے خبریں آئیں کہ بادشاہ کی قبر پر ایک نُور سا تھا جو مستقل دیکھنے میں آتا رہا۔ [11]

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔اصل تصنیف: صفحہ ۲۵ ۲۔قرآن ۶:۳۶ ۳۔واقدی: ۹۶۱ ۴۔قرآن ۳۶:۷۔۲۶ ۵۔اصل تصنیف: ۹۳

۶۔قرآن ۳۴:۱۰ ۷۔ابن اسحٰق: ۹۸۳ ۸۔ابن ہشام: ۹۸۳ ۹۔اصل تصنیف: ۳۷ ۱۰۔بخاری: ۶۳،۳۷

۱۱۔ابن اسحٰق: ۲۲۳

Marfat.com

باب: ۷۹

غزوۂ تبوک

حنین کی جنگ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ شہنشاہ ہرقل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر والی مقدس صلیب یروشلم واپس پہنچا دی۔ اس صلیب کی واپسی نے ایران کے خلاف رومیوں کی فتح کی علامتی طور پر تکمیل کر دی۔ یہ وہ فتح تھی جس کی پیشین گوئی وحی کے ذریعے کی گئی تھی اور جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اس دن اہلِ ایمان خوشی منائیں گے۔ (1) یہ یقینی طور پر خوشی منانے کا موقع تھا۔ ایرانیوں کو شام اور مصر دونوں ملکوں سے اپنی فوجوں کو نکالنا پڑا تھا۔ لیکن جہاں تک شام کا تعلق ہے تو ایک خطرہ ختم ہونے کے بعد ایک اور ممکنہ خطرہ سامنے آ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہی وہ واحد سمت ہے جہاں سے اسلامی ریاست کو صحیح معنوں میں خطرہ درپیش ہے۔ مدینے میں افواہیں اڑ رہی تھیں کہ ہرقل نے اسلامی ریاست کے خلاف ایک طویل مہم کے پیشِ نظر اپنی فوج کو ایک سال پیشگی تنخواہ ادا کر دی ہے۔ کہا جا رہا تھا کہ رومی جنوب میں بلقاء تک پہنچ چکے ہیں اور عاملہ، غسان، جزام اور لخم کے قبائل کو جمع کر رہے ہیں۔ یہ خبریں کسی حد تک مبالغہ آمیز ہونے کے باوجود اپنے اندر حقیقت بھی رکھتی تھیں۔ اس کے علاوہ اب تک یہ خبر عام نہیں ہوئی تھی کہ ایران کے خلاف مہم کے دوران ہرقل نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں اس نے پورے شام پر ایک مختون شخص کا غلبہ دیکھا اور اس شخص کو اس نے اس خط بھیجنے والا قرار دیا جس نے خط کے ذریعے اسے اسلام کی دعوت دی تھی۔ یہ خواب اتنا زوردار اور واضح تھا کہ اس کے باعث جنوب میں فوجی نقل و حمل میں رکاوٹ پڑ گئی۔ حتیٰ کہ اس نے کسی حد تک شام کے دفاع سے بھی گریز کیا اور اپنی فوجیں یروشلم سے ہٹا کر حمص میں متعین کر دیں۔ وہاں اس نے اپنے خواب پر مکمل یقین کے باعث اپنے جرنیلوں کو تجویز پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ سے صلح کا معاہدہ کر لیا جائے اور شام کا صوبہ ان کے سپرد

Marfat.com

کر کے معاہدہ میں یہ شرط رکھ دی جائے کہ شام کی شمالی سرحد کے آگے کوئی مزید پیش قدمی نہیں کی جائے گی۔ جرنیلوں نے ہرقل کے اس خیال کو انتہائی حیرانی کے عالم میں سن کر انتہائی بیزاری سے رد کر دیا تو ہرقل نے اپنی تجویز واپس لے لی لیکن وہ اپنے خواب کو کبھی نہ بھولا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ شام کو اسلامی عساکر کے لیے کھول دے گا۔ اب یا تو اس یقین کی بنیاد پر یا شام کی سرحد پر مستقبل کی یقینی مہموں کے لیے اسلامی لشکر کی تربیت کے خیال سے، رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے خلاف تیاری کا آغاز کر دیا اور ایک ایسے لشکر کی تیاری میں مصروف ہو گئے جس کی تعداد اور اسلحے کے لحاظ سے ماضی میں کوئی مثال نہیں تھی۔ اب تک تو رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ وہ اپنے حقیقی ہدف کو صیغۂ راز میں رکھتے تھے لیکن اس موقع پر کسی قسم کی رازداری کی کوشش نہ کی گئی۔ مکہ اور دیگر حلیف قبائل کو احکام بھیجے گئے کہ وہ لازمی طور پر اپنے تمام مہیا سوار اور مسلح آدمی شام کی مہم کے لیے مدینہ روانہ کریں۔

یہ عیسوی سال ۶۳۰ کے ماہِ اکتوبر کا شروع تھا۔ موسمی اعتبار سے یہ زمانہ ہمیشہ گرم ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس سال بارش نہ ہونے کی وجہ سے خشک سالی ہو گئی تھی اور گرمی کی حدت معمول سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ یہ وہ وقت بھی تھا جب کھانے کو پکے ہوئے پھل بہ افراط مہیا تھے۔ اس لیے اس مہم میں حصہ نہ لینے کا باعث دو وجوہات، گرمی اور پھلوں کی فصل تو موجود تھیں لیکن ایک تیسری وجہ شاہی لشکر کی ہیبت ناک شہرت بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس مسلمانوں میں سے بہت سے ایسے لوگ جن کا ایمان پختہ نہیں تھا، ان کے علاوہ منافقین میں سے بھی لوگ آئے اور مختلف مجبوریوں کا ذکر کر کے اس مہم سے معذرت چاہی۔ بہت سے بدوؤں نے بھی یہی کیا۔ لیکن ان کے علاوہ چار ایسے اصحاب بھی تھے جن کے ایمان پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، قبیلۂ خزرج کے دو دوسرے اور ایک صحابی قبیلہ اوس کے، انہوں نے ارادتاً اس مہم سے کنارہ کشی کی اور نہ ہی کوئی عذر پیش کیا لیکن اس موسم میں عجلت سے مدینہ سے نکلنے پر اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکے اور مناسب تیاریوں کو آج کل پر ٹالتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آن پہنچا جب تیاری ممکن نہ رہی اور لشکر روانہ ہو گیا۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت کافی عجلت کے ساتھ تیاری میں لگ گئی تھی اور جن کے پاس دولت تھی وہ اس مہم میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سواری کے لیے کثیر رقم کے علاوہ دس ہزار نفری کے اسلحہ اور ساز و سامان کے لیے بھی رقم مہیا کی۔ اس کے باوجود یہ رقم اس مہم پر جانے کا عزم رکھنے والوں کی سواریوں اور ساز و سامان کے لیے کافی نہ تھی۔ اس کے بعد جو جی [۴]

Marfat.com

نازل ہوئی اس نے اس صورتِ حال کو ہمیشہ کے لیے ان لفظوں میں محفوظ کر لیا ''سات گریہ کناں، پانچ انصار اور دو مزنیہ اور غطفان کے بدوی، جن کو رسول اللہ ﷺ نے مجبوراً واپس بھیج دیا تھا کیونکہ ان کے لیے سواری مہیا نہ ہو سکی اور جب وہ مایوس ہو کر واپس جا رہے تھے تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

جب تمام بدوی دستے پہنچ گئے تو لشکر کی تعداد تیس ہزار ہو گئی جن میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ مدینہ کے مضافات میں پڑاؤ لگایا گیا اور لشکر کی تیاری تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس پڑاؤ کا نگران مقرر کیا گیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر لشکر کی کمان کرتے ہوئے سب سے آگے آگے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر اور دیگر معاملات کی دیکھ بھال کی خاطر مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ لیکن منافقین نے افواہ پھیلا دی کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بوجھ سمجھتے ہیں اس لیے آپ نے ان کی موجودگی سے خلاصی پا لی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ باتیں سن کر اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ انہوں نے زرہ بکتر پہنی، ہتھیار سجا کر روانہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو پہلی منزل پر ہی جا ملے تاکہ ان سے ساتھ چلنے کی اجازت لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کیا کہ مدینہ کے لوگوں میں ان کے خلاف کیا افواہیں گردش کر رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے تمہیں مدینہ میں رک جانے کا حکم اس کے لیے دیا جو میں اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ اس لیے واپس جاؤ اور اپنے اور میرے خاندان میں میری نمائندگی کرو۔ کیا تم اس بات سے مطمئن نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے۔ بس فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی رسول مبعوث نہیں ہوگا۔''(۳)

فوج کے شمال کی جانب کوچ کے دوران ایک صبح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرنے میں تاخیر ہوئی۔ لوگ نماز کے لیے صف بستہ ہو چکے تھے اور آپ ﷺ کا انتظار کرتے ہوئے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں نماز ادا کرنے سے پہلے ہی سورج نہ نکل آئے۔ اس پر طے ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز ادا کی جائے۔ جب دو رکعت نماز کی ایک رکعت ادا کی جا چکی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے والے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں پیچھے ہٹنے سے روک دیا اور خود جماعت میں شامل ہو گئے۔ جب اصحاب نے نماز ختم کر کے سلام پھیرا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم لوگوں نے بہت خوب کیا۔ کیوں کہ اللہ اپنے رسول کو اس وقت تک نہیں اٹھاتا جب تک اس کی امت کا ایک متقی فرد اس کی جگہ امامت کے فرائض نہ سنبھال لے۔''(۴)

اسی دوران مدینہ میں، جب لشکر کو کوچ کیے ہوئے دس دن کا عرصہ گزر چکا تھا تو ان چار اصحاب میں

Marfat.com

سے جو فوج کے ساتھ نہیں گئے تھے اور جنہوں نے گھروں میں ٹھہرنا مناسب سمجھا تھا، قبیلہ خزرج کے ایک صحابی ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں گئے جہاں ان کی دو جھونپڑیاں تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیویوں نے دونوں جھونپڑیوں میں پانی کا چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور دونوں نے ان کے لیے کھانا اور مٹی کے برتنوں میں ٹھنڈا پانی تیار کر کے رکھا ہوا ہے۔ وہ ایک جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور کہا ''اللہ کے رسول ﷺ جلتے سورج کے نیچے جہاں گرم جھلسا دینے والی ہوائیں چل رہی ہیں اور ابوخیثمہ درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں تلے اس حال میں کہ اس کے لیے کھانا تیار کر کے رکھا ہوا ہے اور اس کی حسین بیویاں اسے اپنی جاگیر پر راحت و آرام کی دعوت دے رہی ہیں۔'' پھر وہ اپنی بیویوں کی جانب متوجہ ہوئے ''واللہ میں تم میں سے کسی کی جھونپڑی میں داخل نہیں ہوں گا جب تک رسول اللہ ﷺ سے نہ جا ملوں۔ میرے لیے سامانِ سفر تیار کرو۔'' انہوں نے ایسا ہی کیا اور ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ پر کجاوہ رکھ کر برق رفتاری سے لشکر کے پیچھے چل دیئے۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ اور یروشلم کے درمیان آدھا راستہ طے فرما چکے تھے تو ایک شب آپ نے فرمایا ''ان شاء اللہ کل تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے۔ وہاں تم دھوپ کی تمازت ہونے سے پہلے نہیں پہنچو گے۔ تم میں سے جو پہلے پہنچ جائیں ان میں سے کسی کو بھی پانی کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے جب تک میں وہاں نہ پہنچ جاؤں۔'' لیکن اس ہدایت کے برعکس پہلے پہنچنے والوں میں سے دو اصحاب نے چشمہ سے پانی پی لیا۔ جب تمام لشکر وہاں پہنچا تو پانی کم ہوتے ہوتے بس ایک پتلی سے دھار ہو کر ٹپک رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دو اصحاب کو سخت سرزنش فرمائی اور پھر دیگر اصحاب کو ہدایت کی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے چلوؤں سے پانی نکال کر چمڑے کی مشک میں بھرتے جاؤ۔ جب اتنا پانی ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پانی سے اپنے ہاتھ اور چہرہ مبارک دھو کر اس کو چٹان پر ڈال دیا جو چشمے کا منہ ڈھکے ہوئے تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس چٹان پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اللہ سے دعا فرمائی۔ ایک ایسی گڑگڑاہٹ کے ساتھ جیسے بادل گرجتے ہیں، پانی بڑی زور سے نکلا اور بہتا چلا گیا۔ تمام اصحاب نے اپنی ضرورتیں پوری کر لیں لیکن پانی مسلسل بہتا رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریب کھڑے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ (5) سے فرمایا ''اے معاذ ہو سکتا ہے تم اس وقت تک زندہ رہو اس جگہ کو دیکھنے کے لیے جب یہ متعدد باغات کی وادی کی حیثیت اختیار کر چکی ہو گی۔'' اور بعد میں ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو چار اصحاب کی کوتاہی پر افسوس بھی ہوا تھا اور مایوسی بھی جو لشکر کے ساتھ چلنے سے قاصر رہے تھے اور یہ مایوسی اور افسوس ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے کچھ کم نہ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے تبوک پہنچنے

Marfat.com

کے چند دن بعد لشکر سے آن ملے۔ دور سے ایک تنہا سوار قریب آتا ہوا نظر آیا لیکن اس سے پہلے کہ یہ سوار پہچانا جائے رسول اللہ ﷺ نے جیسے دعائیہ انداز میں فرمایا ''یہ ابوخشیمہ ہی ہو۔'' پھر جب وہ سوار قریب آیا اور سلام کیا تو آپ نے فرمایا ''حیف ہے تم پر اے ابوخشیمہ۔'' لیکن جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سارا ماجرا بیان کیا تو آپ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

تبوک میں اسلامی لشکر کا قیام بیس روز تک رہا۔ یہ واضح ہو گیا تھا کہ بازنطینیوں کے بارے میں خطرے کی افواہیں بے بنیاد تھیں اور دوسری جانب شام کی موعودہ فتح کا وقت بھی ابھی نہیں آیا تھا۔ لیکن اس دوران رسول اللہ ﷺ نے خلیج عقبہ کے سرے پر اور اس کے مشرقی کنارے پر متوازی طور پر آباد ایک عیسائی اور یہودی قبیلے سے صلح کا معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کے تحت سالانہ خراج کے بدلے اسلامی ریاست کی جانب سے انہیں تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ بعد میں آپ ﷺ فوج کے اصل دستے کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لے آئے اور خالد رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کے ہمراہ تبوک کے شمال مشرق میں واقع دومۃ الجندل کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ اہم قلعہ مدینے سے عراق کی جانب اہم راستے کے علاوہ شام کی جانب جانے والے راستوں پر بھی واقع تھا۔ اس مضبوط قلعہ کے عیسائی حکمران کا نام اکیدر تھا۔ وہ شکار کے لیے قلعے سے باہر نکلا تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اچانک حملہ کر کے اس کو قیدی بنا لیا اور مدینہ منورہ لے آئے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کے حلیف بن گئے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ قرآن ۳۰:۴ ۲۔ قرآن ۹:۹۲ ۳۔ ابن اسحٰق: ۸۹۷ ۴۔ واقدی: ۱۰۱۲ ۵۔ اصل تصنیف: ۳۰۴

Marfat.com

باب: ۸۰

تبوک سے واپسی کے بعد

بدر کے میدان سے واپسی کی طرح تبوک سے واپسی بھی ایک سانحے کی اطلاع ساتھ لائی۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک اور صاحبزادی آپ ﷺ کی مدینہ سے غیر حاضری کے دوران انتقال فرما گئیں۔ اس المناک واقعے کے دوران ان کے شوہر بھی مدینے میں نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی مرقد پر دعا فرمائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر میری ایک اور ناکتخدا بیٹی ہوتی تو اس کا عقد ان سے کر دیتے۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپس تشریف آوری کے بعد جن منافقین نے تبوک کی مہم میں حصہ نہیں لیا تھا وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اپنے طور پر عذر پیش کیے جنہیں آپ ﷺ نے قبول فرما لیا۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کو یاد دلایا کہ اللہ ان کے خفیف سے خفیف خیالات سے آگاہ ہے لیکن آپ ﷺ نے پیچھے رہ جانے والے ان تین اصحاب سے فرمایا کہ وہ آپ ﷺ سے تب تک الگ رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کے معاملے کا فیصلہ فرما دے اور پھر آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان تینوں سے کوئی بات نہ کرے۔ پچاس دن تک ان تین اصحاب کی کیفیت ایسی رہی جیسے ان کو برادری سے نکال دیا گیا ہو۔ بالآخر پچاسویں دن رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد مسجد میں اعلان فرمایا کہ اللہ نے ان کا قصور معاف فرما دیا ہے۔ اسی وقت نازل ہونے والی وحی کے مطابق ”اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا جب زمین اپنی تمام وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔“[3]

Marfat.com

لوگوں نے اس پر خوشی منائی اور کئی صحابہ تینوں کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے مسجد سے دوڑ پڑے۔ ان تینوں میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سب سے کم عمر تھے اور انہوں نے شہر سے باہر سب سے الگ تھلگ ایک خیمہ نصب کر لیا تھا۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ کس طرح انہوں نے ایک گھوڑے کے دوڑنے کی آواز سنی اور پھر ایک پکار آئی 'خوشخبری ہو کعب!' یہ سنتے ہی وہ سجدے میں گر پڑے کیونکہ ان کے لیے معافی کے علاوہ اور خوشخبری کیا ہو سکتی تھی۔ پھر وہ مسجدِ نبوی میں گئے۔ ''جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا''، انہوں نے بتایا ''تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''خوشی مناؤ اس دن کے آنے پر جس سے اچھا کوئی دن تم پر نہیں آیا اس دن کے بعد جب تم کو تمہاری ماں نے جنا تھا۔'' میں نے دریافت کیا ''کیا یہ خوشخبری آپ ﷺ کی جانب سے ہے یا رسول اللہ یا اللہ کی جانب سے؟''، ''نہیں''، یہ اللہ کی جانب سے ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ جب رسول اللہ ﷺ کسی خبر سے خوش ہوتے تھے تو آپ ﷺ کے چہرے پر چاندی سی چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ (۲)

قبیلہ ہوازن کے سردار حضرت مالک رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد آرام سے بیٹھ نہیں گئے تھے۔ بنی ثقیف بے شک اس زعم میں ہوں کہ طائف میں دشمن کا داخلہ ناممکن ہے لیکن انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ اب وہ ہر طرف سے دور و نزدیک کے مسلمانوں کے نرغے میں ہیں۔ جو قافلہ بھی طائف سے نکلتا وہ حملے اور لوٹ مار کی نذر ہو جاتا۔ یہاں تک کہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ارد گرد کی چراگاہوں میں ان کے اونٹ اور بکریاں بھی محفوظ نہ رہیں اور ہر وقت یہ اندیشہ رہتا کہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ کے لوگ انہیں ہانک لے جائیں گے۔ اس کے علاوہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے یہ عام اعلان کر دیا تھا کہ ثقیف کا کوئی بھی فرد ان کے ہاتھ لگا تو اسے قتل کر دیا جائے گا سوائے اس کے جو بت پرستی سے توبہ کر لے۔ چند ماہ گزرنے کے بعد ثقیف نے فیصلہ کیا اب ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد بھیج کر درخواست کریں کہ وہ اپنی زمین، جانوروں اور اپنی جانوں کے تحفظ کی دستاویز کی صورت میں اسلام قبول کرنے کو تیار ہیں۔

تبوک سے واپسی رمضان شروع ہونے کے قریب ہوئی تھی اور اسی ماہ طائف سے وفد بھی آن پہنچا۔ اس وفد کو خوش دلی اور مہمان نوازی کے ساتھ وصول کیا گیا اور ان کے لیے مسجد کے قریب ہی ایک خیمہ نصب کر دیا گیا۔ یہ طے تھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے علاقے کو اسلامی ریاست کا تحفظ حاصل رہے گا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے دیگر مطالبات سے اتفاق نہ فرمایا۔ انہوں نے تین سال تک لات کو برقرار رکھنے اور تباہ نہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ جب آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو رد فرمایا تو وہ دو سال، پھر ایک سال

Marfat.com

اور پھر گھٹاتے گھٹاتے ایک مہینے کی مہلت تک آ گئے۔ لیکن ان کے مطالبے کے جواب میں انکار ہی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ درخواست کی کہ ان کے بتوں کو ان کے اپنے ہاتھوں سے گرانے کے لیے نہ کہا جائے اور انہیں پانچ وقت نماز پڑھنے سے بھی چھوٹ دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے زور دے کر فرمایا ان پر نماز پڑھنا فرض ہے اور مزید یہ کہ ''اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں فرض نمازیں نہ ہوں۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس درخواست کو قبول فرما لیا کہ ان کو اپنے ہاتھوں سے اپنے بتوں کو برباد کرنے کا حکم نہ دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اس حکم کے ساتھ وفد کے ساتھ روانہ فرمایا کہ وہ لات کو گرا دیں اور اپنی مدد کے لیے مکہ سے ابوسفیان کو ساتھ لیتے جائیں۔''

یہ وفد اسلام میں داخل ہونے کے بعد رمضان کے بقیہ روزے مدینہ میں ہی رکھنے کے بعد طائف واپس ہوا۔ مکہ میں ابوسفیان اس جماعت میں شامل ہو گئے لیکن بت کی تباہی کا کام حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے تنہا اپنے ہاتھوں سے انجام دیا۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونے والے سلوک کے باعث حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے نے ان کی حفاظت کا انتظام کیا ہوا تھا لیکن کسی نے بھی لات کی دیوی کا انتقام لینے کی کوشش نہ کی سوائے اس کے کہ عورتوں کے ایک ہجوم نے لات سے محرومی پر گریہ وزاری کی۔

دو آدمی جنہوں نے طائف کو حوالے کیے جانے پر سب سے زیادہ غم کیا وہ نہ طائف کے شہری تھے اور نہ دیوی کے پرستار۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے مکہ پر لشکر کشی کی تھی تو حنظلہ رضی اللہ عنہ کا باپ ابوعامر اور وحشی، جس نے چھوٹے نیزے سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، دونوں مکہ سے بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہو گئے تھے جو ان کے خیال میں ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا۔ لیکن اس قلعے کی تسخیر کے بعد اب وہ کہاں پناہ لیتے۔ ابوعامر تو شام کی جانب فرار ہو گیا اور وہیں ایک مفرور، تن تنہا، بے گھر و بے در کی حیثیت سے انتقال کر گیا۔ اس طرح اس کی وہ بددعا پوری ہوئی جو اس نے بے دھیانی میں خود اپنے آپ کو دی تھی۔ وحشی اب بھی شش و پنج میں تھا کہ بھاگ کر کہاں جائے۔ اس پر ثقیف کے ایک آدمی نے اسے یقین دلایا کہ رسول اللہ ﷺ کسی ایسے فرد کو قتل نہیں کرتے جو اسلام قبول کر لے۔ اس پر وہ مدینہ گیا اور آپ ﷺ کے حضور پیش ہو کر کلمۂ شہادت ادا کیا۔ اس موقع پر وہاں موجود اصحاب میں سے ایک نے اسے پہچان لیا اور کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! یہ وحشی ہے۔'' ''ہونے دو!'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیونکہ ہزاروں کافروں کے قتل کرنے کے مقابلے میں مجھے ایک شخص کا اسلام لے آنا زیادہ عزیز ہے۔'' پھر آپ ﷺ کی نگاہ اس سیاہ چہرے پر ٹھہر گئی جو آپ کے سامنے موجود تھا۔ ''کیا تم واقعی وہی ہو؟'' رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا۔ جب اس نے اس کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا

Marfat.com

''بیٹھو، مجھے بتاؤ تم نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو کیسے شہید کیا۔'' جب وہ اپنی بات ختم کر چکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''افسوس! اپنا چہرہ میرے سامنے سے ہٹا لو اور اسے دوبارہ میری نگاہوں کے سامنے نہ لانا۔'' (۴)

- جہاں تک ابو عامر کے چچازاد بھائی ابن اُبی کا تعلق ہے تو غزوۂ تبوک کے بعد والے مہینے میں وہ شدید بیمار پڑا اور چند ہفتوں کے اندر یہ بات نظر آنے لگی کہ اس کا جانبر ہونا محال ہے۔ روحانی طور پر اس کا انتقال جس کیفیت میں ہوا اس بارے میں اختلاف ہے لیکن اس حقیقت پر تمام روایات کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے دفن کیے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی قبر کے قریب دعا فرمائی۔ ایک حدیث کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ نمازِ جنازہ ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احتجاجاً عرض کیا کہ آپ ﷺ ایک منافق کو یہ اعزاز کیوں عطا فرما رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''عمر رضی اللہ عنہ تم میرے پیچھے کھڑے ہو۔ مجھے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے اور میں نے انتخاب کر لیا ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے 'تم چاہے ایسے لوگوں کے لیے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو اگر تم ستّر مرتبہ بھی انہیں معاف کرنے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا'۔ (۵) اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ستّر سے زیادہ بار مغفرت طلب کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا تو میں مغفرت کی طلب میں اضافہ کر لیتا۔'' (۶) پھر رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جنازہ ادا فرمائی اور جنازے کے ہمراہ قبرستان تشریف لے گئے اور قبر کے برابر کھڑے ہو گئے۔ کچھ ہی دیر بعد منافقین کے بارے میں یہ وحی نازل ہوئی ''اور آئندہ ان میں کوئی مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا کیوں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اس حال میں مرے ہیں کہ وہ فاسق تھے۔'' (۷)

لیکن ایک دوسری روایت کے مطابق (۸) یہ آیت پہلے ہی نازل ہو چکی تھی اور ان آیات کا حصہ تھی جو تبوک کے فوراً بعد نازل ہوئی تھیں۔ اس آیت کا اطلاق ابن اُبی پر نہیں ہوتا تھا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اس کی بیماری کے دوران بھی اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے رہے۔ آپ ﷺ نے دیکھا تھا کہ موت کے احساس نے اس میں تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے کپڑوں میں سے کوئی جامہ اسے عنایت کریں جس میں اسے کفنایا جائے۔ اس نے یہ درخواست بھی کی تھی کہ آپ ﷺ اس کی میت کے ساتھ قبرستان جائیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی خواہش کا احترام کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ پھر ایک موقع پر اس نے کہا تھا ''اے اللہ کے رسول مجھے امید ہے آپ میری قبر کے کنارے ہو کر میرے حق میں دعا فرمائیں گے اور میرے حق میں میرے گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ سے طالب ہوں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ

Marfat.com

درخواست بھی قبول فرمالی تھی اور ابن اُبی کی موت کے بعد آپ ﷺ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ ابن اُبی کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان تمام باتوں کے شاہد تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہونے والے وفود صرف قبیلہ ثقیف سے ہی نہ تھے۔ مدینہ میں تمام جزیرۂ عرب سے بہت سے وفود آئے تھے۔ سیرت نگاروں نے ہجری کے اس سال کو'وفود کا سال' قرار دیا ہے۔ دوسرے وفود میں آنے والے وہ وفد بھی تھے جو یمن کے مختلف علاقوں سے آئے تھے۔ ان وفود کے ساتھ حمیری حکمرانوں کے خطوط بھی تھے جن میں انہوں نے بت پرستی اور بت پرستوں سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حسنِ اخلاق سے ان کا جواب دیا اور اسلامی فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ لازمی محاصل وصول کرنے کے لیے بھیجے جانے والے قاصدوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم بھی فرمایا۔ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں پر عائد یہ محاصل مختلف نوعیت کے تھے اور اس حکم میں صراحت تھی کہ جو یہودی اور عیسائی اپنے دین پر قائم رہنا چاہیں انہیں اس سے نہ روکا جائے لیکن ان پر جزیہ کی ادائیگی لازم ہوگی جس کے بدلے انہیں اللہ اور رسول کا تحفظ حاصل ہوگا۔[9] حال ہی میں نازل ہونے والی وحی میں کہا گیا تھا ''ہم نے ہر ایک کے لیے شریعت اور راستہ مقرر کیا ہے۔'' ''اور اگر تمہارا رب چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا سکتا تھا۔ لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو، آخر کار تم سب کو اللہ کی طرف پلٹنا ہے پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔''[10]

مدینہ میں حاضر ہونے والے تمام وفود فیصلہ کن نہیں تھے۔ بیر معونہ کے مقام پر قتل کا ذمہ دار عامر بن طفیل ہی اب قبیلہ عامر کا سردار تھا اور اپنے قبیلے کے دباؤ کے زیرِ اثر مدینے آیا تھا۔ لیکن اپنے غرور کے باعث اس نے رسول اللہ ﷺ سے خواہش ظاہر کی کہ اس کے اسلام لانے کے عوض وہ اس کو اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔ ''جانشینی کا تعلق نہ تجھ سے ہے اور نہ تمہاری قوم سے۔'' اس پر عامر بولا ''خانہ بدوش مجھے دے دیں اور شہری آبادی آپ رکھ لیں۔'' ''ایسا نہیں ہوسکتا'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لیکن میں تمہیں گھوڑ سواروں کا نگران بنا دوں گا کیوں کہ تم ایک اچھے گھوڑ سوار ہو۔'' بدوؤں کے سردار کو یہ پیش کش پسند نہ آئی اور حقارت سے بولا ''تو میرے ہاتھ کچھ نہ آئے گا'' اور پھر جاتے ہوئے پلٹ کر بولا ''میں تمہارے خلاف اس سرزمین کو سواروں اور پیادہ فوجوں سے بھر دوں گا۔'' جب وہ چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرماتے ہوئے کہا ''یا اللہ قبیلہ بنی عامر کو ہدایت فرما اور اسلام کو عامر بن طفیل سے چھٹکارا عطا فرما۔'' عامر راستے ہی میں ایک ناسور کا شکار ہوگیا اور گھر پہنچتے ہی موت نے اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس کے قبیلہ نے ایک دوسرا وفد روانہ کیا۔ شاعر لبید رضی اللہ عنہ

Marfat.com

جو اسلام قبول کر چکے تھے وہ اس وفد میں شامل تھے اور روایات کے مطابق انہوں نے شاعری کو ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ''شاعری کے بدلے اللہ نے مجھے قرآن عطا فرما دیا ہے۔'' انہوں نے کہا۔ اس کے بعد ان کی شاعرانہ صلاحیت دین کی خدمت کے لیے وقف ہوگئی۔

حج کا زمانہ قریب آ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کاروان کا امیر بنایا اور وہ تین سو اصحاب کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ایک وحی نازل ہوئی جس کا اعلان مکہ کے مسلم یا غیر مسلم تمام زائرین کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا۔ ''یہ اعلان کرنے والا کسی دوسرے کی بجائے میرے گھر کا شخص ہی ہونا چاہیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بہ عجلت روانہ ہوکر کاروان سے جا ملیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ نازل شدہ آیات کی تلاوت وادیٔ منیٰ میں کریں اور یہ بھی واضح کر دیں کہ اس سال کے بعد کسی شخص کو بھی عریاں حالت میں بیت اللہ کے طواف کی اجازت نہیں ہوگی اور یہ کہ بت پرستوں کے لیے یہ آخری حج ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زائرین کو جا لیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ وہ اس کاروان کی سربراہی کے لیے آئے ہیں؟ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ماتحت ہیں۔ وہ دونوں ساتھ ہی رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز کی امامت اور خطبہ دیتے رہے۔ قربانی کے دن جب حاجی جانوروں کی قربانی کے لیے منیٰ کی وادی میں اکٹھے ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کا حکم سنایا۔ حکم کا خلاصہ یہ تھا کہ بت پرستوں کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے جیسے چاہیں امن و امان کے ساتھ آئیں جائیں لیکن اس کے بعد اللہ اور اس کا رسول ان سے متعلق ہر ذمہ داری سے بری الذمہ ہوں گے۔ ان کے خلاف جنگ کا اعلان ہوگیا۔ وہ جہاں بھی پائے جائیں گے قیدی بنا لیے جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے۔ [11] اس حکم میں دو استثنا تھے۔ ایک تو ان بت پرستوں کے لیے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی خاص معاہدہ کیا ہوا تھا اور نیک نیتی سے اس پر قائم تھے۔ ان کے لیے اس معاہدے کی مدت ختم ہونے تک اس حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جبکہ دوسرا استثنا ایسے بت پرست کا تھا جو امان کی درخواست کرے۔ اس کو امان دی جائے گی اور محفوظ مقام پر پہنچانے سے پہلے اس کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کی جائیں گی۔ ایک اور آیت جس کے مخاطب مکہ کے وہ نومسلم تھے جنہیں اندیشہ ہوسکتا تھا کہ بت پرستوں کی بے دخلی کے باعث وہ کاروبار کے علاوہ بہت سے قیمتی تحائف سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ ''اے ایمان والو مشرکین ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد الحرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اللہ علیم و

Marfat.com

حکیم ہے۔''(۱۲)

اس کے بعد آنے والے سال میں رسول اللہ ﷺ تقریباً مدینہ ہی میں رہے۔ ہجرت کے بعد یہ دسواں سال تھا۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اب چلنے لگے تھے اور باتیں بھی شروع کر دی تھیں۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اب ایک چھوٹی بہن تھی جن کا نام ان کی خالہ کے نام پر 'زینب' رکھا گیا تھا۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں چوتھا بچہ ہونے والا تھا اور گھر کے دیگر افراد میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے تین بیٹے تھے۔ یہ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بیٹے تھے کیونکہ انہوں نے ان کی والدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تھا اور ان کے ہاں بھی ایک بچے کی ولادت متوقع تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی بہن ام الفضل رضی اللہ عنہا سے خاص انس تھا اور ان کے ہاں اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ مدینہ آ گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں بھی اکثر تشریف لے جاتے۔ ان کا بڑا بیٹا جس کے نام پر ان کا نام تھا اب بڑا ہو چکا تھا اور شفقت کی علامت کے طور پر آپ ﷺ ان پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ کم از کم ایک موقع پر جب رسول اللہ ﷺ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے تو سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے فضل رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں مہمان رکھا۔

گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی وفود کی آمد جاری رہی۔ ان میں سے ایک وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا۔ اس وفد نے رسول اللہ ﷺ سے ایک معاہدہ کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ان عیسائیوں کے رسم و رواج رومیوں جیسے تھے اور انہیں ماضی میں قسطنطنیہ سے خاصی مالی امداد ملتی تھی۔ وفد کے ارکان کی تعداد ساٹھ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مسجد میں ملاقات فرمائی اور جب عبادت کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے انہیں اپنے طریقے سے عبادت کرنے کی اجازت فرمائی۔ انہوں نے مشرق کی جانب رخ کر کے عبادت کی۔

اس قیام کے دوران جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عقیدے کے بارے میں بہت سے نکات پر بات چیت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اور اس وفد کے درمیان مسیح علیہ السلام کی ذات کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا جس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں ''اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔ یہ اصل حقیقت ہے جو تمہارے رب کی جانب سے بتائی جا رہی ہے کہ تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جو شک کرتے ہیں۔ یہ علم آ جانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملے میں تم سے جھگڑا کرے تو اس سے کہو کہ اچھا میدان میں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لائیں اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو اور تم اپنے نفسوں کو۔ اس کے بعد اللہ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔''(۱۳) رسول اللہ ﷺ نے عیسائیوں کے سامنے ان آیات کی تلاوت فرمائی اور

Marfat.com

انہیں دعوت دی کہ اس بحث کا فیصلہ اس طریقہ پر کر لیں کہ جس کا مشورہ دیا گیا ہے۔ عیسائیوں نے اس بارے میں غور کرنے کے بعد جواب دینے کا فیصلہ کیا اور اگلے دن جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں بیٹے موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ ایک لمبی عبا پہنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس عبا کو پھیلا کر اپنے سمیت ان سب کو اس میں سمیٹ لیا۔ اسی لیے ان پانچوں کو آلِ عبا کہا جاتا ہے۔ لیکن عیسائیوں نے کہا کہ وہ اس اختلاف کو مباہلے کی حد تک لے جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے خراج کے ادائیگی کے صلے میں انہیں، ان کے چرچ اور ان کی املاک کو ریاست کا تحفظ حاصل ہو گیا۔

اس سال کے شروع کے پر مسرت مہینے اب ابراہیم رضی اللہ عنہ کی علالت کے باعث اپنے اختتام کو پہنچ گئے۔ جلد ہی واضح ہو گیا کہ وہ اس علالت سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ ان کی والدہ اور ان کی بہن سیرین ان کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ برابر انہیں دیکھنے کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔ جب معصوم بچے پر نزع کا عالم طاری تھا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس ہی تھے۔ بچے نے آخری ہچکی لی تو آپ ﷺ نے انہیں گود میں لے لیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ نوحہ اور ماتم کی ممانعت کے باعث عام خیال کے مطابق موت پر غم کے اظہار کو ناپسند سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے جب وہاں موجود عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا ''اللہ کے رسول! یہ تو وہ بات ہے جس سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ مسلمان آپ کو گریہ کناں دیکھیں گے تو وہ بھی اشکبار ہوں گے۔'' رسول اللہ ﷺ روتے رہے اور جب اپنی آواز پر قابو فرما لیا تو فرمایا ''میں اس سے منع نہیں کرتا۔ یہ شفقت و رحمت کا تقاضا ہے اور جو رحم کے جذبے سے خالی ہے اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ اے ابراہیم رضی اللہ عنہ ایسا نہ ہوتا کہ دوبارہ ملنے کا وعدہ یقینی ہے اور یہ کہ یہ وہ راستہ ہے جس پر سب کو جانا ہے اور ہم میں سب سے بعد میں جانے والا پہلے جانے والے سے جا ملے گا تو ہم تمہاری موت پر اس سے زیادہ رنج و غم کرتے۔ تاہم اے ابراہیم رضی اللہ عنہ ہم تمہارے لیے غمزدہ ہیں۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہوتا ہے لیکن ہم زبان پر ایسی کوئی بات نہیں لاتے جو رب کو ناراض اور غضب ناک کر دے۔''[۱۴]

آپ ﷺ نے ماریہ رضی اللہ عنہا اور سیرین سے تسلی کے کلمات فرمائے اور انہیں یقین دلایا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں۔ پھر کچھ دیر بعد آپ ﷺ حضرت عباس اور حضرت فضل رضی اللہ عنہما کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ نوجوان فضل رضی اللہ عنہ نے میت کو غسل دے کر لٹایا۔ دونوں بزرگ اس عمل کو دیکھتے رہے۔ پھر میت کو چھوٹے سے تابوت میں لٹا کر قبرستان لے جایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے قبر کے کنارے پر کھڑے ہو کر دعا فرمائی۔ اس کے

Marfat.com

بعد اسامہ اور فضل رضی اللہ عنہما نے میت کو قبر میں لٹایا۔ قبر پر مٹی ڈالی جا چکی تھی لیکن آپ ﷺ قبر کے کنارے کھڑے رہے۔ پھر پانی کی مشک منگوائی اور اسے قبر پر چھڑکنے کا حکم فرمایا۔ قبر پر ڈالی گئی مٹی کچھ ناہموار سی رہ گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا ''جب تم کوئی کام کرو تو اسے بہترین طریقہ سے انجام دو۔'' اس کے بعد اس مٹی کو اپنے ہاتھوں سے برابر فرمایا اور اس بارے میں وضاحت فرمائی کہ ''ایسا کرنے سے نہ کوئی نقصان ہے اور نہ فائدہ لیکن اس عمل سے مصیبت زدہ کے دل کو سکون ملتا ہے۔''(۱۵)

رسول اللہ ﷺ نے ایک سے زیادہ بار ہر دنیاوی عمل میں کمال کے درجے پر زور دیا تھا اور آپ ﷺ کی کئی احادیث اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس عمل کو دنیاوی فائدے سے بے نیاز ہونا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پس منظر میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کا ان الفاظ میں خلاصہ بیان کیا ہے کہ ''اس دنیا کے لیے کچھ کرو تو ایسے کہ جیسے تمہیں ہمیشہ رہنا ہے اور آخرت کے لیے ایسے کرو کہ جیسے کل مرجانا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس دنیا سے رخصت ہونے کے لیے ہمہ وقت تیاری ہی اس دنیا سے بے نیازی ہے۔ دنیا میں ایسے رہو جیسے تم اجنبی یا مسافر ہو۔''(۱۶) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن ان کی تدفین کو زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ سورج کو گرہن لگ گیا۔ جب کچھ اصحاب نے اس گرہن کو رسول اللہ ﷺ کی سوگواری کا نتیجہ قرار دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی دو نشانیاں ہیں۔ ان کی روشنی کسی کی موت سے دھندلی نہیں پڑتی۔ تم ان کو گرہن لگتے دیکھو تو تمہیں چاہیے کہ گرہن ختم ہونے تک نماز پڑھو۔''(۱۷)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۹:۱۱۸ ۲۔ابن اسحٰق: ۹۱۲ ۳۔اصل تصنیف: ۱۲۸ ۴۔ابن اسحٰق: ۵۶۶ ۵۔قرآن ۹:۸۰

۶۔ابن اسحٰق: ۹۲۷ ۷۔قرآن: ۸۴ ۸۔مولانا مودودی نے اس بارے میں وضاحت کی ہے کہ ''تبوک سے واپسی پر کچھ زیادہ مدت نہ گزری کہ عبداللہ ابن اُبی رئیس المنافقین مرگیا۔ اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو مخلص مسلمانوں میں سے تھے، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کفن میں لگانے کے لیے آپ ﷺ کا کُرتہ مانگا جو آپ ﷺ نے کمال فراخ دلی سے عطا کر دیا۔ پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ﷺ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ ﷺ اس کے لیے بھی تیار ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باصرار عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا آپ اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے جو یہ اور یہ کر چکا ہے مگر حضور ﷺ ان کی یہ سب باتیں سن کر مسکراتے رہے اور اپنی اس رحمت کی بنا پر جو دوست دشمن سب کے لیے عام تھی آپ ﷺ نے اس بدترین دشمن کے حق میں بھی دعائے مغفرت کرنے میں تامل نہ کیا۔ آخر جب آپ ﷺ نماز پڑھانے کھڑے ہی ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور براہِ راست حکمِ خداوندی سے آپ ﷺ کو روک گیا۔ کیونکہ اب مستقل پالیسی مقرر کی جا چکی تھی کہ مسلمانوں کی جماعت میں منافقین کو کسی طرح پنپنے نہ دیا جائے اور کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے اس گروہ کی ہمت افزائی ہو۔ (تفہیم القرآن: جلد ۲، صفحہ ۲۲۰) ۹۔ابن اسحٰق: ۹۵۶ ۱۰۔اصل تصنیف: ۴۸، نوٹ ۳

۱۱۔واحد سورۃ جو شدید نوعیت کے باعث صفاتِ رحمت یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہیں ہوتی۔ ۱۲۔قرآن ۹:۲۸

۱۳۔قرآن ۳:۶۱۔۵۹ ۱۴۔ابن سعد: ۱/۱، ۹۔۸۸ ۱۵۔سابق حوالہ ۱۶۔بخاری: ۸۱:۳، ۱۷۔ابن سعد: ۱/۱، ۹۔۸۸

Marfat.com

باب: ۸۱

درجات

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام قبول کرنے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد خاصی تھی جو اس کے روحانی پہلو سے زیادہ دنیاوی پہلو سے متاثر ہوئے تھے۔ اسی لیے زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ اس بارے میں وحی کا نزول ہوا ''یہ بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، ان سے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ اسلام لائے۔ ایمان ابھی تمہارے دل میں داخل نہیں ہوا ہے اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کرلو تو وہ تمہارے اعمال کی جزا میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔''[۱] اس آیت نے اسلام میں درجات کے تعین کی تکمیل کر دی۔ اطاعت کے بغیر ایمان کا درجہ کمتر قرار پایا۔ بلند تر درجات یعنی درجاتِ ایمانی ہی موضوع ہے، یا یوں کہا جائے کہ، ایمان کے موضوعات میں سے ایک موضوع سورۃ نور کا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر صلح حدیبیہ سے کچھ ماہ قبل نازل ہوئی تھی۔ پورے قرآن میں نور سے مراد ایمان ہے اور چار واضح درجات اس بارے میں بیان ہوئے ہیں۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو آگ اس کو نہ لگے (اس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہیں) اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے وہ لوگوں کو مثال سے بات سمجھاتا ہے وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔''[۲]

اس انداز سے جو رفعت کی ترتیب دی گئی ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے کہ: طاق حالانکہ روشن ہے

Marfat.com

لیکن وہ روشنی اس کی اپنی نہیں ہے۔ اس سے بڑا درجہ صاف شفاف شیشے کی قندیل کا ہے۔ اس سے بڑھ چڑھ کر روغن کی آب و تاب کا درجہ اور پھر سب سے آخر میں خود شعلہ کہ جس سے نور پھیلا ہوا ہے۔ ان علامتوں کے تذکرے سے ایک اور آیت بھی سامنے آتی ہے جو اسی قسم کی عبارت سے شروع ہوتی ہے۔ ''اللہ انسانوں کے لیے مثال بیان کرتا ہے۔'' لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی وجہ بھی ہے کہ ''تا کہ وہ غور وخوض کریں۔''(۳) پوری کی پوری آیت نور سے واضح ہے کہ اللہ انہیں غور وخوض کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ لیکن جہاں تک درجات کا معاملہ ہے تو قرآن کا مفہوم اس بارے میں پوری طرح واضح ہے۔ دوسرے مقامات پر جن میں سے چند بہت ہی شروع شروع کی نازل شدہ وحی میں شامل ہیں وہاں یہ بات زیادہ واضح ہے۔ ان آیات میں سے ایک آیت میں انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ''اصحابِ میمنہ یعنی دائیں بازو والے اور دائیں بازو والوں کی خوش نصیبی کا کیا کہنا، اور اصحابِ مشئمہ یعنی بائیں بازو والے، اور بائیں بازو والوں کی بدنصیبی کا کیا کہنا، اور اصحابِ سابقون یعنی سب سے آگے والے تو پھر آگے والے ہیں، وہی تو مقرب لوگ ہیں۔''(۴) جو دائیں بازو والے ہیں وہ محفوظ ہیں۔ جو بائیں بازو والے ہیں وہ لعنت زدہ ہیں، جو آگے یعنی جو بلند درجہ پر ہیں ان کو عبداللہ کہا گیا ہے: ''اللہ کافروں کے معاملے میں نوح اور لوط ﷤ کی بیویوں کی مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں۔'' ''شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں۔''(۵) ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں۔ یہ لقب حضرت جبرائیل ؑ کو دوسرے فرشتوں سے ممتاز کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ دوسری ابتدائی آیات میں اہلِ ایمان کی جماعت میں تیسرے درجے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ وہ نیک لوگ جو اصحابِ میمنہ اور السابقون کے درمیان میں ہیں۔ ان تین درجات کے درمیان تعلق کو قرآن کے اس بیان سے اخذ کیا جا سکتا ہے جو جنت کی نعمتوں کے حوالے سے ملتا ہے۔ دائیں جانب کے جو لوگ ہیں ان کو خالص آبِ رواں پینے کو دیا جائے گا ''نیک لوگ جنت میں شراب کے ایسے ساغر پئیں گے جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہو گی۔'' ''اس شراب میں تسنیم (بلندی سے بہہ کر آنے والے پانی کی) آمیزش ہو گی۔''(۶) یہ سب اگلے درجے والے لوگ ہیں جن کی رسائی اول ترین فواروں تک ہو گی لیکن دائیں جانب کے لوگوں کو ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو ان میں کسی فوارے کے پانی سے لیا ہوا ہو گا۔ اس کا مطلب گویا یہ ہوا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو سب سے آگے والوں کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ وہ وحی قلبِ انسانی کا ذکر کرتی ہے اس میں بھی توفیق اور برتری کے درجات کا بیان ہے۔ اکثریت کے بارے میں ذکر یوں ہے کہ ''آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں کے اندر جو قلوب ہوتے ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔''(۷) اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے ان رسولوں کے بارے میں

Marfat.com

جو ان سے قبل بھیجے گئے تھے فرمایا کہ ان کا قلب بیدار تھا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ قلب کی آنکھ بیدار تھی اور قرآن میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ایسی ممکنات میں خواہ کچھ ہی حد تک ہو دوسروں کی شرکت بھی ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ وہ کبھی کبھی براہِ راست ان کو، جو دل رکھتے ہیں، خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے ''اولی الالباب'' عقل و ہوش رکھنے والے'' بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شخص جو تمہارے رب کی اس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل کی ہے حق جانتا ہے اور وہ شخص جو حقیقت کی طرف سے اندھا ہے، دونوں یکساں ہو جائیں۔ نصیحت تو دانش مند لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔'' (۸) روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ تم پر نماز روزے کی وجہ سے فوقیت نہیں رکھتے بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے فوقیت رکھتے ہیں جو ان کے دل میں ہے۔'' (۹)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کی ایک دوسرے پر برتری کا اکثر تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب خالد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی موجودگی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ملامت کے جواب میں غصے کے ساتھ پلٹ کر جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''خالد نرمی برتو، درگذر کرو، میرے اصحاب کو ان کے حال پر چھوڑ دو اس لیے کہ تمہارے پاس اُحد کے برابر بھی سونا ہو اور تم وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو بھی میرے اصحاب میں سے کسی کے برابر نہیں ہو سکتے۔'' (۱۰)

وحی کے مطابق ان درجات کے مابین فرق اس دنیا کی نسبت آخرت میں زیادہ ہوگا۔ ''دیکھو ہم نے کس طرح ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے اور یقیناً آخرت درجے کے اعتبار سے بلند تر اور برتری رکھنے والی ہے'' (۱۱) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اہلِ جنت اپنے اوپر کے بلند مقام کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ابھی دنیا میں مشرقی یا مغربی افق پر وہ روشن ستارے مشتری کو دیکھتے ہیں۔'' آدمی اور آدمی کے درمیان آپ ﷺ کی تعلیم کے انداز سے بھی یہ فرق دیکھا جا سکتا ہے۔ بعض تعلیمات صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص تھیں جو انہیں سمجھ سکتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے اپنی یادداشت کے لیے دو ڈھیر منتخب کر لیے ہیں جو اللہ کے رسول نے مجھے بہم پہنچائے تھے۔ ایک کو تو میں نے عام کر دیا ہے اور دوسرے کو اگر ظاہر کروں تو تم میرا گلا کاٹ دو گے۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ (۱۲)

مکہ اور حنین کی فتح کے بعد مدینہ واپسی کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا: ''ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ جب ایک صحابی نے دریافت کیا ''اللہ کے رسول جہادِ اکبر کیا ہے؟'' تو آپ نے فرمایا ''نفس کے خلاف جہاد۔'' (۱۳) پستی میں گرے ہوئے شخص کا نفس خود اپنے سے کشمکش

Marfat.com

میں رہتا ہے۔ اس کے پست ترین پہلو کے بارے میں قرآن کہتا ہے "یقیناً نفسِ امارہ بدی کا حکم دینے والا ہے۔" اس کا بہترین حصہ یعنی ضمیر کو ہمیشہ ملامت کرنے والا کہا گیا ہے۔ یعنی اسے نفسِ لوّامہ (۱۴) کا نام دیا گیا ہے اور یہی وہ قسم ہے جو روح کی مدد سے نفسِ امارہ کے خلاف مستقل جہادِ اکبر میں مصروف رہتا ہے۔

آخر میں نفسِ مطمئنہ ہے یعنی پورا نفس جو کسی تذبذب کی وجہ سے اپنے آپ سے برسرِ پیکار نہیں۔ اس نے لڑائی جیت لی ہے۔ ایسی ہیں ان کی رُوحیں جو بلند ترین درجے پر سابقون، عبداللہ اور مقرب کی سطح پر پہنچے ہوئے ہیں۔ قرآن اس مکمل نفس کو ان الفاظ میں خطاب کرتا ہے "اے نفسِ مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے نیک انجام سے) سے خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ (۱۵) شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں داخل ہو جا میری جنت میں۔" اس برکت کی دوگونہ نوعیت نفوسِ مبارکہ کے لیے قرآن کی دو جنتوں کے وعدے کی یاد دلاتی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کا اپنی آخری حالت کا حوالہ لقائے رب (الی الرفیق الاعلیٰ) اور جنت کے ساتھ نفسِ مطمئنہ کے لیے جنت میں داخلہ لقائے رب سے ہم رشتہ ہے اور "میرے بندوں میں داخلہ" جنت میں داخلے کے برابر ہے۔ بلند ترین جنت یعنی لقائے رب، رضوان کے سوا کچھ نہیں۔ یہ آیات کچھ ہی دنوں پہلے نازل ہوئی تھیں: "ان مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغات دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ ان سدا بہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ رہائش ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔" (۱۶)

رسول اللہ ﷺ نے دنیاوی زندگی میں بھی بلند ترین درجہ حاصل کرنے کا فرمایا ہے اور یہ حدیث ان احادیث میں ہے جن کو حدیثِ قدسی کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں براہِ راست اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہوتے ہیں "میرا بندہ کبھی اطاعت اور عقیدت سے اور اپنی آزاد مرضی سے میرے قریب نہیں آتا کہ میں اسے محبت نہ کروں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔" (۱۷)

سب سے بڑی رضا کارانہ عبادت ذکرِ الٰہی ہے جس کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا جا سکتا ہے "اللہ کی یاد" یا "اللہ کو پکارنا"۔ پہلی نازل ہونے والی آیات میں سے ایک آیت میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا "اپنے رب کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔" (۱۸) بعد کی ایک آیت میں کہا گیا "یقیناً نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑی چیز ہے۔" (۱۹) دل کے اندھے پن اور اس کے علاج کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر چیز کے لیے ایک صیقل ہوتا ہے جو اس کے زنگ کو دور کرتا ہے اور

Marfat.com

دل کا صیقل اللہ کی یاد ہے۔"(۴۰) جب پوچھا گیا کہ قیامت کے دن کس کا درجہ سب سے بلند ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا "وہ مرد اور عورت جو اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں" اور جب پوچھا گیا "کیا ان کا درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی بلند ہوگا تو آپ نے فرمایا "خواہ اس نے کافروں اور بت پرستوں کے خلاف اتنی تلوار چلائی ہو کہ تلوار ٹوٹ گئی ہو اور وہ خود خون میں نہلا گیا ہو پھر بھی اللہ کو یاد کرنے والے کا درجہ اس سے بلند ہو گا۔"(۴۱)

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔قرآن ۴۹:۱۴ ۲۔قرآن ۲۴:۳۵ ۳۔قرآن ۵۹:۲۱ ۴۔قرآن ۵۶:۴۷۔۴۰

۵۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں "عبداللہ" کا فقرہ دو معنوں میں استعمال فرماتا ہے۔ ایک عام مفہوم میں جس میں شیطان بھی اس کا بندہ ہے اور دوسرا بہت ہی خاص مفہوم میں جیسا کہ مذکورہ بالا آیات میں اور ان آیات میں جس میں شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "جہاں تک میرے بندوں کا تعلق ہے ان پر تجھ کو کوئی غلبہ حاصل نہ ہوگا۔"

۶۔قرآن ۲۷:۷۲:۵:۸۳ ۷۔قرآن ۲۲:۴۶، اصل تصنیف:۸۹ ۸۔قرآن ۱۲:۱۱۱، ۱۳:۱۹ و دیگر

۹۔ترمذی: نوادر الاصول ۱۰۔ابن اسحٰق:۸۵۳ ۱۱۔قرآن ۱۷:۲۱ ۱۲۔مسلم:۵۱، ۴ ۱۳۔بخاری:۳، ۴۲

۱۴۔بیہقی: زُہد ۱۵۔قرآن ۱۲:۵۳ ۱۶۔قرآن ۷۵:۲ ۱۷۔بمعنی رضائے باہم، اصل تصنیف:۹۵

۱۸۔قرآن ۸۹:۲۷۔۳۰،۹:۷۲ ۱۹۔بخاری:۸۱، ۳۷ ۲۰۔بیہقی: دعوت ۲۱۔ترمذی:۴۵

Marfat.com

باب:۸۲

مستقبل

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری امت کے بہترین لوگ میری نسل کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔'' ① آپ ﷺ نے اپنی نسل کے ممتاز افراد یعنی وہ جن کو آپ ﷺ اپنے اصحاب میں شمار کرتے تھے، پر اظہارِ مسرت فرمایا۔ ایک موقع پر دس اصحاب جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا۔ یہ اصحاب تھے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوعبیدہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، قبیلہ زہرہ کے حضرت سعد اور زید حنیف کے بیٹے حضرت سعید رضی اللہ عنہم۔ یہی بشارت آپ ﷺ پہلے ان میں سے کچھ کو دے چکے تھے اور احادیث کے مجموعوں میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے عشرہ مبشرہ اور کچھ دوسروں کو جنہیں آپ ﷺ نے جنت کی بشارت سنائی تھی ان کے لیے آپ ﷺ کی زبانی بڑے فضائل مذکور ہوئے ہیں۔

جیسے ایک موقع پر آپ نے فرمایا ''تین اشخاص ایسے ہیں جنت جن کی تمنا کرتی ہے۔ یہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ ② اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ③۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''اہلِ جنت کی عورتوں میں بہترین عورت تم ہو، صرف عمران کی بیٹی مریم عذرا کو چھوڑ کر۔'' ④ قرآن میں ہے کہ کس طرح فرشتے آئے اور مریم سے کہا ''اس (اللہ) نے برگزیدہ کیا ہے تم کو دنیا کی تمام عورتوں پر۔ یہ پیشین گوئی کرتے ہوئے کہ اگلی نسل کو آپ ﷺ کی حکمت کو منتقل کرنے والے خاص لوگوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک بڑا کردار ادا کرنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ'' ⑤ اور دیگر اصحاب کے بارے میں آپ کا عمومی ارشاد ہے کہ ''میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی تم پیروی کرو

Marfat.com

گے ہدایت پاؤ گے۔''⁽⁶⁾

جب صحابہ تبوک سے لوٹے تو انہوں نے باہمی طور پر یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ اب جدال وقتال کا زمانہ ختم ہوا۔ اس خیال کو مختلف وفود کی آمد سے جو ہجرت کے دسویں سال مسلسل آتے رہے ایسی تقویت پہنچی کہ اکثر صحابہ نے اپنا اسلحہ اور زرہیں بیچنا شروع کر دیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو آپ نے انہیں ایسا کرنے سے روکتے ہوئے فرمایا: ''میری امت کا ایک گروہ حق کے لیے لڑتا رہے گا اور جہاد ترک نہیں کرے گا دجال کے ظہور تک۔'' آپ نے یہ بھی فرمایا ''اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ''⁽⁷⁾ اور تم پر کوئی زمانہ نہیں آتا کہ اس کے بعد آنے والا اس سے بدتر نہ ہو''⁽⁸⁾ رسول اللہ ﷺ نے خبردار فرمایا کہ ''آپ ﷺ کی امت کے لوگ برائی کے راستے پر یہودیوں اور عیسائیوں کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔'' ''تم سے پہلے جو امتیں گزریں تم ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو گے قدم بہ قدم، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں بھی گئے ہوں گے تو تم اس میں بھی چلے جاؤ گے۔''⁽⁹⁾

انجام سے پہلے انسان پستی کے جس مقام پر پہنچے گا اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا ''اسلام آیا تو اجنبی تھا اور ایک بار پھر اجنبی ہو جائے گا۔''⁽¹⁰⁾ لیکن آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ ''اللہ انہیں نہیں چھوڑے گا'' ''اللہ اس امت میں ہر سو سال بعد ایک ایسے شخص کو بھیجتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔''⁽¹¹⁾ ایک اور موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر اصحاب نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سے زاید مرتبہ فرماتے ہوئے سنا: ''اے میرے بھائیو۔'' اصحاب نے عرض کی ''اے اللہ کے رسول کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم میرے ساتھی ہو، میرے بھائی تو ان لوگوں میں ہیں جو ابھی نہیں آئے۔'' ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں ''جو آخری دنوں میں آئیں گے۔'' جس انداز میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی اس سے ظاہر یوں ہوتا ہے کہ یہ اشارہ روحانی عظمت کے حامل افراد کی جانب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ زمانہ آخر کی برائیوں کے باوجود ایک خلیفہ کا ظہور ہو گا جسے لوگ مہدی کہہ کر پکاریں گے۔ مہدی کا مطلب ہے ہادیٔ برحق۔ ''مہدی میری ذریت میں سے ہو گا۔ اس کی پیشانی کشادہ اور ناک عقابی ہو گی۔ وہ اس زمانہ میں ظلم اور جور و استبداد سے بھری ہوئی زمین کو حق و انصاف سے بھر دے گا۔ اس کی حکومت سات سال تک رہے گی۔''⁽¹²⁾

لیکن ان کی حکومت کے آخری دور یا اس کے بعد دجال آئے گا۔ اس کی دائیں آنکھ اندھی ہو گی اور اس میں بالکل روشنی نہیں ہو گی جیسے ایک انگور ہوتا ہے۔⁽¹³⁾ وہ زمین میں بڑا فتنہ پھیلائے گا اور مافوق الفطرت

Marfat.com

کرشمے دکھانے کے باعث زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا پیرو بنا لے گا لیکن مسلمانوں کی جماعت اس سے جنگ کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب وہ جنگ کے لیے پیش قدمی کر رہے ہوں گے اور اس دوران وقتِ نماز پر اذان کے بعد اپنی صفیں درست کر رہے ہوں گے تو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ہوگا اور وہ نماز کی امامت فرمائیں گے اور جب اللہ کے دشمن کی نظر عیسیٰ علیہ السلام پر پڑے گی تو وہ ایسے پگھل جائے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔ اگر اس کو ویسے ہی چھوڑ بھی دیا جائے گا تو بھی وہ پگھل کر ہلاک ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اسے قتل کروائے گا جو لوگوں کو اپنے نیزے پر اس کا خون دکھائیں گے۔''[14]

رسول اللہ ﷺ نے دیگر متعدد علامات کا تذکرہ بھی کیا جن سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ زمانہ آخر کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے اور آپ ﷺ نے ایک علامت کے طور پر فرمایا کہ لوگ بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرنے لگیں گے۔ یہ پیشین گوئی ایک بہت اہم موقع پر فرمائی گئی تھی اس لیے ضروری ہے کہ اس کو پوری طرح سے نقل کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد کی سند سے روایت کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو ایک آدمی ہمارے پاس آیا۔ اس کا لباس انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے لیکن اس کے حلیے سے ظاہری طور پر سفر کی کوئی علامت ظاہر نہ تھی حالانکہ ہم میں سے کوئی اس کو جانتا بھی نہیں تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا اور آپ ﷺ کے زانو پر ہاتھ رکھ کر کہا ''اے محمد (ﷺ)، بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز ادا کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج بجالانا۔'' اس شخص نے کہا ''آپ نے صحیح کہا۔'' ہمیں حیرت ہوئی کہ وہ سوال بھی کرتا تھا اور جواب کی تصدیق بھی کرتا جاتا تھا۔ پھر اس نے سوال کیا کہ ''ایمان کیا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا اور اس بات پر ایمان لانا کہ کوئی بدی یا نیکی ظہور میں نہیں آسکتی بجز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے۔'' ''آپ نے سچ کہا'' اس آدمی نے کہا اور پھر سوال کیا ''یہ بتایئے کہ احسان کیا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی ایسے عبادت کرنا جیسے تم اس کو دیکھ کر عبادت کر رہے ہو، کیونکہ اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے تو اللہ تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔'' اس نے کہا ''آپ نے سچ کہا۔'' پھر سوال کیا ''مجھے اس گھڑی کے بارے میں بتائیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس سے سوال کیا گیا ہے وہ کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔'' اس نے کہا ''اس گھڑی کی علامتیں بتائیں۔''

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کنیز اپنی مالکہ کو جنم دے گی [15] اور وہ لوگ جو ننگے پاؤں، پریشان حال گلہ بان ہوں گے وہ بلند و بالا عمارتیں تعمیر کریں گے۔''

پھر وہ اجنبی رخصت ہو گیا اور میں اس کے جانے کے بعد کچھ دیر کے لیے رکا رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''جانتے ہو سوال کرنے والا کون تھا؟'' میں نے کہا ''اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارے مذہب کی تعلیم دینے آئے تھے۔'' [16]

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ بخاری: ۶۳، ۱ ۲۔ اصل تصنیف: ۷۹ ۳۔ ترمذی: ۴۶، ۳۳ ۴۔ احمد بن حنبل: ۳، ۶۴ قرآن میں ہے کہ کیسے فرشتوں نے مریم علیہا السلام سے کہا ''اس (اللہ) نے تمہیں دنیا کی تمام عورتوں میں سے برگزیدہ کیا ہے۔'' ۵۔ ترمذی: ۴۶: ۲۰

۶۔ الفراء البغوی: مناقب الصحابہ ۷۔ بخاری: ۸۱، ۲۷ ۸۔ بخاری ۴۲: ۱۴ ۹۔ مسلم: ۷، ۴، ۶

۱۰۔ مسلم: ۱۔ ۲۳۲ ۱۱۔ ابوداؤد: ۳۵، ۴ ۱۲۔ ابوداؤد: ۳۵، ۴ ۱۳۔ مسلم: ۵۲، ۲۰ ۱۴۔ مسلم ۵۲، ۹

۱۵۔ جو عورت لڑکی جنم دے گی وہ ماں کی بجائے محض لونڈی بن کر رہ جائے گی کیونکہ بعد کے زمانے میں بچے والدین کا احترام ملحوظ نہ رکھیں گے۔ حدیث کا آخری حصہ سماجی انتشار اور بدنظمی کی پیشین گوئی کر رہا ہے۔ لیکن آخری فقرے میں صحرانوردی کی بجائے مستقل قیام کی خبر ہے یعنی ہابیل کے قابیل کے قتل پر مہرِ تصدیق ثبت ہو جائے گی۔ ۱۶۔ مسلم: ۱، ۱

Marfat.com

باب: ۸۳

حجۃ الوداع

جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تھے تو رمضان المبارک کے مہینہ کے وسطی دس دنوں میں اعتکاف آپ ﷺ کا معمول تھا۔ بعض اصحاب نے بھی ایسا ہی معمول بنایا ہوا تھا لیکن اس سال مقررہ دس دن اعتکاف کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ وہ مزید دس دن یعنی رمضان کے آخر تک اعتکاف میں رہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے ہی کیا۔ ہر سال رمضان میں جبرائیل علیہ السلام آیا کرتے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ نازل شدہ وحی میں سے کچھ آپ ﷺ کی یادداشت سے نکل تو نہیں گیا۔ اس سال رسول اللہ ﷺ نے ایک راز کے طور پر جو ابھی دوسروں پر منکشف نہیں ہونا چاہیے تھا، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''جبرائیل علیہ السلام مجھے قرآن سناتے ہیں اور میں سال میں ایک بار انہیں سناتا ہوں لیکن اس بار انہوں نے دو بار قرآن سنایا ہے اور اس کا مطلب اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا کہ میرا وقت آگیا ہے۔''[1]

ماہِ شوال گزر گیا اور سال کے گیارہویں ماہ میں مدینہ میں اعلان کر دیا گیا کہ اس سال رسول اللہ ﷺ خود حج کی قیادت فرمائیں گے۔ یہ اطلاع تمام صحرائی قبیلوں کو بھی بھیج دی گئی۔ اس پر ہر جانب سے صحابہ کثیر تعداد میں جوق در جوق نخلستان میں آ کر اکٹھے ہونے لگے۔ وہ سب اس بات پر بہت خوش تھے کہ انہیں مکہ کی سمت جاتے ہوئے ہر ہر قدم پر رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا۔ یہ حج سینکڑوں سال پچھلے تمام حج کے اسفار سے بہت مختلف ہوگا۔ زائرین سب کے سب خدائے واحد کے پرستار ہوں گے اور ان میں کوئی مشرک نہیں ہوگا جو مشرکانہ رسوم سے اللہ کے گھر کو آلودہ کرے۔ مہینہ ختم ہونے سے پانچ دن قبل رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ کی پیروی میں تیس ہزار سے زاید مرد اور عورتیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تمام

Marfat.com

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے اپنے ہودج میں شریکِ سفر تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی اہلیہ اسماء (بنت عمیس) تھیں۔ سفر کے پہلے ہی مرحلے میں ان کے یہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی جن کا نام محمد رکھا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ وہ اہلیہ کو مدینہ واپس بھیج دیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ غسل کر کے اپنے آپ کو حج کے لیے پاک کر لیں اور ارادے کے مطابق سب کے ساتھ چلیں۔''

مدینہ سے روانگی کے دس دن بعد غروبِ آفتاب کے وقت رسول اللہ ﷺ اس درے میں پہنچے جہاں سے فتح مکہ کے دن گزر کر آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر رات بسر فرمائی اور دوسرے دن بوقتِ صبح اپنی سواری پر وادیٔ مکہ پہنچ گئے۔ آپ ﷺ جب اس مقام پر پہنچے جہاں سے خانۂ کعبہ نظر آیا تو دونوں ہاتھوں سے اونٹ کی مہار چھوڑ کر تعظیماً اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے۔ اس کے بعد مہار بائیں ہاتھ میں لے لی اور اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھا کر یہ دعا فرمائی ''یا اللہ! اس عزت وتوقیر، شان وشوکت، سخاوت وفراخی، تعظیم وتکریم اور دین داری اور خدا ترسی کو جو بنی نوعِ انسان کعبہ کی کرتی ہے اس میں اور اضافہ فرما۔'' (۴)
پھر آپ ﷺ حرم میں داخل ہوئے اور سات مرتبہ کعبہ کا طواف فرمایا۔ پھر مقامِ ابراہیم پر تشریف لائے اور وہاں نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد صفا تشریف لے گئے اور صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی فرمائی۔ اس دوران جو صحابہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے انہوں نے انتہائی توجہ سے ان مقامات اور ان لفظوں کو یادداشتوں میں محفوظ کرنے یا نقل کرنے کی کوشش کی۔

رسول اللہ ﷺ حرم میں واپس تشریف لا کر کعبہ کے کلید بردار عبدالدار کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبے میں داخل ہوئے اور پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اندر داخل ہوتے ہوئے حضرت بلال اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے لیا لیکن اس شام جب آپ ﷺ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے خیمے میں تشریف لے گئے تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو کچھ افسردہ پایا۔ ان کے سوال کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں نے آج ایک ایسا کام کیا ہے جو نہ کرتا تو بہتر ہوتا۔ میں کعبے کے اندر داخل ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ میری امت کا کوئی شخص (اس سے مراد آنے والے برسوں سے تھی) اس میں داخل نہ ہونے پائے اور اس محرومی پر وہ اپنے دل میں بے اطمینانی محسوس کرے۔ ہمیں کعبہ کے طواف کا حکم دیا گیا ہے اس میں داخل ہونے کا نہیں۔'' (۵)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے امِ ہانی رضی اللہ عنہا کی خواہش کے باوجود مکہ کے کسی گھر میں رہائش اختیار کرنے سے انکار فرمایا۔ نئے چاند کو نکلے ہوئے جب آٹھواں دن ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر منیٰ کی

Marfat.com

وادی میں تشریف لے گئے۔ باقی زائرین نے بھی رسول اللہ ﷺ کی تقلید کی۔ رات وہاں گزارنے کے بعد آپ ﷺ اگلے دن صبح عرفہ تشریف لے گئے۔ یہ مقام مکہ سے تیرہ میل دور مشرق میں حرم کی حدود سے باہر لیکن ایک قریبی کشادہ وادی ہے۔ عرفہ طائف کو جانے والے راستہ پر واقع ہے اور اس کی شمالی اور مشرقی سمت طائف کے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ لیکن ان سے الگ اور چاروں اطراف میں وادی سے گھری ہوئی ایک پہاڑی ہے جس کا نام بھی عرفہ یا جبلِ رحمت ہے۔ حج کے اس مقام کا یہ مرکزی حصہ ہے جو زیادہ ترنشیبی زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پہاڑی پر قیام فرمایا۔

مکہ کے لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا کہ آپ اتنی دور کیوں تشریف لے گئے ہیں کیونکہ باہر سے آنے والے حاجی تو عرفہ جاتے تھے لیکن قریش حرم کی حدود کے اندر ہی رہتے تھے۔ قریش کا کہنا تھا کہ ''ہم اللہ کی قوم ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ابراہیم علیہ السلام نے قانون بنایا تھا کہ اس دن عرفہ جانا حج کا لازمی حصہ ہے۔ قریش نے اس قانون کو ترک کر دیا۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس دن حج کی قدیم روایت پر بہت زور دیا اور ''ابراہیم علیہ السلام کی سنت'' کے الفاظ آپ کی زبان مبارک پر کثرت سے جاری رہے۔

تمام قبائل پر یہ واضح کرنے کے لیے مسلمانوں میں آئندہ کے لیے خون کے جھگڑے ختم قرار دے دیے گئے ہیں اور ہر فرد کی جان اور ملکیت مقدس ہے، رسول اللہ ﷺ نے صفوان کے بھائی حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو اس اعلانِ عام کے لیے مقرر کیا کہ وہ اپنی پاٹ دار اور بلند آواز میں اس ضابطہ کو لوگوں تک پہنچا دے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''تم کو معلوم ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟'' مجمع خاموش رہا اور صفوان نے خود ہی جواب دیا ''محترم مہینہ۔'' پھر انہوں نے کہا ''تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سی سرزمین ہے؟'' ایک مرتبہ پھر صفوان نے خود ہی جواب دیا ''یہ ارضِ مقدس ہے۔'' انہوں نے پھر سوال کیا ''تمہیں معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟'' پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے کہا ''آج یومِ حجِ اکبر ہے۔'' پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق باضابطہ اعلان کیا ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک دوسرے کا خون مقدس اور ایک دوسرے کی ملکیت کا احترام فرض قرار دیا ہے اس دن تک جب تک کہ تم اللہ کے حضور نہ پہنچ جاؤ۔ جان و مال کو اللہ نے اتنی ہی حرمت بخشی ہے جس طرح اس دن کو، تمہاری اس سرزمین کو اور تمہارے اس مہینے کو۔''

سورج نصف النہار کو پہنچ کر جب زوال کو پہنچ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے خطبے کی ابتدا اللہ کی حمد و ثنا سے کی اور پھر فرمایا ''اے لوگو! میری بات سنو، کیوں کہ مجھے نہیں معلوم اس سال کے بعد میں پھر کبھی اس مقام پر تم سے ملوں گا۔'' پھر آپ ﷺ نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کی

Marfat.com

تلقین فرمائی اور انہیں ان احکام کی یاددہانی کرائی جن پر مسلمانوں کو عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان باتوں کی جن سے روکا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے آخر میں فرمایا ''میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑو گے تو وہ تم کو تمام غلطیوں سے محفوظ رکھے گی۔'' یہ ایک واضح اشارہ تھا اللہ کی کتاب اور حدیثِ رسول ﷺ کی جانب۔ ''اے لوگو میری بات سنو اور سمجھو۔'' پھر آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی جو ابھی ابھی نازل ہوئی تھیں اور جنہوں نے قرآن حکیم کو مکمل کر دیا کیوں کہ وہ قرآن کی آخری نازل شدہ آیات تھیں۔ ''آج کے دن کفار تمہارے دین پر غالب آنے سے مایوس ہو گئے۔ اس لیے ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تمہارے لیے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کر لیا۔''(۴)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مختصر خطبے کو اس اہم سوال پر ختم فرمایا ''اے لوگو! کیا میں نے اپنا پیغام تم تک ٹھیک پہنچا دیا۔'' مجمع سے ایک زوردار گونج اقرار کی صورت میں ابھری ''ہاں، اے اللہ'' اور ہزاروں حلق سے نکل کر ''اللّٰھم نعم'' کی صدا بجلی کی کڑک کی طرح ساری وادی میں گونجتی چلی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انگلی آسمان کی جانب اٹھائی ''اے اللہ تو گواہ رہنا۔''(۵)

اس کے بعد نمازِ فرض ادا کی گئی اور سارا دن میدانِ عرفات میں دعائیں، مناجات اور یادِ الٰہی میں گزارا گیا لیکن جوں ہی آفتاب غروب ہوا رسول اللہ ﷺ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بیٹھنے کا فرما کر پہاڑی سے نیچے تشریف لا کر وادی کو پار کر کے مکہ کا رُخ فرمایا۔ تمام حجاج بھی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اس مقام پر تیزی سے گزر جانے کی روایت تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کو جیسے ہی اس تیز رفتاری کے آثار نظر آئے تو آپ ﷺ نے پکار کر فرمایا ''دھیرے دھیرے، سکونِ قلب کے ساتھ اور ہم میں جو قوی ہیں وہ نحیف و نزار کی مدد کریں۔'' رات مزدلفہ میں قیام کیا گیا جو حدودِ حرم میں واقع ہے۔ وہاں سے چھوٹے کنکر اکٹھے کیے گئے۔ یہ کنکریاں شیطان پر ماری جاتی ہیں جو تین ستونوں کی شکل میں منیٰ کی وادی میں عقبہ کے مقام پر ہیں۔ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ سے اجازت چاہی کہ وہ فجر سے پیشتر ہی مزدلفہ سے نکل جائیں۔ وہ قد و قامت اور جثہ میں بیشتر عورتوں سے بھاری تھیں اور موسم کی حدت سے بہت تکلیف میں تھیں۔ سفر نے انہیں تھکا دیا تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ وہ ہجوم ہونے سے پہلے ارکانِ رمی سے فارغ ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی معیت میں روانہ فرما دیا۔ ان کی پاسبانی کے فرائض حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سپرد کیے گئے۔

Marfat.com

خود رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز مزدلفہ میں ادا فرمائی۔ اس کے بعد زائرینِ حج کو لے کر عقبہ پہنچے۔ فضل رضی اللہ عنہ ان کے اونٹ پر ان کے پیچھے سوار تھے۔ بارہ سال قبل یہی وہ مقام تھا جہاں خزرج کے لوگوں سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی اور جس سے بیعتِ عقبہ اول اور بیعتِ عقبہ ثانی کی راہ ہموار ہوئی تھی۔ شیطان کو رمی کرنے کے بعد جانوروں کی قربانی ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو طلب فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کا سر مونڈ دے۔ تمام حجاج رسول اللہ ﷺ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے کہ آپ ﷺ کے بالوں کی کوئی لٹ حاصل کر لیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بعد میں اس فرق کا تذکرہ کیا جو اُحد کے خالد، خندق کے خالد اور (حجۃ الوداع) کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ میں پایا گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان! اپنے گیسوؤں کی لٹ میرے سوا کسی کو نہ دیجیے۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے وہ لٹ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دے دی تو انہوں نے انتہائی ادب و احترام سے اس کو اپنے ہونٹوں اور آنکھوں سے لگا لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے حجاج کو کعبہ جانے اور پھر وہ رات اور اگلی دو راتیں منیٰ میں گزارنے کے لیے واپس آنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ خود سہ پہر کے آخر تک وہی قیام فرما رہے۔ بعد ازاں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام ازواج آپ ﷺ کے ساتھ مکہ گئیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا طہارت کی حالت میں نہ تھیں۔ چند دنوں بعد جب وہ اس قابل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کو حدودِ حرم سے باہر بھیج دیا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن ان کے ساتھ گئے۔ وہاں انہوں نے تازہ غسل کیا اور مکہ جا کر کعبہ کا طواف کیا۔

یمن کی مہم تمام کرنے کے بعد تین سو سواروں کا دستہ جو رسول اللہ ﷺ نے ماہِ رمضان میں روانہ فرمایا تھا اب جنوبی سمت سے مکہ پہنچنے والا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شوقِ ملاقات اور رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے دستے سے آگے نکل کر پہلے مکہ پہنچ گئے تھے۔ یمن کی اس مہم سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں اسلامی ریاست کے پانچویں حصے میں ململ کے کپڑے کی بڑی تعداد تھی جس سے پوری فوج کو لباس مہیا کیا جا سکتا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ بغیر ہاتھ لگائے اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ ان کی غیر موجودگی میں اس ململ کے نگران کو بہلا پھسلا کر اس بات پر راضی کر لیا گیا کہ وہ دستے کے ہر فرد کو اس ململ سے ایک نیا لباس مہیا کر دے۔ لباس تبدیل کرنا ضروری سا ہو گیا تھا کیونکہ یہ لوگ تقریباً تین مہینے سے گھر سے باہر تھے۔ جب یہ دستہ مکہ میں داخل ہونے کے قریب تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سوار ہو کر ان سے ملنے نکلے اور ان کے لباس کی تبدیلی دیکھ کر متعجب ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے نائب نے کہا ''میں نے ان کو یہ لباس دیا ہے تاکہ جب وہ لوگوں میں جا ملیں تو انکا لباس شائستہ اور دیدہ زیب ہو۔'' وہ سب جانتے تھے کہ مکہ میں عیدِ قربان کے موقع پر تمام لوگ اپنے بہترین لباس میں ہوں گے۔ ان سب کی شدید خواہش تھی کہ یہ بھی عمدہ لباس میں نظر آئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ وہ اس قسم کی آزادی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے حکم دیا کہ وہ اپنا لباس پہنیں اور مالِ غنیمت کے ململ کو واپس کر دیں۔ اس حکم سے تمام دستے میں ناراضگی پھیل گئی۔ جب اس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا ''اے لوگو! علی رضی اللہ عنہ کو الزام مت دو کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں حد سے زیادہ دیانت دار ہیں۔'' لیکن یہ الفاظ شاید کافی نہ تھے یا ممکن ہے کہ سب کے کانوں تک نہ پہنچ سکے ہوں اس لیے ناراضگی باقی رہی۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس جا رہے تھے تو دستے کے سپاہیوں میں سے ایک نے بڑی تلخی کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا ''کیا میں اہلِ ایمان پر ان کی جان سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟'' جب اس سپاہی نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے مزید فرمایا ''جس سے قریب ترین میں ہوں اس سے قریب ترین علی رضی اللہ عنہ ہیں۔'' بعد میں دورانِ سفر جب غدیرِ خُم کے مقام پر پڑاؤ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اکٹھا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر وہی الفاظ دہرائے اور ان میں اس دعا کا مزید اضافہ فرمایا ''اے اللہ اس کا دوست رہ جو اس کا دوست ہو اور اس کا دشمن رہ جو اس کا دشمن ہو۔''[۶] اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھنے والی آوازیں خاموش ہو گئیں۔

پچھلے سال جو وفود آئے تھے ان میں سے ایک یمامہ میں عیسائی قبیلے کا بنی حنیفہ کا وفد تھا۔ ان کا علاقہ نجد کی مشرقی سرحد کے برابر تھا۔ انہوں نے اسلام میں داخل ہونے کا اقرار کیا تھا لیکن اب ان کے مسیلمہ نامی ایک شخص نے دعویٰ کر دیا کہ وہ خود بھی نبی ہے۔ حجاج کی مکہ سے واپسی کے کچھ ہی دن بعد دو قاصد یمامہ سے ایک خط لے کر وارد ہوئے۔ ''اللہ کے رسول مسیلمہ کی جانب سے اللہ کے رسول محمد ﷺ کے نام۔ آپ پر سلام ہو۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اختیارات میں آپ کے ساتھ حصہ دار بنوں۔ آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی۔ حالانکہ وہ غاصبانہ حرکت کرنے والے لوگ ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے قاصدوں سے پوچھا کہ اس بارے میں ان کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا بھی وہی خیال ہے جو اس کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی قسم اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو میں تمہارا سر قلم کر دیتا۔'' پھر آپ ﷺ نے ان کے آقا کے لیے ایک خط اِملا کرایا ''اللہ کے رسول محمد کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جو راہِ ہدایت کی پیروی کرے۔ یقیناً زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام کار

Marfat.com

متقیوں کے حق میں ہے۔''(۷)

اسی زمانے میں دو اور جعل ساز ظاہر ہوئے۔ بنی اسد کا ایک سردار طُلیحہ اور یمن کا اسود بن کعب۔ یمن والے کو ایک مختصر کامیابی ہوئی اور اس نے ایک وسیع علاقے پر تیزی سے قبضہ حاصل کر لیا لیکن اس کے گھمنڈ نے اس کے بہت سے پیروکاروں کو اس کے خلاف کر دیا اور چند مہینوں بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ طُلیحہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شکست دی اور وہ نبوت کا دعویٰ ترک کر کے اسلام کی قوت میں اضافے کا باعث ثابت ہوا۔ مسیلمہ کے مقدر میں یہ ہوا کہ وہ وحشی کے ہاتھوں نیزے کا نشانہ بنا۔ جبکہ اسی دوران نسیبہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے اس پر ایک مہلک وار کر دیا۔ لیکن یہ شکست کئی ماہ بعد وقوع پذیر ہوئی۔ اس وقت توجہ کا چاند غروب ہونے کے بعد ہجرت کا گیارہواں سال شروع ہوا۔ یہ تمام دھوکے باز اسلام کے لیے خطرے کا باعث تھے۔ ان کے علاوہ قبیلہ تمیم کی ایک سجاح نامی عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا لیکن رسول اللہ ﷺ ان سب کے خلاف کسی فوری فوج کشی کی جانب مائل نہ تھے۔ آپ ﷺ کی توجہ شمال کی جانب تھی اور صفر کے آخری دنوں میں جو ہجری سال کا دوسرا مہینہ اور عیسوی سال کے مطابق مئی ۶۳۲ بنتا ہے، آپ ﷺ نے موتہ کی شکست کو فتح میں بدلنے کا فیصلہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم جاری کیا کہ شام کے ان قبائل کے خلاف مہم کی تیاریاں کی جائیں جو حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر روم کی شاہی فوج کے دائیں بائیں موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کی کم عمری کے باوجود ان کو تین ہزار کے لشکر کا کمانڈر مقرر فرمایا۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ بخاری: ۶۱، ۲۵ ۲۔ واقدی: ۱۰۹۷ ۳۔ واقدی: ۱۱۰۰ ۴۔ قرآن ۵: ۱۳

۵۔ ابن اسحٰق: ۹۶۹ ۶۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۵: ۲۰۹ ۷۔ واقدی: ۱۱۰۸

Marfat.com

باب: ۸۴

ربّ سے ملاقات اور جنت کا انتخاب

رسول اللہ ﷺ اکثر جنت کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور جب بھی جنت کا ذکر فرماتے تو انداز ایسا ہوتا جیسے وہ جنت کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ اس تاثر کی تصدیق دوسری باتوں سے بھی ہوتی تھی۔ مثلاً ایک بار آپ ﷺ نے ہاتھ ایسے بڑھایا جیسے کسی چیز کو پکڑنا چاہتے ہیں اور پھر ہاتھ کو پیچھے ہٹا لیا۔ اس دوران آپ ﷺ نے زبان سے کچھ نہ فرمایا لیکن جو اصحاب اس وقت حاضر تھے انہوں نے اس بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں نے جنت کو دیکھا اور اس میں سے انگور کے ایک خوشے کے لیے ہاتھ پھیلایا۔ اگر میں اس خوشے کو لے لیتا تو تم اس کو اس وقت تک کھاتے رہتے جب تک یہ دنیا باقی رہتی۔'' (۱)

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس خیال کے عادی ہو چکے تھے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ جیسے پہلے سے ہی حیاتِ آخر میں ہے۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال کا اشارہ فرمایا تو سننے والوں نے اس کو ایک معمول ہی سمجھا۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ۶۳ سال ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود قدو قامت اور شادابی جوان العمر انسانوں جیسی تھی۔ آپ ﷺ کی آنکھوں کی چمک برقرار تھی اور سیاہ بالوں میں دو تین ہی سفید بال تھے۔ لیکن ایک موقع پر آپ ﷺ کی ایک بات، جب آپ ﷺ ازواج کے درمیان تشریف فرما تھے تو آپ ﷺ کا یہ فقرہ بدشگونی کا حامل ثابت ہوا تھا اور اس سے سوال پیدا ہوا کہ عالمِ اخروی میں ان کی ازواج میں سے کون سب سے پہلے ان سے جا ملیں گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ جس کا ہاتھ سب سے دراز ہوگا وہ سب سے پہلے مجھ سے آن ملے گی۔'' (۲) اس پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ایک دوسرے کے مقابل بازو ناپنے لگیں۔ اگرچہ اس مسئلہ پر کوئی روایت کسی نے نقل نہیں کی لیکن خیال یہی ہے کہ اس مقابلہ میں

Marfat.com

جیت سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی ہوئی۔ کیوں کہ سب ازواج میں وہی دراز قد اور عموماً تنومند تھیں۔ برخلاف اس کے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا قد اور جثہ کے مقابلے میں چھوٹی تھیں اور ان کے ہاتھ بھی چھوٹے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد سب سے پہلے، قریباً دس سال بعد، انہی کی وفات ہوئی۔ تب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی دراز ہاتھ سے مراد اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کرنے والی سے تھی۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اس معاملے میں انتہائی کشادہ دست تھیں اور اپنی پیشرو کی مانند، جن کا نام بھی زینب تھا اور جن کو اسی صفت کے بنا پر اُم الغرباء کہا جاتا تھا۔

ایک رات، جب شام پر فوجی مہم کی تیاریوں کے حکم کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے اور لشکر نے ابھی مدینہ سے کوچ نہیں کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام ابومواہبہ رضی اللہ عنہ کو شام کے قریب طلب کیا اور فرمایا ''مجھے حکم ہوا ہے کہ قبرستان میں دفن ہونے والوں کے لیے دعائے مغفرت طلب کروں۔ اس لیے تم میرے ساتھ آؤ۔'' دونوں ایک ساتھ نکلے اور جنت البقیع میں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''السلام علیکم یا اہل القبور! جس حالت میں تم ہو اس میں شاداں رہو۔ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو ابھی حیات ہیں تم کس قدر بہتر ہو۔ نااتفاقیوں کی اس طرح آمد ہے جیسے تاریکیوں کی موجیں ایک دوسرے کے پیچھے بھی اور ایک دوسرے سے بدتر بھی۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ابومواہبہ رضی اللہ عنہ کی جانب رخ کر کے فرمایا ''مجھے اس دنیا کے خزانوں کی چابیاں اور حیاتِ جاوداں اور اس کے بعد جنت چننے کا اختیار دیا گیا ہے کہ یا تو وہ چن لوں یا اپنے رب کی طرف رجوع کروں اور جنت میں داخل ہو جاؤں۔'' ابومواہبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''مجھے اپنے ماں باپ سے بھی عزیز تر! آپ اس دنیا کے خزانہ کی چابیاں اور اس کے ساتھ دوام کا انتخاب فرما لیجیے کہ جس کے بعد جنت بھی ہے۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں نے انتخاب کر لیا ہے کہ اپنے رب اور جنت کی طرف رجوع کروں۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے جنت البقیع کے مُردوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ [۳]

اسی دن صبح یا غالباً دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کے سر میں اتنا شدید درد اٹھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور نماز کی امامت فرمانے کے بعد منبر پر تشریف فرما ہو کر اُحد کے شہدا کے لیے ایسے دعائے مغفرت فرمائی جیسے یہ دعا آخری بار مانگی جا رہی ہو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ وہ اس دنیا کا انتخاب کرے یا اس دنیا کا جس میں اللہ کا ساتھ ہے اور بندے نے اس کو چُن لیا ہے جس میں اللہ کا ساتھ ہے۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گریہ کرنے لگے۔ انہیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ یہ بات اپنے بارے میں فرما

Marfat.com

رہے ہیں اور آپ ﷺ نے جو عالمِ آخرت کا انتخاب فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کا وقت آن پہنچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جان گئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کا اشارہ سمجھ گئے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گریہ کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ''میرا ساتھ دینے اور اپنی سخاوت کے ذریعے میرے سب سے بڑے مددگار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رہے ہیں اور اگر میں انسانوں میں سے ایک جدا نہ ہونے والا رفیق پسند کروں تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔ لیکن ہمارا ساتھ اور بھائی چارہ عقیدے اور ایمان کا ہے تب تک کہ اللہ ہم سب کو اپنے حضور نہ بلا لے۔'' یہی وہ موقع تھا جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں چہار جانب نظریں ڈال کر ان تمام نجی مکانوں کے دروازوں کو دیکھا جو صحنِ مسجد میں کھلتے تھے اور فرمایا ''ان سب دروازوں کو بند کر دو جو مسجد میں کھلتے ہیں سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔'' (4) منبر سے اترنے سے پہلے آپ ﷺ نے فرمایا ''میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں۔ تمہاری ملاقات مجھ سے اب حوضِ کوثر پر ہوگی (5) جس کو میری آنکھیں یہاں سے دیکھ رہی ہیں جہاں میں کھڑا ہوں۔ مجھ کو تم لوگوں سے اس قسم کا خطرہ نہیں ہے کہ تم خدائے واحد کی بجائے دوسروں کے پیرو بن جاؤ گے لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس دنیا سے خطرہ ہے کہ مبادا تم دنیوی منفعت کی خاطر ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں رشک وحسد کا شکار نہ ہو جاؤ۔'' (6)

رسول اللہ ﷺ مسجد سے نکل کر سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں واپس تشریف لے گئے کیوں کہ اس دن انہی کی باری تھی۔ مسجد میں خطاب کی وجہ سے تھکاوٹ ہوگئی تھی اور بخار بڑھ گیا تھا۔ گھنٹہ دو گھنٹے کے بعد اس خواہش کے تحت کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بخار کی بابت معلوم ہو جائے آپ ﷺ کچھ دیر کے لیے اُن کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر میں بھی درد ہو رہا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ ان کے حجرے میں پہنچے تو وہ درد سے کراہ رہی تھیں ''ہائے میرا سر۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''نہیں عائشہ رضی اللہ عنہا، یہ میرا سر ہے۔'' (7) لیکن آپ ﷺ نے تجسس کے انداز میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر نظر ڈالی کہ جیسے ان کے چہرہ سے کسی مہلک بیماری کے آثار دیکھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ کسی ایسے آثار کو نہ پا کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کاش تم کو بھی ہوا ہوتا۔'' رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ کاش موت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب بھی ہوتی اور پھر مزید فرمایا ''جبکہ ابھی میں زندہ ہوں تو میں اللہ سے تمہاری مغفرت کی دعا کروں اور تمہارے لیے اس کی رحمت کا ملتجی ہوں اور تمہیں اپنے ہاتھوں سے کفنا کر تمہارے جنازہ کی نماز پڑھ کر تمہیں سپردِ خاک کروں۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فوراً یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ ﷺ کی آواز اور لہجے سے انہیں اندیشہ ہوا لیکن وہ اپنے اندیشوں کو ٹالتے ہوئے ارادی کوشش سے چہرے پر تبسم لانے میں کامیاب ہوگئیں۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا ''نہیں نہیں عائشہ رضی اللہ عنہا درد میرے سر میں ہو رہا ہے'' اور پھر واپس سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے۔

رسول اللہ ﷺ تمام کام اسی طرح ادا فرماتے رہے جس طرح وہ بحالتِ صحت ادا فرماتے تھے۔ آپ ﷺ مسجد میں معمول کے مطابق نماز پنجگانہ کے لیے تشریف لے جاتے اور امامت فرماتے رہے۔ لیکن بیماری بڑھتی گئی اور حتیٰ کہ وہ گھڑی آ گئی کہ آپ ﷺ صرف بیٹھ کر نماز ادا کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے جماعت کو بھی بیٹھ کر نماز ادا کرنے کا فرمایا اور اس زوجہ کے حجرے میں تشریف لے گئے جن کی اس دن باری تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کل میں کہاں ہوں گا؟ انہوں نے ان زوجہ کا نام لیا جن کی کل باری تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا ''پرسوں کہاں ہوں گا؟'' انہوں نے پھر جواب تو دے دیا لیکن انہیں خیال ہوا کہ شاید آپ ﷺ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کرنے کے لیے مضطرب ہیں۔ انہوں نے یہ خیال دیگر ازواج کے سامنے رکھا تو سب ازواج مل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ''اللہ کے رسول ہم سب اپنی باری اپنی بہن عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہیں۔'' [۸] رسول اللہ ﷺ نے یہ پیش کش قبول فرمائی لیکن اتنے نحیف ہو چکے تھے کہ سہارے کے بغیر چلنا دشوار تھا۔ اس لیے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے انہیں سہارا دے کر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں پہنچایا۔

اس حالت میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بعض صحابہ شام کی مہم کے لیے اسامہ رضی اللہ عنہ جیسے نوجوان کے انتخاب پر معترض ہیں اور اس بددلی کے باعث مہم کی تیاریوں میں سستی ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں معترضین کو جواب دینے کا ارادہ فرمایا لیکن بخار بہت تیز تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ازواج سے فرمایا کہ وہ مختلف کنوؤں کے پانی کی سات مشکیں آپ پر انڈیلیں تا کہ بخار کی شدت کم ہونے سے آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے جا سکیں۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ایک بڑا برتن لے کر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آ گئیں اور بقیہ ازواج پانی لے آئیں۔ رسول اللہ ﷺ ٹب نما بڑے برتن میں بیٹھ گئے اور آپ ﷺ پر پانی انڈیلا گیا۔ پھر انہوں نے لباس تبدیل کرنے میں مدد کی اور سر پر پٹی باندھی۔ دو آدمی رسول اللہ ﷺ کو سہارا دے کر مسجد میں لے گئے۔ آپ ﷺ وہاں منبر پر تشریف فرما ہوئے اور وہاں موجود اصحاب سے خطاب فرمایا ''اے لوگو! اسامہ رضی اللہ عنہ کی فوج کو روانہ کر دو کیونکہ باوجود اس کے کہ تمہیں اس کی سپہ سالاری پر اعتراض ہے ایسے ہی جیسے تم نے اس سے قبل اس کے باپ کی قیادت پر اعتراض کیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ سپہ سالاری کے اہل ہیں۔'' [۱۹] رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے اترے اور اصحاب نے سہارا دے کر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے

Marfat.com

میں پہنچا دیا۔ شام کی مہم کی تیاریوں میں تیزی آ گئی اور اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ جُرف کے مقام تک پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ یہ مقام مدینے سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔

اب جب اگلی اذان ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ آپ ﷺ کمزوری کے باعث بیٹھ کر بھی نماز کی امامت نہیں فرما سکتے۔ اس لیے آپ ﷺ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو وہ نماز کی امامت کریں۔'' لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اندیشہ تھا کہ ان کے والد کو رسول اللہ ﷺ کے مقام پر کھڑا ہونے میں بہت تکلیف ہو گی۔ انہوں نے کہا ''اللہ کے رسول! ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت حساس طبیعت ہیں ان کی آواز بھی زیادہ طاقتور نہیں ہے۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے ان پر بڑی رقت طاری ہو جاتی ہے۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سنی ان سنی کرتے ہوئے فرمایا ''ان سے کہو کہ نماز کی امامت کریں۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر کوشش کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ ان کی جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لے لیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو نماز کی امامت کریں۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر مدد کے لیے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی جانب دیکھا تو سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا ''تم ان عورتوں کی مانند ہو جنہوں نے یوسف علیہ السلام کا گھیراؤ کر لیا تھا۔''(10) ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ الزام دینے والوں کو نقص نکالنے دو اور حوصلہ مندوں کو آرزومند ہونے دو۔ اللہ اور اس کے ماننے والے اس کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔''(11) رسول اللہ ﷺ نے آخری جملے کی تین بار تکرار فرمائی اور آپ ﷺ کی علالت کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز کی امامت کرتے رہے۔

رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے یا گود میں سر رکھ کر لیٹے رہتے تھے لیکن جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آ جاتیں تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا باپ اور بیٹی کو تنہائی کا موقعہ دینے کے لیے ادھر ادھر ہو جاتیں۔ ایسی ہی ملاقاتوں میں ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کے کان میں کچھ فرمایا تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگ گئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ ان کے کان میں کچھ فرمایا تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا روتے روتے ہنس پڑیں۔ جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جانے لگیں تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کیا راز کی بات کی ہے؟ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا وہ راز کی بات میں نہیں بتا سکتی لیکن بعد میں انہوں نے بتایا ''رسول اللہ ﷺ نے اس بیماری، جس میں ان کی وفات ہوئی، کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ اس سے جان بحق ہو جائیں گے۔ میں یہ بات سن کر رو پڑی لیکن پھر انہوں نے فرمایا کہ اہلِ بیت میں سب سے پہلے میں ان کے پاس پہنچوں گی تو اس پر میں ہنس دی۔''(12)

Marfat.com

علالت کے دوران رسول اللہ ﷺ بڑے کرب سے دوچار تھے اور ایک دن جب شدید کرب کے عالم میں سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''اللہ کے نبی کاش یہ تکلیف آپ کی بجائے مجھے ہوتی'' تو دوسری ازواج نے ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے سرگوشی کی کہ یہ دکھاوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا ''جاؤ کلی سے اپنا منہ صاف کرو۔'' ازواج نے دریافت کیا ''کیوں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس لیے کہ تم نے اپنی ساتھی پر بہتان لگایا ہے۔ خدا کی قسم صفیہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ کہا ہے وہ صدقِ دل اور خلوص سے کہا ہے۔''[۱۳]

اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی دیکھ بھال میں برابر مصروف رہتیں اور اپنے بیٹے کو علالت کی کیفیت کی اطلاع دیتی رہتی تھیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کرلیا تھا کہ جب تک اللہ کوئی فیصلہ نہ کردے وہ جُرف سے آگے روانہ نہیں ہوں گے۔ لیکن ایک صبح ایسی خبر آئی کہ مدینہ پہنچ کر روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ پوری طرح ہوش میں تھے لیکن کمزوری کی باعث کچھ بولنا دشوار تھا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے اوپر جھک کر انہیں چوما۔ رسول اللہ ﷺ نے دستِ مبارک اٹھایا، ہتھیلی آسمان کی جانب تھی جو اللہ کی رحمت اور برکت کی طالب تھی۔ پھر آپ ﷺ نے ایسے اشارہ فرمایا جیسے ان کے دستِ مبارک میں جو کچھ آیا وہ اسے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر نچھاور کر رہے ہیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ انتہائی اداسی کے عالم میں پڑاؤ میں واپس آ گئے۔

دوسرا دن دوشنبہ تھا، ربیع الاول کی بارہویں تاریخ، اسلام کے ہجری سن کے مطابق گیارہواں سال اور عیسوی سن کے مطابق ۸ جون ۶۳۲۔ اس دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کا بخار کم ہو گیا اور کافی نقاہت کے باوجود آپ ﷺ نے مسجد جانے کا ارادہ فرمایا۔ جب آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو نماز شروع ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر اصحاب خوشی سے نماز چھوڑنے والے تھے کہ آپ ﷺ نے اشارے سے نماز جاری رکھنے کا حکم فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ ایک لمحہ کھڑے ان کو دیکھتے رہے اور ان کو محوِ عبادت دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک اٹھا۔ اس کے بعد اسی دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ آپ حضرت فضل رضی اللہ عنہ اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے سہارے آگے بڑھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ایسا جمال کبھی نہیں دیکھا جو اس گھڑی تھا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس لمحے اپنے پیچھے کی صفوں میں ہلچل سے اندازہ ہو گیا کہ جس ہستی کو وہ اپنے قریب آتا محسوس کر رہے ہیں وہ یقیناً رسول اللہ ﷺ ہی ہوں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا رُخ موڑے بغیر پیچھے ہٹے لیکن رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

دستِ مبارک ان کے کندھے پر رکھا اور یہ فرماتے ہوئے انہیں آگے کر دیا کہ تم ہی نماز کی امامت کرتے رہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دائیں جانب بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھے ہی نماز ادا فرمائی۔

اس ظاہری صحت یابی پر بہت خوشی منائی گئی۔ نماز سے کچھ ہی دیر بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے پڑاؤ سے آ پہنچے۔ اس اندیشے کے برعکس کہ رسول اللہ ﷺ کی علالت مزید شدت اختیار کر گئی ہوگی، صحت کو بہتر دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ''اللہ کی رحمت کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔'' اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ وہاں سے رخصت ہو کر جُرف واپس آ گئے اور اپنے لشکر کو شمال کی جانب کوچ کرنے کی تیاری کا حکم دیا۔ اسی دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شمالی مدینہ جانے کی اجازت طلب کی۔ اسماء سے شادی سے قبل ان کی منگنی قبیلہ خزرج کے خارجہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی حبیبہ رضی اللہ عنہا سے طے ہو چکی تھی۔ یہ وہ خزرجی تھے جن کے مکان میں وہ ہجرت کے بعد دس سال تک رہائش پذیر رہے اور کچھ ہی دن پہلے ان کی لڑکی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تھی۔ حبیبہ رضی اللہ عنہا ابھی تک سُنح کے مقام پر اپنے گھر والوں کے ساتھ قیام پذیر تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور اپنی زوجہ سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد حضرت فضل اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما کا سہارا لیے ہوئے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں واپس تشریف لائے۔ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی پیچھے پیچھے وہاں آ گئے لیکن وہاں زیادہ دیر رکنے کی بجائے باہر آئے تو ادھر سے گزرنے والے کچھ اصحاب نے رسول اللہ ﷺ کا حال دریافت کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''الحمد للہ بہتر ہیں۔'' لیکن جب سوال کرنے والے آگے بڑھ گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر موت کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ میں اپنے قبیلے کے لوگوں کے چہروں پر موت کے آثار کی شناخت کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ اس لیے آؤ، ہم ان سے بات کر لیں۔ اگر ان کا اقتدار ہم کو منتقل ہوتا ہے تو ہمیں علم ہو جائے گا اور اگر ہماری بجائے کسی اور کو جاتا ہے تو ہم ان سے التجا کریں گے کہ وہ ان لوگوں سے ہماری سفارش کریں کہ وہ ہم سے اچھا برتاؤ رکھیں۔'' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ''خدا کی قسم میں اس معاملے میں اللہ کے رسول سے بات نہیں کروں گا۔ اگر انہوں نے اختیار و اقتدار کو ہم سے روک رکھا تو پھر لوگ کبھی بھی یہ اختیار ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔''[14]

رسول اللہ ﷺ اپنے بستر پر آ کر دراز ہو گئے، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر ان کا سر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس آنے جانے میں ساری قوت جواب دے گئی تھی۔ لیکن جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت

Marfat.com

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ حجرہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا جیسے آپ ﷺ مسواک طلب کر رہے ہوں۔ انہوں نے بھائی کے ہاتھ سے مسواک لے کر اسے نرم کرنے کے لیے اپنے دانتوں سے کچل کر رسول اللہ ﷺ کو دے دیا۔ آپ ﷺ نے نقاہت کے باوجود دانتوں کو خوب مسواک کیا۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ رسول اللہ ﷺ پر غشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جانا کہ جیسے نزع کا عالم ہے لیکن ایک گھنٹے بعد آپ ﷺ نے آنکھیں کھولیں تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یاد آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ کوئی اللہ کا رسول تب تک وصال نہیں پاتا جب تک اس کو جنت میں اس کی جگہ دکھا نہیں دی جاتی اور پھر بھی اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ چاہے تو دنیوی زندگی لے لے یا آخرت کو ترجیح دے۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ وہ منزل بھی پوری ہوگئی ہے اور رسول اللہ آخرت کی جھلک دیکھ کر لوٹے ہیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود سے کہا ''اب وہ ہم لوگوں کا ساتھ پسند نہیں فرمائیں گے۔'' اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو زیرِلب فرماتے سنا الی الرفیق الاعلیٰ فی الجنۃ اور جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی، تو ایسے لوگ ان (مقبول) بندوں کے ساتھ ہوں گے جنہیں اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے یعنی انبیا، صلحا، صدیقین اور شہدا اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔''[15] پھر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ زیرِلب یہ فرماتے ہوئے سنا الی رفیق الاعلیٰ۔[16] یہ آخری الفاظ تھے جو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوتے سنے۔ بتدریج آپ ﷺ کا سر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے پر وزنی ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ دوسری ازواج نے رنج و غم کا اظہار شروع کر دیا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا سرِ مبارک تکیے سے لگا دیا اور ازواج کے ساتھ گریہ و زاری میں شامل ہوگئیں۔

حوالے، حواشی اور تشریحات

۱۔ بخاری: ۸،۱۶ ۲۔ ابن سعد: ۷۔۷۶ ۳۔ ابن اسحٰق: ۱۰۰۰ ۴۔ ابن اسحٰق: ۱۰۰۶ ۵۔ حوضِ کوثر: وہ آسمانی دریا جو رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا ہے۔ اس سے ایک چشمہ نکلتا ہے جس کی جھیل میں اہلِ ایمان جنت میں داخل ہوتے وقت اپنی پیاس بجھائیں گے۔

۶۔ بخاری: ۱۷،۶۴ ۷۔ ابن سعد: ۳۰،۲/۲ ۸۔ ابن اسحٰق: ۳۰‘۲۱۱ ۹۔ بعد میں اس مہم کی کامیابی نے ان الفاظ کی صداقت ثابت کر دی۔ ۱۰۔ زلیخا اور اس کی دیدہ دلیر سہیلیوں کی جانب اشارہ ہے۔ قرآن ۱۲: ۳۔۳۱ ۱۱۔ ابن سعد: ۲۰‘۲/۲

۱۲۔ بخاری: ۱۲،۶۲ ۱۳۔ ابن سعد: ۸۔۹۱ ۱۴۔ ابن اسحٰق: ۱۰۱۱ ۱۵۔ قرآن: ۶۹:۴ ۱۶۔ ابن سعد: ۲۷،۲/۲

Marfat.com

بابٗ:۸۵

جانشینی اور تدفین

وفات کے جو آثار حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھے تھے جلد ہی دوسروں پر بھی عیاں ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے پہلے ہی اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو پیغام بھیج دیا کہ رسول اللہ ﷺ خالقِ حقیقی سے رجوع فرمانے والے ہیں۔ پڑاؤ شمال کی جانب کوچ کرنے کے لیے اٹھنا شروع ہو گیا تھا لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فوراً مدینہ لوٹنے کا حکم دیا۔ اس لشکر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے بزرگ اصحاب بھی شامل تھے۔ جب شہر پہنچنے پر انہیں رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر ملی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ انہیں قرآن کی ایک آیت سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی جس کے معنی انہوں نے یہ لیے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان سب کے گزر جانے کے بعد تک اور بعد میں آنے والی نسلوں کے آخر تک حیات رہیں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کر کے انہیں یقین دلانے کی کوشش کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ صرف روحانی طور پر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اور وہ واپس تشریف لے آئیں گے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے اس طرح کا خطاب کر رہے تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سُخ سے گھوڑے پر سوار ہو کر آ گئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر انتہائی سرعت سے تمام نخلستان میں پھیل گئی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کسی سے بھی بات کرنے کے لیے رکنے کی بجائے سیدھے اپنی بیٹی کے حجرے میں گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے روئے مبارک سے چادر ہٹائی کہ جس سے انہیں ڈھک دیا گیا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے روئے مبارک پر نظریں جمائیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لے کر فرمایا "میرے ماں باپ سے زیادہ عزیز آپ ﷺ نے موت کا مزہ چکھ لیا جس کا فیصلہ اللہ نے آپ کے حق میں فرمایا۔ اس کے بعد کسی موت کی آپ ﷺ تک

Marfat.com

رسائی نہیں ہو گی۔'' پھر بڑے احترام کے ساتھ عبا کو روئے مبارک پر ڈالا اور باہر آ کر مجمع کے سامنے کھڑے ہوئے جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مخاطب تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قریب پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا ''عمر رضی اللہ عنہ ذرا ٹھہرو اور میری بات سنو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنی کہتے رہے لیکن اصحاب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز پہچان لی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ایک بزرگ کی بات سننے کے لیے مڑے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد کہا ''اے لوگو! جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ بلاشبہ محمد ﷺ کا وصال ہو چکا ہے اور جو اللہ کی بندگی کرتا رہا ہے تو بلاشبہ اللہ حی القیوم ہے اور اسے موت نہیں آتی۔'' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی جو جنگِ احد کے بعد نازل ہوئی تھی ''محمد (ﷺ) تو بس اللہ کے رسول ہیں اور رسول تو ان سے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔'' (1)

ایسے لگا جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاوت سے قبل لوگ اس آیت سے بے خبر تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلتے ہی یہ آیت زبان زدِ عام ہو گئی۔ بعد کے دنوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے کہا ''جس وقت میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا تو میں دنگ رہ گیا اور بھونچکا ہو کر زمین پر آ رہا۔ میرے پیروں میں میرے بدن کو برداشت کرنے کی قوت نہ رہی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر واپس جا چکے تھے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ تھے۔ بقیہ مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر ان کے ساتھ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلے کے بہت سے لوگ بھی آن ملے لیکن قبیلہ اوس وخزرج کے بیشتر انصار ثقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس قبیلے کے سردار تھے۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو خبر ملی کہ لوگ وہاں پر اس سوال پر بحث کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مرکزِ اقتدار کہاں اور کیسا ہو گا۔ انصار نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت کو برضا ورغبت تسلیم کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعد بیشتر کی رائے یہ تھی کہ قایلہ کی اولاد پر حکمرانی کا حق یثرب کے کسی شخص کا ہی ہونا چاہیے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے ہی والے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ثقیفہ چلنے پر زور دیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور عبا لپیٹے ہوئے ایوان کے درمیان لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی

Marfat.com

جانب سے ایک انصاری صحابی مجمع کو خطاب کرنے والے تھے کہ قریش کے یہ تین اصحاب ایوان میں داخل ہوئے۔ ان صحابی نے اپنے خطاب میں انہیں بھی شامل کر لیا۔ خطابت کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد ان الفاظ میں ہوئی ''ہم لوگ انصار اللہ ہیں اور اسلام کے لیے نبرد آزما قوت ہیں۔ آپ اے مہاجرین ہمارا ہی حصہ ہیں کیونکہ آپ کی ایک جماعت نے ہمارے ساتھ سکونت اختیار کر لی ہے۔'' خطاب کرنے والے اسی انداز سے خطاب کرتے رہے۔ انصار کی صفت وثناء بھی جاری رہی اور اس میں مہاجرین کو بھی کچھ حصہ دیتے رہے لیکن اس خطاب میں مہاجرین کی اس حیثیت کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا کہ مہاجرین ہی اصل میں اسلام کی پہلی جماعت تھے۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو خاموش کرتے ہوئے بڑے مدبرانہ اور پُراعتماد لہجے میں مجمع کو خطاب کرنا شروع کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انصار کی تعریف دہرائی لیکن ان پر واضح کیا کہ اسلامی جماعت پورے عرب میں پھیلی ہوئی ہے اور عرب من حیث القوم کسی ایسے شخص کی سربراہی قبول نہیں کریں گے جو قریش میں سے نہ ہو کیونکہ قریش ہی ان کے درمیان بے مثال اور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑے اور کہا ''میں ان دو کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں ان میں کسی ایک کی بیعت کر لو۔'' اس پر انصار میں سے ایک صحابی اٹھے اور تجویز پیش کی کہ اقتدار کو دو اصحاب میں مشترک رکھا جائے، یعنی ایک مہاجر اور ایک انصار۔ اس تجویز پر زوردار بحث چل پڑی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ''اے انصار کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کا حکم فرمایا تھا'' ''ہم جانتے ہیں۔'' انصار نے بیک آواز جواب دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا ''اب تم میں سے کون ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فوقیت کا طالب ہو؟'' جواب آیا ''خدا نہ کرے ہم میں سے کوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فوقیت جتائے۔'' (۲) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور ثقیفہ میں پہنچنے والے والے دیگر مہاجرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کی۔ اس کے بعد وہاں موجود تمام انصاری صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس بیعت میں شریک نہ ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرنے کی بجائے مدینہ چھوڑ کر شام میں جا کر بس گئے۔ (۳)

ثقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ بھی فیصلہ ہوا تھا قطع نظر اس کے یہ بات کسی کے لیے بھی ناقابلِ قبول ہوتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حیات میں کوئی دوسرا مسجدِ نبوی میں نماز کی امامت کرتا۔ اگلے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کی امامت سے پہلے منبر پر بیٹھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطاب کیا اور اصحابِ رسول ﷺ سے

Marfat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے لیے کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واضح کیا "تم میں سب سے افضل، رسول کے ساتھی، دو میں سے دوسرے جب وہ دونوں غار میں تھے۔" (۴) حال ہی میں نازل ہونے والی آیات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس مقام کا اشارہ تھا کہ ایک نازک موقع پر تنہا وہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے۔ تمام اصحاب نے بیک آواز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا اعلان کر دیا سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنہوں نے کچھ عرصہ بعد بیعت کی۔ (۵)

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حمد و ثنا کے بعد نمازیوں سے خطاب کیا۔ "مجھے تم پر اقتدار دے دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں درست کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں غلط کروں تو مجھے درست کر دو۔ حق کی اطاعت ہی وفاداری ہے اور حق سے بے نیازی ہی غداری ہے۔ تم میں سے جو کمزور ہے وہ میری نگاہ میں طاقتور ہے جب تک کہ میں اس کو اس کا حق نہ دلوا دوں، ان شاء اللہ، اور تم میں سے جو طاقتور ہے وہ کمزور ہے جب تک میں اس سے دوسروں کا حق نہ دلوا دوں، ان شاء اللہ۔ میری اطاعت کرو تب تک جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے۔ نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔" (۶)

نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کے گھرانے اور خاندان والوں نے تدفین کی تیاری کا فیصلہ کیا۔ لیکن ان کے درمیان تدفین کے طریقۂ کار کے بارے میں اختلاف تھا کہ یہ کام کیسے کیا جائے۔ (۷) اس مرحلے پر ان پر نیند کا غلبہ طاری ہو گیا اور اسی حالت میں ہر ایک نے ایک ہی آواز سنی "رسول اللہ ﷺ کو ان کے کپڑوں میں غسل دو۔" اس پر وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے جس کو انہوں نے وقتی طور پر خالی کر دیا تھا۔ قبیلہ خزرج کے اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے تدفین کی تیاری کے سلسلے میں انصار کی نمائندگی کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا "اے علی رضی اللہ عنہ میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اور اپنے اس حق کا جو ہمارا رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے ہے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اندر آنے دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے فضل اور قثم رضی اللہ عنہما نے کروٹ بدلنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی جبکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پانی ڈالتے رہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی مدد حضرت شقران رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ لمبے اونی لباس کے ہر حصے پر ہاتھ پھیر کر انہیں غسل دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے "میرے ماں باپ سے زیادہ عزیز، زندگی اور موت دونوں میں آپ کتنے اعلیٰ ترین ہیں۔" ایک دن گزرنے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک ایسا لگتا تھا جیسے وہ گہری نیند فرما رہے ہوں۔ بس اتنا فرق تھا کہ نہ نبض چل رہی تھی اور نہ سانس آ رہی تھی، نہ گرمی تھی اور نہ نرمی تھی۔

Marfat.com

اب اصحاب میں اتفاق نہیں ہو رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی تدفین کس جگہ کی جائے۔ ان میں سے زیادہ کا خیال تھا کہ جہاں ان کی تین بیٹیاں دفن تھیں، جہاں ان کا فرزند تھا اور جہاں ان کے وہ اصحاب مدفون تھے جن کی تدفین بھی خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی اور جن کے لیے دعائیں مانگی تھیں، یہ سب قبریں بقیع الغرقد میں تھیں، اور وہی جگہ مناسب تھی۔ جبکہ کچھ اصحاب کا خیال تھا کہ تدفین کے لیے مسجد مناسب جگہ ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یاد تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا ''ہر رسول اسی جگہ پر دفن ہوتا ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہے۔'' پس سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جہاں رسول اللہ ﷺ کا بستر تھا، وہیں قبر کھودی گئی۔

اس کے بعد اہلِ مدینہ زیارت کے لیے آتے رہے اور نمازِ جنازہ ادا کی۔ اصحابِ رسول ٹولیوں میں آئے، پہلے مرد ایک ٹولی کے بعد دوسری ٹولی۔ جب مرد نمازِ جنازہ ادا کر چکے تو پھر خواتین اور پھر بچے۔ اسی شب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور وہ سب جنہوں نے جنازہ تیار کیا تھا، انہوں نے جسدِ مبارک کو قبرِ پاک میں اتار دیا۔

مدینہ منورہ جسے اب نورانی شہر کہا جاتا تھا، رنج والم میں ڈوبا ہوا تھا۔ صحابہ ایک دوسرے کو رونے سے باز رکھ رہے تھے لیکن خود رو رہے تھے۔ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا ''ہم ان کے لیے گریہ نہیں کر رہے۔ کیا مجھے علم نہیں کہ جہاں وہ تشریف لے گئے ہیں وہ ان کے لیے اس دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ میرا رونا تو اس لیے ہے کہ اب آسمان سے ہمارے لیے آنے والی خبروں (وحی) کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔'' ⑦

حقیقت تو یہ تھی جیسے ایک عظیم دروازہ بند ہو گیا ہو۔ لیکن انہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمایا ہوا یاد آیا کہ ''مجھے اس دنیا سے کیا سروکار؟ میں اور یہ دنیا اس راہرو اور اس درخت کی مانند ہیں جو درخت کے سائے میں گھڑی بھر پناہ لیتا ہے اور اس کے بعد اپنی منزل کی جانب چل دیتا ہے۔'' ⑧ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا مخاطب ہر کوئی تھا تا کہ ہر ایک اپنے بارے میں بھی یہی کہہ سکے۔ اب وہ دروازہ بند ہو گیا تھا تو موت کے وقت ہر ایمان والے پر وہ دروازہ کھل جائے گا۔ ان کے کانوں میں ابھی تک رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ گونج رہے تھے ''میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور میں تمہارے اوپر گواہ رہوں گا، مجھ سے تمہارا وصل اب حوضِ کوثر پر ہو گا۔''

اس دنیا میں اپنا پیغام پہنچا دینے کے بعد اب وہ عالمِ آخرت میں اس خاطر تشریف لے گئے جہاں رہ کر وہ ان کے لیے اور سب کے لیے، اس دنیا کی حیات وموت سے ماورا ہو کر ہمیشہ کے لیے کلیدِ رحمت بنے رہیں گے۔ کلیدِ رحمت، کلیدِ جنت، روحِ حقانیت اور اللہ کا سرور ابدالآباد دیتے رہیں گے۔ ⑨

Marfat.com

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رسول اللہ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی رسول (ﷺ) پر اللہ کا درود و سلام بھیجو جیسا کہ بھیجنے کا حق ہے۔''(١٠)

حوالے، حواشی اور تشریحات

١۔ قرآن ٣: ١٤٤ ٢۔ ابن سعد: ٢/٢: ٢٣ ٣۔ خلیفہ عربی کا لفظ ہے۔ پورا لقب خلیفۃ الرسول ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا نائب یا جانشین۔ ٤۔ قرآن ٩: ٤٠

٥۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے کچھ ماہ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا ''اللہ نے جو فضیلت آپ کو عطا کی ہے اور جو فوقیت آپ کو حاصل ہے، اس ہم بخوبی واقف ہیں اور جو کوئی فضل اللہ نے آپ پر کیا ہے اس پر ہم کو حسد نہیں ہے۔ لیکن آپ نے ہم کو ایک طے شدہ معاملے سے دوچار کر دیا اور ہمارے لیے کوئی دوسری راہِ انتخاب نہ چھوڑی۔ ہم محسوس کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت کے طفیل ہم اس معاملے میں کچھ استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور انہوں نے کہا ''قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کاش میرے اور رسول اللہ کے اقرباء کے مابین سب کچھ اس سے بہتر ہوتا جتنا خود میرے اور میرے اپنے اقرباء کے درمیان ہے۔'' اس دن ظہر کے وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں سرِعام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اب تک بیعت نہ کرنے کی فروگذاشت سے بری الذمہ قرار دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استحقاق کی تصدیق کرتے ہوئے ان کی بیعت کی۔ بخاری: ٦٤، ٣٨

٦۔ ابن اسحٰق: ١٠١٧ ٧۔ ابن سعد: ٢٢، ٤۔ ٨٣ ٨۔ ابن ماجہ: ٧، ٣٧، ٣

٩۔ یہ اور دیگر القابات رسول اللہ ﷺ کے ناموں کے روایتی مجموعوں سے لیے گئے ہیں۔

١٠۔ سورۃ الاحزاب، آیت ٥٦

Marfat.com

کتاب نامہ

- قرآن کریم

یہ کتاب بطورِ خاص آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے مندرجہ ذیل مصنّفین کی کتابوں پر مبنی ہے:

- ابن اسحٰق: سیرت رسول اللہ ﷺ
- ابن سعد: کتاب الطبقات الکبیر (طبقات ابن سعد)
- واقدی: کتاب المغازی (یہ ان غزوات کی تاریخ ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود شرکت فرمائی تھی)

ان کے علاوہ دیگر حوالوں میں

- محمد بن عبداللہ الازرقی کی اخبار مکہ
- محمد بن جریر الطبری کی تاریخ الرسل والملوک اور انہی کی تفسیرِ قرآن سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- عبدالرحمٰن بن عبداللہ السُہیلی کی الرَّوضُ الأُنُف
- ان کے علاوہ نویں صدی عیسوی کے آٹھ محدثین کے بھی حوالے ہیں اور ان حوالوں کے لیے وہی طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے جو وینک (Wensinck) نے اپنی کتاب ''مسلمانوں کی اولیہ احادیث'' میں اختیار کیا ہے۔
- محمد بن اسمٰعیل البخاری؛ مسلم بن الحجاج القشیری؛ محمد بن عیسٰی الترمذی؛ احمد بن حنبل؛
- ابوداؤد السجستانی؛ عبد بن عبدالرحمٰن الدارمی؛ محمد بن ماجہ
- کہیں کہیں گیارہویں صدی کے ان محدثین کے حوالے بھی ہیں جن کا ذکر وینک کی کتاب میں نہیں ہے:
- احمد بن الحسین البیہقی: ''کتاب السنن الکبریٰ'' حسین بن محمود الفرا البغوی: ''مشکوٰۃ المصابیح''

Marfat.com

BOOK CORNER PUBLISHING

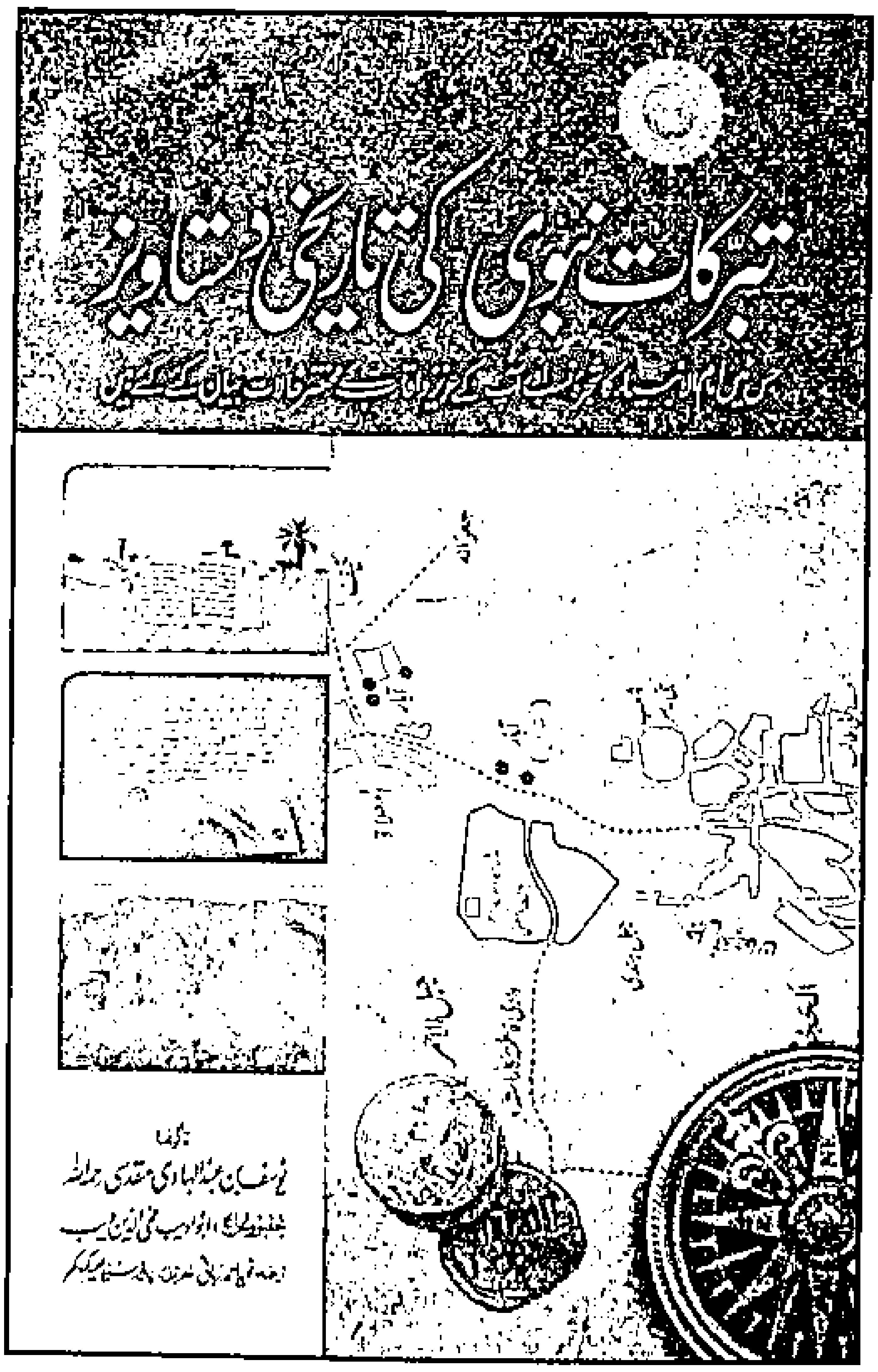

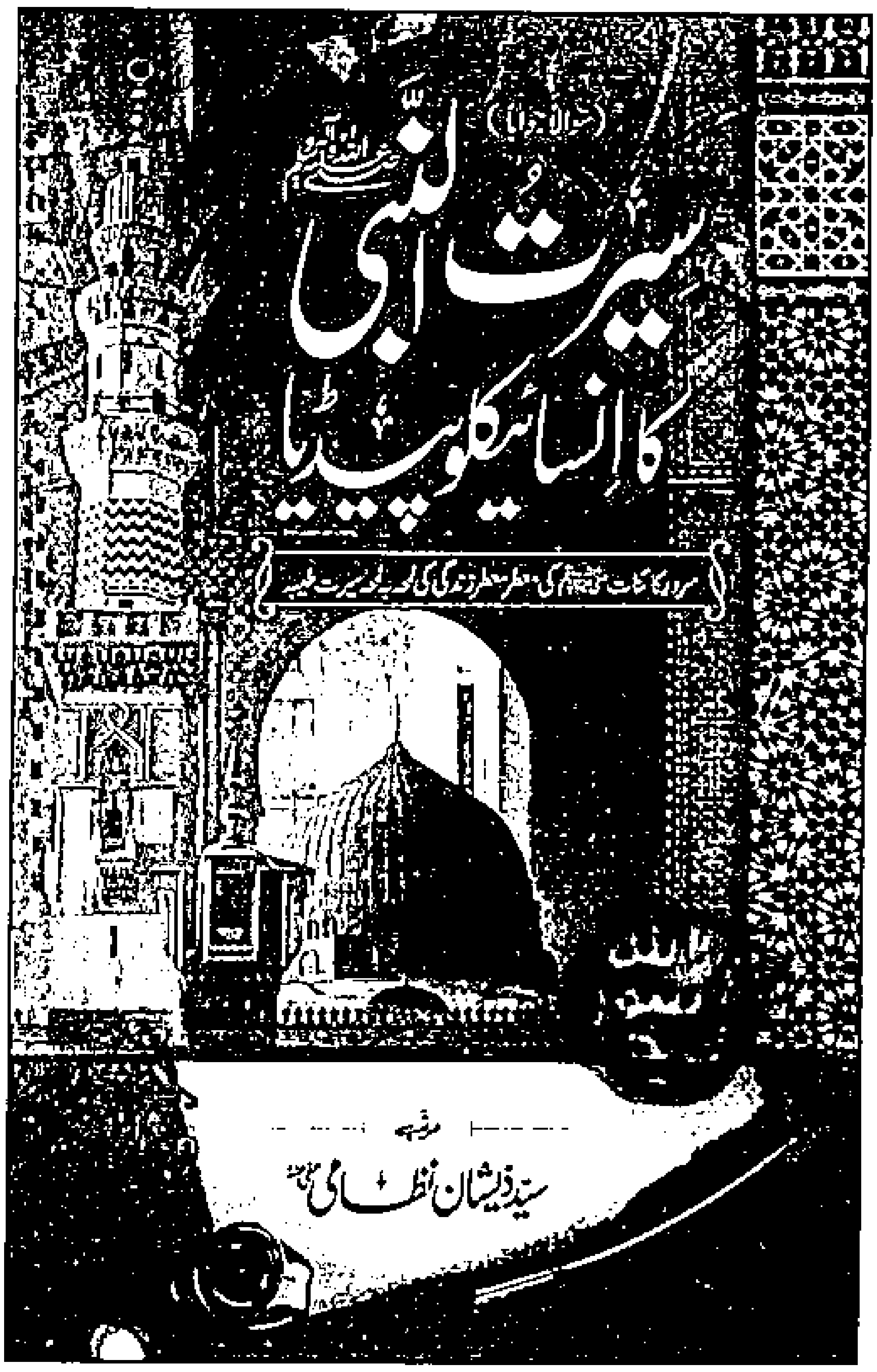

www.bookcorner.com.pk

Marfat.com

BOOK CORNER PUBLISHING

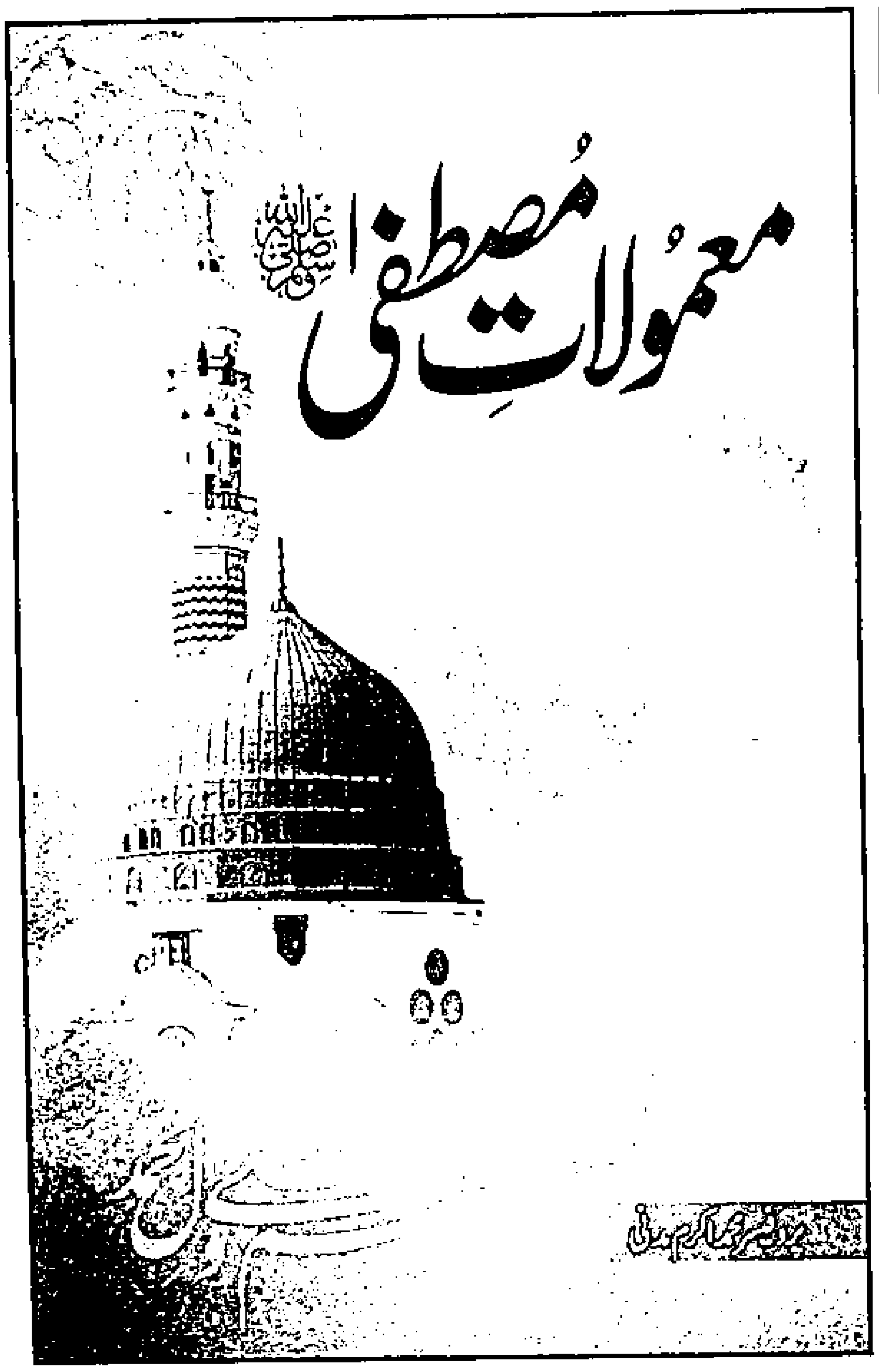

www.bookcorner.com.pk

Marfat.com

BOOK CORNER PUBLISHING

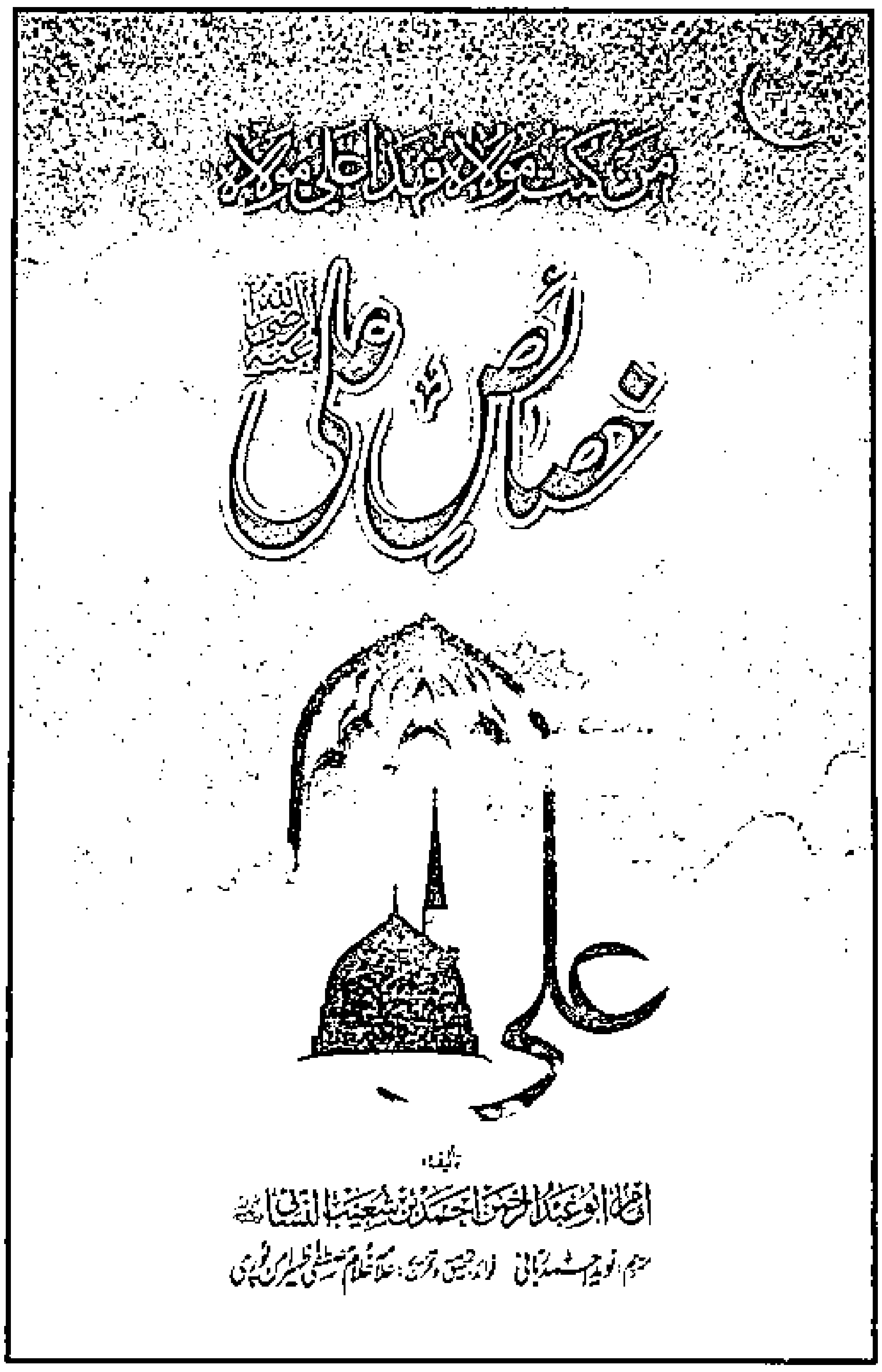

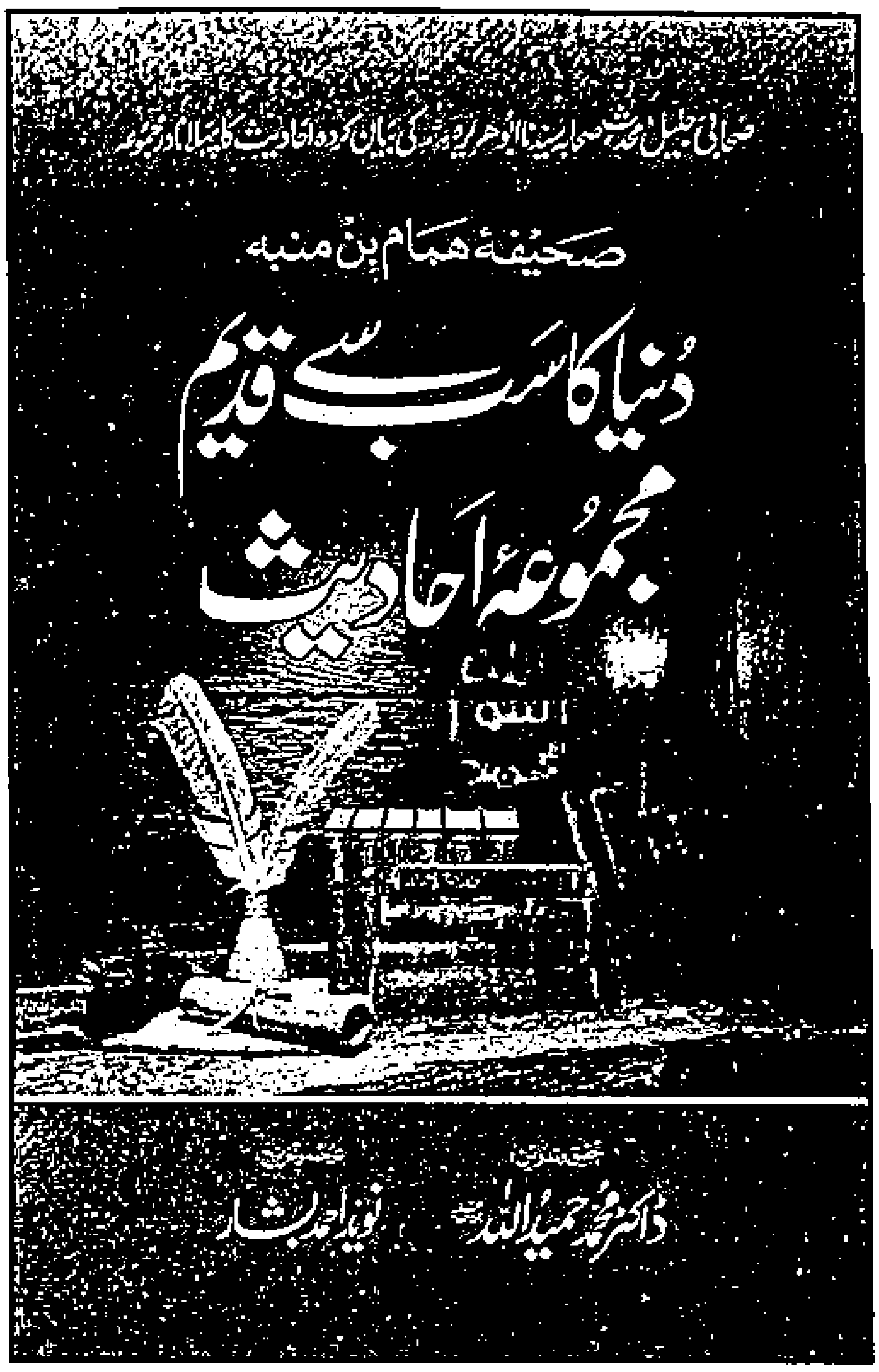

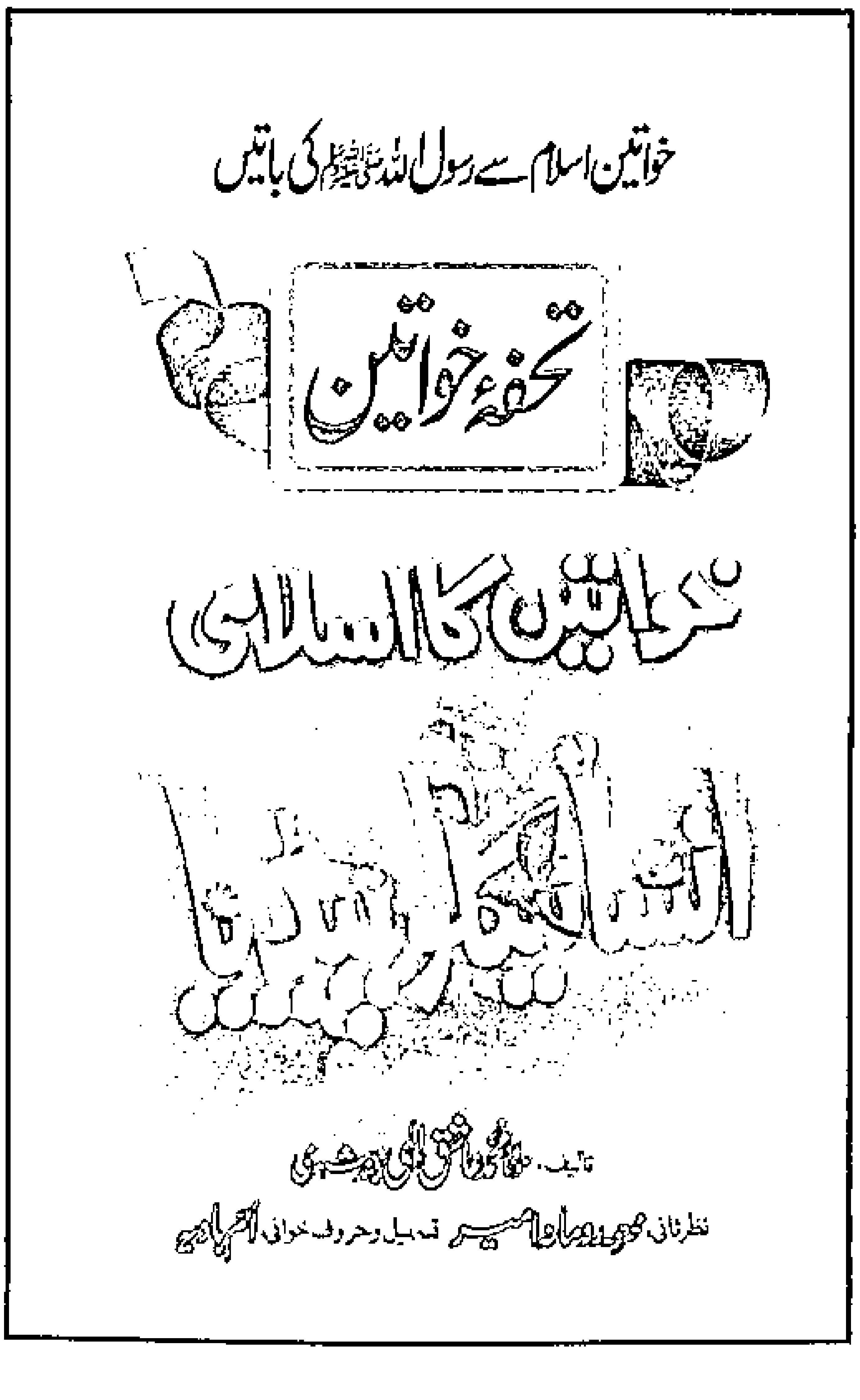

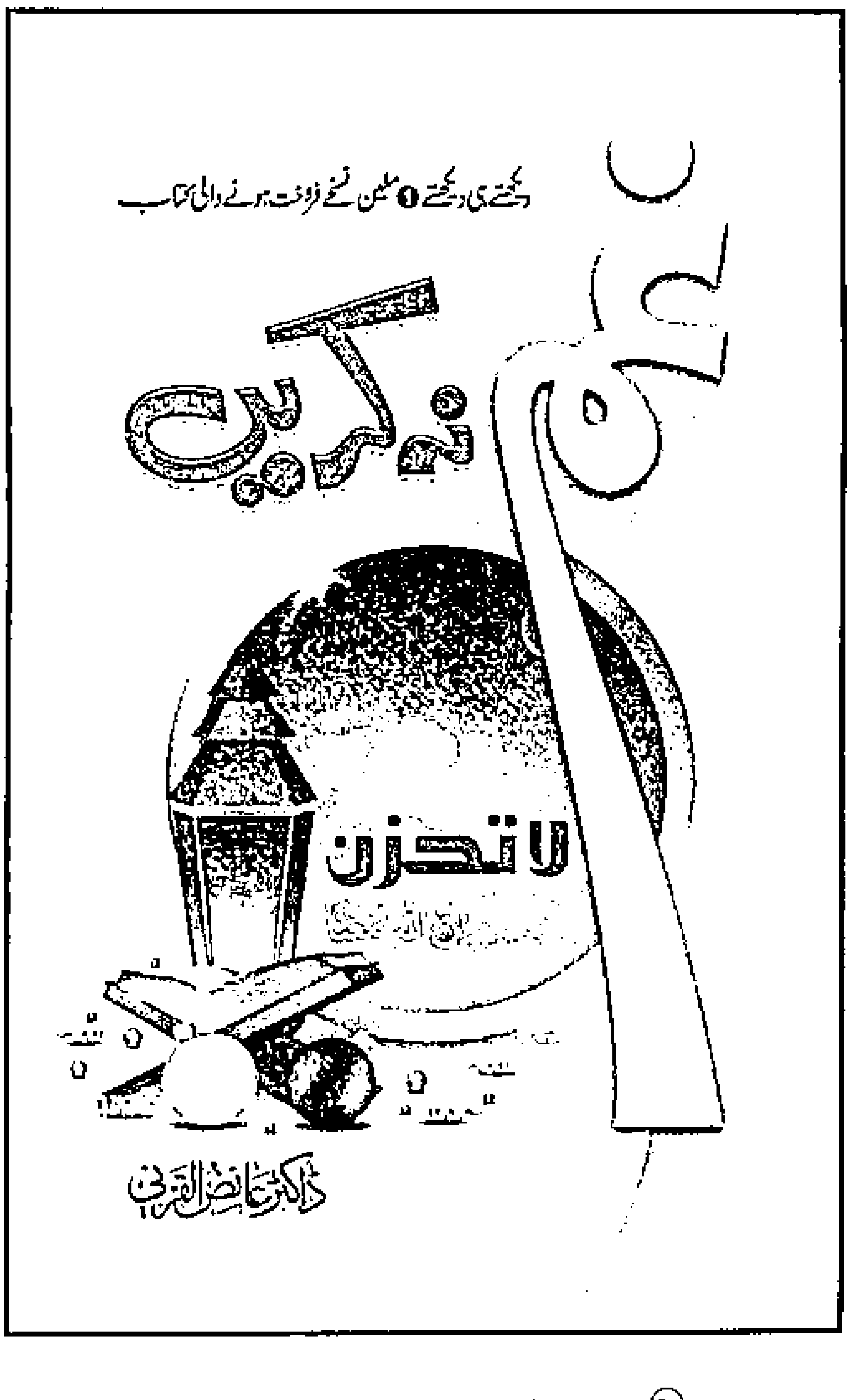

www.bookcorner.com.pk

Marfat.com

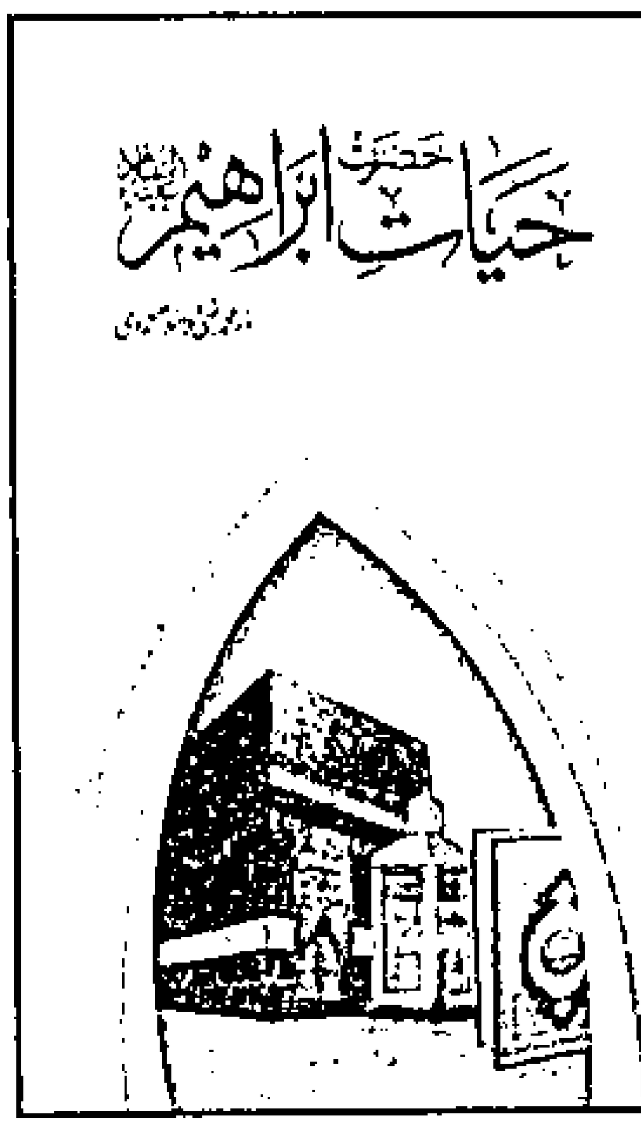

انبیائے کرام علیہم السلام

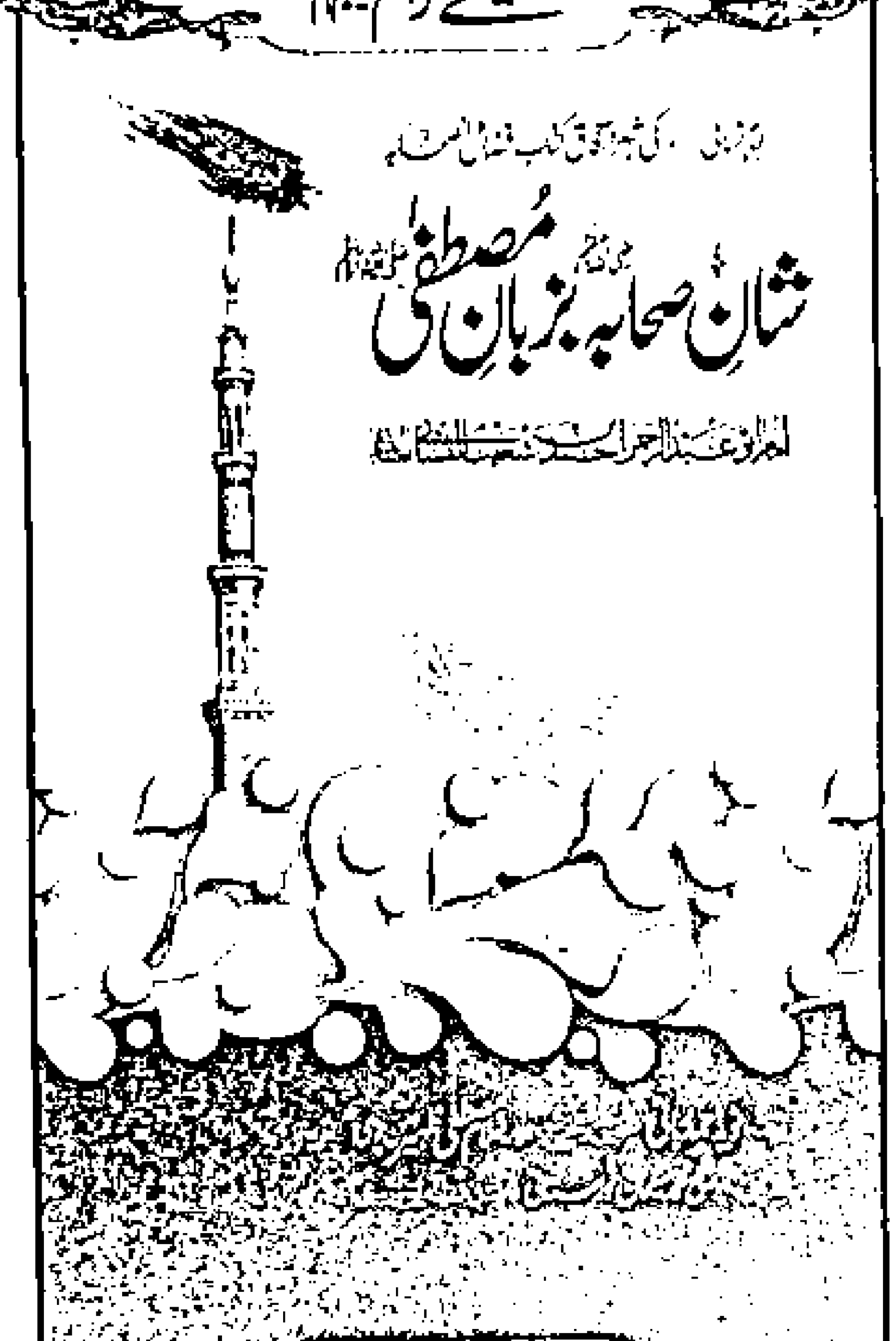

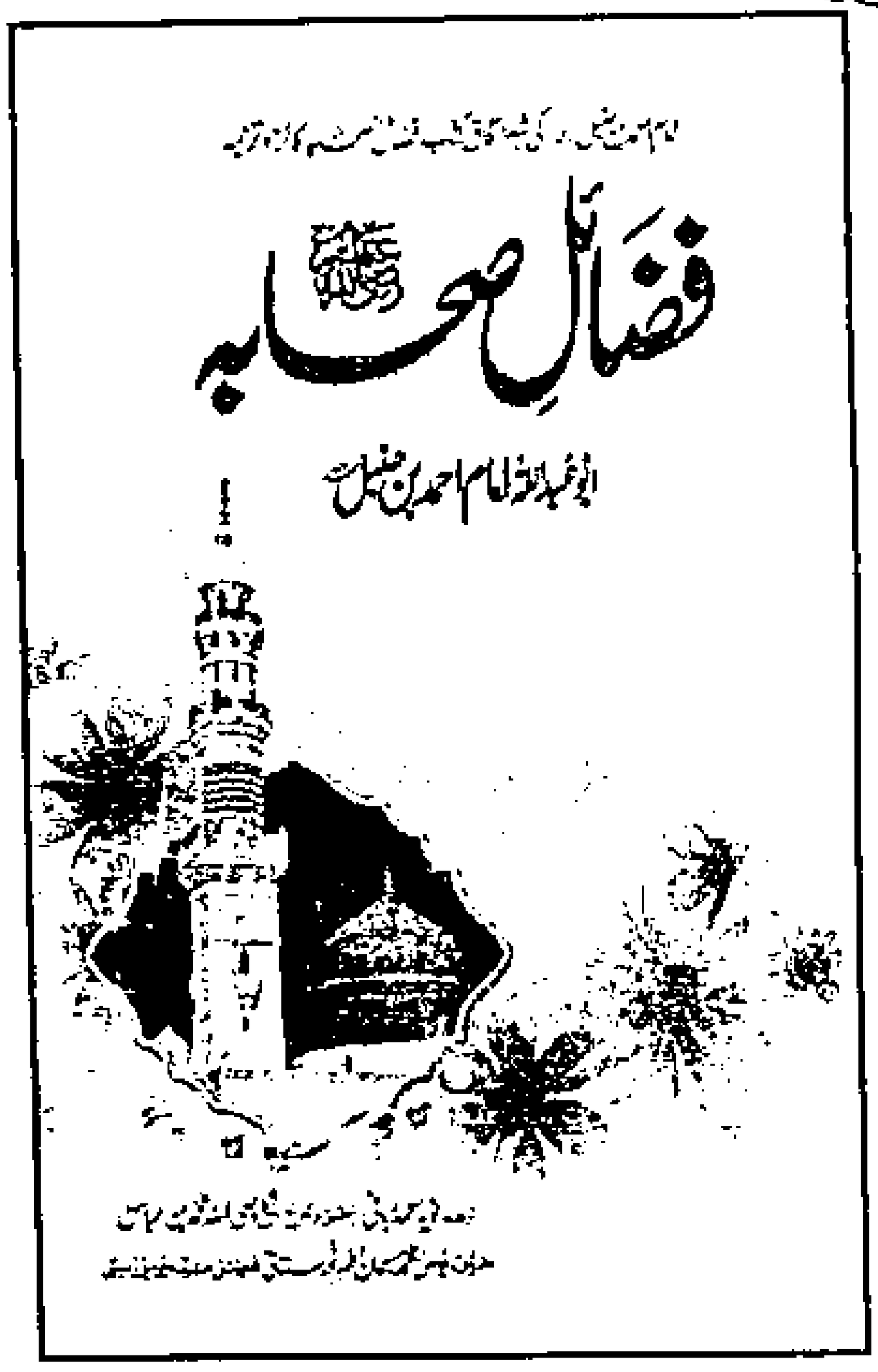

سوانح حیات سیریز

فیصلے سیریز

Marfat.com